(ISSN # 1814-9030)

تخلیقی ادب

Scanned by CamScanner

تخلیقی ادب

شمارہ ـ چار

(ISSN # 1814-9030)

مدیر اعلیٰ

بریگیڈیئر (ر) ڈاکٹر عزیز احمد خان

ریکٹر

مجلس ادارت

ڈاکٹر رشید امجد

عابد سیال

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

numl_urdu@yahoo.com

Scanned by CamScanner

[illegible]

[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]

[illegible]

[illegible]	[illegible] (ISSN # 1814-0030)
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	numl_urdu@yahoo.com

[illegible]

Scanned by CamScanner

ترتیب

اداریہ	بریگیڈیئر (ر) ڈاکٹر وحید احمد خان	11

*** تحقیق و تنقید ***

□

حالی کا اسلوبِ نثر — مقدمہ کے حوالے سے	ڈاکٹر حامدی کاشمیری	15
پریم چند کی ترقی پسندی اور "کفن"	ڈاکٹر عقیل احمد	28
مرزا یگانہ غزل کا جدید شاعر — ایک جائزہ	ڈاکٹر اسلم پرویز درانی	47
آج کی غزل میں انسانی رشتوں کی شکست	ڈاکٹر سید محمد عقیل	55
فراق اور مجروح کی عشقیہ شاعری کے اہم عناصر	ڈاکٹر پروین شاہین	68
کلامِ اقبال میں حضرت مرزا کی کارفرمائی	مولانا ابوالحسن ندوی	79
اردو ناول میں تصورِ وقت	تحسین زہرا	90
جدید ادب میں پاکستانیت کا شعور	ڈاکٹر پروین شبانہ	103
اردو شعر میں شخصیت کا تصور	ڈاکٹر اختر محمود چودھری	128
روایتی اور جدید افسانے کی تکنیک کا تقابلی جائزہ	ڈاکٹر فوزیہ اسلم	134
تمثیل نگاری — ایک خیال	مسرت علیم	148
اردو افسانے پر حقیقت نگاری کے اثرات	ذکیہ بیگ	155
مثنویاتِ میر — ایک تحقیق طلب مسئلہ	عبدالستار	167

□

انگریزی ادب اور پاکستانی طالب علم	بریگیڈیئر (ر) ڈاکٹر وحید احمد خان	181
پاکستان اور یورپ کے نو سامراج	ڈاکٹر قاسم کاشمیری	197
چارلس ڈکنز	ادیب سہیل	221
[illegible] — ایک مطالعہ	ڈاکٹر غلام شمس الرحمٰن	232
پاکستانی معاشرے کی پکار	احمد سہیل	241

خودی کی وجودیاتی جہات	ڈاکٹر [illegible] ملک	258
علامہ اقبال معتقد مولانا رومی	ڈاکٹر محمد سرفراز ظفر	266
علامہ اقبال کا غیر مطبوعہ خط	ہاشم شبیر خان	274
[illegible]	غلام ربانی [illegible]	284
[illegible] "مشکلات [illegible]"	[illegible]	297
بشیر حسن خان کا تحقیقی طریقہ کار	ڈاکٹر میاں مشتاق احمد	311
[illegible]	ڈاکٹر ضیاء الحسن	320
[illegible]	ڈاکٹر [illegible] عامر	333
رحمان مذنب کا اسلوب	ڈاکٹر ضیاء الحسن	360
"[illegible]" — ایک مطالعہ	ڈاکٹر [illegible]	367
صبا اکبرآبادی کے مرثیے "شباب" کا تجزیاتی مطالعہ	ناصر عباس [illegible]	383
شورش کاشمیری ـ انقلابی اور مزاحمتی شاعر	ڈاکٹر آصف [illegible]	391
[illegible] میں ڈاکٹر وزیر آغا کا حصہ	طارق حبیب	406
[illegible]	محمد عاصم	426
[illegible] کا تصور مشرق: تقابلی مطالعہ	شفیق انجم	441
[illegible]	[illegible]	451
[illegible]	[illegible]	467
[illegible] جہات	[illegible]	483
"[illegible]"	ڈاکٹر [illegible] اللہ	492
"[illegible]": [illegible]	ڈاکٹر [illegible] خان	497

انور سجاد کی کہانیاں	ڈاکٹر تسنیم کاشمیری	505
اردو زبان کے حوالے سے تین اہم کتابیں	ڈاکٹر عبدالکریم خالد	515
"نام میں کیا رکھا ہے"	جمیل آذر	526
سجاد شیخ کا ترجمہ	سجاد حیدر ملک	532
"ایک ماہر آثار کا خواب"	ڈاکٹر تسنیم کاشمیری	539
فیض کی شاعری اور ہمارا عصری ذہن	محمد حمید شاہد	541
سید ضمیر جعفری۔ سرحد میں اردو ادب کا محسن	تحریر: قاسم شاہد	548
ناول "مکتوب" کا تنقیدی جائزہ	حافظ قسیم اظہر	556

☐

حقوق العباد	ڈاکٹر ضیاء الحق	568
ریختہ گوئی۔ ایک تعارف	ڈاکٹر سید جاوید	585
قرآنی محاورات اور اردو زبان	اسامہ مقیم	599
اسلام کا تصور شاعری	محمد عرفان اللہ	607

*** تخلیقات ***

☐

وطن کی حرمت کا پاسبان ہواؤں کی ضرورت ہے	شاہد کوثری	623
دل نے یوں ہی ... سے ... پایا ہے	سید ظفر ...	624

☐

میری روشنی	وزیر آغا	625
کاغذ	وزیر آغا	626
زمین ...	ادیب سہیل	627
عکس روشنی (ساہیوال)	شمیم ...	628

Scanned by CamScanner

دعا	حامدی کاشمیری	630
تیرہ دن بازی	حامدی کاشمیری	631
طلوع	سعادت سعید	632
مارکیٹ اکانومی	جلیل عالی	635
تین	علی محمد فرشی	636
واقعہ ۸ اکتوبر ۲۰۰۵ء	ڈاکٹر نذیر تبسم	638
آنے والوں کے لیے ایک نظم	زاہد منیر عامر	639
تہی دامنی	احمد صغیر صدیقی	641
محبت	آفتاب ثاقب	642
قصہ آدمی	سرفراز اظہر	644
بے نشان	حمیدہ شاہین	646
مجھے اب تمہاری ضرورت پڑ گئی ہے	قاسم یعقوب	647
خود نوشت لکھ رہا ہوں	خلیق الرحمٰن	648
واسطے	تحسین زہرا	649
زوال عشق	ہلال نقوی	650
ذات کا سفر	نادیہ شاہ	651
زندگی رات سے معذرت	نسرین انجم	652
ورق	محمد ساجد نقاش	653
تمہاری یاد کے ہمراہ	ڈاکٹر گلناز بیگم	654
فرق	زاہد امداد	656
خموشی کی بولی	ستیہ پال آنند	657
اکیلا چاند	صفدر صدیق	658
نظم	ساجد بخاری	659
ادراک کامل	فیروز راشد شاہ	660

Scanned by CamScanner

[illegible] (Il castoro)	تبسم کاشمیری	661
[illegible]	تبسم کاشمیری	663
سیل	نصیر احمد ناصر	665
[illegible]	نصیر احمد ناصر	667
[illegible]	تحسین فراقی	668
[illegible]	بشریٰ اعجاز	670
[illegible]	منشا یاد	673
[illegible]	مسیح آہوجا	688
[illegible]	احمد جاوید	707
[illegible]	انور زاہدی	721
[illegible]	آغا گل	736
[illegible]	حمید قیصر	739
[illegible]	سلیم آغا قزلباش	745
[illegible]	بیگ احساس	756
[illegible]	شعیب خالق	766
[illegible]	طاہر نقوی	776
[illegible]	انور نسیم	780
[illegible]	خالد فتح محمد	784
[illegible]	[illegible]	791
لفظوں کا عذاب	نادیہ شاہد	795
گرداب	لیاقت علی	799
[illegible]	شفیق انجم	808

Scanned by CamScanner

قولِ فیصل — [illegible] — [illegible]
[illegible] — [illegible] — [illegible]
[illegible] — [illegible] — [illegible]

□

[illegible] — [illegible] — [illegible]
[illegible] — [illegible] — [illegible]
[illegible] — [illegible] — [illegible]
[illegible] — [illegible] — [illegible]
[illegible] — [illegible] — [illegible]
[illegible] — [illegible] — [illegible]

□

[illegible] — [illegible] — 856
[illegible] — [illegible] — 858
[illegible] — [illegible] — 859
[illegible] — [illegible] — 860
[illegible] — [illegible] — 861
[illegible] — آفتاب حسین — 862
[illegible] — آفتاب حسین — 863
[illegible] — ڈاکٹر محمد سرفراز ظفر — 864
[illegible] — ڈاکٹر [illegible] — 865
[illegible] — غالب عرفان — 866
[illegible] — صفدر سلیم سیال — 867
[illegible] — [illegible] — 868
[illegible] — [illegible] — 869
[illegible] — [illegible] — 870

[illegible]	[illegible]	871
[illegible]	[illegible]	872
[illegible]	[illegible]	873
[illegible]	[illegible]	874
[illegible]	[illegible]	875
[illegible]	[illegible]	876
[illegible]	[illegible]	877
[illegible]	[illegible]	878
[illegible]	[illegible]	879
[illegible]	[illegible]	880
[illegible]	[illegible]	881
[illegible]	[illegible]	882
[illegible]	[illegible]	883
[illegible]	[illegible]	884
[illegible]	[illegible]	885
[illegible]	[illegible]	886

□

[illegible]	[illegible]	887
[illegible]	[illegible]	891
[illegible]	[illegible]	912

□

[illegible]	[illegible]	914
[illegible]	[illegible]	916
[illegible]	[illegible]	917
[illegible]	[illegible]	918

Scanned by CamScanner

پھر سے وہی دھندلکوں نے اجالا سا کیا ہے	جلیل عالی	919
دیکھنا ہو تو نگاہوں سے ہیں بہت	نصیر احمد ناصر	920
نظر میں رنگ اتارا کہ خواب سا ل پہلے کل	احمد صغیر صدیقی	922
ذرا میں شیشے سے نازک ہوں نہ پتھر آدمی ہوں	ڈاکٹر نذیر تبسم	923
کیا ضروری ہے کوئی شعر سناؤں تازہ	مظفر نقوی	924
ہمیں آپ سے ہے محبت بہت	محبوب ظفر	925
ذرا دیکھو اور مشکل راستے دو کھول کر	ضیاء الحسن	926
حاصل انکشافات ہیں ہم لوگ	اخلاق عاطف	927
زندگی سے گزر جاتے جائیں گے	اسلم حجاب ہاشمی	928
وہ جو خواہش تھی کبھی دور بیٹھ کے لیے	قاضی حبیب الرحمٰن	929
کسی ستارے کی روشنی کے	جاوید کمال	930
جب سے وہ شخص میری یادوں کے باب میں ہے	سعید احمد	931
کاش اب کے بھی ملاقات میں وحشت پڑ جائے	رانا سعید دوشی	932
دیکھو یہ بھی کہیں ملاقات نہ ہو	اختر رضا سلیمی	933
شرط ہے کہ کوئی ہو جائے گا	علی یاسر	934
کسی پہ کھلتے ہیں دروازے	وجیہ الحسنین اقبال	935
کچھ دل سے صدا آتی ہے جب بھی تیری	محمد افضال بٹ	936
پہلے بھی آرزو سے جو مری نظر سے	خواجہ عمران الحق عمران	937
وحشت سے جل رہے کبھی کیا ہوا	سید عاطف کاظمی	938
لوگ کہتے ہیں ہمارے شہر میں ملانے کے	آصف نواز	939
جو کوئی روز محبت کو بیان کرتا ہے	جاوید حسین	940
جب اپنا دوست مگر ہوتا	ڈاکٹر اقبال دانش	941
بچھڑ کے اس سے عجب کیسے ہو گیا جائے	ادا ملک	942

اداریہ

بچہ ماں کے پیٹ سے مکمل بچے تک بچہ جس عمل سے گزرتا ہے اس کے بارے میں ایک ماہر ولادت خاص حد تک واقف ہوتا ہے لیکن وہ اس کرب کا اندازہ نہیں لگا سکتا جس سے اس عمل کے دوران بچہ گزرتا ہے۔ اسی طرح خیال لفظوں کا لباس پہننے کے لیے جس تخلیقی عمل سے دوچار ہوتا ہے اس کے بارے میں مختلف مراحل کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے لیکن تخلیق کار کے کرب اور اس مسرت کو واضح نہیں بیان کیا جا سکتا جو ایک مرد تخلیق کے وجود میں آنے پر حاصل ہوتی ہے۔ یہی کیفیت ایک ماں کی بھی ہے۔ رحم مادر میں بچے کی نشوونما کے مختلف مراحل وہیں سائنس تو بے شک واضح کر سکتی ہے لیکن ایک ماں اس دوران جن خوابوں، تصوروں اور آدرشوں سے گزرتی ہوتی ہے اسے کوئی سائنس واضح نہیں کر سکتی۔

ادبی تخلیق بھی کسی خیال یا تصور کے جنم لینے سے عبارت ہے لیکن ادب کا تعلق چونکہ سماج اور اس کے خالق انسان سے ہے اس لیے لاشعور کے ساتھ ساتھ اس میں کچھ شعوری مراحل بھی شامل ہیں جن میں سب سے اہم نقطۂ نظر یا فلسفۂ حیات ہے۔ نظریہ سازی ہر بڑی تخلیق کے پس پشت موجود ہوتی ہے لیکن محض نظریہ سازی کی بنیاد پر بڑا ادب وجود میں نہیں آتا۔ اس کی ایک مثال سرسید کی اس تشبیہ سے دی جا سکتی ہے کہ خوشبو کے چند قطرے شخصیت کو نکھار دیتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص پوری شیشی ہی اپنے پر الٹ دے تو یہی خوشبو ایک ناگوار بو کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ نظریۂ حیات، نقطۂ نظر اور دیگر فلسفہ ہائے زندگی بڑے ادب میں خوشبو کے چند قطروں کی طرح ہوتے ہیں۔ لینن نے گورکی کی 'ماں' کے حوالے سے اس سلسلے میں جو بات کی ہے اسے ہر نظریہ ساز کو غور سے سمجھنا چاہیے۔ اس نے کہا تھا کہ دنیا کا ہر بڑا ادب پروپیگنڈہ ہوتا ہے لیکن ہر پروپیگنڈہ ادب نہیں ہوتا۔ لیکن یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ ہر دور کے کچھ تقاضے بھی ہوتے ہیں۔ نذیر احمد کے ناولوں کو آج کے فنی حوالوں سے جتنا بھی مقصدی کہا جائے وہ اپنے زمانے کی ضرورتوں کی پیداوار ہیں۔ اسی طرح

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

ادبی اصطلاح میں اور تنقیدی بحثیں اپنی جگہ لیکن تخلیقی عمل ایک الگ سلسلہ ہے جو اپنے عہد سے جڑا بھی ہوتا ہے اور اپنے ادب سے ماورا بھی۔ ہر بڑا ادیب اپنے زمانے میں جدید اور پھر کلاسیک کا حصہ بن جاتا ہے۔ یہی اس کا دوام اور اپنے عہد سے وابستگی ہے۔

☆

'تخلیقی ادب' کا چوتھا شمارہ پیشِ خدمت ہے۔ اس کا حسن لکھنے والوں کی کرم فرمائی کا مرہونِ منت ہے۔ ہماری کوشش ہے کہ یہ جریدہ تخلیقی ادب کے ساتھ ساتھ تحقیقی و تنقیدی معیارات بھی قائم رکھے۔ زیرِ نظر شمارے میں بھی اس توازن کو برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے اور شمارے کا ایک بڑا حصہ تحقیقی و تنقیدی کاوشوں پر مشتمل ہے۔

بریگیڈیئر (ر) ڈاکٹر عزیز احمد خان

مدیرِ اعلیٰ

Scanned by CamScanner

ڈاکٹر حامدی کاشمیری

حالی کا اسلوبِ نثر
(مقدمے کے حوالے سے)

In a study of the development of Urdu Prose Hali's work carries a certain value and importance. His style is more pronounced in his *Muqaddama-e-Sher-o-Shairi*. It carries a strong indication to the prose writers of his followers who wanted to work in the field of criticism. While quite a lot of work has been done on biography and writing of sketches not much attention has been spared for the *Muqaddama* and its prose style. Here is an effort to compensate for the deficit.

اردو نثر کے تدریجی ارتقاء کے پس منظر میں حالی کی اسلوبِ نثر کی ادبی قدر و قیمت کی شناخت اور تعین کی جانب خاطر خواہ توجہ نہیں کی گئی ہے۔ مقدمہ شعر و شاعری اور ان کی دیگر نثری تصانیف کے ضمن میں سوانح عمریاں مشہور ہیں۔ یہاں تک متعدد مطالعے پیش کیے گئے ہیں۔ تاہم ان میں بحیثیت مجموعی ان کی تنقیدات یا سوانح نگاری کی حیثیت سے بحث کی گئی ہے۔ ان مطالعات کی اپنی اہمیت ہے تاہم حالی کی نثر نگاری کے تجزیاتی و تنقیدی مطالعے سے عدم توجہی ان کے ساتھ انصاف نہ کرنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ یہ وہ ان کی انفرادیت کی قوت جو ان کی شخصیت کی قوت ہے اور جو حالی شناسی کے ضمن میں ایک بنیادی کام کرتی

Scanned by CamScanner

ہے کہ ان پر شبہ واثق ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوا ہے کہ ان کی طرزِ نگارش کی خصوصیات کو بالعموم دو چار فقروں میں سمیٹا گیا ہے۔ سید عبداللہ نے البتہ حالی کے طرزِ تحریر کے بعض خواص کا ذکر کیا ہے۔ "سرسید اور ان کے رفقا" میں انھوں نے "حالی کی نثر کو سادہ عمدہ مختلف نثر کا بہترین نمونہ" قرار دیا ہے۔ سید عبداللہ کے علاوہ تقریباً ہر اس نقاد نے جس نے حالی پر قلم اٹھایا ہے، حالی کی نثر کی سادگی اور بے تکلفی کا ذکر کیا ہے یا سید عبداللہ ہی کی طرح حالی کی شخصیت اور اعتدال کو ان کی نثر نگاری کے اوصاف میں شمار کیا ہے۔ وارث علوی نے حالی پر پوری کتاب "مقدمہ حالی اور ہم" لکھ کر زیادہ سے زیادہ حالی کی نثر کے اسلوب کے حسن اور اس کی لطافت۔ اس کی نرمی اور ملائمت اور اس کی سادگی" کی بات کی ہے۔

ضرورت ہے حالی کی نثر نگاری کے بھرپور تجزیے اور اس کی تحسین قدر کا کام ابھی تک تشنہ ہے۔ اس مختصر سے مقالے میں میری یہ کوشش ہوگی کہ حالی کے نثری اسلوب کے خواص کا تجزیہ ایک نئے نظر سے کیا جائے کہ اس کی ادبی اور تاریخی اہمیت اجاگر ہو سکے۔ اس ضمن میں یہ دیکھنا مناسب ہوگا کہ خود حالی کے نزدیک نثری اسلوب کا کیا تصور تھا، اور پھر یہ بھی دیکھا جائے کہ انھوں نے اپنے تصور کو کس حد تک عملی شکل دی ہے۔ جس عہد میں حالی نے نثر نگاری کی جانب توجہ کی، وہ عہد سیاسی، سماجی اور تہذیبی اعتبار سے غیر معمولی تبدیلیوں سے عبارت تھا۔ حالی کی دیکھتی آنکھوں ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ انقلاب برپا ہوا جس کے نتیجے میں صدیوں کی مغلیہ تہذیب اور اقتدار کا شیرازہ بکھر گیا اور ملک پر انگریز مسلط ہو گئے۔ انگریزوں نے اپنی بنیادوں کو مستحکم کرنے کے لیے اپنے ملک کی زبان، تعلیم اور ثقافت کو ملک کے طول و عرض میں متعارف کروانے کا بیڑا اٹھایا، یہاں تک کہ یہ دور مغربی تہذیب و فکر کے دور رس اثرات کے تحت لوگوں کے طرزِ فکر، رہن سہن، آدابِ زندگی اور ادبی نظریات میں گہری تبدیلیوں کا دور بن گیا۔ اس دور انقلاب میں سرسید جیسا بیدار

طرزِ معاشرت، خیال اور اعمال میں جو تغیر پیدا ہوا، اس نے قدیم ادب اور فن کی قدروں کو ماضی پرستی
کے روپ سے وسیع تر ہونے اور نئے سائنسی تقاضوں کو ایک نئی ترتیب و تنظیم دی۔
سرسید اور روایت پرست حلقوں کی مخالفتوں کے باوجود اپنے مقاصد میں سائنسی برکات
سے مستفیض ہونے کے لیے لوگوں کو ہم خیال بنانے میں کامیاب ہوئے۔ ان کی موثر اور
عہد آفریں شخصیت سے حالی بھی متاثر ہوئے۔ انہوں نے حالی کی ادبیات سے نئی روش ادب
میں روایتی اور افکار پر نظریات کی ہے "مقدمہ شعر و شاعری" لکھا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ
اردو زبان اور شعر و ادب کو اپنی بقا اور ترقی کے لیے زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ
ہونا ضروری ہے۔ اسی نقطہ نظر سے انہوں نے مقدمہ لکھا اور ادبی نثر سے معنوی اور لسانی
امکانات اور حد بندیوں کی توضیح کی۔ اسی نقطہ نظر کا اثر ہے کہ انہوں نے اپنے خیالات
و نظریات کے موثر اظہار کے لیے نثر میں ایک ایسا طرز نگارش اختیار کیا جو ادبی وقعت
سے آشنا کرانے اور اردو نثر میں اسے ایک مستقل حیثیت دلانے کا وسیلہ بن گیا اور یہ
وہ کام ہے جو حالی ہی سے ممکن ہو سکا اور اس کے بعد سے ترقی ملی۔ اس سے پہلے اردو نثری
اسالیب کی روایت نہ ہونے کے برابر تھی۔ دکن میں وجہی کی سب رس کے بعد شمالی
ہندوستان میں "کربل کتھا"، "نو طرز مرصع" اور "فسانۂ عجائب" جیسی داستانوں کی نثر مقفیٰ
و مسجع و منقش تھی۔ یہ تحریر و تنقید کی وضاحت اور تفہیم سے عاری ہے اور اسی نقص کے ساتھ
ہی ماضی کا حصہ بن گئی۔ تاہم فورٹ ولیم کالج کے زیر اہتمام نثر نگاری کی جو روایت میر
امن نے "باغ و بہار" میں اور پھر مرزا غالب نے خطوط کی صورت میں "عود ہندی"
اور "اردوئے معلی" میں قائم کی وہ اردو زبان کی فطری اظہار کے امکانات کی نشاندہی
کرتی ہے۔ "باغ و بہار" کے اسلوب میں روزمرہ اور محاورہ کی چاشنی ہے اور یہ بول چال
کی عام زبان سے بہت قریب ہے۔ غالب نے مراسلہ نگاری کو لفاظی، تکلف اور
تصنع سے پاک کر کے اپنے طرز تحریر کو بات چیت کی بے ساختگی عطا کی اور اس میں

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

شخصیت سے قطعی طور پر تعلق رکھتا ہے۔ اصل میں کوئی ادیب اپنی داخلی

باطنی شخصیت سے الگ نہیں کر سکتا ہے۔ ایسے میں وہ اپنی شخصیت کا اظہار اور

قلب کی کیفیت کرتا ہے۔ جو شخص ادبی امور اور اشکال کے بیان میں لگا ہوا ہے حالی کی

میں ان کی شخصیت کو غالب نہیں بلکہ شخصیت کے ان پہلوؤں پر اپنی نظر کو مرکوز

پر نظر ڈالتے ہوئے کہیں جو پایا ہے اس کو پیش کیا ہے۔ وہ خود شاعر اور ادب و تنقید سے

عوام سے گریز کرتے ہیں اور اس کے مقاصد اور اصول بیان کیا ہے۔ وہ اس میں دخل اور

اعتدال کا خاص خیال رکھتا ہے اور اس کے معیار کی پابندی کرتا ہے۔ تاہم ان کا

بیان محض شخصی یا محض جذباتی نہیں۔ وہ اپنے دلائل اور قواعد و ضوابط کو مختصر

اور وضاحت کے ساتھ پیش کرتے ہوئے اصول کی پابندی اور ان سے

متعلق رہتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ وہ ذاتی خیالات اور تجربات کے اظہار میں

کی گہرائی کو نہیں چھوڑتے اور اس کے علاوہ وہ قواعد اور منطق کا لحاظ رکھتے ہیں

مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی تحریریں جذبات سے عاری ہیں۔ ان کے بیان میں

کی دلچسپی اور وضاحت کے ساتھ ساتھ جوش، تخیل اور اعتدال ہے جو ان کی شخصیت

کے مختلف پہلوؤں کو ظاہر کرتے ہیں۔ مثلاً

"ہمارے ملک میں فی زمانہ شاعری کے لیے صرف ایک شرط لازمی

موزوں طبع ہونا رہ گیا ہے۔ جو شخص چند بحروں کی ساری اصطلاحات جان

میں کلام موزوں کر سکتا ہے گویا اس کے شاعر بننے کے لیے کوئی

حالت منتظر نہیں رہتی۔ معمولی مضامین، معمولی تشبیہوں اور استعاروں

کو کسی قدر ردو بدل کے ساتھ اس کے لیے موجود ہی ہے۔ جن کو قدیم زمانوں

سے لوگ برابر باندھتے چلے آتے ہیں اور اتفاق سے وہ موزوں طبع بھی

ہیں۔ اب اس کے لیے اور کیا چاہیے۔"

شعر کو فنی اور خاص کر دینا چاہا کہ شعرائے عجم نے اس کو نہایت
عمدہ قیدوں سے جکڑ بند کر دیا ہے اور جو اس پر ایک اضافہ باقی
رہ گیا تھا وہ اس نے قوافی ادا کرنے سے پابند کیا ہے۔"
"بڑی خرابی یہ ہے کہ شعر کو زیادہ خوشنما بنانے کے لیے اس میں ایک اور
بڑی خرابی یہ ہے کہ شعر کی اصلیت باقی نہ رہے۔ وجہ اس کی یہ ہے
کہ شعر کو زیادہ خوشنما بنانے کے لیے اس کی اصلیت بھی جاتی
رہی ہے تو اس کی جگہ تخیل بھی آ جاتا ہے اور یہ دونوں فوت
ہو جاتی ہیں۔"
"سمندر میں رہتی ہے، جنگلے میں حاصل کی جاتی ہے، رقص کرتی ہے،
گرتے اڑتی ہے، سر اٹھاتی ہے، خون بہاتی ہے، جو رنگ کو دیتی ہے،
اس کی ماں، تیزی بھی اور حقیقت بھی۔ اب وہ کسی جال لگا کر
چڑیاں پکڑتا ہے، کبھی اس کو تیر مار کر گراتا ہے، کبھی ان کو زندہ
حلقے میں بند کرتا ہے، کبھی ان کے پر نوچتا ہے، کبھی ان کو ذبح
کرتے زمین پر تڑپاتا ہے   سارے چڑیاں مار اس کے آگے کمان
کھڑے ہیں۔"
"آج کل دنیا کا حال صاف اس درخت کا سا نظر آتا ہے جس میں
دو دن کا وقت، بہت سی تیں اور پھول پتیاں بکھری چلی جاتی ہیں۔"
حالی کے یہاں نثر کا اپنا مخصوص آہنگ ہے، جو آہستگی، شائستگی اور تشکیل کا انداز
رکھتا ہے۔ نثر نے اس آہنگ میں آ کر وہ ہمواری کی شکل لی ہے، جو خاموشی میں اپنے وجود کا
احساس دلاتی ہے۔ اس کی آہستگی حسب ضرورت تیزی میں بھی بدل جاتی ہے اور موضوع کا
ساتھ دیتی ہے۔ مجموعی طور پر حالی کا طرز تحریر جذبے کی حرارت سے زیادہ ذہن کی روشنی کا

سوال کرتا ہے اور حقیقی شعر کو وجود و قائم رکھتا ہے۔

حالی کا مقدمہ اردو ادب اور تنقید میں ایک خصوصیت اور اہتمام عطا کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ پہلی بار قدیم ادب اور معاصر شعری رویوں کا محاکمہ کرتے ہوئے تعصب، جانب داری یا جذبات کے شکار نہیں ہوتے بلکہ غیر جانب داری، معروضیت اور صداقت داری سے کام لیتے ہوئے قدیم نظریات کو مسترد کرتے ہیں اور نئے نئے نکتے پیدا کر کے لاتے ہیں۔

اردو تنقید پر ان کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انھوں نے تنقید کو شعریت، جذباتیت، رومانیت اور داخلیت کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے سے روکا۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کے بعد ان کی قائم کردہ روایت کے باوجود کئی نقادوں نے پھر سے شعریت کی جانب رجوع کیا اور کئی اہل قلم اور تنقید نویسوں نے کسی طرح تخلیقی تنقید کے نام پر تنقید کو فروغ دیا جو حالی سے مطلوب نہ تھا۔

حالی خیال آرائی کے قائل ہیں وہ ہر مطالعہ کی بنیاد ان خیالات پر رکھتے ہیں خیالات کو قبول کرتا ہے یا مسترد کرتا ہے۔ ان کا قول یہ ہے کہ انھوں نے اپنے خیالات کی وسعت اور سنجیدگی کے مطابق اپنے بیان کو وسعت دی۔ مقدمہ کے کسی حصے کا مطالعہ کیجیے تو حالی کے وسعت پذیر خیالات کا impact محسوس ہوتا ہے۔ انھوں نے خیالات کی وسعت کے مطابق جملوں کی ساخت کو روا رکھا ہے۔ جہاں خیالات پھیلے ہوئے ہیں وہاں جملے بھی طویل اور مرکب ہیں اور جہاں یہ صورت نہیں وہاں اختصار ہے اور جملہ دو یا تین الفاظ پر قائم رہتا ہے۔

حالی نے اردو زبان کی اہمیت کو بڑھانے کے لیے جدید لسانی نظریہ سے کام لیا جس کی رو سے زبان ایک متحرک اور ارتقاء پذیر قوت ہے جو مؤثر ترسیل کے لیے نئے الفاظ گھڑنے یا دیگر زبانوں کے الفاظ قبول کرنے میں عار محسوس نہیں کرتی۔ انھیں عربی اور فارسی میں خاص دستگاہ تھی اور جہاں تک اردو زبان کا تعلق ہے وہ اس کی ماہیت

Scanned by CamScanner

بڑی عمدہ اور پر معنی نظر رکھتے تھے، وہ اپنے عصر میں انگریزی زبان کے عمل دخل سے بھی
واقف تھے۔ انھوں نے خود وضاحت کی ہے کہ ان کے لیے ایک ایسی مرکب زبان کو بنانا جو ہندی
اور ہندو کے الفاظ اور نحوی ساخت کے ساتھ ساتھ فارسی اور عربی کے الفاظ، نیز انگریزی
کے الفاظ سے تشکیل پاتی ہے۔ اس طرح سے وہ زبان کے ارتقا میں کسی تہذیب، تعصب
یا تنگ نظری سے الگ رہے۔ ان کے نزدیک اردو زبان کی بنیاد جیسا کہ معلوم ہے ہندی
اور ہندوستانی پر رکھی گئی ہے۔ اسکے تمام افعال اور تمام حروف اور غالب حصہ اسماء کا ہندی سے
ماخوذ ہے اور اردو شاعری کی بنا فارسی شاعری پر جو عربی شاعری سے مستفاد ہے، قائم ہوئی
ہے نیز اردو زبان کا بہت بڑا حصہ اسماء کے عربی اور فارسی سے ماخوذ ہے۔"

زبان کے اس پہلو تصور کی عملی صورت مقدمہ کے علاوہ ان کی سوانح عمریوں میں بھی
ملتی ہے جس میں انھوں نے فارسی، عربی اور ہندی کے الفاظ مثلاً تخم، جوہر، رنگ، دستار، منگنی، بیگانہ
جیسے الفاظ کے ساتھ ساتھ انگریزی کے کئی رائج الوقت الفاظ جیسے
ٹریجڈی، سین، ہسٹری، کلاس، کیٹیگری، سلیپ، سٹیپ، فلم، پمفلٹ، ڈکشنری،
[illegible] بے تکلفی سے استعمال کیے ہیں۔

حالی نے مقدمہ میں کئی جگہوں پر زبان کی تشکیل میں روزمرہ، محاورہ، تشبیہ و
استعارہ کے ساتھ ساتھ صنائع و بدائع کے بارے میں اپنا خیال کیا ہے اور گہرے لسانی
شعور کا مظاہرہ کیا ہے۔ محاورہ اور روزمرہ کے برمحل استعمال اور ان کی لطافت خیزی کو وہ
شاعری کی [illegible] سے تعبیر کرتے ہیں، اور ان کے بیجا استعمال کا اعتراف کرتے
ہیں۔ [illegible] جیسے کوئی خوب صورت عضو [illegible] انسان میں اور روزمرہ
[illegible] جیسے تناسب اعضاء [illegible] انسان ہیں۔ چونکہ محاورہ اور روزمرہ کو عربی
[illegible] سب سے [illegible] اس لیے [illegible] صنائع و بدائع اور قافیہ
[illegible] کرنے میں [illegible] کے [illegible] قرار دیا ہے۔ [illegible]

Scanned by CamScanner

ہیں۔ صنائع و بدائع پر کلام کی بنیاد رکھنے سے اسلوب میں ... تصنع پیدا ہو جاتا ہے اور کلام میں اصلی اثر باقی نہیں رہتا۔

حالی نے اپنے تصور اسلوب کی کہیں باقاعدہ وضاحت نہیں کی ہے۔ تاہم وہ مختلف جگہوں پر انھوں نے اسلوب کی خصوصیت کے بارے میں کچھ نکات بیان کیے ہیں۔

۱۔ "جس مصنف کا مضمون جتنا زیادہ ... اسی قدر اس کی ذاتی خصوصیت زیادہ ہوتی ہے۔"

(ادبیات چہارم)

۲۔ "ہر مصنف پر اس کی طبیعت کے میلان کے مطابق ... کوئی خاص طرز بیان کا رنگ چڑھ جاتا ہے۔" (ادبیات چہارم)

۳۔ "جو لوگ تصنیف کے اسرار سے آگاہ ہیں وہ یہ جانتے ہیں کہ کلام میں لذت اور مقبولیت پیدا نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کے ایک ایک لفظ میں خون جگر کی چاشنی نہ ہو۔" (ادبیات سعدی)

اسلوب کو مصنف تصرف حاصل کرتا ہے ... اس پر (مصنف پر) کسی خاص طرز بیان کا رنگ چڑھ جاتا ہے اور (اسلوب) ایک ایک لفظ میں مصنف کے خون جگر کی چاشنی سے وجود میں آتا ہے کہ حالی طرز بیان کو مصنف کی شخصیت کا آئینہ سمجھتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ مصنف کو اپنے اسلوب کو شخصیت کا آئینہ بنانے کے لیے مستقل طور پر مشق و مزاولت سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ اس کی وضاحت حالی نے مقدمہ میں جگہ جگہ کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر سید عبداللہ نے حالی کے اسلوب کے "داخلی رنگ" کے بجائے اس کا "خارجی عنصر" قرار دیا ہے۔ سید عبداللہ نے یہ نتیجہ حالی کے بعض بیانات جن میں انھوں نے شاعری کو معمار کے عمل سے مشابہ کیا ہے اور سعدی کے اسلوب کی سلاست کو مسلسل مشق و محنت کا نتیجہ قرار دیا ہے سے اخذ کیا ہے اور ساتھ ہی حالی کے اسلوب کے بارے میں مندرجہ بالا بیانات کو بھی اپنی دلیل کو مستحکم بنانے کے لیے رد کیا ہے۔ جو درست

لیکن اسلوب کا مصنف پر تصرف حاصل کرنا، یا مصنف پر کسی خاص طرزِ بیان کا رنگ چڑھ جانا اور تصرف کے ایک ایک لفظ میں "مصنف کے ذہن کار کی چاشنی جیسے خیالات و اسلوب سے الگ "کتاب معنی" سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اسلوب کی داخلی شناخت ہے جو اس وضاحت کرتا ہے جس پر حالی کے کل نظریہ اسلوب کی بنیاد قائم ہے اور شاید انہوں نے مرتبہ سے "اسلوب کی سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ مطلب نگاری" کی بنیاد "نیچرل شاعری" سے موسوم کیا ہے اور اسے تحریر کی ذاتی قابلیت کے مترادف قرار دیا ہے جو "صحیح مقصد و ارادے کے قلم کو اس راہ پر ڈال دیتا ہے جس پر اس کو چلنا چاہیے۔" گویا حالی کے اسلوب کا "داخلی رنگ" اور "فطری پہلو" خود ان کی تحریر کا خاصہ ہے۔ اس بحث سے یہ نتیجہ مقصود نہیں کہ حالی اسلوب کی تشکیل میں "مشق و مزاولت" جو اس کا خارجی پہلو ہے کے منکر ہیں۔ وہ بار بار لفظوں میں صفائی اور گھلاوٹ کے لیے "مزاولت اور کاوش بہت" پر زور دیتے رہے۔

انہوں نے اسلوب کی خوبیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان کے نزدیک اسلوب بیان کی بنیادی خوبی سادگی ہے جو بقول ان کے "طبع سلیم کے اقتضا" سے مطابقت رکھتی ہے۔ وہ سعدی کے اسلوب تحریر میں سادگی کو ہی بڑا وصف قرار دیتے ہیں اور اسے "نئی اردو نثر کے کمال انشا پردازی کی ایک بہت بڑی دلیل" قرار دیتے ہیں۔ مقدمہ میں انہوں نے سادگی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "ہمارے نزدیک کلام کی سادگی کا معیار یہ ہونا چاہیے کہ خیال کیسا ہی بلند اور دقیق ہو مگر پیچیدہ اور ناہموار نہ ہو اور الفاظ جہاں تک ممکن ہو محاورہ اور روزمرہ کی بول چال کے قریب ہوں۔"

حالی نے تصورِ اسلوب کے ضمن میں بعض اہم ادبی مباحث مثلاً "لفظ و معنی" کا ربط، روایت اور جدت اور سادگی و تصنع کا احاطہ کیا ہے اور اپنے عہد کے ادبی لسانی شعور کے مطابق نتائج کا استخراج کیا ہے۔ اور مقدمہ میں جو اسلوب ملتا ہے وہ ان کے

Scanned by CamScanner

تصورات کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔

ان کے اسلوب کی بنیادی خصوصیت سادگی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ بعض مقامات پر وہ قدیم روایتی نثر کے زیر اثر فارسی دانی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور مشکل الفاظ استعمال کرتے ہیں مگر وہ بہت جلد بقول ان کے طبع سلیم کے اقتضا کے تحت سادہ نگاری کی جانب رجوع کرتے ہیں۔ مقدمہ کا آغاز اس کی مثال ہے۔

"حکیم مطلق نے اس ویرانہ آباد نما یعنی کارخانہ دنیا کی رونق اور انتظام کے لیے انسان کے مختلف گروہوں میں مختلف خواہشیں پیدا کی ہیں" کے فوراً بعد آنے والے فقروں کی سادگی ملاحظہ کیجیے۔

"انسان اپنی کوشش سے عالم کی پرورش کرتا ہے اور معمار کی کوشش سے لوگ سردی گرمی مینہ اور آندھی کی گزند سے بچتے ہیں۔"

ان کی سادگی سرسید کے اسلوب کی مانند "روکھی پھیکی اور خشک" نہیں، بلکہ شگفتگی، روانی اور قوت کی وجہ سے ادبی لطافت سے مملو ہے۔ یہ ادائے مطلب جسے وہ "مطلب نگاری" سے موسوم کرتے ہیں، کا حق ادا کرتی ہے۔ حالی "مطلب نگاری" میں مشکل الفاظ اور جملوں کی ترتیب و تہذیب میں خاص لچک اور آزادی سے کام لیتے ہیں اور زبان کا محکوم ہونے کے بجائے اس کے حاکم ہو جاتے ہیں۔ نتیجے میں ان کا نثری اسلوب جامعیت، وقار اور تاثیر حاصل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ کلیم الدین احمد بھی جو حالی کی بحیثیت نقاد زیادہ قائل نہیں، ان کی "بلند پایہ نثر" پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حالی کا بڑا کارنامہ ہے کہ انھوں نے نثر کو اپنایا، اس میں کوشش کی کہ جو کچھ لکھا ہو، وہ صرف مضمون کی ادا میں ہو، جو اپنے دل میں ہو وہی دوسروں کے دل میں جائے جو کہ دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے۔"

ڈاکٹر صغیر افراہیم

پریم چند کی نئی قرأت اور کفن

A fresh reading of great literature never fails to provide new pleasure and a new interpretation. Such is the great short story *Kafan* by Prem Chand, one of the early exponents of the Urdu short story. It can be placed among the masterpieces of world literature without any apprehension as it uncovers a number ruthless social attitudes and offers to fight them under trying circumstances. *Kafan* is thus examined with a fresh look at it.

پریم چند کو اردو کے افسانوی ادب میں ایک منفرد مقام ہے۔ ان کے بیشتر افسانوں کا محور دیہات ہے۔ وہ شاید پہلے ہندوستانی ادیب ہیں جنھوں نے شعوری طور پر کسانوں کے ادنیٰ دیہی زندگی کے مسائل لکھے اور سمجھانے کی کوشش کی اور اس لحاظ سے آزادی بھی کہ جن دیہی انسانوں میں رہ کر انھوں نے اپنے افسانوں کو جنم دیا پھر کسی دوسرے ادیب نے اس جانب اتنی بھرپور توجہ نہیں دی۔ یہ تسلیم کہ ہر زمانے کے اپنے مسائل ہوتے ہیں۔ پریم چند کے عہد کے دیہاتوں میں اور آج کے دیہاتوں میں نمایاں فرق آچکا ہے۔ مسائل اس وقت بھی تھے اور آج بھی ہیں مگر آج کی نوعیت اور تقاضے بدلے ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود موجودہ حالات میں پریم چند کی تخلیقات کی اہمیت برقرار

Scanned by CamScanner

ہے۔ جدید اردو افسانہ نگاری سب سے پہلے کی وجہ سے پریم چند کی بات کرتے ہیں تو پریم چند ہی اول اور آخر افسانہ نگار ہیں جنہوں نے ایک افسانہ نگار کی حیثیت سے ایک مکمل اور مثالی ادیب کے فرائض انجام دیے ہیں۔

پریم چند اردو کے پہلے بڑے افسانہ نگار ہیں۔ حقیقت نگاری اور دیہی زندگی کے مسائل کی عکاسی اردو افسانے میں انہی کے ہاتھوں ہوئی ہے۔ انہوں نے اردو ہندی میں تقریباً ۳۰۰ افسانے لکھے جو پریم پچیسی، پریم بتیسی وغیرہ کے نام سے شائع ہوئے ۱۹۰۸ ان کا پہلا افسانہ "دنیا کا سب سے انمول رتن" ہے اور آخری عمر کے افسانوں میں سب سے کامیاب تخلیق "کفن" ہے جو ان کا شاہکار افسانہ ہے۔ ڈاکٹر ... کی اس رائے سے اتفاق کے ساتھ

"پریم چند نے اردو میں مختصر افسانے کی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے اس کے تخلیقی اور فنی مزاج کو متعین کیا اور یہاں تک کہ "کفن" ایسے شاہکار کی حیثیت اختیار کی۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں ہندوستان کے دیہی معاشرے کے دیہاتی زندگی، اس کے گوناگوں مسائل اور ان سے وابستہ تجربوں کو پیش منظر بنا کر جو طرح ڈالی وہ اب ایک باقاعدہ روایت کی صورت اختیار کر چکی ہے۔"(۱)

"عشق دنیا و حب وطن" سے لے کر "کفن" تک ان کی ۲۸ سالہ ادبی مسافت میں افسانہ نگاری کی روایت کی مکمل تاریخ پوشیدہ ہے۔ اس حد تک مکمل کہ اردو افسانے کی تعمیر و تشکیل کی تمام اہم کڑیاں ہمیں پریم کے افسانے میں مل جاتی ہیں۔

ماہرین پریم چند پروفیسر قمر رئیس، پروفیسر جعفر رضا، پروفیسر محمد حسن وغیرہ "کفن" کو فکری اور فنی اعتبار سے اردو کی لازوال کہانی تسلیم کرتے ہیں۔ بلاشبہ "کفن" پریم چند کی شاہکار تخلیق ہے اور پروفیسر گوپی چند نارنگ کا یہ مشورہ نہایت درست ہے

کفن کے فنی کمال اور اس کی معنویت کو کھل کر ابھارنے کے لیے

Scanned by CamScanner

اسے تمثیلی طور پر نہیں بلکہ Irony کی سطح پر پڑھنے کی ضرورت ہے"
کیونکہ "پوری کہانی کی جان حالات کی وہ Irony (ستم ظریفی) ہے
جس نے انسان کو انسان نہیں رہنے دیا اور اسے Debase اور
Dehumanise کر دیا ہے۔"(۲)

پروفیسر آل احمد سرور کے الفاظ میں

"میں اسے اردو کی بہترین کہانیوں میں گنتا ہوں۔ اس میں ایک
لفظ بھی بے کار نہیں۔ ایک شخص بھی دھندلا نہیں۔ شروع سے آخر تک
چستی اور تلوار کی سی تیزی اور صفائی ہے۔"(۳)

شمس الرحمن فاروقی رقم طراز ہیں

"میں کفن کو بے تکلف دنیا کے افسانوں کے سامنے رکھ سکتا ہوں۔۔۔
یہ افسانہ اور بہت سے پہلوؤں کے علاوہ Black Humory کا
شاہکار نمونہ ہے اور اردو افسانے میں ایک نئے اسلوب کا آغاز کرتا
ہے۔"(۴)

پروفیسر ابوالکلام قاسمی اس بابت لکھتے ہیں:

"میرے نزدیک اس کہانی کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ یہی کہانی
اردو کی وہ کہانی ہے جس نے پریم چند کی روایت کو آج تک زندہ
رکھا اور آگے بڑھایا ہے۔ "کفن" ہی وہ کہانی ہے جو ۱۹۳۵ء سے
آج تک کے پچاس سال کے عرصے پر پھیلی ہوئی افسانہ نگاری کو
وہ بنیاد فراہم کرتی ہے جس سے پریم چند کے بعد کے افسانہ نگاروں
نے حقیقت نگاری کا سلیقہ سیکھا اور یہی افسانہ ترقی پسند افسانہ نگاری
کے لیے ایک اساس بن کر سامنے آیا۔"(۵)

Scanned by CamScanner

پریم چند کی یہ کہانی اس لیے پسند کی جاتی رہی ہے کہ اس میں آدرش نہیں،
رومانیت نہیں، جذباتیت نہیں، دکھاوا نہیں، دلاسا نہیں اور اگر محبت کہیں ہوئی بھی ہے تو کچھ اس
طرح کہ کہانی کی بنیاد غیر حقیقی، غیر انسانی ہے۔ دراصل پریم چند بھی تو واضح کرنا چاہتے
تھے کہ دیکھو مہذب سماج میں ایسا بھی ہوتا ہے جو نہیں ہونا چاہیے اور اسی لیے "کفن" کی
کہانی بظاہر روز مرہ کے واقعات سے دور لیکن اس کے حقائق سے بے حد قریب ہے۔ اس
کا مرکزی خیال وہ استحصال ہے جو صدیوں پرانی ذات برادری اور تقسیم قدیم ہندوستانی زرعی سماج
اور انگریزی حکومت کے نوآبادیاتی نظام میں گرد بیٹھے کے ساتھ روا رکھا گیا اور جس کے
نتیجہ میں ایسے لوگ وجود میں آئے جن کے افعال و اعمال سے گھن محسوس ہوتی، جن کی
ظاہری شکل و صورت، عادات و اطوار قابل نفرت معلوم ہوتے۔ گھیسو اور مادھو کے توسط
سے ہی، ماضی بعید میں جھانک کر دیکھیے تو ان جیسے ہزاروں لاکھوں رینگتے ہوئے افراد نظر
آئیں گے جو بدترین حالات کے شکار تھے۔ یہ مجبور لوگ غلاموں کی سی زندگی بسر کرتے
اور اچھوت یا شودر کہلاتے جن کے سائے سے بھی لوگ پرہیز کرتے۔ وہ نہ تو مندروں
تک جا سکتے اور نہ مدرسوں میں جا سکتے۔ تعلیم کا سوال تو ان کے لیے پیدا ہی نہیں
ہوتا۔ پینے کا پانی بھی ایک مسئلہ ہوتا۔ ہر بستی کے باہر ایک کنواں ان کے لیے مخصوص تھا۔
مالی اور سماجی ترقی کے تمام راستے ان کے لیے مسدود تھے۔ وہ وقت کی روانی کے ساتھ
میں اس کو بسر کرتے۔ گھر کے سارے افراد کی محنت پر پیٹ بھرتا تو تن ڈھانکنے کے لیے
کپڑے نہ ہوتے۔ دولت والوں کا جھوٹا انہیں کھانے کو ملتا۔ سالہا سال جانوروں کی طرح انہیں رہتے
اور ایسا ہو گیا کہ ان میں سے بچنے کے لیے تو زندہ رہنے کی جدوجہد کا جذبہ ہی ختم ہو گیا
اور یہ احساس پیدا ہو گیا کہ محنت کا حاصل کچھ نہیں تو پھر وہ محنت کس کے لیے کریں۔ اب
بے حسی میں ہی گزر کرنے والا تھا۔ اس پس منظر میں وہ طبقہ نفسیاتی گتھیوں کا شکار ہو گیا
جس کے نتیجہ میں نسلاً بعد نسل قدروں میں ایسے افراد ابھر کر سامنے آئے جن کو پریم چند

Scanned by CamScanner

نے اپنے افسانوں "خون سفید"، "معصوم بچہ"، "صرف ایک آواز"، "بہت سے دوسری قیمت" اور

گیہوں، گلی دیوار میں مزدوری کرنے والوں کی جگہ دے کر ان سے محبت

بھیانک طور پر یہ تصویر کشی کی ہے۔

اردو افسانے کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھنے والا افسانہ "کفن" تین حصوں پر مشتمل ہے۔ اس کا موضوع ہندوستان کا ایک دیہاتی گھرانہ ہے۔ جہاں زندگی مزدوروں اور کسانوں کی ہے۔ افسانہ کے پہلے حصے میں رات کا وقت ہے۔ ایک جھونپڑے سے بدھیا کی دل خراش چیخیں سنائی دیتی ہیں۔ باہر دروازے پر گھیسو اور مادھو بجھے ہوئے الاؤ کے گرد بیٹھے ہیں۔ رات کے سناٹے میں ان لوگوں کی زندگی غربت اور افلاس سے پر ہے۔ گھیسو، مادھو کا باپ اور بدھیا، مادھو کی جوان بیوی ہے۔ باپ بیٹے انتہائی درجے کے کاہل ہیں۔ اپنا پیٹ بھرنے کے لیے آلو، مٹر یا گنے وغیرہ کھیتوں سے چرا کر یا کسی کی مزدوری سے تھوڑی محنت کر کے اپنا کام چلاتے۔ محنت مزدوری سے گھر میں بدھیا کے آنے کے بعد دونوں اور بھی آرام طلب ہو جاتے ہیں۔ بدھیا ان سے مختلف ہے۔ وہ محنتی اور مخلص ہے۔ محنت مزدوری کر کے ان کا پیٹ بھرتی ہے لیکن ایک سال بعد جب وہ درد زہ سے پچھاڑیں کھاتی ہے اور ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا ہے۔ وہ اتنا بھی کہ اس کو دیکھ بھی گوارا نہیں کرتے ہیں۔ الاؤ کے نزدیک بیٹھے بیٹھے بھونے ہوئے گرم گرم آلو نکال نکال کر کھاتے، پانی پیتے اور وہیں پڑ کر سو جاتے ہیں۔ افسانہ کے دوسرے حصے میں رات بیت صبح میں داخل ہو کر زندگی، موت سے ہمکنار ہو کر سامنے آتی ہے۔ مادھو جا کر دیکھتا تو بدھیا کو مرا پاتا ہے۔ وہ بھاگ کر گھیسو کو خبر کرتا ہے۔ دونوں مل کر زور زور سے ہائے ہائے کرتے، چھاتی پیٹ کر روتے آتے اور "رسم قدیم کے مطابق" ان کی تشفی کرتے ہیں لیکن کفن اور لکڑی کی فکر انھیں زیادہ رونے دھونے سے باز رکھتی ہے۔ دونوں پہلے زمیندار کے پاس پہنچتے ہیں۔ زمیندار محنت کے سہارے دو ڈھائی روپے جمع کر پیش کرتے ہیں۔ صورت حال کی نزاکت دیکھ کر زمیندار دو

Scanned by CamScanner

وہ روپے اسے دیتا ہے۔ پھر دونوں دیہاتیوں کا حوالہ دے کر، دیگر آبادی سے بھی تھوڑا تھوڑا وصول کرتے ہیں۔ اس طرح "ایک گھنٹے میں" ان کے پاس "پانچ روپے کی معقول رقم جمع" ہو جاتی ہے۔ افسانہ کے تیسرے حصے میں دونوں کفن لینے بازار جاتے ہیں۔ گھومتے پھرتے شراب خانہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ وہاں وہ خوب پیتے ہیں اور لذیذ کھانوں سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔ سارا روپیہ اڑا دیتے ہیں۔ بدمست ہو کر ناچنے گانے لگتے ہیں اور مدہوش ہو جاتے ہیں۔

پریم چند حقیقی دنیا سے قلمی دنیا میں قدم رکھنے والا فنکار وہاں کی تصویری اور تصوراتی دنیا سے تو جلد ہی بیزار ہو جاتا ہے مگر حقیقی جز معنی سے بخوبی واقف ہو جاتا ہے۔ کفن کہانی میں وہ سب سے پہلے قاری کو خبر دیتا ہے۔ پھر ایک تصویر ابھارتے ہوئے خبردار کرتا ہے۔ رات کے سناٹے سے شروع ہو کر شام کی سیاہی میں جذب ہو جانے والی یہ کہانی، ان کے جیتے جی کی بیا تحقیق کو واضح کرتی ہے۔ عام قاری پہلی قرأت میں تذبذب کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسے یہ تو سمجھ میں آ جاتا ہے کہ دونوں بے مروّت و بے حس ہو کر عزیزہ کو دیکھنے نہیں جاتے ہیں مگر یہ سوال ذہن میں کھٹکنے لگتا ہے کہ وہ کیسا گاؤں تھا اور کیسے پڑوسی جو ایک نیک اور بے بس عورت کی دل خراش صدا کو نہیں سنتے جب کہ "جاڑوں کی رات تھی۔ فضا سناٹے میں غرق۔ سارا گاؤں تاریکی میں جذب ہو گیا تھا۔" ایسے خاموش ماحول میں کلیجہ تھام لینے والی آواز انھیں سنائی نہیں دیتی تھیں ان کے پرشور ماحول میں دونوں بے غیرتوں کی آواز قاری سن کر دنگ رہ جاتے ہیں اور "ہم دونوں کی تگ و دو کرنے لگتے ہیں۔" اسی طرح یہ منظر بھی عام قاری کے لیے کچھ عجیب ہوتا ہے کہ کفن اور لکڑی کی فکر میں دونوں لاش کو اکیلا چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ کام تو کوئی ایک بھی کر سکتا تھا اور دوسرا لاش کے پاس بیٹھا ڈھونگ رچا سکتا تھا۔ افسانے میں اس کا ذکر بھی ہے۔ گھیسو مادھو کو ڈانٹتا ہے: "میری عورت جب مری تھی تو میں تین دن اس کے پاس سے ہلا بھی نہیں۔" عام قاری اسے درگزر کرتا ہوا آگے

Scanned by CamScanner

وجہ سے ہے تو پھر سے اس جملہ کو لگتا ہے۔ وہ دراصل [illegible] منتقل [illegible]

ہیں۔ انھیں غذا بھی مل جاتا ہے اور لوری بھی تو [illegible]

ساتھ جاتے ہیں؟ جب کہ [illegible]

دیکھتی [illegible] چل جاتی تھیں۔ [illegible]

واجب تھا۔

دراصل یہ سوال مہذب معاشرے کے لیے ہے۔ [illegible] تھی۔ یہ ختم ہو چکی ہیں تو [illegible] ہے۔ [illegible] پھر تو مخصوص طبقے کی علامت ہے [illegible] ہے اور [illegible] آدمی بنتا ہے۔

کفن میں مرکزی کرداروں کے مکالمے افسانہ نگار نے [illegible] بھرے ہوئے [illegible] عجیب و غریب افسانہ کے لیے [illegible] آہنگ دیتے ہیں [illegible] تمام تشکیلی حصے ان میں [illegible] ہو جاتے ہیں اور افسانہ ایک مکمل [illegible] اختیار کر لیتا ہے۔ وہ [illegible] پہنچ [illegible] انجام کو پہنچتا ہے یہی فضا افسانہ کے آہنگ سے تیز [illegible] ہو کر اس کی [illegible] ہو جاتی ہے۔ [illegible] نفسیاتی حقیقت اور [illegible] شخصیت [illegible] افسانہ میں مرکزی کرداروں کی گفتگو خاص معنویت رکھتی ہے۔ پریم چند نے ان مکالموں کے سہارے افسانہ کو مختلف [illegible] منازل سے گزار کر انجام تک پہنچایا ہے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے ان کی [illegible] باتوں کے درمیان افسانہ نگار کی مہیا کردہ تفصیلات نے افسانہ کو [illegible] آہنگ کرداروں کا مکمل تعارف [illegible] اور حرکات [illegible] کہ جنھوں نے اس کے [illegible] میں حصہ لیا ہے [illegible] مکالموں کے درمیان اسی طرح [illegible] کہ ان کے قول و فعل [illegible] اور قاری [illegible] ایک [illegible]

Scanned by CamScanner

کئی واقعوں سے بھرپور جہاں میں سفر کرتا ہوا محسوس کرتا ہے۔

افسانے کے ابتدائی جملے کئی اعتبار سے خاصے اہم ہیں۔ پریم چند نے ان جملوں سے کئی کام لیے ہیں۔ اس کے مرکزی کرداروں سے متعلق جزئیات اور ان کے ظاہری حالات کے ضمن میں اہم کرداروں کا تعارف کرواتے ہیں۔ پڑھنے والے کی پوری توجہ آئندہ آنے والے واقعات پر مرکوز ہو جاتی ہے۔ وہ اسی سے افسانہ پڑھنے کے لیے خود کو تیار پاتا ہے اور انجام جاننے کے لیے بے تاب رہتا ہے۔ افسانے کے تمہیدی حصے میں باپ اور بیٹے کو ایک بجھے ہوئے الاؤ کے سامنے بیٹھے ہوئے دکھایا گیا ہے

"جھونپڑے کے دروازے پر باپ اور بیٹا دونوں ایک بجھے ہوئے
الاؤ کے سامنے خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔"

"یہ جملہ "بجھے ہوئے الاؤ" اس کہانی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ قاری کو مختلف زاویوں سے سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔ افسانہ نگار آگے چل کر بتاتا ہے کہ جاڑوں کی رات ہے فضا سناٹے میں غرق ہے۔ سارا گاؤں تاریکی میں جذب ہو گیا ہے۔ یہ جملہ پیش آنے والے واقعات کی تمہید ہے اس کا جواز ہے اور جمود و بے حسی کا اشارہ ہے جس نے انسان کو انسان نہیں رہنے دیا اور حیوان بنا دیا۔ سناٹے میں یہ واقعات رونما ہوتے ہیں۔

تمہید کے بعد گھیسو اور مادھو کی ابتدائی گفتگو صورت حال کی تفصیل میں اضافہ کرتی اور قاری کے ذہن اور اعصاب کو متاثر کرتی ہے۔ اس جگہ کرداروں کا تفصیلی تعارف خاصا اہم ہے۔ افسانہ نگار اس تعارف کے بہانے افسانے کے پس منظر کو ابھارتا ہے اس کے ماحول کو اجاگر کرنے کی فضا سے استفادہ کرتا ہے۔ کہانی جوڑنے کے لیے راہیں ہموار کرتا ہے اور قاری کے ذہن کو پیش آنے والے واقعات کے لیے تیار کرتا ہے۔ اس کے باوجود ان کی الگ گفتگو اور عملی واردات سے واقف ہو کر قاری شدید ذہنی صدمے سے دوچار ہوتا ہے۔ ان کو ان کی حرکات و سکنات غیر فطری معلوم ہوتی ہیں۔ وہ خوف اور دہشت کے احساس کے

دب جاتا ہے۔ جو اصولاً آزادی سانس لے رہی ہوتی ہے، ان سے الجھنوں میں کوئی
فرق نہیں آتا ہے۔ بات بات میں ملی ہوئی ہے سے لاد جاتے اور پیدا ہونے میں
مصروف رہتے ہیں۔ قاری کو اس وقت اور بھی الجھن لاحق ہوتی ہے جب پیدا ہونے کے
بعد وہ دونوں وہیں اداکار کے سامنے اپنی مجبوریاں اور ان الجھنوں سے ہوتے ہیں اور
ہو ہمیشہ کسی تکلیف سے گزرتی اور دور لاحق ہوتی ہے۔ یہ صورت حال قاری سے اپنی
تو گویا تشکیل میں جتا کر دیتی ہے۔ اس کا قطعی اسلوب کی صورت پر تشکیل ہوتا ہے۔
یعنی شدت تک قاری کو اپنا ہموار ہونے کے بعد سے پوری طرح واقف ہے۔ وہ ہر وقت
ہاتھ میں کاغذ شروع کر رہا ہے اور بتاتا ہے کہ کس طرح استعمال سے نتیجے میں آتی ہیں
کے صورت بیان کرنے والوں کو وہ شکل میں آیا ہے

"جس دور میں بات اس کام کرنے والوں کی جماعت اس کی
جماعت سے بڑھ کر بہت اونچی نہ تھی اور کسانوں کے مقابلے میں وہ
لوگ جو کسانوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے، کہیں زیادہ
فارغ البال تھے، وہاں اس قسم کی اذیت کا پیدا ہونا کوئی تعجب کی
بات نہ تھی۔ ہم تو کہیں کے کسانوں کے مقابلے میں زیادہ
دیکھتے تھے اور کسانوں کی بھی دماغی حیثیت میں شامل ہونے کے
ہونے شاعروں کی فکر پر اور جماعت میں شامل ہو گیا تھا۔ ہاں اس
میں یہ صلاحیت نہ تھی کہ شاعروں کے آگے ادب کی پابندی بھی
کرتا۔ اس لیے جہاں اس جماعت کے اور لوگ گاؤں کے مرتے اور
کھاتے ہوتے تھے اس پر سارا گاؤں انگشت نمائی کرتا تھا۔ پھر بھی
اسے یہ تسکین تو تھی ہی کہ اگر وہ خستہ حال ہے تو کم از کم اسے
کسانوں کی سی محنت تو نہیں کرنی پڑتی اور اس کی ساری اور

Scanned by CamScanner

بے زبانی سے دوسرے بے جا فائدہ تو نہیں اٹھاتے۔"

نعیمہ اور ماموں کا یہ احساس کہ کام کرنے سے بھی ان کے لیے بہتری کی کوئی صورت نکلنی ممکن نہیں تو پھر آخر وہ محنت و مشقت کیوں کریں جب کہ قارئین اعلیٰ ان کے لیے ہے جو کمزوروں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانا جانتے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ استحصالی طبقے کی چال جو انہیں کچل کر بے جان بنا چکی ہے آخر ان کے توڑنے سے ٹوٹ تو نہیں سکتی ہے تو پھر اس فولادی دیوار سے سر ٹکرانے کی کوشش کیوں کریں؟ پھر اس کاوش سے بہتر ہے کہ چوری کر کے وہ چار سانس سکھ چین کی لے لی جائیں۔ کم از کم اس میں خود مختاری کا احساس تو ہے۔ ان کے لیے اتنی ہی تسکین کافی ہے کہ اگر وہ خستہ حال ہیں تو محض "نسانوں کی ہی طرح تو زندگی تو نہیں گزارنی پڑتی۔ اور ان کی "سادگی اور بے زبانی سے دوسرے بے جا فائدہ تو نہیں اٹھاتے۔" ان کے اس طرز فکر، احساسات، لگاؤ، رویے، تمنا اور مجبوری نے ان کو اس حد تک پہنچا کر اس طرز عمل کے لیے مجبور کیا ہے۔ افسانہ نگار نے کمال یہ ان کے افعال و اعمال کے لیے جواز فراہم کیا ہے۔ وہ گھٹے ہوئے ماحول سے قاری کو نجات دلانے کے لیے نعیمہ کی روحانی یادداشت کی داستان سنا کر خوشبودار پھولوں کی ایک بستی آباد کرتا ہے اور قاری کو وہاں پہنچا کر اس کے لیے راحت کے چند لمحے مہیا کرتا ہے۔ لفظ "ٹکر" کی بہ جائے "ڈکر" نے کہانی کی آہستہ روی میں اور بھی اضافہ کر دیا ہے۔ ماضی کے طلسم سے قاری باہر نکلتا ہے تو دونوں پانی پی کر وہیں سو چکے ہوتے ہیں۔

"جیسے وہ بچے اور لڑکیاں ہمارے بچے ہوں۔"

دونوں کا "وہ بچے اداس" کی طرح بے فکری سے سو جانا ایک سوالیہ نشان بن کر سامنے آتا ہے اور محنت فعل رہ جاتا ہے۔ یہ دونوں افراد اس سماج کے پیدا کردہ ہیں۔ "جس سماج میں محنت اور کام کرنے والوں کی حالت ان کی حالت سے مختلف نہ ہو وہاں نہ

Scanned by CamScanner

تھیں [illegible] سے [illegible] میں چادروں کی طرح زندگی [illegible]

[illegible] سے [illegible] کے [illegible] طرح سے [illegible]

[illegible] کی طرح ہوتے [illegible] میں [illegible]

[illegible] سے [illegible] اخلاقی [illegible]

[illegible]

[illegible] میں [illegible] کی موت کی [illegible] ہے۔ [illegible] کے [illegible]

[illegible] موت [illegible] ہیں جب [illegible]

[illegible] کی [illegible] میں [illegible]

[illegible] کی موت [illegible] ہوتا ہے

[illegible] میں [illegible] ہے

> [illegible] کی [illegible] ہوگی
> [illegible] آنکھیں
> [illegible] میں [illegible]
> [illegible] میں [illegible] تھا۔

[illegible] ہے۔ اس کی موت کے بعد بھی [illegible] سے [illegible] تعلق [illegible] کی موت [illegible] اس کی زندگی میں صرف [illegible] ہو جاتے ہیں کہ ایک [illegible] ہیں۔

[illegible] میں [illegible] سے [illegible] کو [illegible] کے [illegible] کے لیے [illegible]

Scanned by CamScanner

جب وہ مرتی ہے۔ افسانے کے اس حصے کا مکمل انحصار باپ بیٹے کے مکالموں پر ہوتا ہے۔ ان مکالموں کے وسیلے سے افسانہ نگار قاری سے تمام مراحل طے کرواتا ہے اور قاری ان دونوں کرداروں کی تہہ دار شخصیت کو گرفت میں لے آتا ہے۔ پریم چند نے ان دونوں کرداروں کے ذریعے سماج کے طبقاتی تضادات اور رسم و رواج پر سے پردہ اٹھایا ہے اور بڑی خوبصورتی سے اس پورے معاشرے پر طنز کیا ہے جو ان کی اس حالت کا ذمہ دار ہے۔ گھیسو کے لفظوں میں

> "کیسا برا رواج ہے کہ جسے جیتے جی تن ڈھانکنے کو چیتھڑا بھی نہ ملے اسے مرنے پر نیا کفن چاہیے۔ یہی پانچ روپے پہلے ملتے تو کچھ دوا دارو کرتے۔ کفن لگانے سے کیا ملتا۔ آخر جل ہی تو جاتا۔ کچھ بہو کے ساتھ تو نہ جاتا۔"

دونوں کفن خریدنے کے بہانے رسم و رواج کو موضوعِ بحث بناتے ہیں اور اس پر طنز کرتے ہیں۔ کفن کی اہمیت کم کرنے کے جواز تلاش کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں پیسے آ جاتے ہیں تو دونوں قدموں کو بازار کی طرف لے جا کر اپنی خواہشات کی تکمیل کی سوچتے ہیں۔ دونوں باپ بیٹے بازار میں ادھر ادھر گھومتے ہیں۔ یہاں تک کہ شام ہو جاتی ہے۔ اس مقام پر مصنف قاری کو یہ سوچنے کے لیے مجبور کرتا ہے کہ گاؤں کے بازار میں ایسی کون سی خاص بات تھی جہاں صبح سے شام تک دونوں ادھر ادھر گھومتے رہے یا وہ بازار اس قدر وسیع تھا کہ گھومتے پھرتے میں شام ہو گئی۔ تجسس افسانے کی اگلی سطر قاری کے ذہن کو فوراً ہی اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔ "دونوں اتفاق سے یا عمداً ایک شراب خانے کے سامنے" آ پہنچتے ہیں۔ خاموشی سے اندر داخل ہو جاتے ہیں۔ گھیسو ایک بوتل شراب اور کچھ گزک خریدتا ہے اور دونوں پینے بیٹھ جاتے ہیں۔ شراب ان کو سرور میں لے آتی تو گفتگو کا سلسلہ پھر شروع ہو جاتا ہے۔ آگے بوتل ختم ہو جاتی تو کھانے کا سامان منگا لیتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

"دونوں اس وقت اس شان سے بیٹھے ہوئے پوریاں کھا رہے تھے
جیسے جنگل میں کوئی شیر اپنے شکار کو اڑا رہا ہو۔ نہ جواب دہی کا خوف تھا
نہ بدنامی کی فکر۔ ضعف نے ان مراحل کو انہیں نے بہت پہلے طے
کر لیا تھا۔"

افسانہ نگار نے اس سے پہلے بھی ابتدا میں ان دونوں کے تعلق سے بہت کچھ بتایا ہے۔

"کاش دونوں سادھو ہوتے تو انہیں قناعت اور توکل کے لیے ضبط
نفس کی مطلق ضرورت نہ ہوتی۔ یہ ان کی خلقی صفت تھی۔ عجیب
زندگی تھی ان دونوں کی۔ گھر میں مٹی کے دو چار برتنوں کے سوا کوئی
جائیداد نہیں۔ پھٹے چیتھڑوں سے اپنی عریانی ڈھانکے ہوئے دنیا کی
فکروں سے آزاد۔ قرض سے لدے ہوئے۔ گالیاں بھی کھاتے تھے
مگر کوئی غم نہیں۔"

پریم چند نے اس افسانے میں مرکزی کرداروں کی جگہ دے کر وقت کے اہم ترین مسئلے کی جانب قاری کو متوجہ کیا ہے اور ایک طبیب کے فرائض انجام دیے ہیں۔ ان دونوں کی کردار سازی چند سالوں کا نتیجہ نہیں بلکہ صدہا صدیوں کی مرہون منت ہے۔ نسل بعد نسل ان کا وجود عمل میں آیا ہے۔ ان کی تشکیل اس سماج نے کی ہے جو اخلاقی ضابطوں سے پوری طرح بندھی ہوئی ہے اور اعلیٰ قدروں کی آڑ میں ہر طرح کا ظلم ان پر روا رکھتی ہے۔ پھر ان اصولوں اور قدروں کا ان پر اطلاق کہاں تک مناسب ہو سکتا ہے اور ان کی شخصیت کو پرکھنے کا معیار وہ ضابطے کیوں کر اور کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس دنیا نے جو کچھ بھی انہیں دیا ہے اس کے نتیجے میں انہوں نے اپنی الگ دنیا بنا لی ہے۔ جہاں ان کے اپنے ضابطے اور اصول ہیں۔ جس پر وہ مستقل مزاجی سے عمل پیرا رہتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

شہر والوں کو تحفظ کرو وہ بیماری آرام کو خاصا تجربہ رکھتا ہے۔ اس کو بھی بڑھاپا کی تکلیف کا پورا احساس ہے۔ اس کی پریشانی کمی اذیت اس کی باتوں سے ظاہر ہو جاتی ہے

"معلوم ہوتا ہے بچپن کی تھی۔ سارا دن تو بیٹھ ہو گیا، چلو کچھ تو آ۔"

بڑھاپا کی تکلیف سے متاثر ہو کر وہ موسم کو داد دیتے ہوئے کہتا ہے

"تو بڑا ہے وہ ہے یہ سال بھر جس کے ساتھ جذباتی کا تعلق ہوتا
اسی کے ساتھ آتی ہے یہ جاتی"

تیسری دنیا کے دکھ درد سے جڑا ہوا وقت ہے۔ اس کو یہ واقفیت ذاتی تجربوں سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کے گرد بچے ہوتے ہیں۔ وہ جو ترقی پا رہے جن مراحل سے دوچار ہوتا چاہے اس کی یادداشت میں محفوظ ہیں۔ اسی طرح ... سے والے بچے کی جانب سے فکر مند ہوتا ہے تو وہ اس کو سمجھتے ہوئے کہتا ہے

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ گھبراؤ نہیں بچو تو ... ابھی ایک بیج
تھی، سے رہے ہیں وہ جب بڑا کریں گے، میرے جو آگے
ہوئے۔ مگر میں نے بھی کچھ دیا تھا مگر اسی طرح ہمارا کام چل گیا۔"

وہ زمانہ کی سوچ کچھ دیکھے ہوئے ہے۔ انسانوں کی فطرت مہذب سماج کی ظاہرداری اور کھوکھلے پن کو جانتا ہے۔ اس کا ایسے سماج پر اعتقاد جو ان کی موجودہ حالت کا ذمہ دار ہے، قابل توجہ اور باعث غور و فکر ہے کیوں کہ یہی اعتقاد کسی حد تک ان کے طرز عمل کا ذمہ دار بھی ہے:

"تو کیسے جانتا ہے اسے کمیں نہ ملے گا۔ تو مجھے ایسا لگتا
ہے۔ میں سات سال دنیا میں کیا کیا اس محنت ہوں۔ اس کو کمیں
ملے گا اور اس سے بہت اچھا ملے گا جو ہم دیتے۔ وہی لوگ دیں
گے جنہوں نے سب کی دیا۔ ہاں وہ دو بچے والا سے ہاتھ آ گئی"

تو دیکھیے۔"

کلیم اور جادو کے کردار غیر فطری، غیر حقیقی یا غیر انسانی نہیں بلکہ یہ ہمارے عہد کی زندہ قوت، مضبوط و لاتعلق ہیں۔ دونوں کرداروں کا وجود مسلسل داخلی تضادات سے عبارت ہیں اور مختلف طبقوں کے نمایندہ ہیں۔ یہ دونوں پچھڑے ہوئے نیم ماندہ طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جو اپنے حالات اور استحصالی نظام کے تئیں تخلیقی ردعمل کے طور پر وجود میں آتے ہیں۔

اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ "کفن" پریم چند کی بڑی دانشورانہ تخلیق ہے۔ اس میں ان کا مشاہدہ، تجربہ، تکنیک، زبان و بیان اور فنی صلاحیتیں عروج پر نظر آتی ہیں۔ کفن مختصر ہے لیکن اس افسانے کا انداز بیان بالکل حقیقی محسوس ہوتا ہے۔ سارے واقعات اور مسائل بڑے ڈرامائی انداز میں بتدریج سامنے آتے ہیں۔ افسانے کے تمام عناصر اقتصادی و اخلاقی پہلو سے جڑے ہوئے ہیں۔ زندگی کی کشمکش اور مسائل اندر ہی سے سامنے آتے ہیں اور ان کا تذکرہ ... اس طرح آگے بڑھتا ہے کہ پڑھنے والے کی دلچسپی اور تجسس قائم رہتا ہے۔ خوف، وحشت، رقت اور اسرار کے تمام عناصر اپنے اندر سموئے ہوئے یہ افسانہ اختتام پر پہنچ کر ایک مکمل تاثر چھوڑ جاتا ہے۔ یہ تاثر دماغ میں دیر تک بسا رہتا ہے۔ قاری کو ایک تلخ حقیقت پر غور کرنے کے لیے مجبور کرتا ہے کہ کس طرح سماجی ڈھانچے میں ایک طبقے کو دبایا کچلا اور ستایا گیا کہ اس کی ساری شخصیت ہی ٹوٹ پھوٹ کر رہ گئی اور وہ سماج کے لیے ایک مسئلہ بن گئے۔ اس طویل اور وسیع داستان کو پریم چند نے بڑے فنکارانہ انداز سے چند سطروں میں قلم بند کیا ہے اور ہندوستانی دیہاتوں میں طبقاتی کشمکش کے استحصال کے نتیجے میں کچلے طبقوں کی کہانی بیان کر کے وقت کی آواز بن کر اس دھرتی سے جڑے ہوئے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ افسانہ حقیقت سے علامت تک، سلیم اختر، ص ۱۸۱

۲۔ افسانہ نگار پریم چند (اردو افسانہ روایت اور مسائل) [illegible]

۳۔ تنقیدی اشارے، پروفیسر آل احمد سرور، ص [illegible]

۴۔ پریم چند کے اسلوب کا ایک پہلو، شمس الرحمن فاروقی [illegible]

۵۔ کفن کے حوالے سے پریم چند کی پہچان [illegible]
ص [illegible]

Scanned by CamScanner

سرائیکی غزل کا پہلا شاعر ...... خواجہ غلام فرید

There is a considerable of body of poetic work in the saraiki - one of the oldest languages of the subcontinent. Here a research has been conducted on the great Kafi poet-mystic Khwaja Ghulam Farid with a question whether he was first ghazal poet in the saraiki language. A short portion is also dedicated to the Kafia of the great poet.

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ضرب المثل ہیں۔

سرائیکی شاعری کی دو اصناف کافی اور ڈوہڑہ بھی قدیم ترین ہیں۔ سرائیکی ادب کے معروف محقق اور شاعر [illegible] کا کہنا ہے "یہ دونوں اصناف اس زبان کا سب سے بڑا اور گراں قیمت سرمایہ ہیں۔ اگر ان دونوں کو نکال دیا جائے تو اس زبان کے ادب میں کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔"

کافی سرائیکی شاعری کی مقبول و منفرد صنف ہے۔ اس میں سوز ہے، گداز ہے، درد ہے، کیف ہے۔ فقیر اور درویش اسے گلی گلی کوچہ کوچہ اپنی مترنم اور درد بھری آواز میں گا گا کر صوفی شعرا کی کافیاں سنایا کرتے تھے۔ صوفیا کی محافل میں یہ ساز کے ساتھ جب گائی جاتی تو سامعین پر وجد طاری ہو جاتا۔ اسی لیے کچھ دانش وروں کا خیال ہے کہ کافی اصل میں ایک راگ اور راگنی کا نام ہے۔ اس کے برعکس کچھ دانش وروں کی رائے میں اگر کافی ایک راگ یا راگنی ہوتی تو اسے کسی اور راگ یا راگنی کی ضرورت نہ ہوتی، اسے تو کئی راگوں اور راگنیوں میں گایا جاتا ہے۔ اس کے لیے کوئی مخصوص بحر یا وزن نہیں۔

Scanned by CamScanner

سے یہ زبان قطعاً الگ ہے۔ مگر اس کی مٹھاس، نرمی اور حلاوت پڑھنے یا سننے والوں کو بہت جلد اس کے قریب تر کر دیتی ہے۔ خواجہ فرید کی کافیوں کو غیر فانی شاعری کی صف اول میں جگہ ملی ہے۔ خواجہ فرید کا کلام، وارث شاہ کی ہیر سے زیادہ ہر دل عزیز ہے۔ سوز و گداز اور لطف و نور سے مملو ان کافیوں کا انتخاب بہت دشوار ہے کیونکہ ہر کافی پڑھ کر کہنا پڑتا ہے کہ

؎ "کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست"

سرائیکی میں کافی اور ڈوہڑا کے علاوہ شعرا اردو اور فارسی شاعری کی دیگر اصناف مثلاً مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، قطعہ بند، مسدس، مخمس، سی حرفی، بارہ ماسہ، ہفت روزہ، ہشت پہر اور غزل میں بھی طبع آزمائی کرتے رہے۔

غزل بھی فارسی اور اردو سے سرائیکی میں پہنچی مگر اس کی عمر تھوڑی بتائی جاتی ہے۔ محققین کا عمومی خیال ہے کہ سرائیکی غزل پر شعرا نے بیسویں صدی میں توجہ دی۔ تشکیل پاکستان کے بعد سرائیکی شعرا نے غزل کو اظہار کا ذریعہ بنایا اور اسے بے حد مقبولیت حاصل ہوئی۔ چنانچہ یہ تھوڑے ہی عرصے میں اردو غزل کی ہم پلہ و ہم سر بن گئی۔

سرائیکی غزل کم عمر ہے مگر "پنجابی شاعراں دا تذکرہ" میں نواب بہاولپور کے ایک قریبی رشتہ دار نواب غلام حسن عرف گاموں خان کا تذکرہ ملتا ہے جنہوں نے ۱۸۹۱ء میں لاہور میں وفات پائی۔ صاحب کتاب نے لکھا ہے کہ گاموں خان نے اپنی زبان (سرائیکی) میں غزل کا پہلا تجربہ کیا اور ان کا یہ شعر پیش کیا ہے۔

؎ گلیں وچ پھیر کے یار نے مانگ کڈھی، کڈھ لمیا اسے اس بات وچوں
کوئی صاحب سکندر توں جا آکھے، کڈھی یار نے راہ ظلمات وچوں

گویا گاموں خان کو سرائیکی غزل کا پہلا شاعر قرار دیا گیا ہے۔ اس بات کی

Scanned by CamScanner

روشنی میں اگر ہم "دیوان فرید" پر نگاہ دوڑائیں تو ہمیں اس میں کافیوں کے ساتھ ساتھ غزلیں بھی نظر آئیں گی۔ ان غزلوں میں بھی وہی سوز و گداز، غم و اندوہ، عشق و محبت، ہجر و فراق کی تپش محسوس ہوگی جو خواجہ غلام فرید کی کافیوں کی پہچان ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان غزلوں کو بھی "کافی" کا نام دیا گیا ہے۔

ان اشعار میں غزلوں کی پوری ترتیب، تنظیم اور کیفیت و توانائی موجود ہے۔ قافیہ، ردیف، مطلع، مقطع اور تخلص کا خوب صورت استعمال یہ سب ان کافیوں پر "غزل" کی دلالت کرتے ہیں۔

ان کی غزلوں کے مطلعے اور مقطعے بڑے بھرپور اور زوردار ہیں۔ یہ مطلعے ملاحظہ کیجئے۔

ـ یار کوں کر مسجود   چھوڑ دے بیو معبود

ـ آ کڑیں کا رن جانی ہم   سوہیں سانگ سہانی ہم

ـ ڈیکھوں گھنڈ ساجن   خالی رہن جا گئیں

ـ ڈاڈی لونی کرن سخت گھاری   چھوڑ گیا ڈھولا یار آزاری

ـ ڈیکھیں میڈا سانول آ تئی گل   ہاتھوں دیتا تئیں سر مجل گل

ـ تک گیوں یار دے وچ گل   ہاں گل اندر دا سانول مل

اب یہ مقطعے ملاحظہ کیجئے۔

ـ یار فرید ہم دل بھاندا   میلے ویسی اجاڑاں

ـ ہجر فرید کیتی دل ڈھٹی   دوست نہ مرہم لیندا

ـ ہجر فرید یا جلی وا دل   جل گیم ہفت وچار

ـ عشق فرید ہوں دکھ دے غم   آ تئی گل سول سولیاں

ـ میں تے یار فرید ملاوں   دل دل شہر بھنبھور

ـ کر قربان فرید سر آ چاں   جیڑا دادا آیا

Scanned by CamScanner

[illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — فرق نہ کوئی

[illegible] اشعار وچ موجود ہے [illegible] ان کی غزلیں سہل ممتنع کی خوب صورت مثال ہیں [illegible] اشعار دیکھتے ہیں۔

رو رو گئیاں عمر بھاگی — یار دی خبر نہ کوئی

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] عمر [illegible] ساری — [illegible]

[illegible] — [illegible] عشق [illegible]

[illegible] — [illegible] عمر [illegible]

Scanned by CamScanner

ٹکڑیاں راتیں پیا ڈاڈھاں [illegible] اجاڑے واٹ

ایک غزل کے ان اشعار کو دیکھیے

آکھ دا عاشق نہ تھیوم پیوا [illegible]

سو صفریاں دے وی [illegible] میں اپنے گاتھ نہ [illegible]

دل موہ فرید تھیسہ سے ساحلی [illegible]

تصوف، تغزل، سوز و گداز، حلاوت سے معمور یہ غزلیں خواجہ فرید سے شاعرانہ چاہت میں اضافہ کرتی ہیں۔ ان کی غزلوں میں موسیقی اور ماحول کی فضا ہے۔ انہوں نے اپنی غزلوں کو شگوفوں، [illegible] صحراؤں، ریگزاروں، دریاؤں، سمندروں کے [illegible] روشنی کی [illegible] سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ زندگی کی [illegible] سے بچھڑی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ [illegible] کہ دل و دماغ روشن ہو جاتے ہیں۔

عشق تمہیں کی عجب غضب دی [illegible]

ان کی غزل کا یہ شعر شیفتہ کے اس شعر کی یاد دلاتا ہے۔

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی

فرید کی اسی غزل کا ایک شعر ملاحظہ ہو

درد اندوہ تے سول ہزاراں [illegible]

کس قدر بے ساختگی اور [illegible] ہے۔

میرے اندازے کے مطابق دیوان فرید میں موجود [illegible] کافیاں اصل میں

در حقیقت غزلیں ہیں۔

خواجہ فرید ۱۸۴۵ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۱ء میں وفات پائی۔ ان کے شعری سرمایہ [illegible]

[illegible]

ذیل میں ان کی ایک خوب صورت غزل کے چند اشعار

میڈا عشق وی توں میڈا یار وی توں
میڈا دین وی توں ایمان وی توں

میڈا جسم وی توں میڈا روح وی توں
میڈا قلب وی توں جند جان وی توں

میڈا کعبہ قبلہ مسجد منبر
مصحف تے قرآن وی توں

میڈے فرض فریضے حج زکاتاں
صوم صلوٰت اذان وی توں

میڈا ذکر وی توں میڈا فکر وی توں
میڈا ذوق وی توں وجدان وی توں

میڈا دھرم وی توں میڈا بھرم وی توں
میڈی شرم وی توں میڈی شان وی توں

میڈا ڈکھ سکھ رووݨ کھلݨ وی توں
میڈا درد وی توں درمان وی توں

میڈا خوشیاں دا اسباب وی توں
میڈے سولاں دا سامان وی توں

میڈا حسن تے بھاگ سہاگ وی توں
میڈا بخت تے نام نشان وی توں

میڈے ٹھڈڑے ساہ تے مونجھ مونجھارا
ہنجوں دے طوفان وی توں

میڈی مہندی، کجل مساگ وی توں
میڈی سرخی بیڑا پان وی توں

میڈی وحشت جوش، جنون وی توں
میڈا گریہ آہ و فغان وی توں

میڈا اول آخر، اندر باہر
ظاہر تے پنہاں وی توں

میڈا بادل برکھا، کھمیاں گاجاں
بارش تے باران وی توں

جے یار فرید قبول کرے
سرکار وی توں سلطان وی توں

آج کی خواتین افسانہ نگاروں کی نگارشات

The article deals with the women short story writers of the 21st century. The writers have focused mainly on the problems faced by women in the beginning of this new century. There are challenges for the 21st century working women and the stress is paid on how they are resolving the problems and the challenges. They are also facing multiple other responsibilities and fulfilling their duties imposed upon them by their gender.

اکیسویں صدی کے ابتدائی پانچ سالوں میں خواتین افسانہ نگاروں کے تقریباً [illegible]

پروفیسر اسلوب احمد انصاری "زندگی کے رنگ" پر اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں

"یہ افسانے زندگی کے بارے میں ان کے نقطۂ نظر کی وضاحت [illegible]
حاصل ہیں۔ ان کا موضوع [illegible] روزمرہ کی زندگی [illegible]
سب افسانے کسی اعتبار سے حقیقت نگاری سے [illegible]
ان میں تخیل اور واقعیت کو یکجا کیا گیا ہے۔ [illegible]
بیشتر صورتوں میں متوسط زندگی کی عکاسی [illegible]
واقعات اور رشتے پیوست اور گتھے ہوئے ہیں۔"

پروفیسر [illegible] کی مجموعہ "پہچان" کے بارے میں لکھتے ہیں

"ان افسانوں کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ افسانہ نگار نے زندگی کو
[illegible] اور اس کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کی ہے اور اس نے
یہ دیکھا کہ زندگی کوئی سیدھی سادی حقیقت نہیں۔ زندگی کی پیچیدگی اور
تہہ داری [illegible] اور افسانہ نگار میں اس
ہنر کے حصول کا حوصلہ بھی ہے اور تلاش کی [illegible]
تجسس کا جذبہ بھی۔"

پروفیسر سید [illegible] "تعاقب" کے توسط سے خورشید جہاں کی افسانہ نگاری کے بارے میں
لکھتے ہیں

"ان کے تمام [illegible] کی [illegible] زندگی سے عبارت ہیں۔ ان
کے ذہن میں زندگی اور [illegible] عنصر پایا جاتا ہے وہ ان کی کہانیوں سے
ظاہر ہے ان کی کہانیاں [illegible] کے گرد گھومتی ہیں۔ انہوں نے
یہاں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو کہانی کا روپ دیا ہے۔ ان کے
پلاٹ اور کردار [illegible] کی روزمرہ کی زندگی سے لئے گئے ہیں

اور وہاں کی دلچسپ رسوم و رواجوں کی عکاسی کرتے ہیں۔"

ڈاکٹر محمد شاہد اللہ ندوی "پانی اور پہچان" کے تعلق سے رقم طراز ہیں:

"پروفیسر مجید محمود ایک منفرد ... ہیں ... جو اردو دانشوری اور تحقیق کی دنیا میں اپنی ایک منفرد پہچان رکھتے ہیں۔ یہ پہچان خود ان کی ذات کی دین ہے ... تحقیق و مرتب خوبی ہے۔ اسی خوبی سے تحقیق کے میدان میں زندگی کی ترجمان تخلیق ہے جس میں سیاست کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ "پانی اور پہچان" میں شامل ان کی کہانیاں بھی خوبی سے دانشورانہ دعوت فکر قاری کو سوچنے کے لیے مجبور کرتی ہے۔"

ان معروضات کے ساتھ ساتھ عصر حاضر کے نامور افسانہ نگاروں مثلاً اقبال مجید، سلام بن رزاق، سید محمد اشرف، صدیقہ بیگم سیوہاروی، شموئل احمد، ترنم ریاض وغیرہ نے اپنے تنقیدی مضامین سے ان مجموعوں کی پذیرائی کی ہے۔

مقبولیت کی دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ اکیسویں صدی کے آغاز میں ہمیں جس طرح کے مسائل درپیش ہیں وہ مذکورہ مجموعوں میں مختلف زاویوں سے پیش کیے گئے ہیں۔ ان میں شامل زیادہ تر کہانیاں نہ تو روایتی حسن و محبت کی داستانیں ہیں اور نہ ہی رومانی، عریانی اور جنسی حکایتیں بلکہ عصر حاضر میں ہمیں کی کہانیوں میں زندگی کے مختلف رنگوں کو فطری انداز میں دکھایا گیا ہے۔ نیز تمام افسانوں سے بڑی حد تک یہ بات درست ہے کہ کہانیوں کی بنت میں ایک مرکزی خیال ہے اور یہ کردار اس خیال کی وضاحت کرتا نظر آتا ہے۔ مذکورہ مجموعوں میں چند ایسی کہانیاں بھی ہیں جو اپنے اختتام پر کوئی مجموعی تاثر نہیں چھوڑ پاتی ہیں پھر بھی واقعے کی پوری جانکاری ضرور دیتی ہیں۔

موضوعاتی سطح پر دیکھا جائے تو ان مجموعوں میں شامل ۲۸ افسانوں میں یوں تو

Scanned by CamScanner

قدروں کا زوال، رشتوں کی پامالی، جنسی گمراہی، معاشرہ کی بدحالی، جبلی زندگی کی الجھنیں اور
عورت اور دوسرے ایسے ہی موضوعات بھی نظر آتے ہیں لیکن جو موضوع زیادہ تر افسانوں پر حاوی
ہے وہ ہے معاشرے میں عورت کو چیلنج کرتا ہوا اور اپنے وجود کو ثابت کرتی عورت۔ ان
سولہ کہانیوں میں سے دس کہانیوں کا مرکزی کردار عورت ہے۔ مگر عورت کے تشخص کی یہ
جستجو اردو سے پہلے لکھنے والوں کی کاوشات سے کسی حد تک مختلف ہے۔ عورت کے اس نئے
تخلیق کار کی عورت کی کہانی میں نسائی حسیت کی اپنی انفرادیت و اہمیت ہوتی ہے۔ اپنے
ان تمام کہانیوں میں صرف عورت اور گھر نہیں ہے بلکہ بازار، دفتر، سیاست، فرقہ واریت
وغیرہ بھی کچھ ہے لیکن زور اس بات پر ہے کہ ان سب کا عورت کیسے مقابلہ کر رہی ہے۔
احتجاج کی آواز تو ہمیں رشید جہاں، عصمت چغتائی اور بعد کی افسانہ نگاروں کے یہاں بھی
سنائی دیتی ہے مگر یہ احتجاج جتنا پرشور "زندوں کی وراثت" میں ہے اتنا شاید ہی پہلے کبھی
ہو۔ ثروت خان نے اس مجموعے کی کہانی "میں مرد مار بھلی" کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو

"وہی گھر وہی آنگن اور اس کا شوہر   دونوں نے قتل کرا کے فرار ہوتی عورت
بیاہ کر آئی تھی   آخر بچے کے بعد   کیرتی کو موقع کا انتظار رہتا۔ جیسے
ہی قصبے میں کوئی جوان مرد کا کام کرنے والا آتا، کیرتی جوڑ توڑ کر اس کو
قصہ اس پر بدنیا ہو جاتا   وہی باپ   وہی ماں   وہی لاڈلی
گھر نے   وہی تمنائیں تھیں   اور وہی وجود   گھر سہما سہما
یک فرار ہو رہا ہوتا   نفرت و حقارت کے جذبے سے پر۔ جب
تک وہ بچے بچے ڈھال نہ ہو جاتا کیرتی کا قصہ کم نہیں ہوتا
کرا لے اور نفرت کے اپنے جوہر دکھائی کہ سب دم دبا کے نظر
آ گئے۔"

اسی مجموعے کی دوسری کہانی "حسن کا معیار" کا یہ اقتباس دیکھئے

Scanned by CamScanner

"دونوں میں جھگڑا اتنا بڑھا کہ رام اوتار نے اپنا غصہ [illegible] سیتا
سیتا کو گھر سے نکل جانے کا کہہ دیا۔ سیتا کو اتنا غصہ آیا [illegible]
قلعے کی طرف اکیلا جارہا ہے۔ جہاں عورت سے [illegible]
لاتعداد کہانیوں کے جال اس کی ست [illegible] چلے [illegible]
دیواروں [illegible] تختیاں اور لاتعداد [illegible]
دعائیں [illegible] ایک ساتھ والی چادر [illegible]
عورت میں نے نہیں دیکھی۔ [illegible]
گئی" رام نے سیتا کا ہاتھ پکڑا اور [illegible]
[illegible] کی طرف لے جانے لگا۔ سیتا نے پوری طاقت سے
ہاتھ چھڑایا اور بولی میں خود جا رہی ہوں۔" [illegible]
کی ضرورت نہیں۔ مگر اتنا [illegible] سے تو میں تمہیں بھی
نہیں دوں گی۔" سیتا نے [illegible] آگے میں [illegible]
ایک لفظ چبا چبا کر کہا اور باہر نکل گئی۔ پولیس [illegible]
[illegible] کے خلاف [illegible] کا فائدہ اٹھاتے ہوئے [illegible]
کا جھوٹا الزام لگا کر اس جرم کے لیے اسے گرفتار کر کے سخت سے
سخت سزا دینے کی اپیل کی۔ انسپکٹر کے [illegible]
ساتھ ہو گئی۔ انسپکٹر نے شکایت درج کرتے ہوئے [illegible]
[illegible] کرنے کا [illegible] اس نے اخبار
میں خبر پڑھی کہ [illegible] رام اوتار [illegible]
الزام میں پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔ سیتا کی آنکھوں میں چمک
آ گئی [illegible] رام تم [illegible] سے ساتھ [illegible]

بیچارہ اب سوچ کے رہ جاتا ہو   میں نے کبھی ڈاکٹر کو قسم سے دیکھا ہے اس
"[illegible] کھلا دو میری [illegible]"
لیا۔ اب چاہے حالات پر چھوڑ دیا ہو یہ۔ [illegible]
وہ ایک ہی بیٹا تھی جس کو نہ مصور [illegible]

[illegible] عورتوں نے [illegible]
بیٹے نے تعمیر کیا تھا۔ اسلام کی آگ میں جلتی ہوئی ان عورتوں نے [illegible] ان کرداروں کو بہت قریب سے دیکھا ہے [illegible] پھوڑتی ہیں۔ [illegible] کردار قابل [illegible] ہیں۔ ان کہانیوں میں جو عورت ہے وہ گھر میں رہنے والی [illegible] گھٹنے والی عورت ہے۔ یہ عورت ایک خاص تہذیب کے ساتھ سامنے آتی ہے۔ یہ عورت [illegible] والے لوگوں کو برداشت تو کرتی ہے مگر وہ اسے [illegible] اور ایک دور احتجاج بیدار ہوتا نظر آتا ہے۔ احتجاج کی یہ آواز [illegible] گھروں کے پیچھے [illegible] سے دکھائی نہیں دیتی۔ عصمت [illegible] کی کہانیاں صرف نسائی حسیت کی ترجمان نہیں ہیں اور نہ ہی ان میں مرد کے خلاف شور یا احتجاج ملتا ہے۔ عصمت نے حالات کے شکنجے میں جکڑے ہوئے کرداروں کے اور ان کے احوال کی تصویر کشی پر اکتفا کیا ہے۔ ان کہانیوں میں عصری فکر و احساس کے اپنے دور کی عام زندگی کی عکاسی بڑی خوبی کے ساتھ کی گئی ہے۔ کہانی "[illegible]" بہت [illegible] عصمت کی کہانی "چوتھی کا جوڑا" سے مختلف ہوتی ہے۔ بیوہ ماں اپنی [illegible] شادی کی تیاری میں دن بہ دن گھلتی جا رہی ہیں۔ ایک ایک [illegible] جوڑا [illegible] گزر جاتے ہیں کہ ان کے گھر کوئی رشتہ نہیں کرتے۔ ایسے میں بڑی بیٹی آپا [illegible] ہے اپنی شادی کے لیے۔ رکھے گئے [illegible] دیتی ہے اور رشوت دے کر [illegible] حاصل کرتی ہے۔ حالانکہ ماں اس عمل سے خوش نہیں ہوتیں مگر گھر میں [illegible] آ جاتی ہے اور ایک دن وہ اپنی چھوٹی بہن کی شادی بھی کر دیتی ہے۔ آج کی عورت کی قوت ارادی [illegible] مثبت رہا ہے۔ بہر حال یہاں بھی عورت کا یہ احساس مرکزی نکتہ ہے کہ وہ اپنی [illegible]

حالات میں تبدیلی آ گئی ہے۔

''عورت سے بچو'' میں ظاہر دار مرد کے عام نظر آنے والے مسائل کو اپنے افسانوں کا موضوع بنانے کے بعد حمیدہ خان نے ان میں اپنے گرنے کا حال کیے ہیں جہاں ہم آہنگی کی تبلیغ نہیں ہوتی۔ عورت کی نفسیات پر افسانہ نگار کی گرفت اکثر افسانوں میں عورت مرد کے رشتوں کا تجزیہ پیش کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ حمیدہ خان نے نوکری پیشہ عورت کے مسئلوں کو اپنی کہانیوں کا خاص محور بنایا ہے اور پھر ان میں محبت اور جنس کے درمیان فرق کو بھی بہت خوبی سے ابھارا گیا ہے۔

ڈاکٹر عفت آرا کی کہانیاں مرد اور عورت دونوں کو مرکز بنا کر لکھی گئی ہیں۔ بعض کہانیوں کے عنوان شعروں کے مصرعوں سے لیے گئے ہیں۔ جیسے ''ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں''۔ ''بے صدا ہو جائے گا یہ ساز ہستی ایک دن'' ''انتظار غمخواری قبول ہے''۔ ''یہ داغ داغ اجالا'' وغیرہ۔ ان افسانوں کا موضوع زیادہ تر خاندانی زندگی ہے جہاں افراد کے تعلقات، رشتے دوسرے افراد کے ساتھ جڑے اور الجھے ہوئے ہیں۔ مرد اور عورت کی باہمی کشمکش اور تصادم سے زندگی بعض اوقات ناقابل برداشت اور اجیرن ہو جاتی ہے تو کبھی بچوں کی موجودگی اس زندگی کو بکھرنے سے بچا لیتی ہے۔ عفت آرا کی کہانیوں میں گھریلو ملازموں اور ان کی نفسیات کے حوالے بھی نظر آتے ہیں۔ افسانہ ''خوشی کے رنگ'' میں ایک جگہ لکھتی ہیں:

> ''ممی کے ذہن پر ابھرتے ہوئے نقوش میں واضح نقش OPHELIA کا تھا جب وہ اپنے محبوب ہیملٹ کے پاگل ہو جانے کے بعد اور اپنے عزیز باپ کے قتل سے متاثر ہو کر جینے کے لیے ایک ان ہو گئی۔''

تب انتظار کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو

''اسے انگریزی ادیبوں کی وہ ملاقات یاد آ گئیں جن میں گاؤں میں رہنے والے غریب، بلیچ کو اگر ملاقات یاد جاتا ہے اور خاص طور پر جس پادری اور گیلبرٹ نے جس خوبصورتی اور باریک بینی سے ان کا ذکر کیا ہے اس میں ابھرنے والی ان کی تصاویر یہ چاہے اس قدر سے مختلف نہ تھیں۔''

''اور ہے ملاقات کا شعور'' میں لکھتی ہیں

''تخلیق وارڈزورتھ کے ان کی Spontaneous over flow of powerful feeling والا تھا۔'' اس طرح کے مقولات کہانی کے حسن میں کوئی خاص اضافہ تو نہیں کرتے ہیں مگر یہ ان کی وسعت آرا کی مضبوط گرفت کی گواہی ضرور دیتے ہیں۔''

نوال جمیلہ نے مرد اساس معاشرے میں متعصبانہ رویوں کی مختلف زاویوں سے نشاندہی کی ہے۔ ان کے لہجے میں ایک توازن اور ٹھہراؤ ہے۔ انہوں نے خواتین کی ذہنی الجھنوں کو محسوس کرتے ہوئے ان کو نئے زاویے سے دیکھا ہے۔ ''ایک گلی دھوپ کا'' میں شامل تقریباً تمام افسانے عورت کی پیچیدہ زندگی کے بارے میں ان کے گہرے مشاہدات کا حاصل ہے۔

ذکیہ ریاض کی کچھ کہانیوں میں مردانہ جبر کے خلاف ردعمل کی آہٹ ملتی ہے۔ عورت ان کی کہانیوں میں بھی موجود ہے لیکن ان کی بنیادی دلچسپی دنیا اور انسانی رویوں کے پیچھے چھپ کر دیکھنے میں ہے۔ شاید اس وجہ سے انتخاب کا عنصر ان کے یہاں بہت کم ملتا ہے۔

بلقیس محمود کے مجموعے ''پانی اور چٹان'' کی کہانیاں قدرے مختلف ہیں اور اپنی ایک الگ شناخت قائم کرتی ہیں۔ ان کہانیوں میں وجود بہت حاوی ہے۔ اپنی ہی ذات تک کی

Scanned by CamScanner

معاشی مسائل کے مجموعی تناظر میں اس کو مدغم کر دیا گیا ہے۔ ایسے میں نسوانیت کا تنگ
دائرہ وسیع ہو کر رہ گیا ہے۔ عورت کی جذباتی زندگی [illegible]
بھری ہے۔ جزئیات نگاری ان خواتین افسانہ نگاروں کا وصف خاص ہے۔ نفسیاتی الجھن
اور جذباتی تناؤ کا بیان کثرت سے ہوا ہے۔ ان کے [illegible]
بھی ہے اور علامتیت بھی۔ جیسے [illegible]
[illegible] کی حرارت" میں [illegible]
[illegible] میں [illegible]
[illegible]
[illegible]

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے [illegible]
ان افسانوی مجموعوں میں [illegible]
[illegible] خواتین افسانہ نگاروں نے [illegible]
[illegible] افسانہ نگار کے اپنے طریقے ہیں [illegible]
کرداروں کا تحرک [illegible]
کی قدر، اختیار رکھا اور اس [illegible] کے آغاز سے [illegible]
[illegible] کی کہانی "[illegible]" [illegible]
[illegible] "[illegible]" [illegible]
کہانی "[illegible]" میں [illegible] ہے [illegible] کہانی کے [illegible]
[illegible] کی کہانی "[illegible]" میں [illegible] احساس [illegible] ہے۔

"[illegible]" کے مرکزی کردار [illegible] ہے [illegible]
[illegible] کی طرف جانے [illegible] تکلیف ہوتی ہے۔ [illegible]

محسوس کرتی ہے اور سوچتی ہے کہ یہ سب کیسے ٹھیک ہو گا؟ حال، ماضی اور ماضی، حال کیسے بن سکے گا۔ اس سوچ سے سارے پلاٹ کو ترتیب دے اور معنی خیز بنانے میں ترنم ریاض نے بڑی ہنرمندی دکھائی ہے۔ انہوں نے محمود کی اس کہانی کو تمام احساسات، خیال اور یاد آفرینیوں کے اسے بچے کی نظر سے پیش کر دیا ہے کہ کل اور آج کے کشمیر کا پورا منظر نامہ قاری کے سامنے آ جاتا ہے اور اسی طرح ماضی کو حال میں پیش کرتے وقت Reflection اور Narration کا خوب صورت امتزاج بن پڑا ہے اور یہ اثر دار بنتا ہے

"وہ تیزی سے دوڑتی ہے۔" محمود نے دوکان کے غائب ہونے کی جگہ
کو کہا تو فیروز کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ کتنی یادیں
وابستہ تھیں اس جھیل کے ساتھ وہ اپنے ابا امی اور بہن بھائیوں
کے ساتھ ایک بڑی سی کشتی میں عمدہ پوشاک پہنے، سامان
خورد و نوش لے کر جھیل کی سیر کو گئی ہے۔"

اور پھر دوران سیر ماضی کے واقعات تفصیل سے بیان کیے جاتے ہیں۔ بیان میں وہ سحر انگیز قوت ہے کہ قاری اپنے آپ کو اسی ماحول میں محسوس کرنے لگتا ہے۔ بکھرے بکھرے بے ترتیب واقعات جنہیں قاری ترتیب دیتا ہے، ترنم ریاض الگ الگ ٹکڑوں میں پیش کرتی ہیں اور ایک اشارے میں ایک پورے واقعے کو پرو دیتی ہیں۔ کہیں جھیلوں کا ذکر ہے تو کہیں کشتی پر کی جانے والی کاشت کا۔ کبھی مغلوں کے زمانے کے قالیچے، دوشالے کے قالین وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے۔ کبھی مہاراجہ رنبیر سنگھ کے وقت کے شہر کا نقشہ بیان کیا جاتا ہے تو کبھی بیسویں صدی کے وسط میں اوتی وزیر کے دوبارہ عظیم تر ہونے کا ذکر، جس کی بدولت عوام بہت بڑی مصیبت سے نجات پاتی ہے یا پھر اس میلے کا بیان جس کے اندر پہنچ کر ترنم ریاض وقت کی سرحد کو کئی سو سال پیچھے تک لے جا کر آج کی صورت حال سے ملا دیتی ہیں۔ محمود کی اس کہانی میں وقت کی حدوں کو توڑ دینا اور منظر کا بار بار بدلنا ہے خوبی یہ ہے

Scanned by CamScanner

کہ جس منظر سے کہانی کا آغاز ہوا تھا وہیں پر کہانی ختم کر دی گئی ہے۔ کہانی کا آغاز

اس منظر سے ہوتا ہے

''جھیل پر [illegible] کی [illegible] وہ اس دن کی رات ساری نیلی [illegible]

[illegible] ''کیا ہوا ہے'' وہ [illegible] کا سب اسی

دو [illegible] آپ [illegible] تھی

بولی ہے۔ [illegible] نے [illegible] اس کے آنسو پونچھے مگر اس کا ہاتھ

اس کے [illegible] ختم کیا اور وہ [illegible] کی طرح کے بہت کی

طرح اس [illegible] اس کی [illegible] کی صورت بھی قبول

کرنے کو تیار نہ تھی۔''

اور کہانی کا اختتام اس منظر سے ہوتا ہے

''وہ جو عمر [illegible] اپنی بجھی بجھی آنکھوں سے دیکھتا ہوا

جھیل کی طرف چلا آیا تھا۔ [illegible]''

اس طرح کہانی کا آغاز جس منظر اور ماحول سے ہوتا ہے اختتام بھی اسی [illegible] پر ہوتا ہے اور بیچ میں [illegible] دیا جاتا ہے۔ [illegible] اس انداز سے ہوئی ہے کہ قاری کی دلچسپی نہ صرف قائم رہتی ہے بلکہ [illegible] تجسس بھی [illegible] رہتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ قصہ واقعات کو ترتیب دیتے ہوئے گتھیوں کو سلجھاتا چلا جاتا ہے کہ کشمیر میں لڑکی اور جو عمر تک [illegible] کیوں [illegible] ہو جاتی ہے؟ اس کی آنکھیں [illegible] کیوں [illegible] رہتی ہیں؟ اسے کس کا انتظار ہے؟ فضا میں [illegible] کیوں [illegible] ہوئی ہے؟ صاف شفاف جھیلوں کا پانی کیوں گدلا ہو گیا ہے؟ لوگ کہاں گم ہو گئے اور ان میں قطار در قطار [illegible] کیوں سب [illegible] گئے اور [illegible] کہاں [illegible] ہیں؟ اس طرح کے تمام سوالوں کے جواب قاری خود تلاش کرتا ہے۔ افسانے میں واقعات [illegible] کی تشکیل

Scanned by CamScanner

کرتے ہیں۔

اس طرح جن مجموعوں کا ابھی ذکر کیا گیا ان کی کہانیاں موضوع اور وقت کے اعتبار سے اپنی پیش رو کہانیوں سے ان معنوں میں مختلف نہیں ہیں کہ ماضی سے بالکل الگ کسی نئی ہیئت یا تکنیک کا سراغ دیتی ہیں۔ عورت اور اس کے متعلق مسائل بدلتے وقت کے ساتھ جو شکلیں اختیار کر رہے ہیں ان کا پرتو بھی ان کہانیوں میں ضرور نظر آتا ہے۔ تاریخ کے تناظر میں ایک اہم معاشرتی دستاویز کی حیثیت سے فکشن کا جو کردار ہوتا ہے اس کے اعتبار سے یہ کہانیاں بھی اپنے وقت اور سماج کی ترجمان ہیں۔

Scanned by CamScanner

ڈاکٹر روبینہ شاہین

فراق گورکھپوری کی عشقیہ شاعری کے اہم عناصر

Firaq Gorakhpuri enjoys great repute in the tradition of Urdu love poetry. For him love signifies many things in all its variety and meanings, and a vastness of perception. With all his worldliness he has not identified a single person as object of love. Therefore his poetry encompasses sex, praise for beauty adn the immortal values of nature. The article puts its emplasis on all the emphasis on all these aspects of Firaq's poetry.

فراق ایک ہوئے جاتے ہیں زمان و مکاں
تلاشِ دوست میں میں بھی کہاں نکل آیا

فراق گورکھپوری کی عشقیہ شاعری روایت سے منحرف ہو کر اپنی انفرادیت کا اظہار کرتی ہے۔ ان کے ذہن میں عشق کا تصور بھی نہایت وسیع اور لامحدود تھا۔ اردو کے کلاسیکی شعرا، اور انگریزی ادب و فلسفہ میں رومانی دور کے شعرا سے بے حد متاثر تھے۔ انھوں نے سنسکرت ادب کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ ہندی شاعری کی بدولت ہندوستانی تہذیب و تمدن سے فطری وابستگی اور دلچسپی تھی۔ اس طرح انگریزی، اردو اور ہندی شعری روایت نے ان کی ادبی بصیرت کو نہ صرف وسعت دی بلکہ ایک معیار بھی بخشا۔ وہ خود

Scanned by CamScanner

لکھتے ہیں۔

"میں محض اپنے دل و دماغ کے بوتے پر عشقیہ شاعری کرنا کافی نہیں سمجھتا تھا بلکہ کلاسیکی اور بعض جدید ہندی، بنگالی اور مغربی ادب، فارسی ادب اور اردو ادب کے بھی تحقیقی جائزے ہی معاصر کے سہارے عشقیہ شاعری کرتا چلا جاتا تھا۔ میرا عقیدہ رہا ہے کہ عشقیہ شاعری کرنے کے لیے محض دل و دماغ کی ضرورت نہیں بلکہ ایسے دل و دماغ کی ضرورت ہے جسے مجھ نے رچایا اور بسایا ہو۔"

ان تمام روایات سے فیض یاب ہونے کے بعد ان کے اندر عشق کا اصل تصور ملتا ہے جسے وہ اپنی شاعری کے قالب میں ڈھالا۔ ان کے عشق کو ارضی دیکھنے کے باوجود کسی خاص فرد واحد یا شخصیت سے متعلق نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی شاعری میں محبوب کے حسن کا بیان مظاہر فطرت سے جڑ جاتا ہے۔ بقول حسن عسکری

"جب وہ محبوب کے حسن کے متعلق سوچتے ہیں تو ساتھ ساتھ کائنات کا حسن بھی اس کے ہم دوش ہوتا ہے۔ یہ معاملہ محض تشبیہ اور استعارے کا نہیں بلکہ اس سے ماورا بہت کچھ ہے۔" (۲)

نظم کو شعرا تو ایسا ساماں کر سکتے ہیں لیکن غزل میں مظاہر فطرت کی پاکیزگی، لطافت اور زیر و بم کو پیش کر کے غزل کو نئی معنویت عطا کی ہے۔

یہ مہکی چاندنی یہ نرم نرم تاروں کی
ترے شباب کا آئینہ رات کا جوبن
لچکتے بیٹھے دلوں کی آنچ اٹھا کے
دیے ہوئے فصل گل کی داستاں لیے ہوئے

Scanned by CamScanner

تو دن کی طرح حسیں رات کی طرح پر کیف
جہاں بھی جائے وہ انداز جیت جائے

جو تیرے گیسو نے پُر خم سے کھیل بھی دیکھیں
ان انگلیوں سے ستاروں کو چھیڑ سکتا ہوں

شام بھی تھی دھواں دھواں حسن بھی تھا اداس اداس
دل کو کئی کہانیاں یاد سی آ کے رہ گئیں

وہ رات کوئی نہ آواز تھے جب ہم دم ساز
تری نگاہ کہانی سی کہتی جائے

تصور میں تجھے دوش ہم آغوشی نے بھینچا تھا
بہاریں کٹ گئی ہیں آج تک پہلو مہکتا ہے

میں آسمان محبت پہ رخصتِ شب ہوں
ترا خیال کوئی ڈوبتا ستارہ ہے

فراق نے اپنے کلام کے دیباچوں اور مکاتیب میں اپنی عشقیہ شاعری کے محرکات پر بار بار روشنی ڈالی ہے۔ ان کی غزلوں، نظموں اور رباعیات میں مظاہر فطرت سے شدید انس و محبت کا اظہار ملتا ہے۔ اس جذباتی لگاؤ کا نتیجہ ہے کہ رات، پچھلا پہر، شفق، ستارے، دھنک، کلیاں، رس، موسم کا تذکرہ محض تذکرہ نہیں بلکہ بصیرت بھرا تجربہ و مشاہدہ بن جاتا ہے۔ وہ ورڈز ورتھ کی طرح فطرت کی رعنائیوں کو جذب کرتے اور پھر انھیں لفظ اظہار کی شکل دینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

درحقیقت وہ جمال اور جمالیاتی کیفیات کا ایسا ادراک رکھتے تھے جو نہایت اعلیٰ وارفع اور وسیع تھی۔ انھوں نے اپنے کئی شعری مجموعوں کے دیباچوں میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ وہ حسین چیزوں کو محض حسین سمجھ کر نہیں دیکھتے بلکہ ان سے متعلق

Scanned by CamScanner

جزئیات کو اپنے تخیل میں ابھار لیتے ہیں۔ ان کے ادیب عشقیہ شاعری سے کافی سمجھتے کہ کوئی انسان احساساتی سطح پر دوسروں سے زیادہ شدید اور لطیف ہو، وہ جنسی اور روحانی جذبات رکھتا ہو۔ وہ محض شاعری اور اعلیٰ شاعری سے عشقیہ شاعری کو ممتاز کرتے ہیں۔ صحیح معنوں میں عشقیہ شاعر ان صفات کا حامل ہونا چاہیے۔ ان کی تفصیل وہ یوں بیان کرتے ہیں۔

"عظمت عشقیہ شاعری کے لیے ضروری ہے کہ شاعر کی روح جمالیاتی، وجدانی اور اخلاقی اعتبار سے وسیع ہو۔ اس کی شخصیت ایک وسیع زندگی اور وسیع تجربے کی حامل ہو۔ اس کا دل دردمند ہو اور اس کے شعور کی گہرائیوں میں آفاقیت ہو۔ (۱)

فراق کی شاعری میں حسن کی شمولیت اور شعوری و لاشعوری سطح پر حواسِ خمسہ کے محرکات کو زیر نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔ ہر فرد اپنے مخصوص حالات کا پروردہ ضرور ہوتا ہے، چاہے اس کی تخلیقی صلاحیتیں زمان و مکاں کی قید سے آزاد کیوں نہ ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ ہر فرد کے کئی شعوری و لاشعوری افعال و اعمال کا دارومدار ان مخصوص حالات پر ہوتا ہے جن میں وہ تربیت و پرورش پاتا ہے۔ اس نفسیاتی نکتہ کی بنیاد پر فراق کی ذاتی زندگی کا تجزیہ کیا جائے تو بہت نتائج سامنے آتے ہیں۔ انھوں نے خود بھی بارہا اپنی ازدواجی زندگی کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ فطرتاً ایک حسن پرست انسان تھے۔ بچپن ہی سے انھیں حسین لوگ پسند تھے اور احساسِ حسن ان کے رگ و پے میں دوڑ رہا تھا۔ بچپن ہی سے حسن پرستی کے اس عنصر کو بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

"جب میں ایک سال کا ہوا تو میرا احساس، شعور عجیب رنگ سے بیدار ہوا۔ میرے گھر میں آنے جانے والوں کا سلسلہ لگا ہی رہتا تھا اور آنے والے حضرات میں اکثر مجھے گود میں لیا

ہوتے تھے ... ہیں کسی بدصورت کی گود میں

... (۲۰)

وہ بہت بچپن ہی سے ان کی شخصیت پہ حاوی تھی وقت اور عمر کے ساتھ ... ایک حادثے نے اس احساس کو اور بھی تیز کر دیا۔ فراق ... سے نفرت کرتے تھے اور اسے اپنے لیے اور اپنے خاندان کے ... سمجھتے تھے۔ ان کے خیال میں اس شادی کے بعد ان کے خاندان میں بیماریاں ... انھیں اپنی بیوی کی بدصورتی سے نفرت تھی اور یہ نفرت زندگی بھر ... اس شادی نے فراق کے اعصاب کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور وہ ... میں مبتلا ہو گئے۔ اس شادی کو وہ دھوکہ قرار دیتے تھے۔ اس ... یہ ہے کہ اس زمانے میں لڑکی کو شادی سے پہلے دیکھنے کا ... صاحب موقع پہ جا کر لڑکی دیکھ آئی تھیں۔ ... شادی کا ... ہوتا تھا۔ فراق کے گھر سے جو عورت گئی تھی اس نے ... کی بڑی تعریف کی۔ بعد میں پتہ چلا کہ لڑکی کی بجائے ... دکھائی گئی تھی وہ ان کی خالہ زاد بہن تھی اس لیے فراق اپنی شادی کو دھوکے سے تعبیر کرتے تھے (۱۱)

فراق بچپن ہی سے بڑے جذباتی اور حساس تھے اپنے اردگرد کی ہر شے سے انھیں تعلق اور ... تھا۔ ... جانوروں اور محلے والوں سے خاص لگاؤ تھا وہ اپنے ہم عمر بچوں سے زیادہ ذہین، تیز طرار اور ہوش مند تھے۔ ان کی شخصیت میں متضاد رجحانات تھے وہ ایک وقت سخت گیر تھے وہیں رحم دل بھی تھے۔ فراخ دل بھی اور ... طرح ان کی شخصیت بڑی دلچسپ اور حیرت انگیز تھی۔ وہ اپنی شاعری کو زندگی کا سب سے بڑی خوشی قرار دیتے تھے۔ لڑکپن میں انھیں اپنے والد صاحب کی ...

[illegible] تک اس کے زیر مطالعہ رہا۔ اس کی شعر و شاعری
[illegible] ایام میں شاعری کو چاہنے
[illegible]

> [illegible] زندگی تمام تر [illegible] شعور اور آگہی
> [illegible] اور میری حقیقی زندگی میں [illegible]
> [illegible] ہے جو کہ [illegible] رات میں بھی
> [illegible] حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے زیر اثر
> [illegible] حقیقی شاعری کرائی جس میں [illegible]
> [illegible]"

[illegible] کو تسلیم نہیں ہوتا اس کے لیے
[illegible] اور حالات کو کیسے محسوس
[illegible] اور بے پناہ [illegible] کرتے
[illegible] حاصل بھی ہوتے ہیں لیکن جو ادب اسی وقت تخلیق
[illegible] کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور انسانی
[illegible] ہوتا ہے۔ اب صرف حقیقی شاعری کر لیجیے ایسا شخص
[illegible] کیا حقیقی شاعری روزنامچہ یا ڈائری
[illegible] ہے۔ اردو ادب میں محبوب کے جور و ستم ہجر و وصال
[illegible] ہیں لیکن گوشت پوست کا حقیقی محبوب بہت کم [illegible]
[illegible] محبوب [illegible]
[illegible]
[illegible] حقیقی محبوب اردو شاعری کو دیا [illegible]

Scanned by CamScanner

محسوس کیا جا سکتا ہے۔ فراق ایسے ہی تصور کے قائل تھے اس کے باوجود کہ ان کے ہاں محبوب کا ایسا واضح تصور نہیں ملتا لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ مادی کی سطح پر محبوب کا پیش کرتے ہیں اور اس کے حسن، اداؤں، جوانی اور رعنائی کی مثالیں بھرپور طریقے سے کر پائے۔

گزر رہے ہیں زمانے یوں یاد آ رہے ہیں
منہ پھیر کر وہ جیسے کچھ مسکرا رہے ہیں
جو حسن سادہ اتنا سادہ بھی کب ہے اے دل
پاس محو سے جو ہوتی تو وہ پا رہے ہیں

ہم بہاروں کی اک بہار اے دوست
تیری رنگین طبیعت ہے

مستیوں کی جان ہے تیرا بدن
اک نگارستان ہے تیرا بدن
کسب نور کرتا ہے جس سے فراق
وہ نگارستان ہے تیرا بدن

مجھ کو فراق یاد ہے پیکر رنگ و بو کے دوست
پاؤں سے تا جبیں ناز، مہر فشاں وہ مہ چکاں
تیرا لیا سا الفت ہے وہ رو کر وہ پیکر ناز
دیکھا دیا ہے ہر ادا، عالم کا عالم ہے وہ بدن

فراق کی شاعری میں محبت کے گوناگوں تجربات، عشق کی بیباک مظاہر کائنات کے ساتھ ساتھ جنسی عنصر بھی ملتا ہے۔ لیکن ان کے ہاں جنسی تجربے کا تقدس اور طہارت کا احساس ہے۔ وہ جنسی جذبات کو تہذیب حیات انسانی کے بلند ترین

Scanned by CamScanner

مقاصد میں سے سمجھتے تھے۔ یہ معاملہ فراق کا بھی ہے شاعری میں عشقیہ جذبات کا اظہار محض محبوب کی خوبصورتی کے بیان، وصل کی آرزو اور ہجر کے دکھڑے سے ہی عبارت نہیں بلکہ عشق کے اظہار کو اتنا ہمہ جہت ہونا چاہیے کہ محبت سے دیگر جذبات کی نمائندگی کر سکے۔ حسن، انسانی عظمت، انسان دوستی وغیرہ دنیا کے کسی ادبی کلاسیک کا بنیادی موضوع روحانی محبت ہے۔ تغزلی یا آفاقی غزلیات ہوں یا کالیداس کی شکنتلا۔ ہر جگہ موضوع تو روحانی ہے مگر جنسی، روحانی، جسمی جذبات کے ساتھ آزادی، انقلاب، مساوات، تہذیب، اور حیات نو کی بشارت بھی شامل ہے۔ فراق تصور میں عشق اور جنسیت کے قائل تھے ان کا یہ کہنا قابل غور ہے

> "نری جنسیت یا نرا عشق کچھ معنوں میں نہ جنسیت ہوتی ہے نہ عشق ہوتا ہے۔ یہی بات شاعری کے لیے بھی کہی گئی ہے۔ نری شاعری اور نرا شاعر کچھ معنی میں نہ شاعری ہوتی ہے نہ شاعر ہوتا ہے۔۔۔۔ نرے عاشق سے عشق میں اگر وہ شاعر بھی ہے تو اس کی عشقیہ شاعری میں ایک کھوکھلا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ آفاقی دلچسپیاں عشقیہ شاعری میں آفاقیت پیدا کرتی ہے۔۔۔ تہذیب کے کارنامے جنسیت ہی کے کرشمے ہیں مثلاً انسانی تہذیب کے کارناموں سے دلچسپیاں جنسیت کے ارتقاء میں مدد دیتی ہیں۔" (۱)

میں آج صرف محبت کے غم کروں گا یاد
یہ اور بات کہ تیری بھی یاد آ جائے

فریب عہد محبت کی سادگی کی قسم
وہ جھوٹ بول کہ سچ کو بھی پیار آ جائے

Scanned by CamScanner

اک ایک صفت فراق اس کی
دیکھا ہے تو ذات ہو گئی ہے

تم مخاطب بھی ہو قریب بھی ہو
تم کو دیکھیں کہ تم سے پیار کریں

تب یہ ایک سے دو ہو اٹھا سکا
دیکھا ہے یہی محبت کے سر کی ہوئی سی

اب تو عشق تیرے بھی جائیں مگر سچ
ہے کوئی سمندر کہ ساحل کہیں ہے

ترا وصال بڑی چیز ہے مگر اے دوست
وصال کو مری دنیائے آرزو نہ بنا

وہ قرب پھر تھا کہ وحشی بھی مہذب ہو گئے
مگر یہ کیا مگر، ہاں عشق، یا زندگی نہ تھا

وہ عشق کی رنجیدگی بھی پانی بھی نہیں ہوتی۔

ہزار بار زمانہ ادھر سے گزرا ہے
نئی نئی سی ہے کچھ تیری رہگزر پھر بھی

اب اگر مجموعی طور پر فراق کی عشقیہ شاعری کے اہم عناصر کی تقسیم کی جائے تو صورتحال کچھ یوں ہو گی

۱۔ فراق شعری تجربے کے عمر بھی نہیں تھکتے، وہ اس میں ایک سچا اور گہرا جمالیاتی احساس چاہتے تھے اس لیے ان کی عشقیہ شاعری میں وجدانی شعور و احساس ملتا ہے۔

۲۔ وہ مظاہر فطرت کو مظاہر انسانی کے ساتھ ملا کر پیش کرنے پر قادر تھے۔ فطرت سے گہری وابستگی، جمالیاتی احساس و ادراک نے ان کے شعری تجربے کو منفرد بنا دیا

Scanned by CamScanner

۳۔ ادب کا خیال تھا کہ بڑا ادب اپنی کھال میں مست رہنے سے تخلیق نہیں ہو سکتا اس میں آفاقیت اور معنویت کا عنصر ہوتا ہے۔ علیحدگی (separation) تو اصل تہذیبوں اور قوموں کے بے سمت کا باعث بن جاتی ہے۔

۴۔ انھوں نے اپنی عشقیہ شاعری کو سطحیت، رکاکت، ابتذال اور چھوٹے پن سے بچانے کی کوشش کی اور اس میں زندگی کی اعلیٰ قدریں شامل کر دیں۔ انھیں اس بات کا احساس تھا کہ جب مسرت و جذبات کی معصومیت اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو معمولی الفاظ بھی گہرائی بن جاتے ہیں اور کسی شعوری کوشش کی ضرورت نہیں رہتی۔

۵۔ وہ عشقیہ تجربات زندگی کو اہم تجربہ قرار دیتے تھے لیکن اس انفرادیت میں اجتماعیت کے عناصر تھے بھی عشق کے وسیع تر معنوں کے قائل تھے۔ وہ اپنی عشقیہ شاعری میں حیات، کائنات اور تہذیب کو شامل کر دیتے ہیں۔

۶۔ ماضی کی شعوری روایت سے استفادے کو ان کے شعری تجربے میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ وہ عشقیہ شاعری میں نیچرل زبان کے استعمال پر خاص توجہ دیتے تھے۔ وہ اس بات پر خاص توجہ دیتے تھے کہ احساسات زبان کے سانچے میں ڈھلتے ڈھلتے اپنے مرکز سے دور نہ ہو جائیں۔ وہ زبان کے قائل نہیں بلکہ احساسات و جذبات کی زبان ان کی عشقیہ شاعری میں اہمیت رکھتی ہے۔

حواشی و کتابیات

۱۔ فراق شاعری اور شخصیت، مرتبہ شمیم حنفی، بک ٹریڈرز لاہور ۱۹۸۳ء
۲۔ فراق اور جمالیات، سید جعفر ساقی، اکادمی دہلی ۱۹۹۶ء
۳۔ جہان فراق، مرتبہ تاج سعید، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور ۱۹۹۱ء

Scanned by CamScanner

۴۔ غزل کا پیرا، طالب احمد انصاری، یونیورسل بک ہاؤس علی گڑھ، ۲۰۰۳ء

۵۔ فراق صاحب، مشتاق نقوی، نذر آگہی، ۱۹۸۲ء

۶۔ اردو ادب فراق نمبر، جنوری ۲۰۰۲

۷۔ فراق کی شاعری میں جمالیاتی و ہیجانی عناصر، ڈاکٹر زیب النساء، مضمون، مشمولہ اردو ادب فراق نمبر، ۲۰۰۲ء

۸۔ فراق گورکھپوری، طالب احمد انصاری، مضمون، مشمولہ گل نغمہ، مطبوعہ ادارہ انیس اردو الہ آباد، بھارت، ۱۹۵۹ء

۹۔ [illegible] فراق کی چند غزلیں، پروفیسر محمد عسکری، مضمون، مشمولہ گل نغمہ، مطبوعہ ادارہ انیس اردو الہ آباد، بھارت، ۱۹۵۹ء

عطاء الرحمن قاضی

کلامِ شکیب میں جبلتِ مرگ کی کارفرمائی

Shakaib Jalali was an unusual phenomenon. For him death was an extraordinary activity. It had an instinctive appeal for him. For him death was a fact of life arpund which philosophy and religion had woven a highly complicated pattern. The instinct of death has a special niche in his poetry. His fascination wfrom the idea of death was strunghened by his suicide. Here Shakaib's preoccupation with "deathwish" has bee explored.

موت ایک ایسی ویسی حقیقت ہے کہ جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ پوری انسانی زندگی اس تلخ حقیقت کی ناگزیریت کو تسلیم کرتی ہے اور اس کی ناگہانیت سے جنم لینے والی وحشت کے حصار سے نکلنے کے لیے شعوری یا لاشعوری تگ و دو کرتی رہتی ہے۔ قدیم قوموں کے نظریہ مرگ (Conception of Death) کا اگر جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ ازمنہ قدیم کے لوگ اپنی محدود ذہنی صلاحیتوں کی بدولت موت کو ایک ایسی بلا یا دیو سمجھتے تھے یا غیر مرئی قوت کے طور پر محسوس کرتے تھے جو ان کے نزدیک باہر سے حملہ آور ہوتی ہے اور انسانوں کو زندگی میں سے لے کر بے حس بنا دیتی ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک موت کے اسباب سراسر بیرونی (External) تھے۔ رفتہ رفتہ انسانی صلاحیتوں کے ارتقا پذیر ہونے سے جو

حقیقت منظر عام پہ آئی کہ:

"ہر جاندار اپنے ساتھ موت کے امکانات لے کر آتی ہے۔ یہ ذی روح ایک خاص عرصے تک زندہ رہنے کی تگ و دو کرتا ہے اور بالآخر پتھر کی طرح سرد اور بے حس ہو جاتا ہے۔"(۱)

گویا موت کی وجوہات بیرونی نہیں اندرونی ہوتی ہیں۔ موت کی یہ توضیح انسان کے مختلف طرزِ فکر کی غماز ہے۔ جدید انسان کائنات اور اس کے مظاہر کو اب سے نئی نظر سے دیکھ رہا ہے اور اس حقیقت کو منکشف کر رہا ہے کہ صرف حیاتی اشیاء (جیسے حیوانات، نباتات) ہی نہیں بلکہ غیر حیاتی اشیاء بھی ہر لمحہ فنا کے بے کیف عمل کی گرفت میں ہیں۔ آئن سٹائن کا کہنا ہے کہ یہ کائنات ہی مسلسل سرد اور تاریک ہو رہی ہے۔ اگرچہ یہ عمل بہت سست رو ہے لیکن کروڑوں سال پہ محیط اگر یہی عمل کائنات کو ایک دن سرد اور تاریک بنا دے گا۔ آئن سٹائن کا نظریہ اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ:

"تخریبی عمل کائنات کے اندر موجود ہے اور وہ اپنے تکمیل کی طرف جا رہا ہے۔ لہٰذا جو خاصیت کائنات میں مجموعی طور پر موجود ہے اس کا اظہار نباتات یا حیوانات کی محدود دنیا میں آ سکتا کوئی غیر فطری بات نہیں۔ اگر ہماری کائنات تباہ ہو سکتی ہے تو ہمارا انجام بھی اس سے مختلف نہیں ہو سکتا۔"(۲)

فرائیڈ بھی اس نظریے کا قائل ہے کہ موت کی وجوہات باطنی ہوتی ہیں۔ کوئی بیرونی قوت موت سے ہم کنار نہیں کرتی۔ اس نے انسانی ذہن کی گہرائیوں میں موجود انسانی فنا پذیری کے احساس کو نہایت مربوط اور سائنسی انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ اس نے ۱۹۲۰ء میں اپنی کتاب "ماورائے اصول لذت" (Beyond Pleasure Principle) میں جبلت مرگ کے تصور کو پیش کیا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد ۱۹۲۰ء

خلفشار اور اقتصادی استحصال کا شکار تھا اس نے بیشتر لوگوں کے اندر قنوطیت پیدا کر دی تھی۔ فرائیڈ کا ایک قنوطیت کے حامل نظریے کو پیش کرنا اس عہد کے معروضی حالات کا منطقی نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔

فرائیڈ کے نزدیک ہر شخص کے اندر لبیڈو (Libido) کی دو بنیادی جبلتیں

(۱) تحفظِ ذات

(۲) اشاعتِ ذات

موجود ہوتی ہیں جو شخص کو نشوونما فراہم کرنے کا فریضہ سرانجام دیتی ہیں۔ ان جبلتوں کو جو زندگی حیات میں مدد و معاون ثابت ہوتی ہیں۔ فرائیڈ ایک وحدت کے طور پر پیش کرتا ہے اور اسے جبلتِ حیات (Eros of Life Instinct) کا نام دیتا ہے۔ اس کے علاوہ جو دوسری جبلت شخص کے اندر موجود ہوتی ہے اسے فرائیڈ جبلتِ مرگ (Thanatos or Death Instinct) قرار دیتا ہے۔ اس جبلت کا مقصود شخص کو موت سے ہمکنار کرنا ہے۔ یہ جبلت عضویے کی حیاتیاتی قوت پر استیلا حاصل کر کے عضویے کو بے حس بنا دیتی ہے۔ فرائیڈ کے نزدیک جبلتیں لچک کی صلاحیت سے محروم اور رجعت پسند ہیں۔ اپنی قدیم حالت میں واپسی جبلت کا خاصہ ہے۔ حیاتیاتی اشیاء کی ترقی اور فروغ میں جبلتوں کا کردار نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہ فریضہ بیرونی عناصر (ماحول، جغرافیائی حالات) ہی سرانجام دیتے ہیں۔ فرائیڈ کے نزدیک چونکہ حیات کی صفات، کسی نامعلوم قوت کے زیر اثر غیر حیاتیاتی مادے کے اندر پیدا ہوئی ہیں۔ اس لیے معرض وجود میں آنے والی جبلت زندہ شخص کو دوبارہ غیر حیاتیاتی مادے میں تبدیل کر دینا چاہتی ہے۔ فرائیڈ کا کہنا ہے کہ:

"The attributes of life were at same time evoked in inanimate matter by the action of the force of whose nature we can form no conception. It may

Scanned by CamScanner

perhaps have been a process similar, in type, to that which caused the development of counschiness in a particular stratum of living matter the tension which then arose in what had hither to been an inanimate substance endeavoured to cacel itself out. In this way the first instinct came into being: the instinct of return to the inonimate state."(۳)

فرائیڈ کے اس نظریے کا جائزہ لیتے ہوئے شہزاد احمد رقم طراز ہیں کہ

"ممکن ہے کہ فرائیڈ کو یہ خیال اس کے اپنے نظریہ مراجعت سے لایا ہو۔ تحلیل نفسی کہتی ہے کہ بچہ پیدائش کے بعد اپنی غیر پیدائشی حالت کی طرف لوٹ جانا چاہتا ہے۔ اس نظریے کو مراجعت (Regression) کہا جاتا ہے۔ مادے کے ساتھ اس نظریے کو متعلق کرنا خاصی دور از کار بات ہے۔ چنانچہ اس بنیادی خیال کو ثابت کرنے کے لیے فرائیڈ نے کسی ماہر حیاتیات کا حوالہ تک نہیں دیا۔ اس لیے یہ نظریہ مفروضے سے زیادہ حیثیت کا حامل قرار نہیں دیا جا سکتا۔"(۳)

بہر حال اپنی تمام خامیوں کے باوجود فرائیڈ کا یہ نظریہ موت کے مسئلے کو ایک نئے اور منفرد تناظر میں دیکھنے اور حل کرنے کی کوشش ضرور ہے جسے یک قلم مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ فرائیڈ کے نزدیک جبلت مرگ اور جبلت حیات دونوں بیک وقت ایک ہی ذات کے اندر موجود ہوتی ہیں۔ اس نظریے کا اگر بنظر غائر جائزہ لیں تو اس کے اندر سے جو پہلو ابھر

(Dialectical Materialism) سے ملتے نظر آتے ہیں۔ دو متناقض جذبوں کی ایک ذہن میں یکجائی جدلیاتی مادیت کے قانون وحدت اضداد (unity of opposite) کے عین مطابق ہے۔ اس کے برعکس ارسطو کا خیال یہ ہے کہ

"دو متناقض جذبے ایک وقت یکجا نہیں ہو سکتے۔ ایک لمحے میں ایک ہو گا تو دوسرے لمحے میں دوسرا۔ ایک شے ایک ہی وقت میں سفید اور غیر سفید نہیں ہو سکتی۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ ایک وقت میں ایک شے سفید ہو اور دوسرے وقت میں غیر سفید ہو جائے۔ اس قانون کو قانون مانع النقیضین (Law of Non contradiction) کہا جاتا ہے۔"(۵)

ارسطو کی منطق کے بموجب دو متضاد رویوں کا ایک جا ہونا ناممکن ہے لیکن ارسطو کی یہ منطق انسانوں کے ذہن میں پیدا ہونے والے ہر رویے کا تجزیہ کرنے سے قاصر ہے۔ انسان کے ذہن میں ایک وقت دو متناقض رویوں کا پیدا ہونا بعید از قیاس نہیں۔ ہر انسان کے اندر خوشی، غمی، نفرت، محبت جیسے جذبات ہر وقت موجود ہوتے ہیں۔ ارسطو کے "قانون مانع النقیضین" کے بموجب ایک ذہن میں جبلت مرگ اور جبلت حیات ایک وقت نہیں پنپ سکتیں۔ لیکن جدید علوم اور جدید نفسیات کے مطابق یہ دونوں جبلتیں ایک ہی وقت ایک ذہن میں اکٹھی ہو سکتی ہیں۔ جبلت مرگ اور جبلت حیات کی جدلیاتی کشمکش میں آخری فتح فرائیڈ کے نزدیک جبلت مرگ کو ہی حاصل ہوتی ہے۔ اپنی ماہیت کے اعتبار سے یہ نظریہ رجائیت کے برعکس قنوطیت کا حامل ہے اور کسی بھی معاشرے کے عمرانی، سماجی اور تہذیبی رویوں کی تشکیل نو میں اثباتی تناظر فراہم کرنے سے قاصر ہے۔

(۲)

ہمارے اکثر غزل گو شعراء کے ہاں اذیت پسندی (Sadism) اور سطحی کیفیات کی ترجمانی بڑے نمایاں انداز میں ہوتی ہے۔ بیشتر شعراء کے گرد و پیش کے تناظر نے ماہیت

Scanned by CamScanner

کا پتا چلتا ہے کہ ان کے ہاں پروان چڑھنے والی خواہش مرگ بھی بالآخر اثبات حیات
کی متحرک نامیاتیت (Dynamic organicism) ہی سے متعلق ہوتی محسوس ہوتی ہے۔ ہمیں
چند ایک شعراء کے ہاں خواہش مرگ، حیاتیاتی تقاضوں پر غالب دکھائی دیتی ہے۔ ان میں
شکیب جلالی بھی شامل ہیں۔

شکیب کے باطن میں پنپنے والے احساس نارسائی نے ان کے کلام میں بھی
حزنیہ لے کو فروغ دیا ہے وہ ان کے داخلی وجود کو ہمارے سامنے بے نقاب کر رہی ہے۔
اس احساس نارسائی کے پیچھے اس عہد کی سماجی قدروں اور سیاسی بے چینیوں کی جھلک
تلاش کرنا ہوا میں گرہ لگانے کے مترادف ہے۔ اگر ان کی اداس زندگی کے اسباب پر غور
کریں تو پتہ چلتا ہے کہ:

"یہ اسباب قطعاً سیاسی اور سماجی مسائل سے دست و گریباں ہونے
کے پیدا کردہ نہیں ہیں۔ ان میں زیادہ تر شکیب ذاتی محرومیوں اور حق
تلفیوں کے احساس کا ہو سکتا ہے۔ ان کے ہاں ذاتی جذبات اور دکھ
کا دباؤ شروع سے آخر تک محسوس ہوتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو بکھرا ہوا
محسوس کرتے ہیں۔ ان کی کائنات میں پھیلنے اور نمو پانے کے امکانات
بہت ہی کم نظر آتے ہیں، سکڑنے اور سمٹنے کے زیادہ۔" (۶)

شکیب کے کچھ اشعار دیکھئے جن میں نارسائی اور ناکامی کا المیہ کامل قوت سے
کر روشن ہوا ہے۔" (۷)

جاتی ہے دھوپ اجلے پروں کو سمیٹ کر
زخموں کو اب گنوں گا میں بستر پہ لیٹ کر
فصیل جسم پہ تازہ لہو کے چھینٹے ہیں
حدود وقت سے آگے نکل گیا ہے کوئی

بس چلے تو اپنی عریانی کو اس سے ڈھانپ لوں
نیلی چادر سی تنی ہے جو کھلے میدان پر

ستارے سسکیاں بھرتے تھے اوس روتی تھی
فسانہ جگر لخت لخت ایسا تھا

بنی نہیں جو کہیں پہ کلی کی تربت تھی
سنا نہیں جو کسی نے ہوا کا نوحہ تھا

اجڑا ہوا مکاں ہے یہ دل جہاں پہ ہر شب
یہ چھائیاں لپٹ کر روتی ہیں بام و در سے

کسی کی آس تو ٹوٹی، کوئی تو ہار گیا
کہ نیم باز دریچوں میں روشنی ہے اداس

جس جس کے گلے ملے قضا سے
تکمیل حیات کر گئے ہم

بھولا نہیں ہوں قتل امید کا سماں
تحلیل ہو رہا تھا شفق میں سحر کا رنگ

کیا کچھ کیا نہ خود کو چھپانے کے واسطے
عریانیوں کو اوڑھ لیا شال کی طرح

کیا جانیے کہ اتنی اداس تھی رات کیوں
مہتاب اپنی قبر کا پتھر لگا مجھے

انسان کی بے بضاعتی اور فنا کی ناگزیریت مندرجہ بالا اشعار سے ٹپک رہی ہے۔ فصیل جسم پہ خون کے چھینٹے، ستاروں کا سسکیاں بھرنا، ہوا کا نوحہ گری کرنا، عریانی کو شال قرار دینا اور قتل امید جیسی تراکیب شاعر کے داخلی مزاج کو نمایاں کر رہی ہیں۔ مہتاب جو

Scanned by CamScanner

کہ حسن کی علامت ہے۔ شکیب کے ہاں قبر کے پتھر میں داخل ہوتا ہے۔ شکیب کے کلام میں کہیں کہیں امید آمیزی اور بہجت انگیزی کی جو جھلک ملتی ہے وہ ان کے بنیادی شعری موڈ کے سامنے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ ان کا بنیادی شعری تجربہ ملتی کیفیات کے اظہار سے تشکیل پذیر ہوا ہے۔

شکیب کا آشوب آگہی، وجود اور طبقاتی تناظر سے محرومی کے باعث زندگی کو حقیقت کی صورت میں دیکھنے سے محروم ہے۔ زندگی کے جبر اور کا تخلیقی اظہار جو انھوں نے کیا ہے کے حوالے، ذہنی، جذباتی بیداری کی واردات شعری تجربے کا حصہ بنا ہے۔ اگر ہم شکیب کی غزل کا مجید امجد کی غزل سے موازنہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ مجید امجد کا آشوب آگہی شکیب سے کہیں زیادہ گہرائی اور گیرائی کا حامل ہے۔ شکیب فنا کو اپنے امکان کے طور پر دیکھتے ہیں جو زندگی کے خاتمے کا اعلامیہ ہے لیکن فنا کے احساس سے پھوٹنے والے اس کرب سے دوچار ہے جو مجید امجد کی ذات، روحانی تنہائی اور قلبی محرومی کا ترجمان ہے۔ دوسرے لفظوں میں مجید امجد کا غم شکیب کے غم سے کہیں زیادہ گمبھیر اور کرب ناک صورت حال کا غماز ہے۔

شکیب اپنی غزل میں جن فنی وسائل کو بروئے کار لاتے ہیں ان میں تشبیہ و تمثیل بہت نمایاں ہے۔ شکیب ماورائے حس احساسات اور مجرد خیالات کے محسوس پیکر تراشنے اور حال تشکیلوں میں ادا کرنے کی تخلیقی صلاحیت سے مالا مال ہیں۔ تجرید کو تجسیم میں داخل کر دینا اور مجرد مظاہر کا کائنات کے ساتھ استوار کرتے نظر آتے ہیں۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے انھوں نے کہیں تشخیص اور کہیں استعاراتی انداز بھی اختیار کیا ہے۔ حسن اور اس کے لوازمات شکیب کی غزل میں جمالیاتی تجربے میں داخل کرتے ہیں۔ محبوب کے حسن خدوخال اور مظاہر فطرت کو ملا کر ایک جمالیاتی اور نشاط آگیں تجربے میں داخل کر دیتی ہے احساس پر وہ رنگ دے رہا ہے۔ انسانی معاشرے کے برعکس فطرت کی کائنات کے ساتھ قریب کا تعلق بہت گہرا ہے۔ انھوں نے حسن محبوب اور حسن فطرت کو ایک اکائی میں ادغام

ہے۔ حسنِ فطرت اور حسنِ محبوب کے ادغام سے پھوٹنے والے تفکر کو جبلتِ حیات (Eros) کی کرشمہ سازی ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ چونکہ ان کے بیشتر تجربات زندگی کے ماحول اور مانوس مظاہر سے ماخوذ ہیں۔ اس لیے قاری کو غرابت کا احساس نہیں ہوتا اور وہ ان کے شعری تجربے کو اپنے باطن سے ہم آہنگ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ ان کے چند اشعار دیکھیے جن میں مختلف طرح سے جبلتِ حیات کا تخلیقی مظہر ان کے سامنے آتے ہیں۔

ان کے ہونٹوں پہ منقش تری آواز بھی ہے
خانۂ دل میں فقط تیرا سراپا ہی نہیں

یوں آئینہ بدست ملی ہے خزاں کی دھوپ
شیشے کی دھوپ لٹ گئی آفتاب میں

کھلی ہے دل میں کسی کے بدن کی دھوپ شکیب
ہر ایک پھول سنہرا دکھائی دیتا ہے

جب تک بھی ہے پہاڑیوں پہ شفق کا سونا پگھل رہا
ڈھلان تیرہ کے دونوں میں ہیں نور کے آبشار دیکھو

دھوپ کی رُت ہے تو سایۂ دیوار ہیں ہم
آج بھی ایک تعلق ہے ترے ساتھ ہمیں

پلکوں کے کٹہروں سے جو جھانک رہے ہیں
امید کہ تشنہ لبی ہیں تری پیاری

ساحل سے دور جب بھی کوئی خواب دیکھیے
جلتے ہوئے چراغ تہِ آب دیکھیے

شکیب کی تمثال کاری ان کے ذاتی مشاہدات کی بھی عکاس ہے۔ ان کے حسی

Scanned by CamScanner

تجربات نے نئے افکار کے روپ میں سامنے آتے ہیں۔ یہ افکار ان کے تخلیقی ذہن کی زرخیزی کا ثبوت فراہم کر رہے ہیں۔ انھوں نے جہاں اپنے داخلی احساس کو خارجی حقیقت سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی ہے۔ مختلف انواع تمثالیں سطحِ شعور پر آئی ہیں۔ چونکہ شکیب کا بنیادی شعری تجربہ منفی کیفیات کا حامل ہے۔ اس لیے ان کے افکار و بیشتر افکار بھی دہشت مرگ (Thanatos) کے ہی ترجمان ہیں اور ناکامی، تنہائی اور انسانی زندگی کی بے بضاعتی کی عکاسی کر رہے ہیں۔ انھوں نے جدید انسان کے المیے کو واردات چابک دستی کے ساتھ فکر انگیز تصویروں کے روپ میں پیش کیا ہے۔ چند اشعار دیکھیے

چہرہ کوئی ردائے شب ابر میں نہ تھا

بیٹھا تھا میں اداس بیابانِ ذات میں

نہ اتنی تیز چلے سر پھری ہوا سے کہو

شجر پہ ایک ہی پتا دکھائی دیتا ہے

گھر سے خالی ہو گئے سایوں سے آنگن بھر گیا

ڈوبتے سورج کی کرنیں جب پڑیں دالان پر

یہ جہاں بیٹھا وہاں بھی کوئی کسی کی آمد کا منتظر تھا

کسی مکاں کے در و بام و در پہ بجھے دیوں کی قطار دیکھو

ایک جھپکی ہی لے گر نیند نہ آئی رات بھر

زوالِ شب پہ دکھ کے سر ہوا سے چراغ سو گئے

مرجھا کے کالی جھیل میں گرتے ہوئے بھی دیکھ

سورج ہوں میرا رنگ مگر دن ڈھلے بھی دیکھ

عالم میں جس کی دھوم تھی اس شاہکار پر

دیمک نے جو لکھے کبھی وہ تبصرے بھی دیکھ

Scanned by CamScanner

[illegible] ایک پہلو [illegible]

تصویر [illegible] چھوڑ گیا ہے [illegible]

[illegible] (Objective correlative) کے ذریعے شکیب [illegible] کے ساتھ گرفت میں لایا جا سکتا ہے۔ [illegible] ذات، حیات اور [illegible] اقدار [illegible] ضرور [illegible] ہے مگر وہ بھی زندگی [illegible] ہے۔ ایک نامعلوم تخلیقی الجھن جس نے شکیب [illegible] اس کی تخلیقی صلاحیتوں کو ختم کر گئی۔

حوالہ جات

1. [illegible] "[illegible] تہذیب [illegible]" [illegible] لاہور [illegible] ص ۵۹
2. ایضاً
3. [illegible] اقبال کا تصور [illegible] از ڈاکٹر نعیم احمد، اقبال اکادمی لاہور، طبع اول ۱۹۹۸ء، ص ۳۹
4. [illegible] "[illegible] تہذیب [illegible]" ص ۲۶،۲۵
5. نعیم احمد، ڈاکٹر، اقبال کا تصور [illegible] ص ۲۳،۲۲
6. [illegible] احمد انصاری، پروفیسر "غزل گو شکیب جلالی" کلیات شکیب جلالی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، اشاعت اول ۲۰۰۴ء، ص ۵۵
7. شمس الرحمن فاروقی "شکیب جلالی، مشعل جو اب بھی روشن ہے" کلیات شکیب جلالی، ص ۴۹

Scanned by CamScanner

اردو ناول میں تصور وقت

The novel by its very nature encompasses the whole of life: the consciousness of an age, the styles of the living and the variety of existence at many levels and in many eras of the past. Every thing is grist to the mill. Time therefore has a distinct and vital role to play in a genre which sometimes is defined as social reportage. In a work of fiction it works like a question mark. It has always been a challenge to the writer. The article here makes an attempt at how various writers have managed to apprehend it in their work.

ناول ایک ایسی تحریر کا نام ہے جو شعور زیست کے ساتھ ساتھ زندگی کے تلخ حقائق اور زندگی کے تجربے سامنے لاتی ہے۔ اسے لانگ فکشن بھی کہا جاتا ہے جس نے نثر کی دو نثری اصناف۔ قصے اور داستان کی جگہ لے لی ہے۔ ناول میں کردار نگاری کے ذریعے انسانی سماجی اور مختلف قوموں کے ذریعے زندگی کے بدلتے ہوئے حقائق پیش کیے جاتے ہیں۔ دوسری اصناف ادب کی طرح ناول بھی لا محدود انسانی تجربات کے اظہار کا وسیلہ ہے۔

ناول کے اسالیب میں تین بنیادی عناصر کو اہمیت حاصل ہے۔ ناول item

Scanned by CamScanner

[illegible] ... Charles I. Shannon ... [illegible]

[illegible] ... Myth ... [illegible]

[illegible]

[illegible] ... قرۃ العین حیدر ... [illegible]

[illegible]

[illegible] ... جیسے سائنس،

تاریخ، فلسفہ، علم [illegible] ... نفسیات، ... [illegible]

[illegible] ... Genetics ... [illegible]

Genomics ... [illegible] ... مختلف علوم و فنون سے استفادہ ... [illegible] ناول

[illegible] ... اردو کے پہلے ناول نگار، عبدالحلیم شرر،

رتن ناتھ سرشار، مرزا ہادی رسوا، پریم چند، ... کرشن چندر، ... قرۃ العین حیدر،

[illegible] ... عصمت چغتائی، ... [illegible] ... حیات اللہ

انصاری، ... [illegible] ... عبداللہ حسین، ... صدیقی اور [illegible]

Scanned by CamScanner

ناول کے ناولوں میں تاریخ اور وقت کا جبر، سیاسی، معاشرتی، تہذیبی، معاشی مسائل، وجودی
مسائل، ہجرت، دو تہذیبی زندگی میں جاری و ساری Landmarks اور نئی فکر، روحانی کرب،
ہمہ گیر مایوسی، لایعنیت، قنوطیت، موت کی خواہش اور موت کا خوف، ٹوٹتے بکھرتے رشتے،
غربت، جلاوطنی، استحصال، تنہائی، باطنی کرب، دہشت گردی، مذہبی شدت کا رجحان، ہمہ گیر
آسودگی اور بے ثمر دوسرے خارجی و داخلی مسائل کے ذہنی و فکری اور عالمی تناظر میں بھی اور
دوسرے بھی پڑھے گئے ہیں۔ پھر اس طرح کے ناول بھی کہ ناول پر غالب آ گیا
ہے جو انسان کو ... کرتا ہے اور منفی سوچوں کے ساتھ ساتھ ایسے اعمال کو جنم دے رہا
ہے جو آدمی کے بجائے صرف جانوروں سے وابستہ ہیں۔ ناول کے اس منظر نامے کو
سامنے رکھ کر ڈاکٹر جمیل جالبی نے آج سے چودہ سال پہلے یہ لکھا تھا کہ

> "ناول پر ایک ایسا وقت آیا تھا جب اس کی ترقی کی رفتار اتنی تیز
> تھی جیسے کہ زندگی کی تھی لیکن اب ٹھہرنے کا وقت آ رہا ہے۔ ناول
> نے Hurdel Race ختم کر دی ہے اور اب ناول کی بلندی چھونے
> کو ہے۔"(۱۲)

بہت ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو لیکن اس سے قبل کی کارکردگی کا جائزہ لینا اس لیے ضروری ہے
کہ کام کا آغاز کہاں سے ہوا اور کہاں تک ہوا۔ اس حوالے سے کام کرنے والوں میں پہلا
اہم نام قرۃ العین حیدر کا ہے۔ بالخصوص "آگ کا دریا" کے حوالے قرۃ العین حیدر نہ صرف
منفرد بلکہ قد آور بھی رہی ہیں۔ ان کا ناول "آگ کا دریا" ایک دلچسپ تخلیقی تجربہ ہے۔
تقسیم سے Shifting Identities کی تصویر اس ناول میں بڑی خوبی کے ساتھ پیش کی گئی
ہے۔ اس میں وقت کی کارفرمائی، موت، ہجرت، انسانی مقدرات، جنگ، فتح اور شکست
اور مذہبی اثرات کے بارے میں ناولٹ جس طرح منتقل ہوتے ہیں۔ انھوں نے یہ
بہت محنتوں کی صورت اختیار کر لی ہے اور ان کے اثرات دوسرے فنکاروں کے ناولوں پر

Scanned by CamScanner

کرنے والے سے شعوری و لاشعوری انداز سے جڑے ہیں۔

قرۃ العین حیدر کے ناول "آگ کا دریا" میں ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ کی نظم "فور کوارٹٹس" کی طرح وقت کو ایک اہم حوالہ ہے۔ "وقت" ہر دور میں موضوع بنتا رہا ہے۔ آگسٹن کا یہ مشہور قول، جو ان کی کتاب "اعترافات" میں ملتا ہے، قابل ذکر ہے کہ ہم محسوس تو کرتے رہتے ہیں کہ اس میں ظروف اور حوادث ہیں، لیکن اگر اس کی ماہیت بیان کرنا چاہیں تو اپنے آپ کو بالکل لاچار اور بے بس پاتے ہیں۔ وقت کو مسلسل تسلیم کرنے والے دو گروہوں میں منقسم نظر آتے ہیں اور تقسیم کرنے والے ڈاکٹر اقبال اسے مسلسل ماننے والوں میں سے ایک ہیں۔ اسلوب احمد انصاری لکھتے ہیں

> "وقت کو بیان ان معنوں میں نہیں کیا جا سکتا ہے کہ اس کے تین بنیادی اجزائے ترکیبی یعنی ماضی، حال، مستقبل میں سے کوئی ایک بھی انسانی ادراک کی گرفت میں پوری طرح سے آ جانے والا نہیں۔ ماضی کے لمحات جو گزر چکے ہیں، اب واپس نہیں لائے جا سکتے، مستقبل اپنے آپ کو بے نقاب کرنے کی صلاحیت تو ضرور رکھتا ہے کہ وہ وقت کے رحم پر ہے۔ لیکن بالآخر اس کی کیا صورت ہوگی، یہ کوئی نہیں جانتا اور نہ ہی اس سلسلے میں کوئی پیش بینی ممکن ہے۔ حال جس سے ہمارا سروکار ہوتا ہے، یا تو پلک جھپکنے میں ماضی میں ضم ہو جاتا ہے یا پھر مستقبل کی طرف ہر دم نظروں سے دیکھتا رہتا ہے۔" (۴)

یوں وقت (Time) انسان کے لیے ہمیشہ سے ایک معمہ رہا ہے اور تخلیق کاروں کے لیے ایک پراسرار قوت، یہاں تک کہ اکیسویں صدی سے پہلے آئن سٹائن نے تصورِ زمان و مکاں کے مروجہ سائنسی بنیادوں پر اعتراض اور ڈاکٹر اقبال نے

آئن سٹائن کے تصورِ وقت (Time and Space) کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔
خاص طور پر "مسجد قرطبہ" کا نظارہ اس حوالے سے اہم ہے۔ اردو شاعری میں اقبال کے
بعد مجید امجد اور قرۃ العین حیدر نے وقت سے متعلق واضح مختلف کا اظہار کیا۔ مجید امجد اور
قرۃ العین حیدر کے نزدیک وقت سب سے بڑی تخلیقی قوت ہے۔ جسے تخیلات کرتے
ہوئے وقت سے تخلیقی وابستگی بھی کرتے ہیں

وقت کی [illegible] زمانوں کی [illegible] سے اٹھے

[illegible] (مجید امجد)

اس احساسِ وقت نے مجید امجد اور قرۃ العین حیدر کے ہاں احساسِ فنا کو ابھارا
ہے۔ زمان و مکان کے حوالے سے ان تمام ناول نگاروں کے ذہن میں کئی طرح کے
سوالات پیدا ہوتے جنم لیتے ہیں اور انسانی عمر کی بے بضاعتی کا انکشاف کرتے ہیں۔
مجید امجد اور قرۃ العین حیدر کے تصورِ وقت پر بات کرنے سے پہلے "وقت" کے اسرار کو سمجھنے
کی ضرورت ہے۔

کہا جاتا ہے کہ وقت قدیم ترین شے ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ
نے "زمانے کی قسم" کھائی ہے۔

"زمانے کو برا نہ کہو کیونکہ زمانہ میں خود ہوں"

وقت کو سائنسی اعتبار سے روکنا ممکن نہیں۔ وقت تھمتا نہیں، بس گزرتا چلا جاتا
ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خواہ انسان ہوں یا انسان کی تعمیر کردہ عمارات اور
ایجادات، انہیں مسلسل گزرتا ہوا وقت اس طرح نہیں رہنے دیتا جیسا کہ وہ ہوتی ہیں۔
مجید امجد اپنی نظم "[illegible]" میں لکھتے ہیں

کل زماں کے ایک تھپیڑے کی دیر تھی
قصے، کہاں قصر کے سب [illegible] گئے

زمان و مکان، کیونکہ یہ موضوع ہے جس پر فلسفیوں، شاعروں اور سائنس دانوں نے بہت
کچھ لکھا ہے۔ مرزا قرۃ العین حیدر اپنے شاہکار ناول "آگ کا دریا" کے آخر میں لکھتی
ہیں: "مقدس شہر بن جائیں گے، وقت کی موج کا گروہ باقی رہ جائے گا۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ مرزا قرۃ العین حیدر اس خیال سے متفق
ہیں کہ انسان بہت سی چیزوں سے محفوظ کرنے کا اختیار وقت ہی کو حاصل ہے۔

اب شمیم حیدر نے ... کا پہلوان کا آخری ... احمد حیدر اچھا تھا اور
تم یہ تو ... نے ... تو

"موت کی صحبت میں میرے ساتھ بیٹھ آ زوال کرتی تو
تم نے بہت ... ہے۔"

یونانی حکیم ... نے وقت کو سب سے بڑی طاقت قرار دیا تھا۔ گویا وقت ہی ایک
ایسی قوت ہے جو ہر شے کو شکست دے رہی ہے۔

ڈاکٹر ... صاحب لکھتے ہیں:

"یونان کے مشہور فلسفی ارسطو نے اپنی کتاب میں بتایا کہ ہومر
آئیوس کے ساحل پر ... ماہی گیروں کی ایک بستی میں پہنچا تو
اس نے ماہی گیروں سے ایک سوال کیا:

"اے آئیوس کے ماہی گیرو! تمہارے پاس کیا کچھ ہے؟"

اس کے جواب میں ایک ماہی گیر نے ایک پہیلی کہی کہ

"جو ہم نے پکڑا تو وہ پیچھے چھوٹ گیا اور جو ہم نے نہیں پکڑا
وہ ہمارے پاس ہے۔"

کہا جاتا ہے کہ ہومر اس پہیلی کو نہ بوجھ سکا اور چند دن غور و فکر کے
بعد اسی غم میں مر گیا۔"(۳)

Scanned by CamScanner

کا موضوع وقت کا دھارا ہے جو انسان کی ارضی زندگی کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اس میں ڈوبنے اور ابھرنے کا احساس کہیں خوف اور جبر کو ہمیں جس ہم آہنگی اور تعلق کی ضرورت ہے وہ تنہا ہیں اور لمحوں نے اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ہیں۔ انسانی رشتوں میں محبت، نفرت، وفاداری اور بے وفائی، تنہائی اور بے دلی، عشق، دشمنی کی آویزش نے جو پیچیدگیاں پیدا کی ہیں، [illegible] کے عمل میں جو کرب اور تشنگی پیدا ہوتی ہے اور اس سے مجموعی طور پر شخصیت کی شکست و ریخت ہوتی ہے وہی سب مل کر اس ناول کا موضوع ہے۔

یہاں ماضی جو ہے وہ ہمیں گوتم، ہری اور چمپک وغیرہ کے زمانے سے متعارف کرواتا ہے۔ تہذیب کی اس تصویر سے ہم ہندوستان کے قدیم زمانے کے بارے میں آسانی سے پڑھ سکتے ہیں۔

ناول کے ابتدائی حصے میں ہم اساطیر پڑھتے ہیں۔ گوتم کی ابتدا سے دوچار ہوتے ہیں۔ حسن فطرت سے ہم آہنگی، انسان اور خدا کے درمیان رشتہ و تعلق کے بارے میں اولین استفسار، عمل میں سادگی، ریاضت اور خلوص، ایثار، عشق اور فرزانگی سے گوتم کی شخصیت کے نقوش واضح ہوتے ہیں۔ گوتم جو اس ناول کا مرکزی کردار معلوم ہوتا ہے۔ وہ ایک مفکر کا ذہن، ایک فنکار کا وجدان اور ایک مخلص اور بے ریا انسان کا دل رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ اپنے اندرون میں جھانکنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ہری شنکر، گوتم کے مقابلے میں حقیقت پسندانہ صلاحیت رکھتا ہے۔ چمپک جو راجہ کی بیٹی اور گوتم کا عشق اول ہے۔ گوتم کی پرسکون کائنات میں تموج اور تلاطم پیدا کرنے کا وسیلہ بنتی ہے۔

یہاں قدیم ماضی سے نکل کر جب ہم ناول کی حدود میں داخل ہوتے ہیں تو گویا اسطوری عہد کو پیچھے چھوڑ کر تاریخ کے اجالے میں آجاتے ہیں۔ یہاں انتشار اول کے

Scanned by CamScanner

عزلت اور اسلاف سے عقیدتیں اور شفقت کیے جا سکتے ہیں، اس لیے کہ اب انسانوں پر بالادالی خاندانوں کا زوال ہو چکا ہے۔ اس معاشرے میں بڑی حد تک مرد کی بالادستی قائم اور مستحکم شدہ ہے اور عورت اس کی رضا جوئی پر مطمئن نظر آتی ہے۔ یہاں خارجی فطرت سے چاہت شاید حصہ پر نظر آتی ہے۔ یہاں انسان اپنے ماحول میں گم ہو کر نہیں بیٹھا ہے بلکہ فطرت سے معلوم نظر آتا ہے۔ پھر یہاں شرافت تھی اب اس کی جگہ بیداری نے لے لی ہے اور حسین شرقی کا عہد اور سے پیش نظر آ جاتا ہے۔ یوں ہم پوری طرح تاریخ کے احاطے میں آ جاتے ہیں۔ یہاں درباری تکلفات، درباری سازشیں اور نئے عہد و پیمان مرحلہ طے ہوتے ہیں۔

ابوالمنصور کمال الدین، جس کی رگوں میں اپنے اسلاف کا خون گردش کر رہا ہے اور قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کے کمالات، و اکتساب، اس کی چشم بصیرت پر نمایاں ہیں۔ یہاں آ کر وہ تاریخ کا نمایندہ اور بلیغ اشارہ بن جاتا ہے۔ وہ حسین شرقی کے کتب خانے کا نگران ہے۔ اس کی شخصیت کے ارتقاء میں دو چیزیں معاون ہیں، ہندو اور اسلامی فلسفے کا تصادم اور تعامل، فارسی شاعری اور محبت کے تصور میں تبدیلی اور دوسرے انسانی بے بسی اور لاچاری کا وہ گہرا احساس جو پیہم جنگوں کے تجربے نے اس کے دل و دماغ پر قائم کیا ہے۔ لیکن ذہن اور دل کی کائنات کی ساری منزلیں طے کرنے کے بعد ابوالمنصور کمال الدین نے یہ اندازہ لگایا کہ زندگی میں اصل چیز سکون ہے، ایسا سکون جس میں پر خطر خواہشوں اور آدرشوں کی گنجائش نہ ہو۔ لیکن حسین شرقی تہذیب پر تصنع اور بے جا سجاوٹ اور چمک دمک کی چھاپ لگی ہوئی ہے اور یہاں کوئی ایسی اقدار، ضابطے اور نصب العین دستیاب نہیں ہیں جن کی پاسداری یا جن کے حصول کو حاصل زیست قرار دیا جا سکے۔ تاہم پڑھنے کے ساتھ ہی ہم اودھی تہذیب کی اصلی روح سے متعارف کرائے جاتے ہیں۔ یہاں ''طرح کے لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے۔ پہلے وہ لوگ جو زوال آمادہ ملک زوال پذ

طبقہ ہے کی نمائندگی کرتے ہیں اور دوسرے وہ طبقہ ہے جو جدید دور اور اس کے اثرات اور تقاضوں کی نمائندگی کرتا ہے۔

اس طبقے کے لوگ اپنی اپنی دلچسپیوں اور زندگی کی گہما گہمی، ترجیحات اور ان کے درمیان تضادات میں گم اور سرگرداں نظر آتے ہیں۔ ناول میں مشرقی پاکستان (اب بنگلہ دیش) کے گاؤں اور عوام کی جو عکاسی کی گئی ہے وہ بہت دلکش ہے۔

اس ناول میں مرد کی ذات کا احتجاج بھی بہت سی جگہوں پر نظر آتا ہے۔ یہ ناول کی اس حد تک زیادہ سے زیادہ درمیانی طبقے کی عکاسی کرتا ہے لیکن اس میں عوامی زندگی کے عکس بھی واضح طور سے سامنے آتے ہیں۔

ناول میں کرداروں کی فکر اور تکنیک کے سلسلے میں ناول نگار کا لہجہ بے حد سنجیدہ ہی نہیں بلکہ زندگی کے تجربات کی گہرائی سے آراستہ بھی ہے۔ اس کے علاوہ اس ناول میں شاعرانہ شعور اور تخلیق کے آداب کو نہایت خوب صورتی سے سمویا گیا ہے۔ "آگ کا دریا" کے بعد وقت کے حوالے سے عبداللہ حسین کا ناول "اداس نسلیں" بھی زیر بحث آ جاتا ہے لیکن "اداس نسلیں" میں وہ گہرائی نہیں، جیسا کہ "آگ کا دریا" میں ملتی ہے۔ اس کے برعکس یہاں انسانی المیہ صاف طور سے نمایاں ہیں۔ اس سے ناول میں دلچسپی برقرار رہتی ہے۔ اس ناول میں ہمیں انسانیت کا وہ دکھ سنائی دیتا ہے جسے words worth نے "Still sad music of humanity" کہہ کر پیش کیا ہے اور جسے مشہور انگریز شاعر کیٹس نے "Agony of mankind" کا نام دیا ہے۔ اس ناول میں تاریخ کے مختلف طبقے اور عہد کی اقدار کے اپنے اپنے رنج و الم، سرمستی، محرومیاں، تعصبات اور فرو گزاشتیں اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے سامنے آ جاتے ہیں۔ یہ ناول پہلی جنگ عظیم سے کچھ پہلے شروع ہوتا ہے اور تقسیم ہند کی پر آشوب اور ہنگامہ خیز مدت تک پھیلا ہوا ہے۔ "آگ کا دریا" کی طرح اس میں بھی وقت گزرنے کا احساس جگہ جگہ دکھائی دیتا ہے اور یہ بھی کہ

Scanned by CamScanner

مثبت اور منفی قوتیں ایک دوسرے کے عمل ادغام سے چاروں طرف موجود ہیں۔ یہ ناول ڈی۔ ایچ لارنس کے ناول "The Rainbow" کی یاد دلاتا ہے۔ جس میں ہم دوراں کی مختلف حد بندیوں اور کئی نسلوں کے تصادموں سے دوچار ہوتے ہیں۔ ان میں تاریخ کا تسلسل اتنا اہم نہیں جتنا ان نسلوں کے ذہن و قلب کی مختلف کیفیتوں کی مصوری، جو تاریخ کے راکب بھی ہیں اور مرکب بھی۔ ناول کے پہلے حصے میں کہا گیا ہے کہ انفرادی موت قابل برداشت ہوتی ہے لیکن اجتماعی موت، جس میں انسان حشرات الارض کی طرح روندے جاتے ہیں، بہت عبرتناک ہے۔ ناول کا ایک اہم پہلو یادوں کی وہ کائنات ہے جو بعض کرداروں کے لیے ایک وسیع سرمائے کی حیثیت رکھتا ہے۔ وقت کے حوالے سے اس میں ماضی سے وابستگی اور اس کے لیے وہ کشش جسے ناسٹلجیا کا نام دیا گیا ہے، ملتی ہے جب کہ "آگ کا دریا" کی طرح "اداس نسلیں" بھی وقت کے ہاتھوں سے الگ محسوس ہوتا ہے۔ حال کا وجود ایک سراب کی مانند ہے جو لمحہ لمحہ انسان کی گرفت سے نکلتا رہتا ہے۔ ناول میں جو زبان استعمال کی گئی ہے وہ بھی ہر طرح کے تکلف، احتیاط اور پیچ پیچ سے بے نیاز ہے۔ لیکن ڈاکٹر مرزا حامد بیگ کا یہ کہنا ہے کہ "اداس نسلیں" کی نثر دراصل محمد سلیم الرحمن کے قلم لگانے کا نتیجہ ہے اور یہ بات اس لیے بھی درست معلوم ہوتی ہے کہ عبداللہ حسین کی اپنی بعد کی تحریروں میں اس طرح کی نثر دیکھنے کو نہیں ملتی۔ "اداس نسلیں" میں پنجاب کے دیہاتوں کی تصویریں بڑی ہنرمندی کے ساتھ پیش کی گئی ہیں، ساتھ قصبوں کی عجیب و غریب نفسیات کے نمونے۔ اس ناول میں نہ صرف کرداروں کی فوج کا متحرک وجود ملتا ہے بلکہ فطری مظاہر کا ایک سیلاب نظر آتا ہے۔ ناول میں مجموعی طور پر ایک متحرک اور ہیجانی زندگی کا تصور ابھرتا ہے اور جب ناول ختم ہو جاتا ہے تب بھی ایک کوئی وسیع فضاؤں میں گونجنے کی طرح بازگشت سنائی دیتی ہے جو شاید اب تک سو رہی تھی۔

اس تناظر میں اگر جمیلہ ہاشمی کے ناول "دشت سوس" کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ جمیلہ ہاشمی نے منصور بن حلاج کے کردار کی جو تخلیق کی ہے وہ تاریخی شخصیت سے اصل ہی ہے اور اس کا انداز بیان یا قرینہ گفتگو تمام تر ذات سے متعلق ہوتا ہے، شخصیت میں تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ ناول کے پس منظر میں سلطنت عباسیہ ہے۔ اس میں جو ناول کا مرکزی کردار ہے ایک مضطرب اور بے تاب آدمی ہے جو اس سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے اور وہ بھی صرف اپنی ذات کی روشنی میں۔ یہاں حسین بن منصور اس عہد میں ہوتے ہیں اور اس ذات حقیقت میں کردار نہیں بلکہ وہ فکر اور فکری روح ہیں۔ حسین کی ذات کا محور ذات مطلق سے عقیدت اور شدید محبت کی غیر معمولی تجسیم ہے اور عہد کی حالت کی شدید نفرت اور ذات سے شدید محبت کی ایک مکمل شکل ہے۔

جہاں "آگ کا دریا" اور "اداس نسلیں" تخلیق ہو چکے تھے وہاں سے ہم ہیں واقعہ جمیلہ ہاشمی کا یہ ناول مثالیہ ناول ہے۔ جس میں مرکزی کردار حسین بن منصور کا ہے جو ایک صوفی حلاج بن منصور کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ دیکھا جائے تو اس ناول کی بنیاد عقائد پر قائم ہے۔ ایک طرف بغداد اور دوسرے شہروں کی وہ زندگی جہاں نسل در نسل ترقی کے حصول میں مصروف نظر آتا ہے اور دوسری طرف مختلف دینی مراکز ہیں جہاں لوگ اور جاہلوں کی تربیت کرتی ہے۔ ناول کے آغاز میں ہی حسین کی ولادت ایک صوفیانہ ماحول ماحول سے ہو جاتی ہے لیکن ان دونوں کے درمیان جو رشتہ عرفان و تجسیم کا ہے وہ دو طرح کی نسبتی آمیزشوں سے پاک تھا اور ایک طرح کی اخلاقی شان اور روایت تھی۔ حسین حامد بن عباس ماحول سے انکار کر لیتا ہے اور جب اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے بربریت حسین کی محبت کی خاطر میں گرفتار رہی تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی اپنی زندگی ایک سی بستہ خواب میں محصور ہو کے رہ گئی ہے۔ اپنی کائنات کے ہاں یک لخت مسدود ہونے پر اسے چاروں طرف گرد و غبار کے طوفانوں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ یوں حامد بن عباس

Scanned by CamScanner

حسین بن منصور کو ایک تجریدی صورت میں ناول ۲۰۲ ہے اور جہاں تک Q اور V کا تعلق ہے تو

حسین بن منصور کے نظریے کے مطابق V، Q کی گواہی فراہم کرتی ہے اور اس تصور

کا سرچشمہ رسول اللہ کی اس حدیث قدسی میں ملتا ہے۔ (وانا الکل انت مخفی) "مرنے سے

پہلے مر جاؤ"۔ یہی حسین بن منصور کو نیست کرنے کی غرض سے جو فرد جرم مرتب کی گئی

تھی اس کی بنیاد وہی قول تھی۔ ناول اس کا ہوا، جہاں مسلسل اور عظیم خود داخلی اور بیرونی

انسان کی تہذیبی بیداری کے ساتھ تربیت کی حقیقت کیری کو پوری طرح تسلیم کرتے

ہوئے ہوئے صادق ہے یقینی ناول اور مچھ پر واضح اور کیسے ہیں مطالعہ۔

غیب، قدرت اور تسلیم شدہ معیاروں کو استحقاق سے محفوظ رہا۔

۱۔ St Bonvantura نے 814 میں حسین بن منصور جائز طور پر جو کہ

ہے کہ مغربی دنیا میں ہے جس کا مرکز ہر طرف ہے اور جس کی حدود کا تعین کہیں بھی نہیں

یہی تعریف شاید درست کی گئی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ سلیم اختر، ڈاکٹر "ناول میں منظر و پیش منظر مشمولہ" ناول اور داستان" سنگ میل

لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۱۱۳

۲۔ اسلوب احمد انصاری "اردو کے چودہ ناول" بک ہاؤس ۲۰۰۳ء،

۳۔ مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر" کلاسیکی ادب" (لیکچرز) اور ینٹ پبلشرز لاہور

جنوری ۲۰۰۱ء، ص ۱۲

Scanned by CamScanner

ڈاکٹر انور سدید

جدید ادب میں پاکستانیت کا شعور

The emergence of Pakistan on the map of the Indian subcontinent was a turning point in the political and social life of the area. The literature produced in the area known as Pakistan carries a stamp of its own and possesses a peculiar temperament and intellectual innovation. So many factors various influences have played their role in giving it a certain shape. The mor importanta of these is the Pakistani consciousness and its relevant aspects. All the literary movement carried the elements of this basic mould and has bestowed a unique wholesomeness to all creative writing.

تقسیم ہند کے ساتھ جب نیا ماحول پیدا ہوا تو اردو ادب کے مزاج میں کئی
بنیادی تبدیلیاں رونما ہو گئیں۔ پاکستان کا قیام انتہائی پرآشوب حالات میں عمل میں آیا تھا۔
نئی مملکت ۱۹۴۷ء کے عرصے میں پیدا ہوئی، وہ پروان چڑھتی رہی اور جب وہ
تقسیم ہند ہو گئی تو اس کے ساتھ فسادات پھوٹ پڑے۔ یہ فسادات اپنے ساتھ
... پورے ہندوستان میں پھیل گئی۔ دونوں طرف
نقصان ہوا۔ ... قتل و غارت ... عصمت دری اور اغوا کے ایسے ہولناک واقعات

ہوئے جن کی کمی اور مثال نہیں ملتی۔

ان تمام عوامل کا اثر ادب پر پڑنا لازم تھا۔ فسادات کا یہ ادب زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکا۔ جذبات کا دباؤ اترا تو اس کی کمزوریاں بھی واضح ہونے لگیں۔ ان میں فرقہ وارانہ تصادم کی کہانیاں تھیں۔ لیکن تقسیم ہند سے جو تہذیبی و انسانی زوال پاکستانی ادب کے رگ و پے میں اس طرح سرایت کر چکا ہے کہ آج بھی ہم اپنے ادب پر اس کے اثرات بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔ تقسیم ہند سے متعلق فسادات کا ادب جس سیاسی ابتری اور جس تصادم کے حوالے بھی اس کا حصہ ہے۔ ہندوستان سے ہجرت کر کے آنے والے لوگوں کے وہ دکھ بھی اس پر حاوی تھے جو نقل مکانی کے باعث فطری طور پر ان کے اندر پیدا ہوا تھا۔

قیام پاکستان کے پیچھے برصغیر کے مسلمانوں کے وہ خواب پوشیدہ تھے جو ہندو اکثریت کی موجودگی میں تعبیر نہ پا سکتے تھے۔ توقع یہ تھی کہ پاکستان بننے کے بعد یہ خواب پورے ہوں گے مگر تقسیم ہند کے فوراً بعد کے سیاسی خلفشار نے ایسا ماحول پیدا کیا کہ سب خواب ریزہ ریزہ ہو کر چکنا چور ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ تقسیم کے بعد فسادات کے ادب کے ساتھ ساتھ مایوسی کا ایک عنصر بھی ہمیں اپنے معاصر ادب میں نمایاں دکھائی دے جاتا ہے۔

قیام پاکستان کے وقت تک ترقی پسند تحریک اپنے عروج پر تھی۔ یہ تحریک بنیادی طور پر معاشی انصاف کی تحریک تھی اور ایک غیر طبقاتی سماج کا خواب دیکھتی تھی۔ لیکن تقسیم سے قبل اس نے انگریزی سامراج کے خلاف جدوجہد کا بیڑا بھی اٹھا رکھا تھا۔ اب جب پاکستان بن گیا تو نئے مسائل کو ایک نئے زاویہ فکر کی ضرورت تھی۔ انگریزی سامراج رخصت ہو چکا تھا۔ معاشی انصاف اب بھی ایک بنیادی ضرورت تھی لیکن پاکستان میں پیدا ہونے والے سیاسی خلفشار کے باعث ایک نیا سوال بھی پیدا ہو گیا تھا اور وہ سوال تھا پاکستان کے وجود کا تحفظ تھا۔ تقسیم سے قبل کانگریسی لیڈروں نے اکثر یہ دعویٰ کیا تھا کہ پاکستان اپنا وجود برقرار نہ رکھ سکے گا۔ بعض حلقوں میں اب بھی یہ تشویش سر اٹھانے لگی تھی

Scanned by CamScanner

سوال یہ تھا کہ پاکستان کا تحفظ کیسے ممکن ہو؟ کچھ لوگوں کے نزدیک اس تحفظ کی ضمانت نظریۂ پاکستان کے تحفظ میں پوشیدہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ادیبوں کا ایک ایسا گروہ سامنے آیا جنھوں نے نظریۂ پاکستان اور اسلام کو پاکستانی ادب کا محور و مرکز بنانے کی ترغیب دی۔ پاکستانی اور اسلامی ادب کی تحریکیں اس کا ایک ثبوت ہیں۔ یہ تحریکیں تو زیادہ دیر برقرار نہ رہیں لیکن ہماری تنقید میں نظریۂ پاکستان کا ذکر بڑھ گیا۔ تخلیقی ادب پر تو اس کے اثرات زیادہ نہیں پڑے لیکن جو تبدیلی ادب میں آئی وہ بحیثیت مجموعی ترقی پسند تحریک سے دوری تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حقیقت پسندانہ ادب جو تقسیم ہند سے قبل اردو ادب میں موجود تھا معدوم ہونے لگا اور اس کی جگہ روحانیت کا رجحان اثر انداز ہونے لگا۔ ترقی پسند تحریک پر پابندی کے ساتھ تخلیقی ادب میں قدرے جمود کی کیفیت پیدا ہو گئی اور جب 1958ء میں مارشل لا نافذ ہوا تو حقیقت نگاری کو بہت نقصان اور ضعف پہنچا۔ ان حالات میں یاسیت اور حقیقت نگاری میں کئی طرح کے خطرات پوشیدہ تھے۔

اس طرح جب ہم اپنے ادب کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ جاننے میں دشواری نہیں ہوتی کہ قیام پاکستان کے ساتھ ہی تخلیقی سطح پر ادب میں ایک خاص طرح کا زوال پیدا ہوا جو 1960ء تک اپنے عروج پر پہنچا۔ جدید تنقید میں ترقی پسندی کے نقطۂ نظر میں بھی 1947ء کے بعد کمی آ گئی اور بعض دوسرے مذہبی یا اخلاقی نظریات فروغ پانے لگے۔ یوں 1960ء کی دہائی تک یہ اندازہ ہو گیا کہ ادب کو کسی ایسی تبدیلی کی ضرورت ہے جو صورتحال کی عکاسی بھی کر سکے اور نئے طرح کے تخلیقی امکانات کو بھی سامنے لا سکے۔

یہ صورتحال ایک زمانے میں مغرب میں بھی پیدا ہوئی تھی لیکن وہاں ایک تحریک کے خاتمے کے بعد دوسری تحریک اور ایک فکر کے بعد دوسری فکر جگہ لیتی رہی۔ لیکن ہمارے ہاں پچاس کی دہائی تک تبدیلی کے آثار دکھائی نہیں دیتے جبکہ کسی ایسے انقلابی رویے کی ضرورت تھی جو کسی نئے راستے کی بنیاد ڈال سکے۔ قرۃ العین حیدر نے اسی صورتحال میں یہ

"جدید مغربی ادب سے کیا مراد لی جاتی ہے جو ہم نے قصوں کی وجہ
لیکن ہمارے ہاں رسم و رواج ختم ہو رہا ہے تو یہ رسم و رواج بھی ختم ہو رہا ہے۔
ہمارے ہاں رسم و رواج ختم ہو رہا ہے، ہمارے ہاں رسم و رواج
جاننا ادب کی تحریک نے ختم کر دیا۔ مخالف سے ...
ہے کہ پچھلے چودہ سال میں جو روایت تھی اس کے ختم ہونے کی بات
چھوٹی، ساحات، شہری اور طرز معاشرت سے جڑا ہوا ہے۔ ادبی
اس کم مائیگی کی وجہ تو ضرور ہوگی۔ ادب سلامت رہے یا نہیں کی بات
رہی ہے۔ ہمارے دور کی بات ہے کہ اس سے ختم کہانی کی ابتدا ہوئی۔
روایت سے باغی ہوا اور روایت کو ساتھ لے کر چلنا، اس دور
ممتازوں سے ادب ختم ہوتا ہے۔" (۱)

تو گویا جدیدیت کی بات عمل ہو گئی اور یہ بھی درست تھا کہ کسی بھی روایت کے آغاز کے لیے روایت سے باغی ہونا اور اسے ساتھ لے کر چلنا ہی اصل راستہ ہے مگر یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ کوئی روایت یوں کیسے پیدا ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ اگر صورتحال یہ کہ روایت پیدا ہو جائے تو ادب کے حالات کا سامنا ہو، لیکن پرانے ادب کا اگر جواب دینا ہے تو پھر اس کے لیے جمود طاری ہو جاتا ہے۔ محمد حسن عسکری نے 1950 میں اس ساری صورتحال کو مختلف انداز سے دیکھا تھا اور ادبی ایک رائے بھی قائم کی تھی:

"بعض اوقات ہمیں ادبی ماحول میں ایک تعطل کا احساس ہوتا ہے۔
یہ تعطل اس وجہ سے پیدا ہوا ہے کہ پچھلے چودہ سال میں اردو
ادب میں جو روایات اور جو فکری طرز رائج ہو گئے تھے اور جن
کے سہارے ادیب اپنا تخلیقی کام کرتے تھے ان میں سے بہت کا

چیزوں کو وہ اب پاکستان کے لکھنے والے اپنی قوم کے لیے اور خود اپنی تخلیقات کے لیے صحت مند مسائل ڈھونڈنے لگے ہیں۔ اس لیے اب وہ ان پرانی روایات کے مطابق نہیں لکھنا چاہتے۔ نئے ادبی رجحانات بتدریج ہی پیدا ہوتے ہیں اور ان کے پیدا ہونے سے پہلے کچھ دن تک چھوٹے موٹے کامیاب، نیم کامیاب اور ناکامیاب تجربے کرنے پڑتے ہیں۔ ہمارے ادیب اسی تلاش اور تجسس کے دور سے گزر رہے ہیں جو چیز ہمارے ادب کی ترقی کو روک رہی تھی وہ ہمارے ادیبوں کی ذاتی خود اطمینانی تھی۔ کم از کم یہ چیز تو اب دور ہو چکی ہے۔ ادیبوں کا اپنے آپ سے اور اپنی تخلیقات سے غیر مطمئن ہو جانا بھی نیک فال ہے۔"(2)

رومانیت کا یہ سلسلہ جو چند برس چلا وہ محدود نہ تھا۔ ترقی پسند تحریک کی سخت گیری اور فسادات کی انتہا کچھ ایسے مسائل تھے جنہوں نے ذہنوں کو رومانیت کی طرف مائل کر دیا۔ ڈاکٹر محمد حسن کا کہنا ہے

"جب جنگی اور سیاسی میدان کی ہماہمی نمایاں ہونے لگی تو ایسے افسانہ نگاروں کو زیادہ اہمیت حاصل ہوئی جنہوں نے رومانیت، آرائشی بیان اور ماورائیت کو اپنایا۔"(3)

پچاس کی دہائی میں افسانے کے میدان ہی میں تسلسل کا سوال زیادہ اٹھا تھا۔ ابھی جیسا کہ ہم نے افسانے کے بارے میں ابھی ڈاکٹر محمد حسن کی رائے کا تذکرہ کیا ہے۔ اب اسی صنف کے بارے میں شہزاد منظر کی رائے ملاحظہ کیجیے

"قیام پاکستان کے بعد لکھے جانے والے افسانوں کا موضوعات اور رجحانات کے اعتبار سے مطالعہ کیا جائے تو سب سے پہلے جو تبدیلی

نظر آتی ہے وہ سیاسی موضوعات کا افسانے سے اخراج ہے۔ آزادی سے قبل جو موضوعات تھے مثلاً برطانوی استعمار کے خلاف آزادی کی جدوجہد یا حب الوطنی یا معاشرتی اصلاح اور سماجی نا انصافی کے خلاف احتجاج وغیرہ۔ اب یہ موضوعات اپنی کشش اس لیے کھو چکے تھے کہ ملک آزاد ہو چکا تھا اور ترقی پسند تحریک کے زوال کے باعث ان افسانہ نگاروں کے سامنے کوئی نصب العین نہیں رہا تھا۔ جس کی وجہ سے سماجی بغاوت، معاشی مساوات، طبقاتی جدوجہد اور بھوک افلاس اور بے روزگاری جیسے موضوعات سے ادیبوں کی کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ خصوصاً نئی نسل کے افسانہ نگاروں نے نئے موضوعات کی تلاش میں دو راستے اختیار کیے۔ ایک رومانویت کا راستہ اور دوسرا جنس نگاری۔" (4)

شہزاد منظر کی رائے سے کلی اتفاق تو ممکن نہیں اس لیے کہ سماجی معاشی اور طبقاتی تضاد کا عنصر افسانے سے غائب نہیں ہوا تھا۔ احمد ندیم قاسمی، خدیجہ مستور، ہاجرہ مسرور حتیٰ کہ بعض دوسرے لکھنے والے مثلاً ابراہیم جلیس، شوکت صدیقی وغیرہ کے موضوعات کا محور تو یہی ہوا کرتے تھے۔ البتہ برطانوی سامراج کے خلاف دیے گئے موضوعات کا ختم ہو جانا فطری امر تھا۔ آزادی حاصل ہو جانے کے بعد برطانوی سامراج سے مخاصمت کا ایک موقع ختم ہو گیا تھا۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ منٹو اور ندیم بطور خاص پاکستانی عصر میں ابھرنے والے سیاسی عنصر سے بھی اپنے افسانے میں کام لینے لگے۔ ابتدائی نسل کے بیشتر افسانہ نگاروں کے بارے میں یہ بات درست ہے کہ ان کے ہاں موجود روایت کے خلاف ردعمل موجود تھا اور ان کی توجہ رومانویت اور جنس نگاری کی طرف زیادہ تھی اور ہم آسانی سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ رومانویت کا یہ عنصر نئے حالات کی پیداوار تھا۔

Scanned by CamScanner

[illegible] سے جس تناظر میں بھی لکھے گئے قومی حالات تھے [illegible] ہیں جن کی سخت گیری اور فسادات کی المناکی [illegible]

[illegible] (Nostelgia) کی شکل میں بھی [illegible] اپنے علاقوں سے ہجرت کر کے آئے [illegible] کا جو سلسلہ روا رہا اس کا [illegible] جاتا ہے لیکن [illegible] ہوئے کو یاد کیا گیا ہے۔

[illegible] کے دنوں کو یاد رہا ہوں
جو قافلہ میرا ہمسفر تھا مثال گرد سفر گیا وہ

میں بچھڑ گیا [illegible] شہر شہر گھر گھر
کہاں کھو گیا وہ قافلہ، کہاں ہو گئے مرے ہمسفر

پرانی صحبتیں یاد آ رہی ہیں
چراغوں کا دھواں دیکھا نہ جائے

دھیان کے آتش دان میں ناصر
بجھے دنوں کا ڈھیر پڑا ہے

اب وہ دریا نہ وہ بستی نہ وہ لوگ
کیا خبر کون کہاں تھا پہلے

Scanned by CamScanner

انھیں ہم دیکھ کر جیتے تھے ناصر

وہ لوگ آنکھوں سے اوجھل ہو گئے ہیں

شاعری میں اگر ناصر کاظمی کا ذکر کیا جا سکتا ہے تو نثر میں قرۃ العین حیدر اور انتظار حسین اس کی دو بڑی مثالیں ہیں۔ جب ان صاحب نے اپنے افسانوی ادب میں ہجرت کا ذکر کرنا شروع کیا تو ان پر کوئی حقیقت بھی ہوئی کہ [illegible] ہے کہ ہجرت کو غلط ہونے سے ادب میں 1947ء کی ہجرت ہے اور اس ہجرت کے بعد ہم اپنے ادب میں کوئی طرز احساس کو محسوس نہیں کر سکتے۔

> جب ہم نئے طرز احساس کی بات کرتے ہیں تو اس سے ہماری مراد ہوتی ہے کہ جس مختلف ماحول پہ طور پر [illegible] جس سے ہم لوگ پیدا ہو رہی ہے اور سے اپنے اور [illegible] جس میں ہم نے فرو جان کر گئے ہیں اور ہم بھی بات میں [illegible] ہیں ہمیں اس طرح جو دیکھنا چاہئے کہ اس کے بارے میں خود اپنے بارے میں نئی آگاہی پیدا ہو اور اس طرح قبول کیا جائے کہ آگاہی سوچنے اور محسوس کرنے کے انداز میں گھل مل جائے۔ لیکن اس کے ساتھ بڑی دقت یہ ہے کہ نیا زمانہ تو شروع ہو جاتا ہے لیکن پرانا زمانہ ختم نہیں ہوتا وہ اسی طرح ہمارے [illegible] پیچھا کرتا رہتا ہے۔" (5)

ناصر کاظمی اور انتظار حسین نے ہجرت کو تہذیبی تسلسل کے معنی میں استعمال کرنے کی کوشش کی۔ اس طرح گویا یہ موقف اختیار کیا گیا کہ تقسیم کے بعد ہمارے لیے ضروری تھا کہ ہم اس تہذیب، اخلاقیات کو زندہ کرتے جو ہندوستان میں مسلمانوں کی مرکزی تہذیب تھی اور جس تہذیب کا رشتہ مذہب میں پیوست ہے۔ گویا ہجرت کو ہم صرف ماضی کو یاد کرنے ہی کا کام نہیں بلکہ اپنی تاریخ کو بھی یاد کرنے کا نام ہے۔

Scanned by CamScanner

جدید ادب کے آغاز کا زمانہ تو ساٹھ کی دہائی ہی ہے جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا گیا لیکن ایک تناظر میں ہم نے دیکھا کہ 1947ء کے بعد تبدیلی کا ایک عمل شروع ہو گیا تھا۔ ادبی روایات جو متحدہ ہندوستان میں مشترکہ تہذیبی و ثقافتی پس منظر میں پروان چڑھی رہی تھیں ان کی جگہ نئی نسل نے نئے تخلیقی امکانات تلاش کرنے شروع کر دیے تھے۔ اگرچہ ابھی کوئی بڑی کامیابی حاصل نہ ہوئی البتہ یہ اندازہ ضرور ہو گیا کہ ایک نیا طرز احساس جنم لینے لگا ہے۔ پاکستانی اور اسلامی ادب کی تحریکیں اسی طرزِ احساس کی اپنے مخصوص نقطۂ نظر سے وضاحت کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ یہ تحریکیں زیادہ دیر برقرار نہ رہیں۔ اس لیے کہ ان کے ردعمل کا ایک بڑا سبب ترقی پسند تحریک تھی۔ جس کے حامیوں نے ان تحریکوں کے ردعمل میں جوابی کردار ادا کیا، ان کے فکری حوالے اور اصولی تنقید میں اب تک موجود ہیں۔

ساٹھ کی دہائی میں جو جدید ادب پیدا ہوا اس کے اسباب و محرکات میں ترقی پسند تحریک کا خاتمہ، نئے تخلیقی امکانات کی ضرورت، حقیقت نگاری کی شدت گیری اور نیا سیاسی ماحول بھی کچھ شامل تھا۔ پچاس کی دہائی میں ادب پر روایت کی تہہ چڑھ چکی تھی لیکن 1958ء میں جب مارشل لاء نافذ ہوا تو ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ نئی زبان اور نیا انداز وضع کرنے میں آسانی ہو گی۔

جب ترقی پسند تحریک پر پابندی عائد ہوئی تو تمام ترقی پسند ادیب حلقہ اربابِ ذوق کے پلیٹ فارم پر اکٹھا ہونے لگے۔ دوسری طرف حلقے کے ادیب آغاز ہی سے جدت پسند تھے۔ تاریخی حقائق کے بیان پر انہیں اعتراض تو نہیں تھا لیکن داخلیت سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ علاوہ ازیں جدیدیت کے سبب سے نظریات کا عام حلقے کے ادیبوں کی ادبی فکر کو متعین کرتا تھا جبکہ ترقی پسند ادیبوں کو خارجی شعور سے غرض رہی تھی۔ اب اس پلیٹ فارم پر دونوں فکری دھاروں کا اشتراک ہوا۔ اس طرح ایک نئی صورت پیدا ہونے لگی۔ خارجی شعور کی جگہ تہذیبی و نفسیاتی شعور نے حاصل کر لی۔ زبان و بیان کی سطح پر

Scanned by CamScanner

حقیقت نگاری کے خلاف ردعمل شروع ہوا۔ ساتھ ہی دوسری کی شناخت یہ ہے کہ شعر و ادب کی زبان میں بنیادی تبدیلیاں پیدا ہونا شروع ہو گئیں۔ علامت، استعارہ اور رمز برتے جانے لگے۔ کہیں یہ تبدیلی شعوری انداز سے آئی اور کہیں اس کے سبب سے ابہام پیدا ہوا۔ اس تحریک کے لوگوں کا خیال یہ تھا کہ چونکہ زمانہ بدل رہا ہے، حقائق بھی بدل رہے ہیں۔ صنعتی ترقی نے اسلوبِ زیست کو بھی تبدیل کر دیا ہے۔ اب زندگی کے حقائق اور انسانی ذات کی شکست کی پیچیدگیوں کو مروجہ زبان کے ذریعے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے ان روایات کے ساتھ زندہ نہیں رہا جا سکتا جو ادب میں پہلے سے موجود ہیں۔

"ہماری آج کل کی زندگی جن تغیرات کو بطور اساس قبول کرتی ہے ان سے روگردانی ممکن نہیں۔ جو جانا پہچانا اور مانا منوایا ہوا تھا، ریت کے ذروں کی مانند بکھر گیا ہے۔ کئی لوگ ان منتشر ذروں سے فرسودہ معاشرے کو قائم کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگر رفتہ و گذشتہ اسلوبِ زیست کو کسی طور جیتے مرتے بحال کر دیا جائے تو زمانۂ حال اپنے آشوب سمیت منہا کیا جا سکتا ہے۔ اپنا زمانہ چھوڑ کر کسی موہوم زمانے کی تلاش میں سرگرداں ہونا کچھ ایسی بری بات نہیں رہی۔ یہ کثیر تعداد شرفاء کی اس تلاش سے شرافت کا سکہ چلاتی ہے۔ ادھر ادھر تیرتی پھرتی ہے ورنہ کون نہیں جانتا کہ وقت حاوی ہو کر ہی رہتا ہے۔ وہ اسلوبِ زیست جو ہمارے آپ کے گھروں میں آ بسا ہے، اجنبی ہے نہ غیر حقیقی۔ زندہ رہتا ہے۔ اس کی گہرائی اس واویلے سے بھی متعین ہوتی ہے جو اس کے خلاف کیا جاتا ہے۔ وہ زمانہ اپنے ضمیر سے اور ثقہ بزرگ پھوٹ

Scanned by CamScanner

تک آ گئی اور ان کے اثرات کا دائرہ بھی باہر کے ادیبوں پر ملتا ہے۔ خود ہماری شاعری نے علامت نگاری اور ــــــ کو قبول کیا۔ اس دور میں فکری اعتبار سے ہماری تہذیب بطالوی ایسی بحران کا دور ہے کہ ماضی سے انحراف چیلنج کی تھی اور ساتھ ہی اپنی تہذیب کی ادھر تعمیر کی طرف تھی۔ ہم نے اس عہد میں تلاش عوامل کے وہ اثرات جو سوشلزم میں موجود تھے قبول کیے اور جو جو مغربی اور سائنسی دونوں کی نئی تحقیقات کے اثرات بھی قبول کیے۔ 1930ء سے 1974ء تک ہمارے شعراء نے یورپ اور امریکا کی ادبی تحریکوں کا مطالعہ کیا اور مغرب کے بڑے ادباء و شعراء کے اثرات بھی اردو سے یہاں آئے۔ یعنی انگریزی، امریکی، روسی اور فرانسیسی اہم شعراء میں جو اس دور میں لکھ رہے تھے ہم نے ان کی فکر، اسلوب، ہیئت کو بھی اپنے معاشرے کے تغیرات کی ترجمانی کے لیے سامنے رکھا۔"(7)

یہ بات واضح ہو گئی کہ مغرب میں وقتاً فوقتاً رونما ہونے والی تبدیلیاں اردو ادب میں بھی داخل ہوئیں اور یہ سب تبدیلیاں تقلید برائے تقلید نہیں تھیں بلکہ ان کی مدد سے اپنے معاشرے کے تغیرات کو بیان کرنا بھی تھا۔ جب افتخار جالب وغیرہ نے روایت سے انحراف کیا تو ان کا موقف یہی تھا کہ چونکہ معاشرہ نئی تبدیلیوں میں مبتلا ہو رہا ہے چنانچہ اس کے اظہار کے لیے نئے وسائل اور ذرائع کی ضرورت ہے جو پرانے انداز فکر اور ذرائع اظہار کے ذریعے ممکن نہیں۔ ساٹھ کی دہائی میں مکمل تبدیلی نظم میں آئی۔ افتخار جالب، جیلانی کامران، محمد سلیم الرحمٰن، عباس اطہر، جون ایلیا اور بے شمار دوسرے شاعروں نے نئے محسوسات اور لسانی تشکیلات کو فروغ دیا اور ایک نئی طرز فکر کا منظر نامہ پیش کیا۔ جو جو

Scanned by CamScanner

کا جو تصور نظم میں آیا تھا وہ جدید افسانے میں بھی دکھائی دیتا ہے۔ یہ بھی ابتدائی عہد میں شعر و ادب کی تحریکیں گروہی نمائندگی کرتی تھیں اور نفسیاتی جبر کا اظہار بھی کرتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانے کے ادب میں فردیت کا تصور بھی پیدا ہوا۔ اس کا مطلب انفرادی آزادی ہے۔ یہ تصور بھی مغرب سے آیا ہے۔ ترقی پسند تحریک اجتماعی زندگی کو موضوع بناتی تھی جبکہ جدیدیت کے ادیبوں نے فرد کی ذات کو سب سے اہم اور مقدم قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو شاعری میں نظم کی اولیت کا بہت اثر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جنسیت کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔ ذات کی یہ آزادی مغرب کی لائی شعری روایت تھی جو کہ مختلف روایتوں کی پابند تھی۔

> "یہی وجہ ہے کہ ادب سائنس کی تیز رو ترقیوں سے معنوی طور پر کچھ نہیں کر سکے۔ نہ ہی آج شاعروں اور ادیبوں کے پاس اپنا کوئی مذہب رہا، نہ ہی ان کے اندر سے ایسے وجود کی طلب سے ہم کنار کر سکے۔ اس لیے اس کی شاعری اور پیام سے دلچسپی نہ رہی۔ اس نے فلسفہ سیاست، مذہب اور اخلاق کی گرفت سے آزاد ہونے کی کوشش کی اور اپنے پیشروؤں کی طرح خدا، کائنات اور حیات کی گتھیاں سلجھانے کے بجائے اپنی ذات کے عرفان کی کوششوں میں گم ہو گیا۔" (8)

ترقی پسند ادیبوں نے فردیت کو بورژوا فرد کا عمل قرار دیا ہے لیکن ایک نقطہ نظر یہ بھی ہے کہ فردیت کا تصور آزادی کا تصور ہے جو جمہوری معاشروں کی پیداوار ہے۔ گویا فردیت تخلیقی بیداری نہیں بلکہ آزادی کی خواہش اور ضرورت ہے۔ فردیت کا تصور جدید ادب میں اس لیے بھی آیا ہے کہ نئے ادیبوں نے فلسفہ وجودیت سے بھی گہرا اثر قبول کیا۔ یہ فلسفہ شعور و تنہائی، لایعنیت، لاحاصلیت اور لاادریت کو پیدا کرتا ہے جو فردیت کی بنیادیں ہیں۔

Scanned by CamScanner

''وجودیت کے اثر یا منطقی نتیجے کے طور پر داخلیت اور خود بینی اور
تنہائی کی شدت بھی شدید ہوئی اور وہ بھی نئی شاعری کے خواص کا
حصہ بن گئی۔ 'میں' کی اس شدت نے بڑے بڑے کو حقارت کی نظر سے
دیکھا صرف اپنی بصیرت کو رہبر مانا جس سے معاشرے سے بے تعلقی
کی ہے اور تجزیہ ہو گئی۔''(۱۶)

ساٹھ کی دہائی میں جب جدیدیت نے نظم کیا تو اس کے اسباب میں ترقی پسند
مغربی تحریکات، نظریات کا اثر اور زندگی کے بدلتے رویے اور تصور
تو تیکنیک کو … اس رویے نے اسلوب کی سطح پر بہت سی تبدیلیاں پیدا کیں۔ تحریر
تھے۔ جدیدیت کے اس رویے نے مستقبل بینی کا رویہ بھی پیدا ہوا۔ ادب کی جدید تشکیل اور
کبھی تبھی انتشار پیدا کیا لیکن … آسانی سے قبول نہیں کیا گیا۔ پہلی نسل کے لوگوں نے اس
والے اظہار کو ابہام میں … لیکن اس کے اسباب پر غور نہیں کیا۔ نئی نسل نے
قنوطیت، داخلیت اور قنوطیت قرار دیا لیکن … نئے انداز نظر اور نئے پیرایۂ اظہار کی ضرورت تھی۔ ہر
سیاسی دور نے موضوعات کو چھپایا ایک …
اس بات کو نظر انداز کرنا بھی مناسب نہیں ہوگا کہ ایک بڑا سانحہ 1958ء کا مارشل لا
تھا۔ اس مارشل لا نے آزادی اظہار پر قدغن لگائی تو بیانیہ اور حقیقت نگاری کا رویہ
غیر … ہو گیا۔ اس میں کئی طرح کے اندیشے تھے۔ اس نے بھی علامت اور تجرید
کے فن و … شعر و ادب میں جگہ بنانے کی سہولت فراہم کی۔ ڈاکٹر رشید امجد کہتے ہیں:

''مارشل لا کے اثرات آہستہ آہستہ سرایت کر کے معاشرے کی اندرونی
پرت تک پہنچ گئے۔ خوف اور بے یقینی کی فضا نے داخلیت اور
ما بعد الطبیعاتی فکر کو جنم دیا۔ دوسری شخصیت کی دریافت، باطنی شکست و
ریخت، ایک شخصیت میں کئی شخصیتوں کی تلاش اور ہجوم میں تنہائی کا
احساس نمایاں موضوع بن گئے۔ ستمبر 1965ء میں قومی …

Scanned by CamScanner

ایک نیا مرحلہ شروع ہوا۔ اس جنگ نے وطن پرستی اور زمین کی اہمیت کے جذبوں کو بیدار کیا۔ دولخت پاکستان کے حوالے سے ایک نیا موضوع سامنے آیا جس کا زیادہ تر اظہار شاعری میں ہوا۔ خصوصاً نظم میں 1968ء کی عوامی تحریک نے نظریاتی بحث کو دوبارہ تازہ کر دیا اور ترقی پسندی کی اصطلاح استعمال ہونے لگی۔ فرد کی بجائے اجتماع اور خارج کی باتیں ہونے لگیں۔ لیکن یہ پرانی حقیقت نگاری کی تجدید نہ تھی بلکہ علامتی حقیقت نگاری اور باطن و دروں بینی کا ایک نیا امتزاج تھا جسے ستر کی دہائی کی نسل نے آگے بڑھایا۔" (10)

رشید امجد نے 1958ء کے مارشل لا کے اثرات کے ساتھ جدید ادب کے آغاز کو جوڑا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ خوف اور بے بسی نے داخلیت کو جنم دیا اور یہی داخلیت ساٹھ کی دہائی کے نئے ادب کی شناخت ہے۔ آگے چل کر 1965ء کی جنگ نے ایک نئی شکل دی۔ نئے ادب پر اس جنگ کے اثرات یہ ہیں کہ اس کی وجہ سے ہمارا ادیب زمین اور وطن کی اہمیت اور محبت سے سرشار ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اس جنگ کے زمانے کے بعد سے لسانی مباحث میں کمی واقع ہو گئی اور قومی موضوعات کی اہمیت بڑھ گئی۔ 1968ء میں جب ایوب خان کے مارشل لا کے خلاف تحریک شروع ہوئی تو تصور ادب میں سے فردیت کا تصور ختم کیا۔ اجتماعی زندگی کا تصور پیدا ہوا۔ جمہوریت اور آزادی اور ظلم، استحصال کے خلاف فکر نے کروٹ بدلی۔ اس لیے یہ بات اکثر کہی جاتی ہے کہ ستر کی دہائی کا ادیب اپنے گردوپیش اور اپنی زمین سے زیادہ قریب ہے۔ ستر کی دہائی میں جو نئی نسل سامنے آئی وہ اپنی نفسی وجودیات میں مبتلا نہیں تھی اور نہ ہی فلسفہ وجودیت کی طرف مائل تھی۔ بلکہ ستر کی دہائی میں ہمارا ادب اپنے گردوپیش اور خارجی حقائق کو اپنا موضوع بناتا ہے۔

دوران دیوان میں جو تہ داریاں ساٹھ کی دہائی کے جدید ادیبوں نے لانی شروع کی تھیں ان کو بھی ستر کی دہائی میں شدت نہیں پکڑ سکی بلکہ اس میں ایک حد تک اضافہ ہی ہوا ہے۔ تجربے اور ابہام کا تعلق بہرحال اجتماعی زندگی اور خارجی حقائق کے ساتھ تھا۔ یہ دہائی ہماری قومی زندگی میں اس لیے اہم ہے کہ اس میں ہر طرح کے سانحات اور واقعات پیش آئے۔ جو قوم اپنی تعمیر اور ترقی کی راہ کو بیان کرنے کے طریقہ کار میں [illegible] بھی تبدیلی کا آنا ضروری تھا۔ وہ عوامی تحریک جو 1968ء میں شروع ہوئی تھی وہ ایوب خان کی شکست کے نتیجے پر ختم نہیں ہوئی۔ سیاسی بے چینی اور عوامی جوش و جذبہ سب کو تسلیم کرنا پڑا۔ اس کے نتیجے میں ایک مارشل لاء ختم ہوا اور دوسرا نافذ ہوا۔ 1970ء میں انتخابات ہوئے مگر عوامی حکومتیں نہ بن سکیں اس لیے کہ مشرقی پاکستان میں آزادی کی تحریک نے جنگ میں دونوں بازوؤں میں سیاسی دوری اور تصادم کو جنم دیا۔ 1971ء میں سقوط ڈھاکہ کا واقعہ پیش آیا اور یوں ایک ایسا قومی المیہ پیدا ہوا جس نے قوم کے مزاج میں شکست اور ہزیمت کو سرایت کر دیا۔ نہ صرف یہ کہ اجتماعی زندگی خلفشار کا شکار ہوئی بلکہ شعر و ادب میں بھی ہیجان پیدا ہوا۔

اس رویے میں بھی توازن و اعتدال نہ تھا۔ شکست و ہزیمت نے ذہنوں کو پراگندہ کر دیا تھا۔ کئی طرح کے تشویشناک سوالات تھے جن کا کوئی جواب دستیاب نہ تھا۔ سید محمد کاظم نے ملکی ذہن میں اس دکھ کو محسوس کیا اور اپنی ذہنی کیفیت کو اس طرح بیان کیا

> ”اس جنگ کے نتیجے میں ہم تاریخ کے جس افسوسناک ترین المیے میں سے گزر کر آئے ہیں اس نے مزاج اور ذہن کو ایک اور طرح سے خارج المرکز کر رکھا ہے۔ دماغ میں ایک عجیب سی تپش ہوئی ہے جس میں طرح طرح کے سوال بھاپ بن کر اٹھتے ہیں اور کوئی جواب نہ پا کر ذہن کی دیواروں سے سر پٹک کر رہ جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں

Scanned by CamScanner

کوئی کیا اظہار کرے گی زندہ رہنے کی مسرت کی داستان کیسے لکھ سکتا ہے

اور اگر وہ سننے والے ہیں تو آخر وہ بھی کیسے کون ہوگا جو اس

بے وقت واپسی پر اپنے آپ سے ... بھی جذبات دابیتے ہیں

اور سوچ و فکر کو تقدیر ... (11)

سقوط ڈھاکہ کے اثرات پاکستانی ادب پر بہت نمایاں ہیں۔ شاعری بھی اس سے متاثر ہوئی اور افسانے بھی۔ شاعری میں کیفیت اور جذبے کا عمل دخل زیادہ ہے جبکہ افسانے میں واقعات مجسم سے ہوتے ہیں۔ ڈھاکہ میں موجود افسانہ نگاروں مثلاً غلام محمد، شہزاد منظر، سید رفیق، احمد الیاس، ام عمارہ اور ... کے پاس وہ داستانیں بھی محفوظ ہوتی ہیں جو ان کے ... میں آ گئے تھے۔ مغربی پاکستان (موجودہ پاکستان) ... انتظار حسین، مسعود اشعر، رشید امجد اور بعض دوسرے افسانہ نگاروں کے ہاں بھی شکست کا شدید احساس موجود ہے۔ لیکن ... سقوط ڈھاکہ کا واقعہ پیش آیا اس وقت پاکستانی افسانے میں ... کا ... بنگلہ دیش کے قیام نے جو نیا جذباتی ہیجان پیدا کیا اس نے افسانے کے اسلوب میں نئی تبدیلیاں پیدا کرنے کا ایک نیا راستہ کھول دیا۔ سقوط ڈھاکہ نے جہاں احساس شکست کو جنم دیا تھا وہاں باقی ماندہ پاکستان کے بارے میں تشویش کو بھی ابھارا تھا۔ یہی خوف اور تشویش مختلف علامتوں کی شکل میں ظاہر ہوئی ہے۔ شکست ... جولائی 1977ء کے مارشل لا نے شکست و ریخت اور تشویش کے ... کو مسلسل قائم رکھا۔ اگرچہ رشید امجد نے اپنے ایک مضمون میں اس پھیلنے سے واقعے کا ... تجزیہ کیا ہے جو جمہوری آزادی کے ساتھ آیا اور پھر مارشل لا کی نذر ہو گیا

"سقوط ڈھاکہ نے مجموعی طور پر ... جمہوریت کے آغاز

اور پہلی بار ایک منتخب ... میں پاسے ...

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

[illegible]
[illegible]

(پروین شاکر)

[illegible]
[illegible]

([illegible])

[illegible]
[illegible]

([illegible])

[illegible]
[illegible]

([illegible])

[illegible]
[illegible]

(یوسف حسن)

[illegible]
[illegible]

([illegible])

[illegible]
[illegible]

(خالد احمد)

Scanned by CamScanner

اب اک بے یقینی کی فضا ہے
یہاں ہر دانہ ایک سا ہے

(صابر ظفر)

کہیں لہو کہیں دامن کہیں گریباں سے
تمام راستے کانٹوں نے گل کھلائے ہیں

(سلمان صدیقی)

1977ء کے بعد غزل کے موضوعات میں قومی پس منظر بڑی وضاحت سے سامنے آیا جب دکھاتا ہے۔ یوں دیکھیے تو اس عہد کی غزل مجموعی طور پر اپنی زمین اور اپنی سماجی کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ پروفیسر یوسف حسن نے منظر کے بعد سامنے آنے والی نسل کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے

"1972ء سے 1977ء تک کے جمہوری دور میں اس نسل میں مجموعی طور پر حقیقت پسندی ہی فروغ پاتی رہی اور جب حکمران طبقوں نے اپنے قومی اور عوامی وعدوں سے انحراف شروع کیا اس کے خلاف رد عمل اس نسل کی غزل میں بھی آیا۔ مگر 1977ء-88ء کے رجعت پرست مارشل لا نے ساری صورتحال بدل کر رکھ دی۔ اس طویل مارشل لا میں قتل جمہوریت کے ساتھ ساتھ مذہبی تنگ نظری کو بھی پھیلایا گیا۔ سابق منتخب وزیر اعظم کو تختہ دار پر چڑھایا گیا اور ہزاروں جمہوریت پسندوں اور عوام دوستوں کو قید، کوڑوں اور بیروزگاری کی سزائیں دی گئیں۔ اسی دور میں نئی نسل کے کچھ شعرا عسکری آمریت کے ہمراہ ہو گئے۔ کچھ انسانیت سے منقطع تصوف اور سریت کی طرف جھک گئے اور بعض نے قرونِ وسطیٰ کی مسلم خلافتوں کی ماورائی فضا سے

تحقیقی ذات تک کا دورہ اختیار کیا۔ جو ہم ایک بڑی تعداد اپنے لیے یا عمل
وہ دلی دونوں سے بھی بہت بلند قوتوں کے ساتھ رہی۔" (13)

یہ صورتحال شاعری کی ہے، وہی صورتحال افسانے کی بھی ہے۔ علاقائی ادب کے باب میں ہم نے چند مثالیں پیش کی تھیں۔ قومی زندگی اور زمین کے ساتھ افسانہ نگاروں کے کیسے جذبے وابستہ ہو گئے تھے اس کی چند مثالیں بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ انتظار حسین کے ایک افسانے کا اقتباس ملاحظہ کیجیے

"یہ تو سنتے دیکھے ہیں کہ لوگ اپنی زمین سے بچھڑ جاتے ہیں مگر کوئی زمین انہیں قبول نہیں کرتی۔ میں نے یہ دیکھا اور جانا کہ ہر زمین کی خوشبو ہے جو زمین اجڑ رہی ہے وہ بھی اور جو زمین آباد ہو رہی تھی ہے وہ بھی۔" (14) (قصہ کہانیاں)

دوسری طرف افسانے میں رشیدہ امجد کی انفرادیت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے لیے ایک اسلوب وضع کیا ہے۔ اس اسلوب کی شناخت بے حسی کی اس کیفیت کے ساتھ ہوتی ہے جو عصری زندگی میں انہیں مسلسل لاحق رہا۔ یہ کیفیت ہمیں ان سیاسی واقعات سے بھی آشنا کرتی ہے جن میں اجتماعی قتل کے کئی پہلو تھے۔

"شہر زیادہ تر خاموش ہے وہ اس کے گرد کنڈلی مارے بیٹھا ہوا ہے۔ وہ بہت آہستہ دق کے مریض کی طرح تھم تھم کر کانپ کر قبر کے سرہانے کھانس رہا ہے۔ (7) یہ بڑی قبر ہے اداسی احاطے میں چاند چپ ہو رہا ہے۔" (15) (بہت نکلنے کی آرزو)

رشیدہ امجد کے یہاں مرد، عورت، ماضی، حال، مستقبل سب الگ الگ نظر آتے ہیں جو شناخت کی گمشدگی تھی، رشیدہ امجد نے اپنے افسانوں میں واضح اس گمشدگی کو ابھارا ہے۔

"میں تھی۔ وہ بیٹھا

مگر فوراً ہی خیال آتا ہے کہ میں کون ہوں"

نام بے نشان بے پہچان

لفظ بے معنی بے چہرہ" (16)

(بند ہوتی آنکھ میں اُترتے سورج کا عکس)

"قدموں کے نشان شہر کی جانب تک تو آتے دکھائی دیتے ہیں، آگے پتہ نہیں چلتا۔ بس ایک فراٹے لیتا دھواں ہے جو ... سے بھی بے انداز ... وقتے سے بھاگا جا رہا ہے۔ شہر کے بیچ ... کوئی گھبرا سا سوال لیے جا رہا ہے۔ ... سوال سن کر ہر ... دیکھتی ہیں اور ... غلط جملوں کے آگے اٹکی ہیں۔" (17) (ڈاکٹے سے بچھڑا مرغ)

اور یہی وہ شعور بھی ان افسانہ نگاروں میں ملتا ہے جنھوں نے تحریک پاکستان کی ... ہجرت سے گہرا اثر قبول کیا اور پاکستان کے لکھنے ... پس منظر میں اپنی شناخت کے بحران کو علامتوں کے ذریعے ظاہر کیا

"مجھے کوئی دکھ نہیں۔ میں سمندر دو نہیں دیکھ سکا۔ میرے آبا و اجداد ... وطن سے نہیں آئے۔ ... کرم بھی کوئی نہیں ... نہ کی۔ یہ میری تاریخ ... نہ کی۔ مجھے کوئی دکھ نہیں۔ میں وہ کیسے تم دیکھتے ہوئے پانچ سو برس اپنے گھر کے بارے میں سوچتے" (18) (گونگے کے خواب)

"ذہن اپنے اندر بھٹکتی جاتی ہے اور میں سوچتا ہوں کہ عظیم تہذیبوں کو زوال اس لیے آتا ہے کہ تاریخ میں وہ گم ہو جاتی ہیں اور خوبصورت اور کھنڈر شہر اس لیے ذہن میں رہ جاتے ہیں کہ آنے والوں کی نگاہوں کے

بے محفوظ ہو جائیں گے مگر میں جس کی گلیوں میں بھاگتا ہوں وہ کیوں
وحشت جا رہا ہے۔ یہاں تو کوئی زینہ نہیں، گنبد نہیں، مینار نہیں۔ گھروں
کے دروازوں پر بوسیدہ پھٹے ہوئے ٹاٹ کے پردے اور بے رنگ،
دھلی گوند کی کھڑکیاں اور جھکی ہوئی منڈیریں، کائی زدہ دیواروں کا
اکھڑا ہوا پلستر اور بھولی بھولی سیڑھیاں" (19)
(پیاسے)

ان چند مثالوں کے علاوہ اس عہد کے بیشتر افسانہ نگاروں کے ہاں اسی نوعیت کا رویہ، جذبہ اور کیفیات موجود ہیں جن سے صورتِ حال کا اندازہ بھی ہوتا ہے اور تخلیق کاروں کے شعور میں موجود قومیت کا شدید احساس بھی سامنے آتا ہے۔ شاعری اور افسانے کی طرح اس عہد کے ناولوں کا بھی یہی پس منظر ہے۔ پاکستان میں ناول نگاری کی صنف کی طرف بہت کم توجہ رہی ہے لیکن تقسیمِ ہند کے بعد سے جس قدر بھی ناول لکھے گئے ان میں سیاسی، سماجی پس منظر ہی بنیادی موضوع فراہم کرتا ہے۔

"آگ کا دریا" (قرۃ العین حیدر)، "اداس نسلیں" (عبداللہ حسین)، "آنگن" اور "زمین" (خدیجہ مستور)، "خدا کی بستی" (شوکت صدیقی) وغیرہ کا پس منظر پاکستان کا قومی منظر نامہ ہے۔ ساٹھ کی دہائی کے بعد علاقائی ادب کے آغاز پر بھی جو چند ناول لکھے گئے ان میں سے قابلِ ذکر ناولوں کے موضوعات میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ "بستی" (انتظار حسین)، "خوشیوں کا باغ" (انور سجاد)، "راکھ" (مستنصر حسین تارڑ) اور "دیوار کے پیچھے" (انیس ناگی) پاکستانیت کے شعور کی نمائندگی کرتے ہیں۔

تقسیمِ ہند کے بعد پاکستانی ادب میں سماجی و سیاسی موضوعات کا غلبہ رہا ہے۔ ابتدائی برسوں میں تقسیم، ہجرت وغیرہ جیسے مسائل نمایاں تھے جبکہ 1958ء کے بعد مارشل لاؤں کے ردِعمل، سقوطِ ڈھاکہ کے اثرات، پاکستان کی قومی سماجی و اخلاقی اقدار، جمہوری آزادیوں کی خواہش وغیرہ جیسے موضوعات تمام تر ادب کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ ستر کی دہائی

Scanned by CamScanner

سے اسی کی دہائی کے وسط تک جو موجود ہو، علامتوں کے کلام میں بھی پاکستانیت کا شعوری عمل کارفرما رہا ہے۔ یہاں یہ بات کہتے ہیں ہمیں سہولت حاصل ہے کہ پاکستانی ادب میں جدیدیت کی جو لہر آئی وہ محض مغربی ادب کی تقلید نہ تھی بلکہ اس کے ادیبوں نے جو علامتیں وضع کیں اور جو اسلوبیاتی تجربے کیے ان کے پس پشت ایسی ثقافتی اقدار، سماجی انصاف، جمہوری آزادیوں کی خواہش اور قومی سالمیت سے محبت جیسے عناصر موجود تھے۔ اس طرح اردو کا جدید ادب دراصل پاکستانیت کے شعور کی بھرپور نمائندگی کرتا ہے۔

حوالہ جات

1۔ قرۃ العین حیدر، کیا موجودہ ادب روبہ زوال ہے، نقوش، لاہور، ادارہ فروغ اردو، دسمبر 1958ء

2۔ محمد حسن عسکری، کچھ اپنی باتیں (اداریہ)، ماہ نو، کراچی، مئی 1950ء

3۔ محمد حسن، ڈاکٹر، اردو افسانہ 1948ء کے بعد، شعور، کراچی، مکتبہ شعور، شمارہ 5

4۔ شہزاد منظر، پاکستان میں اردو افسانے کے پچاس سال، ص 104

5۔ انتظار حسین، علامتوں کا زوال، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1983ء، ص 46

6۔ ایضاً، جواب، محولہ، ص 29-30

7۔ عزیز حامد مدنی، جدید اردو شاعری (حصہ دوم)، انجمن ترقی اردو، پاکستان، طبع اول، 1994ء، ص 272، 273

8۔ منظر اعظمی، ڈاکٹر، اردو ادب کے ارتقاء میں ادبی تحریکوں اور رجحانوں کا حصہ، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، 1996ء، ص 536

9۔ ایضاً، ص 541

10۔ رشید امجد، ڈاکٹر، پاکستانی ادب کے تناظر، مقالات، مشمولہ مقالات، راولپنڈی، ص 23

Scanned by CamScanner

11۔ محمد کاظم، ایک سفر سے واپسی، مضمون، مشمولہ فنون، لاہور، دسمبر 1971ء، ص 8

12۔ رشید امجد، ڈاکٹر، شاعری کی سیاسی و فکری روایت، دستاویز مطبوعات، لاہور

13۔ یوسف حسن، پاکستانی نظم، دو دہائیوں سے آگے پچیس سال، مشمولہ عبارت، ص 75

14۔ انتظار حسین، علامتوں کا زوال، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص 300

15۔ رشید امجد، ڈاکٹر، جدید نظم میں [illegible]، نیشنل بک فاؤنڈیشن، راولپنڈی، ص 35

16۔ ایضاً، ص 43

17۔ رشید امجد، ڈاکٹر، جدید نظم میں [illegible]، نیشنل بک فاؤنڈیشن، راولپنڈی، ص 54

18۔ احمد جاوید، [illegible]، پاکستان، 1197، لاہور، بار اول،
1993ء، ص 56،57

19۔ ایضاً، ص 61

Scanned by CamScanner

دورِ حاضر میں شخصیت کا تصور

Personality has been the theme of discussion for a long time. It is something that we possess and can be labeled as good, bad, fine or poor, mostly basis of physical appearance, or make-up. However this is a very limited view. On the other hand the psychological concept of personality goes farther and deeper than mere appearance. Thus the question of how to interpret or define personality has occupied the minds of psychologists for a long time and still continues to do so.

~~~~~~~~~~~

ہم اپنی روزمرہ زندگی میں شخصیت کی اصطلاح عام استعمال کرتے ہیں۔ شخصیت کا تصور عام ہونے اور اس کے بارے میں جاننے کے باوجود اس کی صحیح نوعیت اور حقیقت کے بارے میں نہ صرف عام لوگوں میں بہت سے پیمانے اور غلط تصورات پائے جاتے ہیں بلکہ اس سلسلے میں ماہرین میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ شخصیت کو انگریزی زبان میں Personality کہتے ہیں جو لاطینی زبان کے لفظ Persona سے ماخوذ ہے جس کے معنی ماسک یا نقاب کے ہیں۔ اس دور میں اداکاروں کو ڈراموں میں ایک مخصوص قسم کا روپ دھارنے کے لیے نقاب پہنایا جاتا تھا تاکہ وہ نوعیت کے مطابق کردار میں حقیقی رنگ
~~~~~~~~~~~

میں بعد ازاں یہ لفظ شخصیت کے مترادف استعمال ہونے لگا۔

شخصیت کا لفظ عام لوگوں اور تعلیمی لوگوں میں مختلف تصورات رکھتا ہے۔ مختلف ماہرین نے اپنے اپنے دور میں شخصیت کے بارے میں مختلف نظریات پیش کیے۔ عوام اس سے مراد آدمیت و انسانیت لیتے ہیں جب کہ ماہرین نفسیات، عمرانیات اور حیاتیات نے اس کے مختلف نظریات پیش کیے ہیں۔ انیسویں صدی کے ایک اطالوی ماہر علم انسانیات لومبروسو نے چہرے کے خدوخال اور جسم کی ظاہری بناوٹ کی بنیاد پر شخصیت کی تشریح کرنے کی کوشش کی۔ اس نے سر کے سائز، آنکھوں کے درمیانی فاصلے، ٹھوڑی کی شکل، بالوں اور آنکھوں کے رنگ کو بعض شخصی خصوصیات سے منسلک کیا۔ اگرچہ اس نظریے کی کوئی سائنسی بنیاد نہیں تھی۔ پھر بھی لوگوں نے اس کی بنیاد پر غلط مفروضات قائم کر رکھے ہیں۔ اب بھی بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ جن افراد کی آنکھیں چھوٹی اور باہم قریب ہوں وہ جرائم کی طرف طبعی میلان رکھتے ہیں۔ بڑے سر کو عقلمندی کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ درحقیقت اس نوعیت کے تمام عقائد اور خیالات موجودہ سائنسی دور میں غلط اور بے بنیاد ثابت ہو چکے ہیں۔

کسی فرد کی شخصیت پر غور کرتے ہوئے سب سے پہلے متعلقہ فرد کا جسمانی حلیہ، قد، رنگ، لباس اور چال ڈھال وغیرہ توجہ کا مرکز بنتے ہیں۔ اگرچہ یہ خصوصیات ایک فرد کے تصورِ شخصیت کا اہم حصہ ہیں تاہم موجودہ دور میں ان کی حیثیت ثانوی ہے۔ ابتدائی چند ماہرین کے نظریات بھی اسی قسم کی عکاسی کرتے نظر آتے ہیں۔ ایک امریکی محقق ولیم ایچ شیلڈن (۱۸۹۸ء۔۱۹۷۷ء) کے نزدیک فرد کے جسم کی ساخت کا مشاہدہ کر کے پیشین گوئی کی جا سکتی ہے کہ وہ کس قسم کی شخصیت کا مالک ہے۔ شیلڈن نے جسم کو ساخت کے اعتبار سے تین اقسام میں تقسیم کیا۔ پہلی قسم "دبلی شکل" یہ لوگ نازک اندام اور لمبے قد کے مالک ہوتے ہیں۔ نفسیاتی طور پر ادراک، ضرورت سے زیادہ حساس اور فنکارانہ میلان رکھتے ہیں۔ دوسری قسم "متین شکل" لوگوں کی ہے۔ یہ متناسب جسم کے مالک ہوتے ہیں یہ لوگ

کے ذریعے توازن قائم کرتی ہے۔ یہ تہذیب و تمدن، معاشرتی اقدار، مذہب اور دیگر اخلاقی اقدار کی پابندی کرتی ہے۔ انا شخصیت کی منتظم ہے کیونکہ یہ فرد کے کردار کو کنٹرول کرتی ہے۔ فوق الانا شخصیت کے اخلاقی اور اصلاحی پہلو کا نام ہے۔ یہ حقیقت کی بجائے مثالیت پسند ہے۔ فرائیڈ کے نزدیک شخصیت کی نشوونما ابتدائی پانچ چھ سال میں مکمل ہو جاتی ہے جب کہ ماہر نفسیات یونگ کے نزدیک شخصیت کی نشوونما تمام عمر جاری رہتی ہے۔ یونگ کے نزدیک شخصیت دروں بینی اور بیروں بینی کے جملہ اوصاف کے مجموعے کا نام ہے۔ دروں بینی شخصیت کے مالک لوگ کم گو، تنہائی پسند اور غور و فکر میں مصروف نظر آتے ہیں۔ ان کی دلچسپی کا مرکز اپنی ذات ہوتی ہے جب کہ بیروں بینی شخصیت کے مالک لوگوں کی دلچسپی کا مرکز اپنی ذات کی بجائے ارد گرد کے لوگ ہوتے ہیں۔ تاہم کوئی فرد بھی مکمل طور پر دروں بینی یا بیروں بینی نہیں ہوتا بلکہ ہر فرد میں یہ دونوں خصوصیات موجود ہوتی ہیں۔ البتہ ایک خصوصیت غالب ہوتی ہے۔

ایڈلر نے اپنے نظریہ شخصیت میں معاشرتی عوامل کی طرف توجہ مبذول کرائی۔ ان کے نزدیک معاشرتی محرکات شخصیت کی تشکیل پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ہر فرد میں ایک فطری خواہش پائی جاتی ہے کہ وہ دوسروں سے اپنی حیثیت تسلیم کرائے۔ اپنی اس خواہش کو پورا کرنے کے لیے معاشرتی، مذہبی، اخلاقی اور قانونی اقدار کے تقاضوں کے مطابق اپنے جذبات و ایثار کی قربانی دے کر اور معاشرتی فلاح و بہبود کو سامنے رکھ کر اپنی اعلیٰ شخصیت تسلیم کروانا چاہتا ہے۔

کرداریت پسند مکتبِ فکر کا خیال ہے کہ فرد کی شخصیت بنیادی طور پر آموزش کے نتیجے میں تشکیل پاتی ہے۔ ان کے خیال میں فرد کی شخصیت ان افعال اور عادات کے مجموعے کا نام ہے جو وہ عمر و زندگی کے تجربات اور تعلیم و تربیت کے ذریعے سیکھتا ہے اور جو آموزش نظریات کے عمل کے ذریعے واضح ہوتی ہے۔ شخصیت کم و بیش ان مستقل رد اعمال

Scanned by CamScanner

کے مجموعے کا نام ہے جس کا مطلب وہ رویہ ہے جو ماحول میں موجود محرکات کی جانب کرتا ہے۔ یہ

نظریہ کی رو سے شخصیت کو ایک میکانکی عمل سے تعبیر کیا جاتا ہے جو سیکھا جاتا ہے اور یہ خیال

کیا جاتا ہے کہ کردار و شخص کے مخصوص عادات مخصوص قسم کی شخصیت کی تشکیل کرتے ہیں۔

پیدائش کے وقت فرد کے اندر کوئی مخصوص قوت موجود نہیں ہوتی جو اس کی شخصیت کی تعمیر

کے عمل کو کنٹرول کرتی ہے بلکہ مختلف تجربات کے ردعمل میں سیکھے جانے والے اعمال کے

مجموعے کو ہی شخصیت کہا جاتا ہے۔

کارل راجرز نے انسانیت پسند نظریہ شخصیت پیش کیا ہے۔ راجرز کے نزدیک شخصیت

دو مختلف انداز میں سیکھے ہوئے اعمال کا مجموعہ ہے اور ان کی "شعوری اور جسمانی طرز عمل"

کا مرجع بھی۔ اس کے اندر ایک بنیادی قوت "تحقیقِ ذات" موجود ہے جو فرد کی نشوونما کے عمل

کی رہنمائی کرتی ہے۔ اس کی تمام صلاحیتوں کو فروغ دیتی ہے اور ایک طرح سے شخصیت کی

تشکیل کرتی ہے۔ فرد اپنی شخصیت کی تشکیل میں خود بھی فعال کردار ادا کرتا ہے۔ اس کے

سامنے کئی مواقع رہتے ہوتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ فرد اپنی شخصیت خود

بناتا ہے۔

مادی نظریات جو دوسری تعریف شخصیت کے تجربہ فرد سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان

کے مطابق شخصیت فرد کے تصور ذات اور چند اوصاف کے مجموعہ کا نام ہے۔ ان کے

اوصاف سے مراد کم و بیش فرد کی مستقل خصوصیات ہیں جن کی پیمائش کی جا سکتی

ہے۔ یہ اوصاف فرد کے کردار میں مختلف اوقات میں ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ جو فرد جن

اوصاف کا مالک ہوگا اسی طرح کی اس کی شخصیت ہوگی مثلاً باصول، رحم دل، غصیلے

غصہ، گرم جوش، شرمیلا، نرم دل، بے صبر، خوشامد پسند وغیرہ۔

لہٰذا شخصیت کے مختلف نظریات اور مختلف ماہرین نفسیات کی آراء کو مدنظر رکھتے

ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ شخصیت صرف فرد کے لباس اور ظاہری خدوخال کا نام نہیں بلکہ

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

ڈاکٹر فوزیہ اسلم

روایتی اور جدید افسانے کی تکنیک کا تقابلی جائزہ

Short story enjoys a variety of techniques because of which some aspects of life erstwhile supposed to be taboo have now been included in the embrace of literature. This has put a demand for new techniques, artistic treatment and styles. It has caused changes in the genre and the consequence is that that symbolism, abstraction, allegory and figurative elements are being used increasingly. The modern short story has taken a new shape because of these stylistic techniques which are the subject of study here.

اردو افسانے کا آغاز داستانی روایت کی تکنیک کا پاسدار تھا اس کے ساتھ افسانے کا عام تشکیل اور علامت بھی اس کا حصہ ہے۔ حقیقت اور واقعیت کی تکنیک نے بھی ابتدا ہی میں آ کر محوری اور روایتی تکنیک ہی ابتدائی افسانے کی نمائندگی کرنے لگی پلاٹ، کردار، نقطۂ عروج اور اختتامی نقطۂ نظر کی تکنیک پر ایک سے جداگانہ حیثیت رکھتی ہے۔ ڈبلیو ایچ ہڈسن اپنی کتاب کے دیباچے میں کہتا ہے

"(i) The short-story writer may make moral values explicit and obvious by writing a story

Scanned by CamScanner

'with a moral'. That is one method, but no one much in favour nowadays, nor very easily to be found in this book. There is a danger that too obvious a moral will destroy the art, the characters may appear as puppets, the plot a mere contrivance. The illusion of truth may be broken, and a moral however good and true - that destroys the truth of the fiction will be self-defeating.

(ii) The values embodied in the story will usually be expressed throught the plot, the characters, the setting and by the way in which the story is written. The style is often the clearest guide to the writer's sincerity, we can detect falsity by the tone of the speaker's voice or a writer's use of words.

(iii) The best writers try to work unobtrusively, presenting their view of life through characters involved in situations and events in such a way as to give us an implicit understanding of the another's moral and literary values, an

Scanned by CamScanner

awareness of what he admires and of what he deplores. Compassion, for example - and I single out this quality because many of the stories in this book are concerned with it - is best presented for our approval, not by an explicit moral or sermon, but by an author's concern for human beings in their infinite variety of strength, weakness, wisdom or folly.

(iv) Although - as above - it is sometimes convenient to make a verbal distinction between moral and literary values, it is usually misleading to attempt to consider them apart."[1]

اخلاقیات کو ادب [illegible] تحریک میں استعمال ہوتی رہی ہے۔
1930ء کے بعد [illegible] واضح ہو گئے۔ [illegible]

[illegible]

پہلی تحریک [illegible]

پر گہرائی پیدا ہو گئی۔ ڈاکٹر اعجاز راہی نئی تکنیک کے ساتھ اس کے برتنے پر بھی کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"نئے اردو افسانے نے زندگی کو وسیع تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی اور اس کے لیے اس نے نہایت توانا علامتی اسلوب اور تجریدی تکنیک کو استعمال کیا، جس میں نئے موضوعات کو اور کرداروں کو وسعت میں مجسم کرنے والی پوری صلاحیت اور اس کے اندر غیر معمولی قوت کا ایک بے پناہ استدلال اور وسعت موجود تھی۔ یہاں پر علامتی اشکالات، احتساب کے لیے استدلال، علامتی، تمثیلی اور تجریدی تہہ در تہہ علامات کو تخلیق کار نے افسانے کے اسلوب اور ساخت کا حصہ بنایا۔ معمول کی لفظیات کے استعمال کے انکار سے نئے افسانے کی نئی لفظیات نے نئی لسانی تشکیلات کی ایک نئی شکل واضح کی اور ادب کو لفظیات کا ایک نیا ذخیرہ مہیا کیا۔ یہ سارے عوامل نئے افسانے کو ابھار کے لیے ایک وسیع میدان مہیا کرتے ہیں۔

نئے افسانے کی علامتیت، تجریدیت، پیچیدگی اور داخلی بیانیہ کا وظیفہ جو موجودہ انسان کے نفسی تحرکات میں پیدا ہو چکا ہے بنیادی طور پر پورے عصری افسانے کے لیے عصری اسلوب کے نام سے پکارا جا سکتا ہے۔ علامتیت قاری کے اندر اپنی تحریر کی خواہش اور تحیر انگیز رویوں کے سبب ایک ایسی کیفیت پیدا کر دیتی ہے جو عصر کا مفہوم سمجھنے میں مدد دیتی ہے یوں کہا جا سکتا ہے کہ علامتیت میں افسانے نے پہلی بار اصل وقت پایا اور اس کی داخلی نفسی انتہا تک اترنے میں رسائی حاصل کی۔ یہ علامتیت کی عطا ہے

Scanned by CamScanner

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

Scanned by CamScanner

وقت کی تبدیلی کا [illegible]
کی بن جاتی ہے۔ لیکن [illegible]
میں لکھی ہوئی کہانی نئی کہانی نہیں [illegible]
لکھی ہوئی کہانی نئی کہانی سے [illegible]
افسانہ نگاری کا [illegible]
دور ہو گیا۔ غرض [illegible]
پچھلے دور کے افسانے سے مختلف ہے۔

نئی کہانی کی ابتدا [illegible] ہے۔ فسادات کے نتیجے میں [illegible] ہجرت نے اردو افسانے [illegible] صورت ان کی [illegible] موضوعات میں [illegible] تھے اور تکنیک کے [illegible] خلاف رد عمل کو ظاہر کرنے کے لیے علامت [illegible] تکنیکی ذرائع استعمال ہونے [illegible] خوف، ذات [illegible] بازیافت اور کھوئے ہوؤں کی تلاش [illegible] محدود کر دیا تھا مگر اب خارجی واقعات [illegible] جہاں تک [illegible] علامتی، استعاراتی اور تجریدی [illegible] کے سبب اس دور کے افسانے زیادہ گہرائی کے حامل ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ افسانے میں کچھ نئے رجحانات بھی در آئے۔ ان میں
سے نئی حسیت، روحانیت، جنس، ایپی جنس، ذات کے گم ہونے کا خوف اور تنہائی اور
تنہائی سے وابستگی شامل ہیں۔ اگرچہ یہ مشکل موضوعات ہیں جنھیں نئے افسانہ نگاروں
نے ان موضوعات کو نئے تکنیکی و فنی اسالیب کے استعمال سے بخوبی بیان کیا۔ اگرچہ اس
بیسویں صدی کی دہائی میں ہوا تاہم صورت حال کی تبدیلی سے کہانی کہنے کے انداز میں
فرق آیا ہے۔ اس سے پہلے دور کی کہانیوں میں زندگی کا ابھرا پن نمایاں ہوتا تھا مگر اب یہ کہانی
جدید زندگی کے تمام رنگوں اور خارج و باطن کے تمام وجود کا احاطہ کرتی ہے اور اس طرح
کے فلسفے کا دروازہ خارج اور باطن دو سطحوں پر عیاں ہو جاتا ہے۔ یعنی پہلے ظاہری اعمال تک
بات رہتی تھی، اب باطنی اعمال بھی سامنے آجاتے ہیں۔

> "مختصر افسانے میں فنی سطح پر ہونے والی تبدیلیوں کا ذمہ دار یہ
> انسان ہی تھا۔ "شعور کی رو" کی تکنیک جو جدید افسانے میں ملتی
> ہے اسے فنکاروں نے کسی وضع کردہ فارمولے کے طور پر استعمال
> نہیں کیا۔ بلکہ یہ تکنیک اس کے انسان کی باطنی دنیا کی شناخت اور
> اس کا اظہار ہے جس میں مسلسل اتھل پتھل ہوتی رہتی ہے۔" ۹۰

نئے لکھنے والوں میں جنھوں نے تکنیک کے نئے زاویے مرتب کیے ان میں
انتظار حسین کا نام نہایت اہم ہے۔ انتظار حسین کہانی بُنتے ہوئے داستانی زبان کے ساتھ
تہذیبی اور مذہبی اساطیر اور لوک تلمیحات کا بھی استعمال کرتے ہیں۔ وہ اپنے عہد کے
مسائل کو تہذیبی و مذہبی اسطور سے ہم آمیز کر کے کہانی کی بنت کاری کرتے ہیں۔ اس عمل
سے جہاں ان کا ایک یکتا اسلوب الگ سے اپنی شناخت کراتا ہے، وہیں اس عہد کی کہانی
کو کل کی کہانی سے جوڑ کے بھی پیش کرتا ہے۔

انتظار حسین نے لوک اوہام کو علامتی بنایا ہے۔ ان کے افسانے "جنگل"، "[illegible]

Scanned by CamScanner

ہے۔ سندھی کی لوک کہانی، افسانے جو جو انہوں نے تحریر کیے ہیں وہ شہکار ہیں جو افکار حسین
کو ایک بڑے کینواس پر دکھاتے ہیں۔

نئی کہانی والوں میں انور سجاد کے افسانے بھی علامتی اظہار سے ایک نئی روایت کی بنیاد کرتے ہیں۔ انور سجاد ایک مصور اور فن موسیقی سے بھی واقف ہیں۔ ایک نئی کہانی لکھنے کے لیے جس وجدان، شعور، موسیقی، رنگ اور علامتی اظہار کی ضرورت ہوتی ہے وہ انور سجاد کے یہاں موجود ہے۔ انہوں نے نئی کہانی کو علامتی اظہار سے جو نئے روپ دیے ان میں چھوٹی بڑی خوبصورتی کی استعاروں کا ایک ذخیرہ ہے، جیسے اور جدیدیت کے ساتھ استعمال کرنا بھی شامل ہے۔

''اساطیر کسی کی میراث نہیں ہوتے۔ یہ تو سارے انسانوں کی مشترکہ میراث ہیں۔ جہاں کہیں بھی میں نے انہیں استعمال کیا ہے وہاں وہ پورے طور سے ہم آہنگ ہیں۔''[5]

ان کے علامتی افسانوں میں ''رات کی رانی''، ''روب''، ''رورا''، ''کیا'' شامل ہیں۔

رشید امجد جدید علامتی افسانے کا ایک بڑا نام ہے۔ انہوں نے نہ صرف علامتی افسانے لکھے بلکہ علامت سازی میں اپنی فنی مہارت کا ثبوت بھی دیا۔ رشید امجد کے موضوعات اتنے گہرے خاک ہیں۔ وہ معاشرے کے ان کرداروں کا انتخاب کرتے ہیں جو دبے کچلے ہوتے ہیں۔ ان کے موضوعات زندگی کی تلخیوں سے اور تکنیک جداگانہ ہونے کے سبب اپنے ہم عصروں میں الگ نظر آتے ہیں۔ انہوں نے تکنیک میں تقلید سے گریز کیا ہے۔ اس لیے ان کے افسانوں کا اسلوب ان کی شناخت بن گیا۔ ان کے کرداروں کی طرح ان کی علامتیں بھی تہہ در تہہ ہیں اور جدید تضادات زندگی کے تجربے سے حاصل ہوتی ہیں۔ اس لیے ان کے افسانوں میں ابہام کا مسئلہ نہیں ہوتا۔

''رشید امجد کی افسانوں کا کائنات نہ صرف روایتی بلکہ جدید افسانہ

Scanned by CamScanner

منشا، انتظار حسین، انور سجاد کی افسانوی کائنات سے بھی مختلف دستخط ہے۔ رشید امجد کے یہاں یہ انفرادیت افسانے کی داخلی اور خارجی ساخت کے تعلق سے ایک نئے سلیقے کی صورت میں اپنی پہچان کراتی ہے۔ افسانے کے مروجہ اسلوب سے انحراف اور لسانی تشکیلات کا عمل ان کے یہاں انفرادی اسلوب کی ایک واضح صورت ابھرتا ہے، جس کی باقاعدگی اور تسلسل کے ساتھ برتنے کی وجہ سے ان کی ایک الگ پہچان قائم ہوئی۔"۵۰

رشید امجد نے روایتی افسانے سے آغاز کیا اور شعور کی رو، آزاد تلازمہ، خیال آرائی، تکنیک سے اپنی پہچان کروائی ہے۔ وہ ایک اعلیٰ درجے کے کہانی کار ہیں۔

محمد منشا یاد کہانی پر زور دیتے ہیں۔ اس لیے ان کے ہاں پلاٹ، کردار سازی، منظر نگاری کے عمدہ نمونے مل جاتے ہیں۔ انھوں نے بھی رشید امجد کی طرح روایتی افسانے سے آغاز کیا۔ پھر 60ء کی دہائی کے بعد علامت سازی کی طرف آئے اور علامتی افسانے لکھے۔ دیہی پس منظر اور شہری زندگی کے سبب ان کی کہانیوں میں دو طرح کے رنگ آ جاتے ہیں۔ ان کا افسانہ "[illegible]" اس کی بہترین مثال ہے۔

انوار احمد علامتی افسانے کے آغاز کے لکھنے والوں میں شمار ہوتے ہیں:

"70ء کی دہائی کے شروع میں ہی ایک نئی قسم افسانے کے لیے افسانے کی طرف متوجہ ہوا۔ یہاں کے لکھاریوں نے افسانے کے جن امکانات کو جنم دیا وہ اپنے اردگرد سے بڑا مختلف تھا۔ نئے موضوعات، نیا اسلوب، بہت سے لکھنے والے، وسعت میں کثرت کا جلوہ ان لوگوں نے یوں دکھایا کہ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے انداز کا لکھاری تھا۔ ڈاکٹر رشید امجد، ڈاکٹر انوار احمد، رائی منظر الاسلام، احمد

جاوید ... اعلیٰ ... اور ... تجربہ ... ان سب نے مل کر
... ان کے افسانوں کی بنیاد رکھی۔"

"احمد جاوید ... ان چند افسانہ نگاروں میں سے ایک ہیں
جنہوں نے ... اردو افسانے کی روایت کو ایک خوبصورت اور ...
... ایک نئے ... سے ... کیا ہے۔"

احمد جاوید کے افسانے ... ان کے ... کی گواہی دیتے ہیں۔

اگر ان افسانوں کی کہانیوں میں ... بات کی کہانی ... ہے تو ہم ان ... کی ... کہانی ... ہے۔ ان کے موضوعات میں عورت اور ان کی ... ہے۔

علاوہ ازیں ان کے ہاں ... موجود ہے۔ جس کے سبب وہ خارجی مظاہر ... کے ساتھ ... کے ساتھ ... احمد جاوید کے افسانوں میں ... ایک منفرد آہنگ کی پہچان کرتا ہے اور اس کے لیے انہیں ایک ... اور تکنیک کی ضرورت ہے۔ ان کا کمالِ فن ہے کہ وہ ... کے ساتھ ... موضوعات ... جاتی ہیں۔

احمد جاوید اردو افسانے کا ایک معتبر نام ہے۔ انہیں موضوع کے انتخاب اور برتاؤ پر کمال قدرت حاصل ہے۔ موضوع اور تکنیک کی جو جلوہ نمائیاں احمد جاوید کے ہاں ملتی ہیں وہ ان کے ہم عصروں میں کم کم ہیں۔ بسا اوقات احساس ہوتا ہے کہ جیسے موضوع اپنے ساتھ تکنیک لے کر آتا ہے۔ بہت سے اچھے کہانی کاروں میں بھی فکر اور ... کے ... تضادات ... دیکھا جاتا ہے مگر احمد جاوید جدید عہد کے ان افسانہ نگاروں میں شمار ہوتے ہیں جنہیں موضوع کے انتخاب کا گیان اور تکنیک کا شعور ودیعت ہے۔ وہ ایک صاحبِ اسلوب کہانی کار ہیں۔ ان کی علامتیں ان کی فکری زمین سے پھوٹتی ہیں۔"

Scanned by CamScanner

اپنے لیے ماحول سے بھی علامت اخذ کرتے ہیں اور کہیں کہیں جانوروں کی جبلت کو بطور علامات بناتے ہیں۔

"محمد حامد کے ہاں جانوروں وغیرہ کی علامات سے سماجی اور انسانی صورت حال کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ جانوروں وغیرہ کی نفسیاتی کیفیات، انسان کی نفسیاتی کیفیات سے مطابقت رکھتی ہیں۔ جسے آج کل کے افسانہ نگار کی مجبوری ہے۔ چاہے جسے کہ سماج میں کتنا ہی عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہو۔ یہ علامتیں اہم نہیں ہیں کیونکہ کہانی کا اصل رنگ روپ ان علامتوں کے مفاہیم کا تعین کر رہا ہے۔ وہ علامتوں کے ذریعے اس سماجی حالت کو بیان کر رہا ہے جس سے آج کا دور گزر رہا ہے۔"[90]

آج جدید افسانے میں بہت سے نام سامنے آ چکے ہیں۔ چنانچہ یہاں کل جو تحریک کی ایک خاص دیکھا حصہ تھی۔ نئے افسانے میں تکنیکی و اسلوبی بحث سے ایک بات واضح ہوتی ہے کہ انکو لکھنے والوں کے پاس تکنیک اور اسلوب کی شراکت ہے اور کہا جو منظر یا پیش منظر آیا ہے کہ ایک ہی عصر میں لکھنے والوں میں تکنیکی شراکت معیوب نہیں ہوتی کیونکہ اس شراکت سے انفرادی اسلوب کے بعد ایک اجتماعی اسلوب کی بازیافت ہوتی ہے۔

اس بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے تکنیک کے حوالے سے ممتاز شیریں کی رائے دیکھتے ہیں:

"صرف اچھا مواد یا اچھی تکنیک کسی افسانے کو اچھا نہیں بنا سکتی۔ کامیاب فن کار ہر طرح کے موضوع سے ایک اچھا افسانہ تخلیق کر سکتا ہے۔ وہ بلند، عظیم اور گہرے مواد سے ایک معمار کی طرح مضبوط اور عالی شان افسانے کی عمارت تیار کر سکتا ہے۔ وہ نازک اور ہلکے موضوع سے ایک سنار کی طرح نزاکت و نفاست سے

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

(ب) ایسا بیان جس میں کہیں کہیں مکالمہ اور عمل ملا ہوا ہو

(اکثر افسانوں میں یہی امتزاج ہوتا ہے)

(ج) صرف گفتگو یا مکالمہ" 10

خلاصہ بحث کے طور پر ایک نظر پرانے اور نئے افسانے کے فرق پر ڈالتے ہیں:

☆ نئے اور پرانے افسانے میں طرزِ اسلوب اور موضوع دونوں کا فرق ہے۔

☆ دونوں افسانوں میں تکنیک کا فرق ہے۔

☆ پرانا افسانہ پلاٹ پر زور دیتا ہے مگر نیا افسانہ کردار کے گرد گھومتا ہے۔

☆ پرانے افسانے میں کہانی کا جو موضوع ہوتا تھا وہ جیتا جاگتا انسان نظر آتا ہے۔ نئے افسانے نے انسان، خارج میں جیتا نظر آتا ہے اس سے زیادہ باطن میں جیتا ہے اسے بھی موضوع میں شامل کیا ہے۔

☆ پرانے اور نئے افسانے میں زبان کا فرق بھی نمایاں ہے۔

☆ پرانے افسانے میں سیدھا سادہ بیانیہ انداز اپنایا جاتا تھا مگر اب مختلف انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔

☆ علامتوں کا شعوری استعمال نئے افسانے کی ایک صفت ہے جب کہ یہ روایتی افسانے میں نہ تھا۔

حوالہ جات

1۔ Burts.S.H."Modern short story: Longman,London,1968,5th Editon. P ix

2۔ ڈاکٹر ... "اردو افسانے میں اسلوب کا ارتقاء" ... طبع اول، 2003ء، ص 57

Scanned by CamScanner

3. [illegible] 1988ء، ص238

4. ایضاً، ص233

5. [illegible] 197[illegible]ء، ص65

6. [illegible] 1988ء، ص17

7. [illegible] 2002ء، ص240

8. [illegible] 1974ء، ص10

9. [illegible] 2002ء، ص299,298

10. [illegible] 1963ء، ص19,18,17

Scanned by CamScanner

تین کہانیاں —— ایک خیال

One of the qualities of literature is universality. The writer of the following article has related three short stories each representing three different eras and culture and written in three different languages, Punjabi, English and Urdu but share the same central idea i.e. the misery of Indian women trying to obey the traditions but actually want to fulfil their natural desires.

[illegible]

وہ معاشرے اور مذہب کے مقرر کردہ اصولوں کو مدنظر رکھ کر ایک شخص کا انتخاب کرنے پر مجبور ہے اور کبھی کبھی تو یہ انتخاب کا حق بھی اسے نہیں ملتا۔ اس انتخاب میں محبت کا عنصر کہیں نہیں ہے۔

مرد کے لیے دوسری، تیسری اور چوتھی شادی کا جواز موجود ہے مگر عورت کیا کرے۔ اگر وہ شادی کے بعد کسی کی محبت میں گرفتار ہو جائے اگر اس کا روحانی جوڑ اس کی محبت اسے شادی کے مقدس بندھن میں بندھنے کے بعد ملے تو وہ کیا کرے۔ اس کا آسان سا جواب تو یہ ہو سکتا ہے کہ وہ آزاد ہے کہ اپنے شوہر کو چھوڑ کر اپنے من پسند مرد کی جانب رغبت کا اظہار کرے مگر یہ کہنا جتنا آسان ہے۔ معاشرتی سطح پر اتنا ہی معیوب اور قابل مذمت عمل۔ بات تھی اخلاقی قدروں اور مذہبی اصولوں کی تھی۔ ایک جذبے اور ضرورت کی ہے جس کی تشنگی ادیبوں کے ادیبوں نے عام سطح سے بلند ہو کر محسوس کیا اور یوں کئی کہانیاں تخلیق ہو کر اردو، انگریزی اور پنجابی ادب کا حصہ بنیں۔ امرتا پریتم، پنجابی ادب کا ایک بڑا نام ان کا ناولٹ ”ایک سی انیتا“ (ایک تھی انیتا) جو کہ ایک پارسی کی کہانی In Imaginative Women (تھامس ہارڈی) پرست عورت اور مقبول الاسلام کا مختصر افسانہ ”جاگتے سمندر کے کنارے سوئی ہوئی محبت“ جیسی کہانیوں کا مرکز عورت کی محبت ہے۔ عورت جس کے لیے محبت سے اہم کچھ نہیں مگر شادی شدہ عورت کے لیے محبت جرم ممنوع ہے۔ وہ سماج کے گھڑے بندھے اصولوں کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہے۔ جہاں رشتے اس کا دامن پکڑتے ہیں اور عورت کے وجود سے محبت قربانی مانگتی ہے اور اخلاقی معیار اس کے دل کی آواز کو دبا دیتا ہے ”ایک تھی انیتا“ ایک شادی شدہ عورت ہے۔ جو اپنے شوہر اور سسرال والوں کے ساتھ ایک گھٹی گھٹی زندگی گزار رہی ہے۔ اس کا شوہر ایک اوسط ذہنیت کا ایک شریف آدمی ہے جو انیتا کا شوہر صرف شوہر ہے محبوب نہیں۔ انیتا کی ذات دو حصوں میں تقسیم ہوئی ہے ایک طرف وہ عورت ہے جو جسمانی طور پر اپنے شوہر کے ساتھ زندگی بسر کرتی ہے جب کہ اس کی ذات کا دوسرا حصہ اس جسم سے

Scanned by CamScanner

کبھی وہ محبت کا متلاشی اپنے محبوب کی باہوں میں جھولتا ہے اور ایک ان دیکھی دنیا [illegible]
حقیقت کا روپ دھار کر ساگر کی صورت میں اس سے آن ملا۔ مگر اس ملاقات سے [illegible]
اور دل کی گھٹن بڑھ گئی۔ حالات، معاشرہ، سماج، رسوم و رواج [illegible] تو اس کی محبت
آڑے آنے لگی اس کا راستہ روک دیا۔ وہاں جب وہ وقت ساگر کے چہروں میں [illegible]
کر کے حقیقت کی دنیا میں چلی گئی ہے۔ اس گھٹن نے انجانے بے وفائی [illegible]
کر دیا اور اس نے ساگر کو خود اپنے ہاتھوں کھو دیا۔ سماج اور رسوم کی جنگ میں انجم [illegible]
گئی۔ جسم و جاں ایک ہو گئے۔ ساگر کے ہو گئے۔ قلب و جسم کی گھٹن [illegible]
وہ اس حقیقت کی دنیا میں خود کو کھینچنے لگی۔ مگر بے وفائی کے احساس اور جرم نے اسے مجبور [illegible]
وہ اپنے شوہر سے اس کا اعتراف کرے۔ وہ خود کو [illegible] اس دوہری زندگی کے عذاب [illegible]
کرنے کے لیے تیار تھی۔ سو اس نے اپنے شوہر کو چھوڑ دیا۔ گھٹن تو ختم ہوئی مگر [illegible]
محبت کی خواہش ایک بار پھر اس کو بے چین کرنے لگی۔ ساگر سے دوبارہ ملاقات ہوئی۔ مگر جب [illegible]
ملن کے لیے ہونے کا وقت آیا تو اخلاقیات اور رسوم نے وصال کا دور چھین لیا۔ [illegible]
کی زندگی کو دکھ اور درد سے چاہت [illegible] مگر وہ لمحہ آیا اور گزر گیا وہ ایک بار پھر محروم محبت رہ گئی [illegible]
محبت نے اسے اقبال نامی شخص سے قریب کیا۔ گو کہ وہ ساگر تھا اور نہ ہی اس کا محبوب [illegible]
وہ اپنی مکمل ہونے والی محبت کا کنارہ چاہتی تھی۔ وہ محبت پانا چاہتی تھی۔

"ساگر! اپنی زندگی کی راہ میں چلتے چلتے اس جگہ آ گئی ہوں جہاں سے
کئی پگڈنڈیاں کئی سمتوں کو جاتی ہیں.... مجھے محسوس ہوتا ہے کہ کئی
پگڈنڈیاں تمہاری طرف جاتی ہیں"۔

انجم ان عورتوں میں سے ہے جن کی زندگی محبت کے دائرے میں گھومتی ہے محبت
اس کا سرمایہ حیات ہے اور محبوب اس کی منزل۔ وہ اپنے عقیدہ محبت کے بارے میں کہتی ہے

"میں ندی کنارے کی صورت نہیں ہوں لیکن سوچتی ہوں کہ ہر انسان کا ایک

مذہب ہوتا ہے۔ ایک عقیدہ ہوتا ہے۔ ایک خدا ہوتا ہے۔ [illegible]
خیال میں یہ مذہب، یہ عقیدہ، یہ خدا ہر کسی کا اپنا اپنا ہوتا [illegible]
ہے کسی کا مذہب میرا مذہب نہیں۔ کسی کا عقیدہ میرا عقیدہ [illegible]
خدا میرا خدا نہیں۔ کسی کے لیے محبت مذہب ہو سکتی ہے [illegible]
سکتا ہے اور ایک انسان خدا ہو سکتا ہے اور کسی کو مجھے [illegible]
ہے اسی طرح ہے۔ تم میرے خدا اور تمہاری محبت [illegible]
تمہاری تلاش میرا عقیدہ۔ ایک انسان کی [illegible]
ہے ایک خدا کی طرح تم مستور بھی ہو۔"

اس حقیقت افسانہ محبت کا عنوان اس کے بیٹے کی صورت [illegible]
محبوب کی شکل و صورت سے مشابہ تھی۔ اس بیٹے نے [illegible] کی زندگی [illegible]
عشق [illegible] وصل کی تڑپ [illegible] ہوئی اور آخر کار یہی عشق [illegible]
محبت کی تجلی اور [illegible] زندگی کی کہانی۔ "ایک تخیلی [illegible]" [illegible]

An Imnaginative Women (تخیلی [illegible]) [illegible]
کہانیوں میں سے ایک ہے۔ اس کہانی کا مرکزی کردار بھی ایک عورت [illegible] ہے وہ اپنے شوہر
اور بچوں کے ساتھ [illegible] اور خوشحال زندگی گزار رہی ہے مگر اس کی زندگی میں [illegible]
باقی ہے [illegible] رکھتی ہے۔ اس کا شوہر ایک کاروباری [illegible]
[illegible] نہیں۔ وہ اس کی اچھی ساتھی ہے اس کی [illegible] کرتی ہے [illegible]
محبت کرنے اور اپنی محبت کے [illegible] سے قاصر ہے۔ وہ [illegible]
احساس اور [illegible] سے اسے چھپاتی ہے۔ اس کے [illegible]
[illegible] رکھتے ہیں وہ اس کے بارے میں [illegible]
اس وقت محبت کے [illegible] ہے جب [illegible] اس گھر میں [illegible]

[illegible] عورت نے وفا کا راست طور پر یہ گھر اس کی رہائش

[illegible] عورت اس گھر میں رہنے جا رہی ہے وہ اس کی پرچھائیں

[illegible] نے بھی وہ والی طور پر اس طرح قریب کر دیا کہ محبت سے

[illegible] تمام تر رشتوں کے باوجود وہ دل پال اور وحشی انہیں

[illegible] اندر میں پڑھا کر خواہشات کے علاوہ عورت نے خود کشی کر لی

[illegible] وہ عورت کی تصویر میں اپنی کھوئی ہوئی محبت ڈھونڈتی

[illegible] وہ عورت کے متعلق ہی سوچتی رہتی۔ یہی نہیں بلکہ

[illegible] زندگی سے بیزار ہوتی چلی۔ اس نے عورت سے اپنی

[illegible] نے قبول کیا کہ وہ بھی بے وفائی کی مرتکب ہوئی ہے

[illegible] ہوتی اس جہان فانی سے کوچ کر گئی۔ عورت یقینی

[illegible] وہ سوچتی ہے۔

"She thought how wicked she was, a woman having a husband and three children, to let her mind stray to a stranger in this not a stranger! She knew his thoughts and feelings as well as she knew her own"

یہ بھی سچ ہے کہ ایک گمنام عورت درحقیقت ایسی عورتوں کی کہانی ہے جو زندگی اور محبت کے متعلق وہ سوچ رکھتی ہیں جن سے بہت مختلف ہے۔ جنہیں بظاہر ایک اچھی خوشحال ازدواجی زندگی گزارنے کا موقع ملا۔ مگر ان کی روح پیاسی تھی مگر ان کے شوہر ان کی جذباتی اور ذہنی ضرورت کا ادراک سے قاصر تھے اور شاید اگر وہ جان بھی لیتے تو کچھ دے پاتے۔ کیونکہ شوہر ان کی نظر میں اس کی وقعت نہ ہوتی۔

Scanned by CamScanner

[illegible] عبدالسلام کے ایک افسانے "جاگے
[illegible] سوال [illegible]" میں [illegible] ہے۔ اس کہانی میں دو بوڑھی عورتیں جن میں سے
[illegible] کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ دونوں کی زندگیوں میں فرق
[illegible] میں [illegible] ہے۔ دوسری عورت کا فاصلہ طے کرکے
[illegible] ہے۔ [illegible] پہلے سوال تھی۔ مگر شادی شدہ زندگی
[illegible] اظہار کی اجازت نہ دی۔

"[illegible] سے [illegible] وہ شخص مجھ سے 10 سال عمر میں مجھ سے
[illegible] وہ [illegible] ساری رات میرے دل کی
[illegible] میں [illegible] جاتے رہے اور میں یہ سوچ کر کہ
[illegible] ہوتی تھی۔ اس وقت میری آدھی سے زیادہ
زندگی [illegible] تھی میں [illegible] مجھے محسوس ہو رہی تھی کہ جانے میرے
[illegible] میں نے [illegible] کیا کہ یہ کوئی عمر ہے۔ میں
نے 45 سال کی عمر میں پیار اور محبت کا خواب دیکھا تھا۔ مگر مجھے کچھ
نہیں آ رہی تھی زندگی [illegible] سے پہلے شروع کروں۔
اب [illegible] 70 سال ہے کہ میں نے بہت کچھ کھو دیا لوگوں کے
خوف سے [illegible] کے [illegible] وہ مجھے سمندر کی طرح [illegible] رہا مگر میں
[illegible] کی کشتی کی طرح کنارے سے لگی جا رہی تھی۔۔۔ وہ
مجھے [illegible] میں لوگوں کی باتوں کے خوف سے اٹھارہ سال کا
ہو [illegible] 45 سال کی لڑکی بن گئی جہاں وہ محبت [illegible] گیا"۔

اس [illegible] میں [illegible] سے معاشرے اور تہذیب و تمدن کا فرق نمایاں ہے۔
اگر [illegible] کی [illegible] پہلے کی بات ہے جہاں عورت اپنا

جرم کے ساتھ اظہار کی کسی بھی صورت کو اپنانے سے قاصر تھی تو وہ شعوری ہو یا لاشعوری
پچھلی صدی کا زمانہ جہاں ہندو معاشرے کے اپنے قواعد و اصول ہیں۔ اس
جگہ زمین پر اور مرد کا مقام عرش پر ہے۔ مغربی اسلوب کو اختلاط اور معاشرے کو شہرت
سائنس اور تعلیم نے دنیا کی کایا پلٹ دی۔ مگر ان تمام کہانیوں میں زمانے اور معاشرے
فرق کے باوجود عورت کا وجود، اس کی محبت، اس کی حدود ایک سی ہیں۔ وہ دوسروں
رحم کے ہاتھوں بے بس ہے۔ اس کے لیے جیون ساتھی زندگی کے انتخاب میں
محبت ہے۔ مگر کہیں بھی اس بنیاد پر اس کو انتخاب کا حق نہیں ملا۔ شادی شدہ عورت کے
میں بھٹکنے اور بہکنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ تینوں بڑے ادیبوں نے اس حساس موضوع پر
خوبصورتی سے اظہارِ خیال کیا۔ تینوں کہانیوں کو مختصر اور طویل افسانے (ناولٹ) کی شکل میں
لکھا گیا ہے جس سے موضوع کی اہمیت اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ تینوں ادیبوں کے نزدیک
کردار نگاری، جزئیات نگاری وغیرہ کی اہمیت نہ تھی بلکہ اس موضوع کی پیشکش تھی
بارے میں لکھا اور سوچا نہ گیا۔ عام آدمی یا عام ادیب ایسی باتوں کو موضوع نہیں بناتے
فرق ان ادیبوں کے حساس ذہنوں کا غماز ہے۔ ان تینوں ادیبوں میں ایک عورت اور دو
ہیں۔ سب نے یکساں انداز میں سوچا اور عورت کو موضوع بنایا کہ ہر عورت روایتی انداز
زندگی گزارنے کا حوصلہ نہیں رکھتی۔ ان کہانیوں میں ایسی ہی عورتوں کو مرکز بنایا گیا ہے جو
دل کی آواز سنتی ہیں مگر معاشرے کے طے کردہ اصول ان کو احساسِ جرم میں مبتلا کرتے ہیں
وہ ان قواعد پر سمجھوتہ کر لیتی ہیں مگر خود کو فنا کر لیتی ہیں۔ یہ کہانیاں عورت کے ان جذبات
عکاسی کرتی ہیں جن کا ذکر بھی ممنوع ہے اور عورت کے دل کی آواز کو سناتی ہیں جس کو
عورت نے بھی دبا دیا ہے۔

اردو فکشن پر حقیقت نگاری کے اثرات

The movement of realism and realistic writing was also the driving force of creative literaryworld of its time. It affected Urdu literature equally forcefully and was multi-dimensional movement in many ways. The impact of realism in novel was , at many levels being the novelist closer to the novelists of other countries and also to the existing situation of the contemporary world. An extensive review is being given on the theme.

مغربی ادب کا اثر ہمارے ادب پر دو طرح سے ہوا ہے۔ ایک تو انفرادی اثر یعنی بعض فنکاروں یا ادیبوں کا اثر ہمارے خاص خاص لکھنے والوں پر ہوا اور دوسرا مجموعی اثر یعنی مجموعی طور پر مغرب کے ادبی مزاج، مغرب میں اٹھنے والے رجحانات اور ادبی تحریکوں کا اثر ہوا۔

مغربی فکشن میں حقیقت نگاری، فطرت نگاری اور شعور کی رو کی جو تحریکات چلیں ان میں سے اردو فکشن پر سب سے زیادہ واضح اور دیرپا اثرات حقیقت نگاری کی تحریک کے مرتب ہوئے ہیں۔ جبکہ اس کے ساتھ ساتھ ہم باقی تحریکوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے کیونکہ ان تحریکوں نے بھی کہیں کہیں اردو ادب کو متاثر کیا ہے۔

حقیقت نگاری کی تحریک کے بانی انیسویں صدی کے عظیم فرانسیسی ناول نگار اور

Scanned by CamScanner

(۱۸۸۰ء، ۱۸۸۱ء) کو مانا جاتا ہے۔ اگرچہ فلابیر کو حقیقت نگاروں کے حلقے سے الگ رکھا گیا لیکن ان کے شہرہ آفاق ناول "مادام بواری" کی اشاعت کے بعد فرانس میں حقیقت نگاری کو خاص عنصر تسلیم کیا جانے لگا اور بقول فلابیر کے اس نے یہ ناول حقیقت نگاری سے نفرت کی بنا پر لکھا تھا۔

سرسید کے ساتھ اردو ادب میں جہاں اور بہت کچھ آیا وہاں حقیقت نگاری بھی آئی۔ اس سے پہلے اردو ادب میں تخیل کی کارفرمائی زیادہ تھی۔ جس کا ایک نتیجہ رنگین و مبالغہ آمیز بیان کی شکل میں موجود تھا۔

فطرت نگاری کا آغاز بھی انیسویں صدی میں فرانس میں ہوا۔ اس نے ۱۸۶۸ء میں فلابیر کے ہم عصر امیل زولا کے ایک ناول کی اشاعت سے عملی شکل لی۔ ایک ناول کے دوسرے ایڈیشن میں پہلی مرتبہ لفظ فطرت نگاری استعمال کیا۔

فطرت نگاری فکشن میں انسان کے موروثی اثرات اور ماحول کے اثرات کا مطالعہ کرتی ہے۔ فطرت نگاری دراصل حقیقت نگاری سے ایک درجہ آگے کی چیز ہے کبھی فطرت نگاری کو شدت آمیز حقیقت نگاری بھی کہا جاتا ہے۔ فطرت نگاروں کا خیال تھا کہ حقیقت نگار زندگی کے تمام پہلوؤں کو پیش نہیں کرتے۔ اس لیے فطرت نگاروں کا اصرار تھا کہ زندگی سے متعلق ہر بات پیش کی جائے۔ اردو ادب میں فطرت نگاری کی کوئی باقاعدہ تحریک نہیں چلی نہ فطرت نگاری کے بنیادی مفروضات و نظریات کو سامنے رکھ کر ادب تخلیق کرنے کی کوشش کی گئی۔ تاہم اردو ادب میں کہیں کہیں فطرت نگاری کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔ خصوصاً ایسے اردو فکشن کو جہاں صرف بدی کو موضوع بنایا گیا ہے اور زندگی کے تلخ معاملات میں عریاں نگاری سے کام لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ مثلاً پانڈے بیچن شرما، عصمت چغتائی، سعادت حسن منٹو اور ممتاز مفتی جیسے افسانہ نگاروں اور ناول نگاروں کے ہاں زندگی کی جو تصویریں ملتی ہیں وہ صداقت کے اعتبار سے حقیقت نگاری کے بجائے فطرت نگاری

کی فضا ہی میں رنگی جا سکتی ہیں۔

اور جہاں تک تصوری روایت کا تعلق ہے [illegible]

"تصوری روایت [illegible]

تصوری روایت کا استعمال سب سے پہلے [illegible]

[illegible]

[illegible]

"[illegible] تصوری روایت [illegible]

ایک [illegible] سے [illegible] کرنے میں [illegible]

[illegible] تصوری [illegible]

[illegible] "حقیقت" اور [illegible]

تصوری روایت [illegible] ہے۔"(۲)

اس کے علاوہ تصوری روایت کے تشکیل میں قرۃ العین حیدر کے افسانے [illegible] چراغ کے بعد" "ہم لوگ" کے نام نمایاں ہیں اور [illegible] تصوری [illegible] ہے۔

جہاں تک حقیقت نگاری کی تحریک کا تعلق ہے [illegible]

Scanned by CamScanner

کہ صدی کیا دہلی شروع ہا سے لے کر آخر تک اردو افسانے پر بھی اس کے اثرات دیکھے جا سکتے ہیں۔

اردو ناول نگاری کا باقاعدہ طور پر آغاز مولوی نذیر احمد سے ۱۸۶۹ء سے ہوتا ہے جنہوں نے "مراۃ العروس" جس نے اردو ناول کو فرضی اور خیالی واقعات کی دنیا سے نکال کر حقیقی زندگی میں لا کر اردو کا پہلا باقاعدہ ناول قرار پایا۔ نذیر احمد نے اصلاحی ناول لکھے ہیں اور بھی ناول لکھے جن میں "توبۃ النصوح" "ابن الوقت" "فسانۂ مبتلا" "محصنات" "رویائے صادقہ" وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ رتن ناتھ سرشار نے "فسانۂ آزاد" میں لکھنوی تہذیب کو حقیقت نگاری سے پیش کیا ہے۔ سرشار کے بعد عبدالحلیم شرر آتے ہیں جنہوں نے تاریخی ناول لکھ کر حقیقت نگاری کی اہم کام کیا۔ ان کے ناول "فردوسِ بریں" کو اس سلسلے میں خاص اہمیت حاصل ہے۔

عبدالحلیم شرر کے بعد مرزا ہادی رسوا کا نام قابلِ ذکر ہے۔ جنہوں نے "امراؤ جان ادا" جیسا ناول لکھ کر لکھنوی تہذیب کی بڑی عمدہ عکاسی کی۔ اس کے بعد راشد الخیری کا نام لیا جاتا ہے جنہوں نے اپنے ناولوں میں عورتوں کے مسائل کو موضوع بنایا اور عورتوں کی مظلومیت کی بڑی دردناک تصویریں اپنے ناولوں میں پیش کیں۔ ان کے مشہور ناول "سیلابِ اشک" "صبحِ زندگی" "شامِ زندگی" "جوہرِ عصمت" وغیرہ ہیں۔

پریم چند نے اردو ناول نگاری میں قابلِ قدر اضافہ کیا۔ ان کا نقطۂ نظر اصلاحی تھا۔ انہوں نے پہلی بار ہندوستان کے غریب دیہاتوں اور کسانوں کی زندگی کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا۔ وہ قدیم روایات اور مشرقی اقدار کو برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ پریم چند نے حقیقت نگاری کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا۔ چنانچہ ... سماجی اور ... اردو ادب میں ترقی پسند تحریک کے لیے پریم چند کے ناول نے ... کام کیا۔ پریم چند کے مقبول ناولوں میں "بیوہ" "بازارِ حسن" "چوگانِ ہستی" "...ی" "میدانِ عمل" اور "گؤدان"

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

ناول کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں۔

اس کے بعد فضل احمد کریم فضلی کا ناول "خون جگر ہونے تک" [illegible]
[illegible] کی ایک تصویر ہے۔ ناول میں [illegible]
[illegible] ہے جس کے گرد ناول کی کہانی [illegible]
[illegible] ناول "علی پور کا ایلی" سامنے آتا ہے۔ ممتاز مفتی کے اس ناول [illegible]
[illegible] ساتھ ساتھ [illegible] ہے۔

[illegible] "آنگن" [illegible]
[illegible]
[illegible] "اداس نسلیں" [illegible]
[illegible] کا احاطہ کرتا ہے [illegible]
[illegible] ہے۔

[illegible] واقعات سے ناول کی عمدہ مثال ہے۔

انتظار حسین کا "بستی" [illegible] اہم ہیں [illegible]
[illegible]
[illegible] کی کہانی ہے۔ اس کے علاوہ [illegible]
[illegible] حقیقت نگاری کے ضمن میں اہم مقام رکھتا ہے۔ [illegible]
[illegible] کی عمدہ مثال ہے۔

بانو قدسیہ کا "راجہ گدھ" ناول نگاری کی تاریخ کا روشن باب ہے۔ [illegible]
[illegible] کا احاطہ کرتا ہے۔ [illegible]
[illegible] حقیقت نگاری کے اہم حوالے ہیں۔

Scanned by CamScanner

بیسویں صدی کے بعد اس صنف یعنی افسانہ نگاری نے جنم لیا۔ یہ دور افسانے کا دور ہے جو پریم چند سے شروع ہوتا ہے اور آج تک جاری ہے۔ پریم چند کی حقیقت نگاری سے وابستہ ہے کیونکہ پریم چند سے قبل حقیقت نگاری کی ابتدا ہو چکی تھی۔ پہلے پہل پریم چند نے ہی پریم چند کے پریم چند کو رومانوی ماحول سے نکالا اور اس کا رشتہ زندگی کے ساتھ قائم کر دیا۔ سوز وطن ان کا پہلا مجموعہ ہے۔ پریم چند کے افسانوں کی اہمیت یہ ہے کہ انہوں نے حقیقت، رومانیت اور تصوریت میں ایک امتزاج پیدا کیا۔ انہوں نے اپنے گرد و پیش سے متاثر ہو کر اور صورت حال کے مطالعے سے اپنی کہانیوں میں حقیقت کا رنگ بھر دیا۔ ترقی پسند تحریک کے پہلے اجلاس کے موقع پر پریم چند نے اپنے افسانوں میں حقیقت نگاری کے حوالے سے بات کرتے ہوئے کہا کہ

"ہماری کسوٹی پر وہ ادب پورا اترے گا جس میں تفکر ہو، آزادی کا جذبہ ہو، حسن کا جوہر ہو، تعمیر کی روح ہو، زندگی کی حقیقتوں کی روشنی ہو، جو ہم میں حرکت، ہنگامہ اور بے چینی پیدا کرے، سلائے نہیں کیونکہ اب زیادہ سونا موت کی علامت ہے۔"(۵)

پریم چند نے اپنے افسانوں میں ایسے معاشرے کی عکاسی کی ہے جہاں انسان ظلم و جبر کا شکار ہو کر بے جان ہوتا جا رہا ہے۔ کفن کا افسانہ ان کے ان حقیقت پسندانہ خیالات کی بہترین عکاسی ہے۔

"کیسا برا رواج ہے کہ جسے جیتے جی تن ڈھانکنے کو چیتھڑا بھی نہ ملے اسے مرنے پر نیا کفن چاہیے۔"(۶)

"ہاں بیٹا بیکنٹھ میں جائے گی۔ کسی کو ستایا نہیں، کسی کو دبایا نہیں، وہ بیکنٹھ میں نہ جائے گی تو کیا یہ موٹے موٹے لوگ جائیں گے جو غریبوں کو دونوں ہاتھوں سے لوٹتے ہیں۔"(۷)

Scanned by CamScanner

واقعیت پر مبنی ہو۔ حقیقت نگاری کی جو روایت قائم کی اس نے اردو افسانے کو ایک نیا رخ عطا کیا اور آج بھی تک حقیقت نگاری کے اثرات افسانے پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ اردو افسانے میں جو حقیقت نگاری کی جو روایت قائم ہوئی اس کی مثال کے حوالوں میں کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، احمد علی، حیات اللہ انصاری، سہیل عظیم آبادی اور ترقی پسند افسانہ نگاروں کی پوری کھیپ جس میں احمد ندیم قاسمی، بلونت سنگھ، عصمت چغتائی، خواجہ احمد عباس، اختر حسین رائے پوری، ممتاز شیریں اور خود کو ترقی پسند نہ کہنے والے منٹو، غلام عباس اور محمد حسن عسکری وغیرہ شامل ہیں۔

کرشن چندر ترقی پسند افسانے کا ایک اہم ترین نام ہے۔ ترقی پسند نقطۂ نظر کے حوالے سے ان کے اسلوب پر رومانیت کی ایک گہری چھاپ ہے جو وہ خود کہتے ہیں کہ

> "میں حقیقت پسندی کا اتباع کرتے ہوئے بھی تھوڑا سا رومان پسند بھی رہا۔ خوب صورتی اور شاعری کا دامن میں نے کبھی نہ چھوڑا۔ معاشیات کو میں محض انسان کی بنیادی ضرورتیں پورا کرنے کا وسیلہ ہی نہیں سمجھتا ہوں میرے خیال میں معاشیات کو خوب صورت بھی ہونا چاہیے۔" (۸)

کرشن چندر زندگی کے مخصوص مسائل کا حل چاہتے ہیں۔ اگرچہ وہ رومانیت پسندی کی حدود میں رہ کر ان مسائل سے فرار چاہتے ہیں لیکن پھر بھی وہ زندگی کی تلخ حقیقتوں سے پیچھا نہیں چھڑا سکتے۔ ان کے افسانوں میں "ان داتا" "بالکونی" "پیاسا" "کالو بھنگی" "گرجن کی ایک شام" "پورے چاند کی رات" وغیرہ شامل ہیں جن میں انسان کی ازلی اور ابدی محرومیوں کے کرب ناک واقعات کو بڑے دلکش انداز میں مرتب کیا گیا اور سماجی گھٹی ہوئی زندگی کو تبدیلی کی طرف بڑھانے والے دکھایا گیا۔

احمد علی نے اپنے افسانوں کے مجموعے "انگارے" سے شہرت پائی اور ان کا دوسرا

Scanned by CamScanner

[illegible] بھی ترقی پسند تحریک سے وابستہ تھے [illegible] اور ان کی [illegible]

[illegible] سے [illegible] کے بعد سے بھی [illegible] ہو گئے تھے

[illegible] میں [illegible] ہو کر [illegible] ہے۔

[illegible] نے [illegible] کا موضوع بھی

[illegible] کی [illegible] سے [illegible] کے خلاف آواز

[illegible] وقت کے [illegible] میں [illegible] تھی۔

اسی زمانے میں راجندر سنگھ بیدی نے بھی افسانے کی طرف توجہ کی۔ ان کے

افسانوں کا بنیادی موضوع متوسط طبقہ ہے۔ انھوں نے [illegible] کے مسائل کو پیش کیا

ہے اور [illegible] ہیں۔ [illegible] زمانے میں وہ بہت مقبول

ہوئے۔ [illegible] ان کے افسانوں کے مجموعے "[illegible]"

"[illegible]" بہت مشہور ہیں۔

بلونت سنگھ [illegible] میں حقیقت نگار ہیں مگر وہ اعلانیہ ترقی پسند نہیں مگر

[illegible] ترقی پسند [illegible] سمجھنے والے کے لیے اس سے [illegible]

[illegible] ان کے اہم افسانوں میں "[illegible]"، "[illegible]"، "[illegible]"

اور "[illegible]" شامل ہیں۔

حیات اللہ انصاری کے افسانوں کا اساسی موضوع ہندوستان کی سماجی [illegible] اور

[illegible] ہے۔ ان کے [illegible] اور کردار [illegible] نظر آتے ہیں اور ان [illegible]

[illegible] زندگی [illegible] کا رنگ دے دیا ہے۔ ان کے افسانوں میں "آخری کوشش"

اور "[illegible]" کو نمایاں اہمیت حاصل ہے۔

ترقی پسند افسانہ نگاروں میں احمد ندیم قاسمی کا نام بھی بہت اہم ہے۔ انھوں نے

اگرچہ مختلف موضوعات پر افسانے لکھے لیکن انھوں نے زیادہ تر دیہی زندگی کی عکاسی کی

Scanned by CamScanner

ہے اور دیہات کے متعلق مسائل کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ ان کے افسانوں میں ''مطلع و مغرب'' ''اللہ داتا'' ''سوا تیرہ'' ''بھگوری'' اور ''بجھی مشعلیں'' وغیرہ کو اہمیت حاصل ہے۔

اس کے علاوہ احمد علی کے افسانوں کو بھی حقیقت نگاری کے حوالے سے بہت اہمیت حاصل ہے۔ حالانکہ انہوں نے اس دور میں خود پر ترقی پسندی کا لیبل نہیں لگنے دیا مگر پھر بھی انہوں نے سماجی حقیقت نگاری کے برعکس فرد کے نفسیاتی مسائل کو موضوع بنایا۔ اس حوالے سے ان کے افسانے ''قید خانہ'' کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

غلام عباس کا تعلق بھی ان افسانہ نگاروں سے ہے جو خود کو ترقی پسند کہلوانا پسند نہیں کرتے تھے مگر ان کے افسانوں پر اس تحریک کے اثرات واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں ''آنندی'' ''کتبہ'' ''بہروپیا'' ''اوور کوٹ'' وغیرہ کو نمایاں مقام حاصل ہے۔

سعادت حسن منٹو ایک بے باک افسانہ نگار تھے۔ انہوں نے حقیقت کو جنسی اور نفسیاتی حوالے سے پیش نہیں کیا بلکہ سیاسی تجزیہ کرنے کی بھی کوشش کی۔ وہ ایک ایسا فرد تھا جو معاشرے کی ہر ناہمواری کو بڑی سفاکی سے دیکھتا تھا اور بڑی بے باکی سے بیان کرتا تھا وہ ایک ایسا فنکار تھا جس کے ہاتھ کو معاشرے کا کوئی قانون کوئی ضابطہ نہیں روک سکتے تھے۔ منٹو کے افسانوں میں ''ہتک'' ''ٹھنڈا گوشت'' ''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' ''کھول دو'' ''موذیل'' وغیرہ کو حقیقت نگاری کے حوالے سے نمایاں اہمیت حاصل ہے۔

عصمت چغتائی کے افسانوں میں بھی حقیقت نگاری کی جھلک بہت نمایاں ہے۔ عصمت نے ایسے موضوعات پر قلم اٹھایا جنہیں بظاہر ممنوعہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن عصمت نے زندگی کی حقیقتوں کو جس طرح اپنے افسانوں کا موضوع بنایا اس میں ہمیں واضح طور پر حقیقت پسندی نظر آتی ہے۔

Scanned by CamScanner

اس کے علاوہ ہاجرہ مسرور، قرۃ العین حیدر اور خدیجہ مستور وغیرہ کے افسانوں میں اس دور کی حقیقت نگاری کے رجحانات واضح اور نکھری ہوئی شکل میں موجود ہیں۔

ان افراد کے علاوہ رضیہ سجاد ظہیر، عابد سہیل، خالدہ، انتظار حسین، کے یہاں بھی حقیقت پسندانہ رجحانات ہیں۔ اگرچہ دورِ جدید کے بہت سے افسانہ نویسوں کی اساس روایتی حقیقت پسندی سے مختلف نہیں تھی مگر ان کے یہاں زندگی عوام، معاشرت اور متعلق مسائل پوشیدہ رہے حقیقت پسندانہ انداز میں موجود ہے۔

مندرجہ بالا سطور سے یہ بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ مغربی ادب سے جن کئی تحریکوں، رجحانوں اور نظریوں نے ہمارے ادب کو متاثر کیا ان میں سے سب سے زیادہ جس تحریک نے اردو ادب پر اپنی گرفت مضبوط رکھی وہ حقیقت نگاری کی تحریک ہے۔

حقیقت نگاری کی تحریک کے اثرات اردو فکشن پر بہت نمایاں ہیں اور یہ اثرات آج بھی ہمیں اپنے ادب پر کہیں کہیں نظر آجاتے ہیں۔ حقیقت نگاری کے اردو فکشن پر مرتب اثرات کے علاوہ ہم باقی تحریکوں کے اثرات سے انحراف نہیں کرسکتے کیونکہ باقی تحریکوں نے بھی کہیں کہیں اردو فکشن کو متاثر کیا البتہ ان تحریکات کے اثرات اردو فکشن پر بہت کم دکھائی دیتے ہیں اور حقیقت نگاری کے اثرات شروع سے آخر تک بہت واضح اور نمایاں ہیں۔ اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حقیقت نگاری کی تحریک وہ واحد تحریک ہے جس نے اردو فکشن پر شروع سے آخر تک اپنی گرفت مضبوط رکھی۔

حوالہ جات

۱۔ محمد احسن فاروقی، شعور کی رو اور ناول نگاری، نقوش لاہور، جنوری ۱۹۹۶، ص ۱۸۹

۲۔ مرزا حامد بیگ، افسانے کا پس منظر، مکتبہ عالیہ لاہور، ۱۹۸۰، ص ۴۷

۳۔ خالد اشرف، ڈاکٹر، برصغیر میں اردو ناول، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۰۵

۴۔ [illegible] ۱۹۹۶ء، ص ۱۱۵

۵۔ مرزا حامد بیگ، [illegible] ص ۱۸

۶۔ [illegible]
۱۹۹۶ء، ص ۲۳۲

۷۔ [illegible] ص ۲۳۳

۸۔ [illegible]

Scanned by CamScanner

مثنویات میر تقی میر: ایک تحقیق طلب مسئلہ

Critics have different opinions about the "Masnaviyat-e-Mir". Quantity and quality of his works have been assessed in all times. However, to-date nothing has been established on firm grounds. In this article, some basic confusions about Masnaviyat are discussed.

مثنویات میر کے مطالعے کے دوران چند ایسے اختلافات سامنے آئے جو میرے لیے ایک مسلسل الجھن کا باعث بنے رہے۔ میرے خیال میں یہ اختلافات کسی بھی قاری کے لیے بھی الجھن پیدا کر سکتے ہیں۔ تحقیق میں تو کتابت کی غلطی بھی ایک بہت بڑی الجھن اور مسئلہ پیدا کر دیتی ہے چہ جائیکہ اختلاف آراء اور اختلاف مضمون ہو۔ مذکورہ مثنویات کے مطالعے کے سلسلے میں چند ایسے اختلافات کو دور کر دیا جائے تو مستقبل میں میر کے قاری کے لیے آسانیاں پیدا ہو جائیں گی۔ ایسے ہی چند اختلافات کی نشاندہی مقصود ہے۔

پہلا مسئلہ

میر کی مثنویوں کی تعداد کے تعین کا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے مثنویات میر کی تعداد ۳۷ قبول کی ہے۔

Scanned by CamScanner

ڈاکٹر جمیل جالبی تاریخ ادب اردو، جلد دوم (حصہ اول) میں میر کی ۳۷ مثنویوں کا ذکر کرتے ہیں۔ جب کہ میر کی ۳۰ مثنویاں مانتے ہیں۔ ان میں سے ۲۲ مثنویاں کلیات میر مرتبہ عبد الباری آسی میں اور یہی مثنویاں کلیات میر مرتبہ ظل عباس عباسی میں شامل ہیں۔ ڈاکٹر گیان چند نے دو مثنویوں کا ذکر کیا ہے۔ (جلد دوم) میر کی تمام مثنویوں کو موضوع کے اعتبار سے چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(الف) عشقیہ

1۔ خواب و خیال 2۔ شعلۂ شوق 3۔ دریائے عشق 4۔ معاملات عشق

5۔ جوش عشق 6۔ اعجاز عشق 7۔ حکایت عشق (مثنوی افغان پسر)

8۔ مور نامہ 9۔ بیان و رواں

(ب) واقعاتی

1۔ در بیان مرغ بازاں 2۔ در بیان کتخدائی آصف الدولہ بہادر 3۔ در جشن ہولی و کتخدائی

4۔ مثنوی کتخدائی بشن سنگھ 5۔ بکری کا بچہ 6۔ موہنی بلی 7۔ مرثیہ خروس 8۔ در بیان مرغ

9۔ جنگ نامہ 10۔ ساقی نامہ 11۔ جنگ نامہ 12۔ شکار نامہ اول 13۔ شکار نامہ دوم

(ج) مدحیہ

1۔ در تعریف سگ و گربہ 2۔ در تعریف بز 3۔ در تعریف آئینہ و ارد

(د) ہجویہ

1۔ در ہجو خانۂ خود 2۔ در ہجو خانۂ خود کہ بسبب شدت باراں خراب شدہ بود

3۔ در مذمت برشگال 4۔ ہجو ناکس 5۔ در ہجو شخصے ہیچ پوچ ان 6۔ تنبیہ الجہال

7۔ اژدر نامہ (اژدہا نامہ) 8۔ در ہجو اکول 9۔ در مذمت دنیا 10۔ در بیان کذب

11۔ ہجو عاقل نام کہ کسے بود اسے تمام داشت 12۔ در مذمت آئینہ دار

یہ دوسرا ڈاکٹر گیان چند نے مثنویات میر کی تعداد ۳۸ بتائی ہے

ڈاکٹر چند نے اپنی تصنیف اردو مثنوی شمالی ہند میں مثنویات میر کی تعداد کا عنوان باندھا ہے اور اسکے نیچے لکھتے ہیں۔ ”نول کشور پریس کے قدیم کلیات میں محض ۳۰ مثنویاں تھیں۔ چنانچہ شاہ سلیمان نے مثنویات میر میں یہی مثنویاں شامل کیں۔ ۱۹۴۰ء عبدالباری آسی نے کلیات میر کی ترتیب نو میں دو مثنویاں کا اضافہ کیا جو ابتدائے ترتیب میں ہیں۔

1۔ [illegible]

2۔ جنگ نامہ

آسی نے پہلی مثنوی کسی مخطوطے سے لی یہ مثنوی دیوان میر کے مخطوطہ حیدرآباد میں بھی ہے۔ اسکے بعد تین مثنویاں راقم الحروف نے اور ایک مثنوی ڈاکٹر اکبر حیدری نے دریافت کی تفصیل یہ ہے۔

1۔ [illegible]

2۔ مور نامہ

3۔ مثنوی جوان عروس (بغیر عنوان کے مثنوی جس کو جوان و عروس کا نام دیا گیا)

4۔ محمود آباد کے دیوان اول میں ایک بغیر عنوان کی ہجو یہ مثنوی ہے سہولت کیلئے اسے ”ہجو کند ذہن“ نام دیا ہے اس میں ۱۲۸ اشعار ہیں۔ اس طرح میر کی مثنویوں کی تعداد ۳۸ ہو جاتی ہے“۔ اپنی تصنیف کے میں انہوں نے تمام مثنویوں کی تفصیل دی ہے۔ جو درج ذیل ہے[3]۔

دیوان اول:

1۔ ساقی نامہ 2۔ تمہید اقبال 3۔ ہجو بے ادبی کسی چہ زبان زد عالم و عرف الاکرم

4۔ مذمت آئینہ دار 5۔ ہجو عاقل نام کہ کے کہ پیش ماں انسے تمام داشت

Scanned by CamScanner

6۔ در حال خانہ خود یا جسم خاکی میں جس طرح جاں ہے۔ 7۔ سگ و گربہ

8۔ در مذمت برشکال عرف جوش باراں یا کیا کہوں اب کے کیسی ہے برسات

9۔ ہجو اول 10۔ ہجو کمینہ و دون 11۔ مرثیہ خروس 12۔ در تعریف آغا رشید خان

13۔ مبارک بادی کتخدائی بشن سنگھ 14۔ در بیان کتخدائی آصف الدولہ بہادر

15۔ ساقی نامہ 16۔ جوش عشق 17۔ دریائے عشق 18۔ اعجاز عشق

19۔ خواب و خیال 20۔ شعلۂ عشق۔

<u>دیوان دوم:</u>

21۔ در مذمت کتب 22۔ شکار نامہ 23۔ ہجو کپی عرف اژدر نامہ

24۔ مور نامہ 25۔ در حال خانہ خود (کیا لکھوں میر اپنے گھر کا حال) 26۔ معاملات عشق

27۔ در ہجو طفلے ہیچ مدان کہ دعویٰ ہمہ دانی داشت عرف زدالفضول عرف مذمت دنیا

<u>دیوان سوم</u>

28۔ ہجو خانہ اول 29۔ ہجو خانہ دوم 30۔ در بیان مرغ بازاں 31۔ مذمت دنیا

<u>دیوان چہارم:</u>

32۔ در بیان ہولی 33۔ در بیان ... 34۔ مثنوی ... عرف افعی نامہ 35۔ بکٹ ...

36۔ در جشن ہولی و کتخدائی

<u>دیوان پنجم:</u> 37۔ ہجو ...

<u>دیوان ششم:</u> 38۔ ہجو ...

☆ کلیات میر جلد ششم (مثنویات) مرتب کلب علی خان فائق میں مثنویوں کی تعداد ۳۹ ہے۔ کلیات میر مرتب کلب علی خان فائق (جلد ششم مثنویات مجلس ترقی ادب ۱۹۹۰ء) میں مثنویوں کی تعداد و تفصیل اس طرح ہے۔

1۔ مثنوی شعلۂ عشق 2۔ مثنوی دریائے عشق 3۔ مثنوی معاملات عشق

4۔ مثنوی جوش عشق 5۔ مثنوی اعجاز عشق 6۔ مثنوی خواب و خیال
7۔ مثنوی حقیقیہ 8۔ مثنوی ساقی نامہ 9۔ مثنوی ننگ نامہ
10۔ مثنوی در ہجو خانۂ خود 11۔ مثنوی در ہجو خانۂ خود کہ بہ سبب شدت باراں
12۔ مثنوی در مذمت برشگال کہ باراں دراں سال بسیار شدہ بود
13۔ مثنوی در بیان مرغ بازاں 14۔ مثنوی در ہجو عاقل نامی کہ بہ زبان زد عالم
15۔ مثنوی در ہجو شخصے ہیچ مداں کہ دعویٰ ہمہ دانی داشت 16۔ مثنوی مسمیٰ بہ تنبیہ الجہال
17۔ اژدر نامہ 18۔ مثنوی در مذمت آئینہ دار 19۔ مثنوی در ہجو اکول
20۔ مثنوی در مذمت دنیا 21۔ مثنوی دیگر (در بیان کذب)
22۔ در بیان کتخدائی نواب آصف الدولہ بہادر 23۔ مثنوی در جشن ہولی و کتخدائی
24۔ مثنوی در بیان ہولی 25۔ مثنوی دیگر (بچہ کی) 26۔ مثنوی موہنی بلی
27۔ جنگ نامہ 28۔ مثنوی در تعریف سگ و گربہ کہ در خانۂ فقیر بودند و باہم ربط داشتند
29۔ در تعریف بادو سگ 30۔ مثنوی در بیان خر 31۔ مثنوی اژدر نامہ اول
32۔ مثنوی اژدر نامہ دوم 33۔ مرثیہ خروس کہ در خانۂ فقیر بود
34۔ در تعریف آغا رشید کہ خلفا بود بہ فرمائش میاں اعز الدین کہ فقیر را خوش نویس بود
35۔ ہجو عاقل نام کہ بہ سگاں الفت تمام داشت 36۔ مثنوی کدخدائی بشن سنگھ
37۔ مثنوی 38۔ مثنوی مور نامہ 39۔ مثنوی (عمان و مروی)

اب اگر ڈاکٹر گیان چند کی بیان کردہ مثنویات کی تفصیل اور کلب علی خاں فائق کی مرتب کردہ مثنویات کا موازنہ کیا جائے تو ایک اختلاف سامنے آتا ہے۔

1۔ در تعریف بادو سگ: نام کی مثنوی کلیات میر مرتبہ فائق میں زائد ہے۔

2۔ کلیات میر مرتبہ فائق میں ایک مثنوی بغیر نام کے ہے۔

ڈاکٹر گیان چند نے اپنی تصنیف میں لکھا ہے کہ انہوں نے ایک بے نام مثنوی جس کو انہوں

Scanned by CamScanner

نے انجمن ترقی اردو کے کتب خانے کے مخطوطے سے دریافت کیا۔ اسے ...

ہم دیا ہے اور اسے ... 1955ء میں شائع کیا۔ ... کی ... مثنوی کے ...

ہوتی ہے اور جس کی تحریر ... ڈاکٹر گیان چند نے ... کتب ... ہے ...

مثنوی جو انہوں نے ... ہے ... میں ... ہے۔ انہوں نے ...

ہے۔ اس ... مثنوی ... اشعار ... کیا۔ اس کے ...

اشعار ہیں۔ ... کلیات ... فائق ... کے علاوہ ...

کے ۳۷ (...) اشعار ہیں۔ ... فائق صاحب نے ...

تحقیق کی یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کلیات ... فائق ... مثنوی ...

مخطوطہ ہے یا کوئی اور؟

ڈاکٹر گیان چند نے خود اپنی تصنیف میں لکھا ہے کہ انہوں نے یہ مثنوی

... رسالہ ... جون ... دریافت کی ہے۔ اور ایک ...

مثنوی کو ... 1955ء ... دیا ہے ...

علی خان فائق ... جون ... کے علاوہ ایک ... مثنوی

کے حاشیے میں اس مثنوی کی دریافت کو گیان چند سے منسوب کیا ہے۔ ...

مثنوی ڈاکٹر گیان چند جین نے ... رام پور ... مخطوطہ ...

رسالہ اردو ادب علی گڑھ جون 1955ء میں شائع کر دی تھی۔

دوسری طرف ڈاکٹر گیان چند مثنوی ... کے ضمن میں لکھا ہے۔

"... لائبریری رام پور کے کلیات کے ایک نسخے سے نقل ... لے کر میں نے

رسالہ اردو ادب جون 1955ء میں شائع کر دی۔" جبکہ نواب علی خان فائق نے ...

کو ڈاکٹر گیان چند سے منسوب نہیں کیا بلکہ ... ہے ... مثنوی ...

حاشیے میں ... اشاعت کی تفصیل لکھ دی۔

Scanned by CamScanner

دوسرا سبق

مثنوی حکایت اور مثنوی جوان و عروس

(اختلاف - عشق بحوالہ تاریخ ادب اردو جلد دوم (حصہ اول)

از ڈاکٹر جمیل جالبی

پہلے ان دونوں مثنویوں کے قصے سے آگاہی ضروری ہے۔

حکایت عشق: (مثنوی افغان پسر)

یہ مثنوی حکایت عشق کے علاوہ مثنوی عشقیہ سے بھی موسوم ہے ڈاکٹر گیان چند نے اپنی تصنیف اور کلب علی خان فائق نے کلیات میر میں یہی عنوان درج کیا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند نے مثنوی عشقیہ (افغان پسر) کا عنوان باندھ کر یہ قصے کی وضاحت کی ہے اس قصے کی تصدیق کلیات میر مرتبہ فائق کے متن اور ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی کی وضاحت سے بھی ہوتی ہے۔

یہ کوئی طویل قصہ نہیں بلکہ ایک چھوٹی سی حکایت ہے جس کے مختصر مفہوم یہ ہے۔ کہانی کا ہیرو ایک افغان پسر ہے یہ گجرات کا باسی ہے اور اپنی پاکبازی کیلئے مشہور ہے اچانک اس کی نظر ایک شادی شدہ ہندو عورت پر پڑ گئی۔ دونوں ایک دوسرے پر فریفتہ ہو گئے عورت حیادار اور اپنے خاوند کی وفادار تھی۔ پھر سماج کا خوف بھی پیش نظر تھا الغرض دونوں عشق کی آگ میں گھلتے اور سلگتے رہے اسی اثناء میں اس عورت کا شوہر دق میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ اور وہ ہندو عورت بھی ستی کی رسم کے مطابق ساتھ زندہ جل گئی۔ جب عاشق زار کو پتہ چلا تو پتنگے کی طرح آگ کے شعلوں پر لپکا لیکن وہ آدھا جلا تھا کہ لوگوں نے اسے بچا لیا پھر کیا دیکھتے ہیں کہ اس جلی ہوئی خاک سے وہ نازنین اسی عشوہ اور ادا سے برآمد ہوئی اور جوان کا ہاتھ پکڑا اور پھر نہ جانے دونوں کو عشق کہاں اڑا کر لے گیا اور دونوں نظروں سے غائب ہو گئے۔[8]

Scanned by CamScanner

مثنوی جوان و عروس: "جوان و عروس" کے بارے میں گیان چند نے ص ۲۲۳ پر وضاحت فرمائی
دی ہے اس وضاحت کی تصدیق کلیاتِ میر مرتبہ فاروقی کے متن اور ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی
تصنیف میر کو سمجھنے کے لیے (شخصیت اور شاعری) سے بھی ہوتی ہے قصہ یوں ہے۔

ایک نوجوان سفر کرتے کسی شہر کے ایک سرائے میں قیام کیا اور آب و دانہ
نے اُسے وہیں سے پابند کر دیا۔ اتفاق سے ایک برات اسی سرائے میں آ کر ٹھہری۔ یہ
نوجوان اس لڑکی پر عاشق ہو گیا۔ جس کی شادی کے لیے یہ برات کسی دوسرے شہر جا رہی
تھی لڑکی دولہن کی طرح تھی۔ وہ اپنے مہندی لگے ہاتھوں کا نشان چھوڑ کر سرائے کی دیوار
پر چھوڑ کر سرائے سے چلی گئی۔ نوجوان بہت بے قرار اور مضطرب ہو گیا اور نوبت یہاں
تک پہنچ گئی۔ کہ وہ لڑکی کے ہاتھوں کے نشانات دیوار پر دیکھتا اور جنون کی حالت میں
انہیں چومتا رہتا کبھی دیوار سے سر ٹکراتا۔ اسی جنون و وحشت کے عالم میں وہ دنیا سے
رخصت ہو گیا۔ کچھ عرصے بعد وہ لڑکی اپنے شوہر کے ہمراہ اسی سرائے میں دوبارہ آ کر
ٹھہرتی ہے۔ یہاں لڑکی کی طبیعت مضطرب رہنے لگتی ہے اور اسے خواب میں کوئی صورت
نظر آتی ہے۔ اسی کیفیت میں مجذوبی نوجوان کے مرنے کا واقعہ اسے معلوم ہے اور وہ
کے کہنے پر اسے نوجوان کی قبر پر لے جاتی ہے۔ جیسے ہی وہ لڑکی قبر پر پہنچتی ہے تو قبر شق
ہو جاتی ہے اور لڑکی اس کے اندر چلی جاتی ہے۔ مجذوبی والی آ کر اس کے شوہر کو خبر دیتی
ہے۔ تو وہ جلد وہاں سے قبر کھدواتا ہے اور کیا دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے عاشق کے گلے سے
لپٹی ہوئی ہے اور مر چکی ہے۔ انھیں جدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے مگر بے سود۔

اب آتے ہیں ڈاکٹر جمیل جالبی کی تصنیف تاریخ ادب اردو جلد دوم (حصہ اول) کی
طرف۔ ص ۴۹۹ پر لکھتے ہیں۔

مثنوی عشقیہ (افغان پسر) میں ہیروئن شادی شدہ عورت ہے جس پر افغان پسر اور یہ دونوں
ایک دوسرے پر عاشق ہو جاتے ہیں جب اس کا شوہر مر جاتا ہے اور وہ ستی ہونے جاتی

Scanned by CamScanner

عاشق صادق اعلان پھر بھی اسکے بلاوے پر آگ میں کود جاتا ہے لیکن لوگ اسے نکال لیتے ہیں ابھی وہ جلی ہوئی حالت میں چتا کے بیچ بیٹھا تھا کہ اس عورت کی روح آتی ہے اور اسے اپنے ساتھ لے جاتی ہے۔

ص ۲۲۹ پر اس بارہ میں یوں رقمطراز ہوتے ہیں۔

مثنوی حکایت عشق میں ایک نوجوان مسافر ایک سرائے میں ٹھہرتا ہے اور بیمار ہوجاتا ہے۔ اسی اثناء میں ایک برات اسی سرائے میں آکر ٹھہرتی ہے۔ یہ بیمار نوجوان اس لڑکی پر عاشق ہو جاتا ہے جس کی شادی کیلئے یہ برات کسی دوسرے شہر جارہی تھی دوسرے دن وہ برات چلی جاتی ہے نوجوان فراق یار میں بے قرار بیتاب کمرے سے باہر نہیں نکلتا۔ ایک دن کمرے کی صفائی کے لئے مہترانی کے کہنے پر وہ اس کمرے میں آجاتا ہے جہاں اس کی محبوبہ ٹھہری تھی دیوار پر مہندی کے ہاتھوں کے نشان دیکھ کر اس کی حالت غیر ہوجاتی ہے اور اسی عالم اضطراب میں اس کی روح پرواز کر جاتی ہے کچھ عرصے بعد وہ لڑکی اپنے خاوند کیساتھ اسی سرائے میں ٹھہرتی ہے مہترانی یہ واقعات سناتی ہے اور لڑکی کے کہنے پر اسے نوجوان کی قبر پر لے جاتی ہے جسے وہ وہاں پہنچتی ہے قبر شق ہو جاتی ہے اور وہ قبر میں چلی جاتی ہے مہترانی واپس آکر اسکے شوہر کو خبر کرتی ہے تو وہ بیلداروں کو لے کر قبر کھدواتا ہے تبھی دیکھتا ہے کہ وہ اپنے عاشق کے گلے سے لگی ہوئی ہے اور مر چکی ہے انہیں جدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے مگر بے سود!

جبکہ ص ۲۳۰ پر میر کی مثنویوں پر مجموعی تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "حکایت عشق میں قبر شق ہوتی ہے اور دونوں ہم آغوش ہو جاتے ہیں یہی وہ خود سپردگی ہے جو عشق صادق کی جان ہے۔"

حالانکہ ص ۲۲۷ پر ڈاکٹر صاحب نے میر کی تمام مثنویوں کی تعداد بتائی ہے اور انہیں چار عنوانات میں تقسیم کیا ہے یہاں عشقیہ مثنویوں کے زیر عنوان اس مثنوی کو میر کی

Scanned by CamScanner

حکایتِ عشق (مثنوی افغان پسر) ۔ ۱۷۷۱ء میں
تحریر ہوئی تھی جو اس کو نام دیا ہے
پہلے سے ہی یہ درست نہیں ہے کہ یہ مثنوی عشقیہ کے نام سے بھی مثنویوں میں شامل ہے۔
ڈاکٹر گیان چند اور کلب علی خان فائق نے بھی اس کو مثنوی عشقیہ کا ہی نام دیا ہے۔ ڈاکٹر
حکایتِ عشق (مثنوی افغان پسر) اور مثنوی عشقیہ عرف افغان پسر ایک ہی مثنوی
کے نام ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے مثنوی عشقیہ (افغان پسر) کے زیرِ عنوان [illegible]
پر بحث کی ہے جو تحقیق اور حوالوں (ڈاکٹر گیان چند، کلب علی خان فائق اور [illegible])
پہلے اسے درست ہے کہ حکایتِ عشق کے زیرِ عنوان جو قصہ بیان کیا گیا ہے وہ [illegible]
[illegible] معلوم ہوتا ہے کہ کسی سے اس کا انداز [illegible] ہے۔

نمبر [illegible]

مثنوی معاملاتِ عشق کے تناظر میں

(معاشقۂ میر کے بارے میں اختلافِ رائے)

میر کی تین سوانحی عشقیہ مثنویاں ہیں۔ جوشِ عشق، خواب و خیال اور معاملاتِ عشق۔ جوشِ عشق اور خواب و خیال کے متعلق تمام محققین اس بات پر متفق ہیں کہ ان مثنویوں میں میر کے [illegible] سے عشق کی [illegible] بیان کی گئی ہیں۔ اور [illegible] سے متعلق تینوں معاملاتِ عشق اس لحاظ سے متنازع ہے کہ بعض محقق اسے جوشِ عشق اور خواب و خیال کی تیسری کڑی قرار دیتے ہیں جبکہ دوسرے اسے تمام قصہ سے عشق کی کہانی قرار دیتے ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی تحریر کرتے ہیں:

"معاملاتِ عشق میں میر نے اپنے ایک عشق کی کہانی سنائی ہے مثنوی کے پہلے حصے میں عشق کی تعریف کر کے میر نے پہلے ایک مرد، تصور [illegible] کیا ہے۔ اور پھر اس تصور [illegible] عشق کے [illegible] سے [illegible] ہے۔ اس مثنوی میں سات معاملات بیان کیے گئے ہیں جن

سے اس عشق کا سارا منظر سامنے آجاتا ہے۔ اور آخری معاملے میں وصل محبوب کا منظر وہ بھی ملتا ہے۔

ڈاکٹر گیان چند لکھتے ہیں:

شوق رام پوری کے ایک مضمون سے اس مثنوی کے زمانے پر روشنی پڑتی ہے اس مثنوی کے دو شعر ہیں

برسوں تک پھرا ہوں سرگرداں	روز و شب دونوں تھے مجھے یکساں
نے تعلق جاں سے جہاں سے گیا	زن و فرزند و خانماں سے گیا

ان مصرعوں سے ظاہر ہے کہ اس مثنوی کی تصنیف کے وقت میر نہ صرف شادی شدہ تھے بلکہ صاحب اولاد بھی تھے یعنی یہ معاشقہ جوش عشق اور خواب و خیال کے معاشقے سے مختلف ہے۔ ذیل کے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ محبوبہ منکوحہ تھی:

وے تو ہر چند اپنے طور کے تھے	پر تصرف میں ایک اور کے تھے

محبوبہ کے عزیزوں کو بھی حسن اتفاق پیش آیا ہے۔

حضرت یاجوان کے تئیں [illegible]	ساتھ اس رنج میں بھی تھا دو تین
کیا کہوں جو اذیتیں دیکھیں	ہر قدم پر قیامتیں دیکھیں
ہو چکے کو تنگ نام یہاں	ہوئی ساری حقیقت اس پر عیاں

تنگ گھیر ضلع کرنال میں واقع ہے فائق صاحب نے ذکر میر سے میر کی مختلف سیاحتوں کی جو تفصیل درج کر کے قیاس کیا ہے کہ یہ سفر ۱۱۸۵ ہجری کے بعد کا ہو سکتا ہے"۔

[illegible] میر تقی میر نمبر 2 میں رقم طراز ہیں۔

تذکرہ غوث معرکۂ دنیا میں میر کے قیام لکھنؤ کے ایک معاشقے کا حال لکھا ہے۔ آخر میر کو وفات عشق پیدا ہوا اور صورت کسی آئینہ خورشید میں معائنہ ہوئی تھی۔ یہ جوان امت انہوں کو کہتے ہیں۔ کسی نے پوچھا۔ دیدہ سالی میں کہ خیالی کا باعث ہوا۔ فرمایا۔ اس لیے

Scanned by CamScanner

سسرال والے کہیں لے گیا۔

یہ بیان کسی خلاق ذہن کی اختراع معلوم ہوتا ہے۔ صاحب تذکرہ نے آئینہ رو و آئینہ خورشید میں صورت پیدا کر دی لیکن یہ نہ سوچا کہ آئینہ خورشید کو کیوں ... دوسرے ذرائع سے میر کی مندرجہ بالا کہانی کی تصدیق نہیں ہوتی"۔

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی لکھتے ہیں:

"میرا خیال ہے کہ زندگی بھر والا عشق آخر عمر تک ان کا پیچھا نہ چھوڑ سکا۔ شیخ ... کے ایک شعر سے اس کا اندازہ ہوتا ہے"۔

اودھ میں کرے ہے بیاں اپنے عشق کا
دیکھو تو اس بڑھاپے میں میر کی ہوس

لیکن ڈاکٹر فرمان فتح پوری کا نقطہ نظر، ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر گیان چند (ادبی ... خان فائق، وحشی میاں احمد) اور ڈاکٹر نثار احمد فاروقی سے مختلف ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

معاملات عشق کو چھوڑ کر میر نے ہر جگہ اپنے معاشقے پر ایسا دبیز پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے کہ محبوب کی صنف پر حکم لگانا مشکل ہے۔ پھر بھی بعض داخلی اور بعض خارجی شہادتوں سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ وہ اپنے کسی قریبی عزیز صنف نازک کے عاشق تھے اور زمانہ بھی ایسا تھا کہ زندگی بھر وصل نہ ہو سکا۔

جہاں تک خارجی شہادت کا تعلق ہے۔ تذکرہ بہار بے خزاں میں صاف طور پر لکھا ہے کہ میر پری تمثالے کہ از عزیزان شان بود و پردہ ... داشت۔ یہی معاشقہ ہے جس کی روداد میر کی مذکورہ بالا تین مثنویوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ اب یہ سوال کہ میر کی عزیزوں میں وہ کون پری تمثال تھی جس پر ان کی طبیعت مائل تھی۔ اس کا صحیح جواب دینا مشکل ہے۔ صرف آثار و قرائن کی مدد سے کہا جا سکتا ہے کہ میر کے سوتیلے ماموں سراج الدین علی خان آرزو کی بیٹی تھی۔ میر نے ایک شعر میں آرزو کا

Scanned by CamScanner

کچھ سے کربلا کے بیان میں جگہ اس بحر کا استعمال ہوا ہے اور اس میں بھی نظم ہوئی ہے۔

کیا کہوں کیا قصہ درد ہے

قالب آزردہ میں اک درد ہے[3]

اور یہی گنگا ہے جو میر کے معاشقے کا آغاز ہے جو ان کے دہلی میں ہوا۔[4]

حوالہ جات

1. جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو (جلد دوم)، مجلس ترقی ادب لاہور، طبع دوم 1994، ص 620
2. گیان چند، ڈاکٹر، اردو مثنوی شمالی ہند میں، انجمن ترقی اردو (ہند)، جلد اول، طبع دوم 1987، ص 209
3. ______ ایضاً ______ ص 210
4. فائق کلب علی خان مرتب، کلیات میر جلد ششم (مثنویات)، مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اول جون 1966، فہرست، الف۔ق
5. گیان چند، ڈاکٹر، اردو مثنوی شمالی ہند میں، انجمن ترقی اردو (ہند)، دہلی، جلد اول، طبع دوم 1987، ص 209
6. ______ ایضاً ______ ص 209
7. فائق کلب علی خان مرتب، کلیات میر جلد ششم (مثنویات)، مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اول جون 1996، ص 402

Scanned by CamScanner

8. گیان چند، ڈاکٹر، اردو مثنوی شمالی ہند میں، انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، [illegible]

طبع دوم 1987، ص 620

9. ______ ایضاً ______ ص 225-226

10. ______ کلیات ______ ص 622-623

11. ______ گیان چند ______ ص 219

12. گیان چند، ڈاکٹر، [illegible]

[illegible] 1980۔

13. [illegible]

[illegible] طبع اول جون 1996، ص 28-29

14. [illegible]

15. [illegible]

[illegible] 2000، ص 119-120

Scanned by CamScanner

* پروفیسر (ر) ڈاکٹر عزیز احمد خان
** لیکچرار ، ماجد سیال

انگریزی ادب اور پاکستانی طالب علم

The article visits the concept of English as a 'prestige language', at the same time looking into its mainstream use as a language of culture, science and modern development viz-a-viz. Urdu. Marked cultural differences may or may not occupy a central place. 'Inescapably foreign' may be 'inextricably local'. Pathways of mind need to be studied. These could present a foreseen digression moving among the oriental, linear or such like mindsets. Synthesis and analysis make an essential part of this approach. The writing further peeps through the phenomenon of 'deixis' and how language is processed in the mind. The article, which makes part of a series, continues discussion.

ایک اندازے کے مطابق پاکستان میں چوالیس سے پچاس لاکھ پاکستانی کسی نہ
کسی حوالے سے انگریزی زبان استعمال کرتے ہیں۔ 'صرف انگریزی کو پاکستانی زبان نہیں
کہا جا سکتا ... ہے

گیا ہیں۔ اس سے جہاں بہت فوائد حاصل ہوتے ہیں وہیں مقامی طلبہ کے لیے یہ امر خود بخود شعور تاریخ کا باعث بھی بنا ہے۔ تقریباً ہر شخص اسے اجنبی یا غیر ملکی زبان ہی کہتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ پورے ملک میں اسے اسی حیثیت سے پڑھایا جاتا ہے۔

بات تعداد کی نہیں۔ شاید ایسے پاکستانیوں کی تعداد زیادہ ہو جو انگریزی کو روزمرہ کی حقیقی ضرورتوں کے لیے استعمال کرتے ہیں بہ نسبت ان کے جو مثلاً پشتو یا [illegible] زبان اپنے ہی مقصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس کے باوجود پشتو یا پنجابی زبان سے محروم [illegible] کرنے میں کوئی شک نہیں۔ انگریزی غیر ملکی زبان کہے جانے کے باوجود ملک کے اندر [illegible] صورت میں انگریزی کو جو اہمیت حاصل ہے وہ اس تناسب سے زیادہ ہے جو حقیقتاً اسے استعمال کرنے والوں کی تعداد کی ہے۔

صورتحال دوسری زبانوں کی [illegible] مختلف نہیں ہے۔ آج دنیا میں انگریزی کی اہمیت کتنی زیادہ ہے [illegible] بولنے والوں کی تعداد زیادہ ہے اس کے باوجود انگریزی کو کسی بھی زبان سے زیادہ اہم سمجھا جاتا ہے۔ یہی بات [illegible] کے بارے میں کہی جا سکتی ہے جو ایک اچھی مثال ہے جس کی [illegible] کثرت سے [illegible] بولنے والوں کے ہاں اور عربی / فارسی سے [illegible] بولنے والوں کے ہاں تفریق ہے اور ان زبانوں کی [illegible] بھی اس میں شامل ہیں۔ اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد محدود ہے لیکن اس کا [illegible] ہے۔ لسانیات کا بنیادی اصول ہے کہ کوئی زبان یا کسی زبان کا کوئی بھی کسی دوسری زبان یا زبان کے کسی دوسرے لہجے سے اپنی ذاتی حیثیت میں بہتر یا کمتر نہیں ہوتا۔ اس بات کی وضاحت کے لیے ہمیں لسانیات سے باہر کے شعبوں مثلاً عمرانیات، نفسیات، [illegible]، تعلیم، بین الاقوامی تعلقات، سائنس اور ٹیکنالوجی، معیشت اور عسکری طاقت وغیرہ سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔ کسی زبان کو حاصل ہونے والے فروغ کا بہت بڑا انحصار اس بات پر ہے کہ اس کی پشت پر موجود [illegible] کتنا متحرک ہے۔

Scanned by CamScanner

بات علاقے کی بھی تھی۔ مثال کے طور پر پاکستان کے اندر موجود اس ساری اور ایسے چھوٹے چھوٹے علاقوں کو چھوڑ کر پورے ملک میں اعلیٰ سطح، اعلیٰ تعلیم، وکالت، تجارت، عوامی منصوبہ بندی، سائنس، طب، ٹیکنالوجی اور دیگر شعبوں میں انگریزی کا باقاعدہ استعمال ہوتا ہے۔ انگریزی کے اس وسیع استعمال کے باوجود اس کا اطلاق پاکستان کے دیہات کے بازار اور گاؤں میں قدرے کم ہے۔ یہ سمجھا جاتا ہے کہ اردو اور علاقائی زبانیں فطری جبکہ انگریزی کا مسلسل استعمال غیر فطری، باہر سے درآمد شدہ اور انگریزوں کی ثقافتی روایت کی پیداوار ہے۔ نچلے اور نچلے درمیانے طبقے کے لوگوں میں اس زبان کے خلاف جذبات اور غصے پر مبنی اس طرح کے خیالات عموماً پائے جاتے ہیں کہ یہ نوآبادیاتی دور کی باقی رہ جانے والی نشانیوں میں سے ہے، یا ان مقتدر طبقوں کی غلط طور پر اور جان بوجھ کر اپنائی ہوئی برتری کی علامت ہے جو اپنی ہستی کی رو سے تمیز رکھنے کی وجہ سے اردو کے نفاذ کی حمایت نہیں کرتے۔

اس ملک کی مختصر تاریخ میں کئی بار ایک نتیجے سے اردو کو تحریر اور بول چال دونوں میں رابطے کی بنیادی زبان بنانے کی کوششیں کی گئی ہیں۔ ذرائع ابلاغ کے ذریعے اردو کو فروغ دینے پر خاص توجہ دی گئی ہے، اگرچہ دوسری زبانوں کے لیے بھی مختصر پروگرام شامل کیے گئے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اردو پورے ملک میں رائج الوقت زبان بن کر مقامی طور پر رابطے کی حیثیت حاصل کر گئی ہے جس سے وہ تمام اطراف کی مروجہ بول چال کی سطح پر رابطے کی بنیادی زبان ہے۔ جبکہ انگریزی نے تحریری سطح پر رابطے کی بنیادی زبان کے طور پر اپنی حیثیت کو برقرار رکھا ہے۔ اردو کی ترقی کے لیے کی جانے والی مذکورہ بالا کوششوں کے دوران پڑھنے اور لکھنے دونوں میں انگریزی نے نہ صرف اپنی حیثیت کو قائم رکھا ہے بلکہ یہ اور بھی مستحکم صورت میں ابھری ہے۔ اس کی متعدد وجوہات ہیں جن میں سے کچھ علامتی نوآبادیاتی دور اور اقتدار میں تلاش کی جا سکتی ہیں اور کچھ کا سراغ آج کی دنیا پر

Scanned by CamScanner

امریکی تسلط میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ سائنس، طب، معاشیات، ماحولیات اور بہت سے شعبوں میں ہونے والی ترقی، اور کچھ دیگر سے ہونے والی ایجادات پر، ان میں سے بعض دور رس نتائج کی حامل ہیں، اٹھارویں صدی سے آج تک انگریزی بولنے والے لوگوں کی اجارہ داری رہی ہے کیونکہ ان شعبوں میں ہونے والی عالمی ترقی میں سب سے زائد ان لوگوں کا حصہ ہے۔ اس کے برعکس، اردو بولنے والوں کا حصہ بہت کم ہے۔ نہیں پہنچ سکا اور یہ حال پاکستان کے شہری اور دیہی علاقوں کی زبان کے لئے ایک واضح فرق واضح ہے۔

بات صرف کلچر کی بھی نہیں۔ انگریزی اور اس سے بھی زیادہ امریکی کلچر کے بہت سے پہلو اب ہمارے معاشرے میں رائج ہو چکے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستانی کلچر (اگر اس کی کوئی حتمی تعریف کی جا سکے) اور وہ کلچر جسے بلا شک و شبہ غیر ملکی کلچر کہا جاتا ہے، ان کے درمیان موجود اختلافات سے کہیں زیادہ اختلافات پاکستان کے مختلف علاقوں کے لوگوں میں یا شہری اور دیہی علاقوں کے باشندوں کے درمیان دیکھے جا سکتے ہیں۔ پاکستانی معاشرہ کثیر لسانی اور کثیر ثقافتی معاشرہ ہے جس کے باشندے متعدد زبانیں بولتے ہیں ان میں انگریزی کو ایک خاص مقام ہے۔ اس کے ظاہری طور پر غیر ملکی ہونے کے باوجود اس کے مقامی ہونے سے بھی انکار ممکن نہیں، اور اس نے ہمارے ملک میں زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق تعلیمی اداروں میں اپنی جگہ بنا لی ہے۔ چنانچہ وہ لوگ اپنی گفتگو میں اردو یا دیگر مقامی زبانیں بولتے ہیں، اکثر اوقات لاشعوری طور پر جملے اور فقرے میں انگریزی استعمال کرتے ہیں۔

اس کے باوجود کہ دونوں ثقافتی اختلافات موجود ہیں، راقم الحروف کا خیال ہے کہ لوگوں کی اتنی واضح جماعت بندی نہیں کی جا سکتی جیسی انیس سو ساٹھ کی دہائی میں (Kaplan) نے کرنے کی کوشش کی تھی۔[3] اسی دہائی کے حوالے سے بھی اختلافات کی

Scanned by CamScanner

ہوتی ہے جو کہ [illegible] ہے (اور [illegible])۔ کہانیاں نے کیا تھا کہ [illegible]
منطق جو سوچنے کے [illegible] A سے Z تک جاتا ہے۔ سائنسی
[illegible] سے [illegible] ہے [illegible] ہے کیونکہ سے ایک [illegible]
[illegible] ہے۔ اور مشرقی ذہن [illegible] دونوں کی [illegible] میں یا [illegible] کی طرف [illegible]
[illegible] طرف [illegible] کی طرف سوچتا ہے۔

[illegible] مختلف [illegible] مشرقی [illegible] مجموعی [illegible]
ہے [illegible] میں آتی ہیں۔ یہ خیال کے طور پر مشرقی [illegible]
[illegible] میں اس طرح کی خصوصیات پائی جا سکتی ہیں [illegible]
[illegible] میں ہیں جو [illegible] والے [illegible] میں شکلوں سے آباد ہیں۔
[illegible] ساخت [illegible] تقسیم یا ماحول وغیرہ کے تعین میں
[illegible] ہے؟ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ کہانی کا مشاہدہ [illegible] سے متعلق ہے خصوصاً
[illegible] سے متعلق، اور [illegible] لسانی مہارتوں کے متعلق نہیں۔ یہاں ان [illegible] کا
[illegible] سے راقم الحروف کا مقصد اس بات کا جائزہ لینا ہے کہ کیا مخصوص لسانی یا [illegible]
[illegible] کے ساتھ پاکستانی طلبہ کی پڑھنے کی کارکردگی پر کوئی اثر پڑتا
ہے، خصوصاً اس وقت جب [illegible] سے زیادہ ان کی توجہ زبان پر ہوتی ہے۔

بہرحال اگر کہانی کے مشاہدات میں کوئی جان ہے تو پاکستان کے لوگوں کو ایک
ایسی جماعت قرار دیا جا سکتا ہے جو بنیادی طور پر مشرقی اور سائنسی عناصر کی حامل ہے جس
میں [illegible] کسی حد تک [illegible] ڈیالیکٹکس عناصر بھی پائے جاتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے
سوچنے کا ایک ایسا [illegible] جو زیادہ تر [illegible] اور (مشرقی)، کبھی کبھی [illegible] اور [illegible] (سائنسی)
اور بعض اوقات منظم (ڈیالیکٹکس) بھی ہو جاتا ہے۔ اس طرز میں خوبیاں ([illegible]) اور
[illegible] (اور [illegible]) دونوں پائی جاتی ہیں۔ راقم الحروف کی [illegible]

بات کے تعین میں مدد کرتا ہے یا پاکستانی طلباء کے ذہنی رویے ان کی انگریزی ادب کو سمجھنے کی صلاحیت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

2۔ کلچر:

یہ وہ اقدار سامنے لے کے ہیں۔ پاکستان کے عام شہری کے لیے وقت کی اہمیت بہت کم ہے۔ یہ ملاقاتوں اور اہم کاروبار میں ایک آدھ گھنٹے کی تاخیر کو کچھ بھی نہیں سمجھتے اور اگر ان کی توجہ اس امر کی طرف دلائی جائے تو ناراض ہوتا ہے۔ یہ ایک طرح کی غالب زرعی معاشرہ کا تاثر ہے جس میں پورے سال میں مناسب اوقات پر (زرعی) مصروفیات مثلاً موسم بہار کے آغاز میں یا موسم برسات کے درمیان میں دلچسپی ہوتے ہیں ان کا بونے، پانی دینے اور فصل کاٹنے کے علاوہ باقی تمام کام فطرت یا کائنات کی طاقتوں پر چھوڑ دیا جاتا ہے جن پر انسان کا کوئی اختیار نہیں۔ اس طرح کے معاشرتی ماحول میں پابندیوں پر توجہ دینے کی توقع کرنا عبث ہے۔ پاکستانی کسان (اور صرف کسان ہی نہیں) ایک دو اوقات کی بات کرتا ہے۔ مثال کے طور پر وہ کچھ اس طرح کہے گا "بہار کے مہینوں میں" یا "کل اس وقت جب سورج چڑھے" وغیرہ۔ اس طرح کی ایک اور وصف پابندی کا فقدان پایا جاتا ہے کیونکہ پانچ ہزار روپے کو دس ہزار روپے کے ساتھ لکھے بغیر دیا جائے بجائے مؤخر الذکر، اول الذکر کا دو گنا ہے۔ یہ روزمرہ کے عمومی مشاہدات ہیں اور پاکستانیوں کی خصوصیت اور سادگی کے ساتھ سوچنے کی بجائے الجھے ہوئے ماحول اور مبہم انداز میں سوچنے کی عادت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یہ رجحان اس وقت ابھر کر سامنے آتا ہے جب طلباء ادبی متون کا تنقیدی مطالعہ کرتے ہیں۔ اساتذہ طلباء کا لکھا ہوا دیکھتے ہیں تو اس کا بہت بڑا حصہ اسی عمومی رجحان کے تابع ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے کہ بادشاہ عظیم شاعر ہے یا شیلے کی شاعری خوبصورت ہے، لیکن اس طرح کی خصوصیات سے

Scanned by CamScanner

[illegible] کے عوام کو [illegible] میں [illegible] زیادہ [illegible] نہ کی گئی۔ یہ صورت حال [illegible]
[illegible]

[illegible] وقت سے [illegible] کے اس طویل [illegible] ہیں اور [illegible] [illegible] جیسے [illegible] بہت [illegible] طویل [illegible] [illegible] کے بغیر صنعتی معاشروں میں [illegible] بہت اہمیت رکھتا ہے کیونکہ مشینوں کی ایک [illegible] [illegible] کرنے کے لیے بہت ضروری ہے۔ [illegible] صنعتی ترقی [illegible] [illegible] کے ساتھ [illegible] [illegible] ایک [illegible] معاشرے کو [illegible] تعلیم کی [illegible] ضرورت [illegible] [illegible] معاشرے کے [illegible] [illegible] دوسری طرف صنعتی معاشرے [illegible] [illegible] خواندگی [illegible] اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ [illegible] صنعتی صلاحیت میں اضافہ ہوا تو شرح خواندگی میں اضافے کی طرف توجہ [illegible] زیادہ [illegible] [illegible] بھی ہے کہ صنعتی ترقی اور شرح خواندگی میں کوئی [illegible] تعلق [illegible] [illegible] ہے کہ صنعتوں کے اس [illegible] پاکستان کو بہت [illegible] خواندگی [illegible] کتاب کی [illegible] ہے۔ اور عالمی منڈی میں پاکستانی صنعت کے بڑھنے [illegible] ساتھ ساتھ [illegible] میں بھی اس کتاب سے اضافہ [illegible] [illegible] میں پاکستان [illegible] اور حساب کتاب کی صلاحیتوں میں نیم خواندہ ہے [illegible] [illegible] صحت کے لحاظ سے [illegible] ہے۔ زبانی روایتوں کا رواج [illegible] [illegible] زبانی روایت کا [illegible] پاکستان [illegible] تعلیم [illegible] اور کسی حد تک [illegible] کی طرف [illegible] [illegible] صحت اور [illegible] کا تقاضا کرتی ہے۔

Scanned by CamScanner

زبانی روایت کا ایک مظہر مشاعرہ ہے، جہاں شاعر مخصوص سامعین کے سامنے اپنی شاعری سنانے کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ اس عمل میں سننے اور سنانے والے دونوں فریقوں میں معنی کی ترسیل کا علمی تقاضا نہیں ہوتا۔ تحسین پیش کرنے کا طریقہ اور اس کا جواز زیر بحث سے زیادہ متعلق ہے۔ اس کی تحسین کا طریقہ قول کے استحسان کے ایک زبانی طریقے کو سامنے لاتا ہے۔ یہ طریقہ تجزیاتی سے زیادہ تشکیلاتی ہے۔ بالعموم دوسرے میں تحسین کے اس عمل میں وجوہات اور اسباب کی نشاندہی غیر اہم ہو جاتی ہے۔ واہ واہ، سبحان اللہ، جیسے ہی کسی سامع کو پسند آتا ہے تو وہ اس پر داد و تحسین کا اظہار کرتا ہے یا شاعر سے مصرع مکرر پڑھنے کی درخواست کرتا ہے۔ یہ عمل وجدانی اور تاثراتی کی حیثیت رکھتی ہے۔ وجدانی اور تشکیلی ہے۔ دلائل اور استدلال سے زیادہ احساس اور ذوق اس میں کارفرما ہوتے ہیں۔ ہماری قدیم روایتوں میں اس طریقہ کار کا استعمال تھا۔ ایک طرف زبانی روایت جو وجدانی اور تشکیلی ہے اور دوسری طرف متنی روایت تھی۔ متنی روایت میں مصنف اپنے مقصد میں کامیاب تصور کیا جاتا تھا اگر وہ سامع کے لیے اپنے متن میں ایک خاص ذائقہ یا مزا پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتا تھا۔ بہر صورت مشرقی اور مغربی روایتوں میں تنقیدی تناظر ایک دوسرے سے بہت مختلف رہے ہیں۔

ایک دوسرے کی بات کو سمجھنے کا انداز یہ ہوتا ہے کہ ہم لوگ دو حوالوں سے عمل ایک بولنے یا لکھنے اور دوسرے سننے یا پڑھنے میں زبان کا عمل کس طرح ہوتا ہے۔ بولنے یا لکھنے والے کا یہ جملہ کہ "یہ میری کتاب ہے" جب سننے یا پڑھنے والے تک پہنچتا ہے تو اس کے اس دوطرفہ عمل کے تناظرات اور تغیرات کی وسیع دنیا کو استعمال کرتے ہوئے سننے یا پڑھنے والے کی طرف سے "یہ تمہاری کتاب ہے" بن جاتا ہے۔ بولنے کا یہی عمل دو مختلف زاویوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ بولنے والا اور سننے والا دونوں الگ الگ زاویوں سے

Conversational implicature

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

[illegible] میں تبدیلی کا عمل [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] اسلامی معاشروں میں [illegible]
[illegible] تصور پاکستان میں پایا جاتا ہے۔ [illegible]

طب ابھی تک پاکستانی فلم اور اسٹیج پر موجود ہے۔ غیر ملکوں کی تہذیبی جھلکیاں، بوڑھی اداکاری، شادی کے موضوعات کی اتفاقی تکرار اور فلموں اور ڈراموں میں حساب سے زیادتی جو جیسے عوامل اس کے اثرات ہیں۔ ممکن ہے کہ اپنے عمل اور موضوع اقتباسات کی مثال کوئی کوئی بھی تنقیدی تحریر لکھی جا سکے۔ اس قسم کی قدر و قیمت کے پیمانوں کے ساتھ انصاف کرنے کے لیے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ان اور سمجھنے کے لیے اس قسم کے فلمی ذرائع ہیں۔ ابھی ہنوز اس سلسلے میں کسی قسم کی کوئی یا تنقیدی بصیرت کا دعویٰ بھی نہیں ہوتا۔ قریب ترین وجہ یہ ہے کہ لوگ کی طرف سے ہمیشہ اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ اس پرانے زمانے کے دور سے بہت اگلی سمجھ ہونا چاہیے۔ ذوق کے متعلق اوپر کیے گئے تحریرات پیچھے رہ جاتے ہیں۔ ذوق کا انحصار اخلاقی عوامل پر ہوتا ہے۔ ان کے کمال کی بچپن سے تربیت ہے جس ذوق پیدا کیا جا سکتا ہو۔ جس زیادہ تر ذوق ثقافتی تربیت کا اثر ہوتا ہے۔ لوگ جو کچھ چاہتے ہیں اس لیے چاہتے ہیں کیونکہ یہ وہ کچھ ہوتا ہے جس کے لیے بچپن سے ان کی تربیت ہو چکی ہوتی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ہمارا ادارہ ادارے کے ادارے ایسے تماشائیوں کے لیے کوئی زیادہ ادب سے سادہ کشش رکھتے ہوں۔

(جاری ہے)

حواشی وحوالہ جات

۱۔ یہ رقم الحروف کے ذاتی اندازے ہیں۔ مزید دیکھیے Baumgardner کی "The Indigenization of English in Pakistan"، ص 41۔ مصنف لکھتا ہے
"یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ایک سے تین فیصد پاکستانی آبادی انگریزی جانتی ہے

Scanned by CamScanner

اس کا مطلب یہ ہے کہ انگریزی بولنے والوں کی تعداد تقریباً اس سے تین لاکھ تھی ہے۔ "Baumgardner" نے جو اعداد و شمار دئے ہیں وہ 1992-3 کے ہیں۔ دونوں سے پرانے ہیں اور پاکستان کے انگریزی "بولنے والوں" سے متعلق ہیں۔ ممکن ہے کچھ مبہم ہوں۔ ایک روایت یہ بھی ادا ہو سکتی ہے کہ پرانے ادارے میں کسی زبان کو بولنے کا مطلب اس کو بولنا ہی نہیں ہوتا تھا بلکہ اس کو بولنے والا خواندگی کی نہیں اور بہت کم لوگ نہ بھی ہو۔ یہ تو الگ بحث ہے۔ جو تشویش ہے ہمارے ملک کی لسانی سیاست میں ایک عجیب ہے کیونکہ بہت سے لوگوں میں زبانی روایت تحریری روایت سے مختلف ہے۔ ممکن ہے ایک آدمی زیادہ تر پشتو بولتا ہو لیکن اس کی خواندگی کی مہارتیں اردو یا انگریزی میں ہوں جو چاہے بھی ہوں اور پشتو میں بالکل نہ ہوں یا بہت کم ہوں۔ مادری زبان جسے وہ فطری طور پر سمجھتا ہے صرف (یا زیادہ تر) بولنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ لیکن جب وہ کچھ لکھنا یا پڑھنا چاہتا ہے اسے ثانوی یا تیسری درجے کی زبان استعمال کرنا پڑتی ہے۔ ایک ایسی زبان جسے وہ کبھی نہیں یا بہت کم مواقع پر بولنے کے لیے استعمال کرتا ہے کیونکہ ملک کے اندر بہت کم ایسے حقیقی مواقع آتے ہیں جہاں واقعتاً ثانوی زبان بولنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ تاہم زبانی مہارتوں کو سیکھے بغیر یہ ممکن ہے کہ تحریری مہارتوں کو ترقی دے لی جائے۔

بہر صورت جب Baumgardner نے مندرجہ بالا اعداد و شمار لکھے تھے اس وقت سے اب تک اس میں بہت تبدیلی آ چکی ہوگی۔ جیسا کہ راقم الحروف نے پہلے لکھا ہے کہ پاکستان میں بہت سے لوگ روانی سے یہ زبان نہیں بول سکتے۔ وہ صرف اشد ضرورت کی صورت میں اسے بولنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ درحقیقت بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے جو اسے بولنے کے لیے کبھی بھی استعمال نہ کریں لیکن لکھنے اور پڑھنے کے لیے کئی مواقع پر استعمال کریں۔ حتی اعداد و شمار جمع کرنے کے لیے

Scanned by CamScanner

[illegible]

[illegible] Baumgandner نے انگریزی میں [illegible]

میں انگریزی کے [illegible]

[illegible] Whitworth اور Yule and Burnell [illegible]

[illegible]

[illegible] 1901 [illegible]

[illegible]

[illegible] 1857 [illegible]

[illegible] انگریزوں [illegible]

[illegible] انہوں نے انگریزی کو [illegible]

[illegible] 1835 میں [illegible]

اس خطے میں انگریزی کو مقامی زبانوں کا متبادل بنانے کے لیے بہت سے اقدام لازم کر دیے گئے تھے۔ یہ مان لیا گیا کہ مقامی زبانیں مقامی باشندوں کی گفتگو کی ضروریات کے لیے استعمال ہوتی رہیں گی لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ انھیں تعلیم انگریزی میں دی جائے۔ یہاں آ کر زبانی اور تحریری روایتوں کے راستے جدا ہو گئے، اور ایک ایسا لسانی نظام پیدا ہوا جو آج تک قائم ہے۔ اور آج صورت یہ ہے کہ پاکستان میں مقامی زبانوں میں حاصل کی گئی تعلیم کو گھٹیا سمجھا جاتا ہے اور پڑھے لکھے ہونے کا مطلب انگریزی کی استعداد ہے۔ پاکستانی طلبہ کی مشکل یہ ہے کہ وہ مادری زبان، جس کی روایت زبانی ہے، سے ثانوی زبان، جس کی روایت زیادہ تر تحریری ہے، میں آسانی سے نہیں جا سکتے۔ اس کے باوجود انھیں ایسا کرنا پڑتا ہے کیونکہ مقامی زبانوں میں لکھنے اور پڑھنے کا زیادہ رواج نہ ہونے کی وجہ سے ان کی نئے علوم کو محفوظ کرنے کی صلاحیت بری طرح متاثر ہوئی ہے۔

3۔ دیکھیے Marie-Paul Pery-Woodley کا مضمون "State of the art: contrasting discourses" مشمولہ Language Teaching، جلد 23، 1990، ص 143-151۔ کپلان کی نقل کی جماعت بندی پر کئی اعتراضات اٹھائے جا سکتے ہیں۔ سب سے اہم بات درستی کی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اس کے مشاہدات اتفاقیہ یا ان مبتدی طلبہ کے گروہوں تک محدود ہیں جو اپنی زبانوں کی بجائے انگریزی میں لکھتے ہیں۔ راقم الحروف کی رائے میں، یہ اعتراض کپلان کی رائے کو رد کرنے کے لیے کافی نہیں، کیونکہ یہ درست معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والوں کے ایک گروہ اپنی زبان میں تشکیل پانے والے اپنے ذہنی رویوں اور ساختوں کو انگریزی لکھتے ہوئے اس میں منتقل کر لیتے ہیں۔ اس کے باوجود، چین میں Mohan اور Au-Yeaung Lo اور بھارت میں Das (ایضاً، ص 150) کی تحقیقات کپلان کی

Scanned by CamScanner

تھیوری کی رو سے مت بھولیے کہ قابل غور اعتراضات اتفاقی ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ پختہ ذہن کے قاری روایوں کا تجزیہ کرنے کے لیے مناسب پیمانے بھی رکھتے ہوں گے۔ یہ صرف کسی ایک زبان کے لیے بلکہ ملک کی دوسری اہم زبانوں کے لیے بھی۔ یہ تخلیقی گرامر کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں ترتیب ہوتی ہے۔ تھیوری کو پہچان پر فطری اعتراض یہ ہے کہ شاید زیادہ حساس قاری ذہن سے ترجمہ کریں۔ قطع نظر اس سے کہ وہ کوئی زبان بولتے ہیں، اپنے تجربی بیت اور تربیت میں سے مشترک ہیں کہ وہ ان کی اس طرح کی وضاحت اور حتمی معانی تلاش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ Pery-Woodley کا خیال ہے کہ اگر تعلیم اور زبان سے متعلق پیچیدگی ہوتی ہیں، متعلق امتیازات موجود ہوں تو ان کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا ہے کہ یہ خود زبان سے زیادہ اہمیت کے حامل ہوں۔

۵۔ تھیوری مطالعے کے 'predictive' ماڈل سے بہت اتفاق کرتا ہے جو اس متن سے پہلے پیش کیا جاتا ہے۔ اور جس میں قاری زیر مطالعہ متن کے بارے میں اپنے ذہن میں پہلے سے موجود نمونوں کی مدد سے کچھ سوالات اٹھاتا ہے جو متن منسوب کیے گئے معنی اس کی رہنمائی کے امکانات رکھتے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ متن کی تفہیم کا بیشتر حصہ قاری اپنے ذاتی، لسانی، عصری اور ثقافتی ذرائع سے اخذ کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ انگریزی متن اور خاص کر انگریزی ادبی متن کا مطالعہ کرتے ہوئے پاکستانی طلبہ کے ذہنی رویے ان کی تنقیدی اہلیت میں کچھ نہ کچھ اضافہ ضرور کرتے ہیں۔ یہ تو اچھا ہے مگر اعتراف اتنا ہے کہ یہ صورت حال ہندوستان اور مصر کی صورت حال سے مختلف ہے۔

5۔ S.N Dasgupta اور S.De - History of Sanskrit Literature کلکتہ یونیورسٹی، 1947ء، کلاسیکل جلد، ص 141

پابلو نیرودا اور پیار کے سو سانیٹ

Pablo Neruda is the prominent poet of Chile. Matilde entered his life when he was a sick man and suddenly with her arrival his poetry took romantic turn. He acquired a new vision and discovered a world of beauty and joy around him. His senses were sharpened with a new enthusiasm for life. One Hundred Love Sonnets can be deemed as masterpieces of expression of beauty and love of nature. A critical analysis of these sonnets is given here.

یہ ۱۹۴۹ء کا زمانہ تھا نیرودا چلی کے ناقابلِ برداشت سیاسی حالات کے باعث جلاوطنی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گیا تھا اور ان دنوں میکسیکو (Mexico) میں مقیم تھا۔ میکسیکو میں بائیں بازو والوں کی ایک کانفرنس میں شرکت کرنے کے بعد وہ رگوں کی سوزش کی بیماری Phlebitis میں مبتلا ہو کر صاحبِ فراش ہو گیا تھا۔

میکسیکو میں ورود سے پہلے نیرودا چلی میں کمیونسٹ پارٹی کے اہم ترین رہنماؤں میں شمار کیا جاتا تھا۔ اس کے فرائض میں شامل تھا کہ وہ مزدور انجمنوں میں جائے اور ان کے مسائل پر کھل کر بات چیت کرے۔ چلی میں وہ کانوں کے علاقوں میں بھی جاتا تھا جہاں مزدوروں کی تحریکوں کو حکومت نے کچل دیا تھا۔ ایک ایسے ہی علاقے میں ایک بار جب وہ

Scanned by CamScanner

تقریر کرنے کے لیے گیا تو اسے اس کام سے روک دیا گیا مگر نیرودا جلد ہی کانگریس
والوں کو اس سے ضرور خطاب کرے گا۔ نیرودا کو خطاب سے روکنے کے لیے اس کے سامنے
ایک فوجی ٹینک کھڑا کر دیا گیا جہاں وہ فوجی افسر کے نشانے پر ہونے کے باوجود تقریر سے باز نہ آیا
اس نے ان حالات میں بھی مزدوروں سے خطاب کیا۔ اس دور میں چلی کا صدر
Videla تھا۔ فوج کی طرف سے اس پر شدید دباؤ ڈالا گیا کہ نیرودا کو گرفتار کیا جائے۔
اس نے گرفتاری کے لیے احکامات جاری کر دیے۔ گرفتاری کا مطلب تھا قید خانے کی باقی
زندگی یا پھر موت۔ اس خطرناک صورت حال کو دیکھ کر اس کے چند دوست اسے چھپا
کر ارجنٹینا Argentina لے گئے جہاں سے ۱۹۴۹ء میں وہ پیرس جا پہنچا اور وہاں سے
میکسیکو میں آیا اور یہاں وہ جلاوطنی کی زندگی بسر کرنے لگا۔

میکسیکو میں نیرودا رگوں کی تکلیف والی بیماری کے سبب اذیت کا شکار تھا مگر وہاں
پر اس کے دوستوں، مداحوں اور خیر خواہوں کی ایک بڑی تعداد اس کی صحت یابی کے لیے
دعا گو بھی تھی۔ یہاں کے ادیب، شاعر اور فن کار اس سے بھرپور محبت کا اظہار کر رہے
تھے۔ بیماری کے دوران میں نیرودا کا اپارٹمنٹ مداحوں سے بھرا رہتا تھا جو اس کی خیریت
دریافت کرنے آتے رہتے تھے۔

ان ایام میں اس کی تیمارداری میں ایک خاتون پیش پیش نظر آتی تھی۔ یہ
خاتون اس کے کمرے کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ اس کا بستر بناتی تھی۔ کمرے میں پھول
سجاتی تھی اور نیرودا کو سہارا دے کر بستر میں ناشتا اور دوائی کھلاتی تھی۔ نیرودا کو یہ یاد
نہ تھا کہ وہ اس خاتون سے اس سے پہلے کبھی مل بھی چکا ہے یا نہیں۔ نیرودا کے دریافت
کرنے پر خاتون نے بتایا تھا کہ ہم تین سال پہلے ایک محفل موسیقی میں مل چکے تھے۔
یہ ۱۹۴۶ء کا زمانہ تھا۔ نیرودا کے ذہن میں اس ملاقات کا کوئی بھی نشان باقی نہ بچا تھا۔
خاتون کا تعلق موسیقی کے شعبے سے تھا۔ وہ لاطینی امریکہ کے کئی ملکوں کے دورے کر

Scanned by CamScanner

یہ سوالہ ایک جہنم تھی۔ وہ دو عشق کا ایک عمل چلا رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ نیرودا کی ان دنوں ملی تھی۔ وہ خاتون ماتلدے اروتیا (Matilde Urrutia) تھیں جو نیرودا کی زندگی میں اہم ہونے والی تھی۔

نیرودا کی جلاوطنی کا زمانہ ماتلدے نے اس کے ساتھ گزارا۔ وہ یورپ، ہندوستان، روس، چین اور دیگر ممالک میں اس کے ہم رکاب رہی۔ اٹلی میں ان کا قیام کیپری (Capri) جزیرے کے خوب صورت ماحول میں رہا۔ جہاں انھوں نے پرلطف دن گزارے۔ کیپری کے قیام کے دوران، نیرودا کی نظموں کا The Captain's verses مجموعہ ۱۹۵۲ء میں نیپلز سے شائع ہوا تھا۔ اس مجموعے کے پہلے ایڈیشن پر نیرودا کا نام بہ حیثیت شاعر درج نہ کیا گیا تھا، اس کا سبب یہ تھا کہ اس وقت تک نیرودا کی دوسری بیوی Delia del carril سے نیرودا کا تعلق برقرار تھا اور وہ ان نظموں کی اشاعت سے اسے آزردہ کرنا نہ چاہتا تھا اس لیے اس نے مروتاً اپنا نام چھپوانے سے گریز کیا تھا۔

ماتلدے کے آنے سے نیرودا کی عشقیہ شاعری میں سرشاری اور لطف و کیف کی نئی لہر پیدا ہوئی تھی۔ اس کا وژن زیادہ خوب صورت ہوا اور اس کی حسیات زیادہ زندہ، شاداب اور تیز ہو گئی تھیں۔

نیرودا کی جلاوطنی کا زمانہ ۱۹۵۲ء میں ختم ہوا جب چلی کے نئے صدر نے نیرودا کی گرفتاری کے احکامات کو منسوخ کیا۔ اگست ۱۹۵۲ء میں وہ ماتلدے کے ساتھ اپنے محبوب وطن چلی میں واپس آ گیا۔ مستقبل میں دونوں نے اپنی زندگی کا خوش گوار زمانہ سانتیاگو (Santiago) میں ساحلی مکان (Isla Negra) میں گزارا۔ ۱۹۵۹ء میں نیرودا نے پیار کی نظموں کا مجموعہ "One Hundred Love Sonnets" شائع کیا۔ یہ مجموعہ ماتلدے کے نام معنون تھا۔ یہ سانیٹ نیرودا کے عشق کا بہترین اظہار تھے۔ ان کی تعمیر فطرت، جسم، جذبے اور احساس کے امتزاج سے تشکیل ہوئی تھی۔ ان سانیٹ میں شامل

Scanned by CamScanner

سمندر، زمین اور آسمان مل کر ایک ایسی اکائی کا روپ دھار لیتے ہیں جس میں انسانی وجود ایک لازوال شعری تجربے کی بنیاد رکھتی ہے۔ نیرودا فطرت کے مظاہر میں گم ہوتا ہے اور ان سے جمال کی لذتوں سے سرور ہوتا ہے۔ فطرت اور انسان کا حسن نیرودا کے یہاں ایک ساتھ دیکھے جا سکتے ہیں۔ بحر الکاہل کے ساحلوں پر رہتے ہوئے نیرودا کی زندگی بے شمار مظاہر کو دیکھتی ہے۔ ساحل، سمندر، ریت، بحری پرندے، آتے جاتے موسم، بادل، کی شعاعیں، نرم ہوائیں، خوشبوئیں، سمندری گھاس کی اور کائی کی بو۔ یہ سب مظاہر ان کی نظموں میں ڈھلتے چلے جاتے ہیں۔ اسی لیے یہ سانیٹ انسان، جمال اور فطرت کا ایک مرقع کہے جا سکتے ہیں۔

نیرودا ان خوش قسمت شعرا میں ہے کہ اردو زبان میں اس کے ترجمے کثرت سے شائع ہو چکے ہیں۔ وہ اردو زبان کے ادبی حلقوں کا پسندیدہ ترین شاعر ہے مگر یہ بات عجیب ہے کہ اس کے سانیٹ کے اس مجموعے کا اردو میں ترجمہ نہیں ہوا ہے۔ کم سے کم مجھے ایک بھی سانیٹ کا ترجمہ نظر نہیں آیا ہے۔ یہ سانیٹ پہلی بار ۱۹۵۹ء میں شائع ہوئے تھے۔ ان کا انگلش ترجمہ ۱۹۸۶ء میں ٹیکساس یونیورسٹی پریس سے شائع ہوا تھا۔ مترجم Stephen Tapscott تھے۔ میں نے اس مجموعے کے تین سانیٹ ۱۹۹۰ء کی دہائی میں ترجمہ کیے تھے۔ بعد کے برسوں میں ان کی نوک پلک سنوارنے کا سلسلہ جاری رہا۔ مجھے بار بار یہ محسوس ہوتا رہا کہ نیرودا کے سانیٹ میں شعری تجربے کا جو حسن پایا جاتا ہے وہ ترجمے کے بعد بہت کم برقرار رہتا ہے۔ اس کی ایک وجہ ہسپانوی زبان کا Syntax تھا جو اردو میں ترجمہ ہونے کے بعد زیادہ موثر نہ رہتا تھا۔ دوسرا مسئلہ نیرودا کے تجریدی اسلوب کا تھا جو معنوی ساخت کو مجروح کر دیتا تھا۔ ان مسائل کو حل کرنے اور نیرودا کے سانیٹ کی روح کو اردو میں منتقل کرنے کے لیے میں نے بساط بھر کوشش کی ہے۔ اگر ترجمے میں کوئی سقم آ گیا ہو اور معنوی عمل ضعیف ہوتا ہوا محسوس ہو تو مجھے معاف فرمائیے۔

Scanned by CamScanner

[illegible] کی مجبوری تھی۔

[illegible] میں یاور کی شاعری کے اس اسلوب سے تعلق [illegible] کی طرح مطالعہ کرتا ہے۔ اردو شاعری میں وزیر آغا [illegible] واسطہ نہیں رکھتی۔ ہمیں ایسی روایتی اسالیب [illegible] وہ لطف نہیں ملتا جس کے ہم عادی [illegible] سے مانوس ہونے کی ضرورت [illegible] مغربی ادب سے مانوس ہو کر ان سانیٹ کی [illegible] سانیٹ میں گرم چائے، بوڑھی عورت اور انسانی [illegible] ایک میں بولتی تالی آگ اور ایک [illegible] کی تخلیق وقوع کے مظہر ہیں۔ ان نظموں کے [illegible] کا احساس بھی نمایاں ہوتا ہے۔ وزیر آغا کے ان [illegible] Dichotomous meaning کی طرح محسوس کرنے والی ہے۔ آئیے آپ [illegible] ادب کے اس شاہکار کی ادبی لطافتوں سے لطف اندوز ہوں۔

سانیٹ ......(۱)

[illegible] ایک [illegible] سے ایک چٹان یا ایک شراب کا
[illegible] سے شروع ہوتی ہیں اور تمام رہتی ہیں
[illegible] کی [illegible] سے صبح طلوع ہوتی ہے
[illegible] کی [illegible] جاتی ہے

Scanned by CamScanner

چاندی جیسے اس اسم سے پانی میں رواں ہوتے ہیں
اور نیلی آنکھیں مری اس میں تیرتی ہیں
اس اسم کے حروف ایک نیلے دریا کے پانی ہیں
اور یہ دریا مرے تنگ دل پہ گرتا ہے

اور وہ اسم جو انگوری پیچ بیلوں میں اکیلا چھپا ہوا ہے
اور کسی مقدس مرگ کے دروازے کی طرح ہے
جس کا رخ دنیا کی خوشبو کی سمت ہے

ہاتھ سے اپنے نرم ہونٹوں سے مجھے تاراج کرو
اپنی خوابیدہ آنکھوں کے ساتھ مری یاد پیدا کرو
اور اگر تم چاہو
تو مجھے اپنے اسم سے کشتی رانی کی اجازت دو
مجھے استراحت کرنے دو

سانیٹ ......(2)

پیار ایک بوسے تک رسائی کا طویل راستہ ہے
تمہاری صحبت میں کیسی حیران کن تنہائی ہے
وادی میں لڑکھڑاتے ہوئے ہم رستوں پہ تنہا چلتے گئے
گلشن[1] میں طوفان آیا ہے نہ بہار

Scanned by CamScanner

مگر میں تم اور ہمارا پیار، ہم ایک جان، ایک دل ہیں
اپنے جلوؤں سے لے کر اپنی جڑوں تک ساتھ ساتھ ہیں
ہم رہتے ہیں لہروں میں، پانی میں، کنوؤں میں
جب تک کہ ہم مل کر جیا رہ سکتے ہیں، صرف تم، صرف میں
پوری جدوجہد دیکھو کہ وہ اپنے ساتھ بہا لائی ہے
بہت سے پتھر اور بورا[2] کے پانی کا ریلا
ذرا سوچو کہ ہم تم قوسوں اور ریل گاڑیوں کے سبب جدا ہیں

ہمیں ایک دوسرے سے صرف پیار کرنا تھا
تو ہم تو ڈھلوانوں کے ساتھ مرد اور عورتیں
زمین جو گولی کی گردش کو پروان چڑھاتی ہے اور جو ہمیں عطا کرتی ہے!

---

1. ٹالٹل (Taltal) چلی کے شمال میں ایک چھوٹا ساحلی شہر
2. بورا (Bora) انکا (Inca) سے پہلے کا ایک انڈین قبیلہ

سانیٹ ......(3)

تمہیں یاد ہوگی وہ اچھلتی ہوئی آبجو
جہاں شیریں خوشبوئیں ابھریں اور لہرا گئیں
اور کبھی کبھار ایک پرندہ، آب اور کسالت میں ملبوس
اور اس کے سرمائی پر

Scanned by CamScanner

تم یاد کرو گے دھرتی کے وہ تحائف
ان مست خوش بوئیں، غزل میں،
جھاڑیوں میں گھاس پھولیں اور بوٹی جڑی،
اور کھواروں جیسے طلسمی غار

تمہیں یاد ہوگا وہ گل دستہ جو تم نے بنایا تھا
یہ سکوت پانی اور سائے
جھاگ سے اٹھتے ہوئے جھرنے جیسا گل دستہ

ہم نے دیکھا ایک ایسا سماں جو پہلے کبھی نہ تھا
ہم اس سرزمین پہ جاتے ہیں جہاں انتظار نہیں کیا جاتا ہے
مگر ہم وہاں ہر شے کو اپنا منتظر پاتے ہیں

سانیٹ......(4)

میں نے گرفت میں نہیں لیا تمہاری ذات کو، نہ ہی تمہاری اداؤں اور عمر کو
ہاں مگر صرف دھرتی کو اور خواہشوں میں اشارے کی صداقت کو
یہ تمہاری خوشی ہو اور شیریں زمین کی مٹی اور دھر ہیں
جہاں سب لوگ بہ جاتے ہیں میٹھے پانی پی کر

وہ گیلی وادی[1] ہے جہاں تم نے آنکھ کھولی
اور وہاں سے اوریزابا[2] کی طرف بڑھنے والے تمہارے قدم ہر سے بے گلی سے؛

Scanned by CamScanner

تم مری ساحلوں والی دلہن ہو

تمہارے لیے میں تھا جب دوسرے میں گندم کے کھیت میں دوبارہ تھا جہاں

تمہاری یادوں کا ذائقہ شاید تم کو نہیں معلوم

کہ پہلے میں نے تم سے پہلے محبت کی اور میں بھول گیا تمہارے بارے

تم میری اول یاد کا ... تمہارے دامن کو

میں نے محبت کو

تمہاری زمین کی طرح گلیوں سے گزر کر دیکھا

اور وہیں میں نے ایک مقام میں اسے پایا تھا

جہاں ہے آتش فشانوں کی ایک سرزمین

---

1. کنچی مالی (Quinchimali) یا سانتیاگو (Santiago) کے قریب میں پایا جاتا ہے (Chillan) سے ... ملک کا ایک شہر جہاں نیرودا کی محبوبہ ماتلدے پیدا ہوئی تھی۔

2. فرنٹیرا (Frontera) ... آتش فشاں پہاڑوں کا علاقہ جہاں نیرودا نے بچپن گزارا تھا۔

3. اراوکا (Arauca) ملک میں ... پہاڑوں کا علاقہ جہاں نیرودا کی ... ہوئی۔

سانیٹ ......(5)

جنگل میں گم میں نے ایک سیاہ شاخ توڑی

اور اس کی سرگوشی پیاسے ہونٹوں کو اٹھائی

شاید وہ آواز تھی بارش کے رونے کی

یا کسی ٹوٹی ہوئی کشتی یا کسی شکستہ دل کی

یہ کوئی دور افتادہ جگہ تھی، مجھے یوں لگا
کہ جیسے یہ کوئی پراسرار جگہ تھی جسے زمین نے چھپا رکھا تھا
ایک شور اور بچوں کی چیخ ابھر رہی تھی
جیسے عظیم قزاقوں اور موت نے اضطراب رکھا تھا

خوابیدہ ماضی سے بیدار ہوتی ہوئی ہیزل[1] کی ایک کشتی
میری زبان سے نکلنے لگی، اس کی ٹوٹی ہوئی خوشبو
میرے شعور کے مرکز تک جا پہنچی

مجھے یوں لگا کہ جیسے وہ سمندر تھا جسے میں بچپن میں فراموش کر چکا تھا
اور وہ لہریں جنہیں ماضی میں چھوڑ آیا تھا، اچانک چڑھنے لگیں
اور میں ایک خوابیدہ خوشبو سے گھائل ہو کر ماضی سا ساکت ہو گیا

1۔ ہیزل (Hazel)

سانیٹ ...... (6)

میں نے کہا میرے ساتھ آؤ اگر کوئی نہ جانتا تھا کہ منزل کہاں ہے
اور کوئی یہ بھی نہ جانتا تھا کہ میں کتنا دل گیر تھا
میرے پاس کل گیت تھے دعاؤں کے لیے
صرف ایک گھاؤ تھا جسے پیار نے وا کر دیا تھا

میں نے پوچھا کیا میرے ساتھ آؤ گے یوں لگا جیسے میں مر رہا تھا
اور تم نے زندگی کا چاند جو میرے دامن سے لہو کی طرح بہہ گیا تھا
میرے لیے تم وہ ایسے ہی تھا کہ جیسے تم نے
قدم دیا اور اعلان میں گھول شراب کو آزاد کر دیا تھا

کہ دل میں گرم دشت اپنے صحرائی سناٹوں سے بھرتے ہیں
میں نے اپنے دامن میں
آگ، لہو، گلی کی پہچان
اور جسم کا ذائقہ دوبارہ محسوس کیا

سانیٹ ...... (7)

پوری عورت، مکمل، جیب اور گرم چاند
سمندر کی گھاس کی کلائی، بادل، ہوا، مٹی اور روشنی
تمہارے ستاروں کے درمیان کیا دراز ہے جو تمہیں چمک دمک آنکھ کرتی ہے
کہ تم ہر رات کو ایک آدمی اپنی حیات سے جانتا ہے

وہ محبت ایک عمر ہے پانی اور ستاروں کے ساتھ ساتھ
اداسی ہوا اور بلے کے طوفانوں کے ساتھ
محبت سامنا ہے کہ ایک کمرہ ہے
جہاں وہ دونوں ایک ہی سے مطلب ہو جاتے ہیں

Scanned by CamScanner

بوسے کے بعد بوسے میں تمہاری مختصر لامتناہیت کا سفر کرتا ہوں
تمہاری سرحدیں، دریا اور ننھے سے گاؤں
اور مسرت و کیف میں ڈھلتی ایک تناسلی آگ

جب تک کہ اپنے آپ کو ایک گل لالہ کی طرح انڈیل نہیں دیتی
یہ آگ لہو کی تنگ گزرگاہوں میں پھسلتی جاتی ہے
اور یہ جب تک روشن ہے یہ پھیلتی اور رات کے اندھیرے سے زیادہ نہیں ہے

سانیٹ ...... (8)

یہ پیار وادی میں جھرنوں کی طرح
آسمان کے سرے تک گئے اور یہ سب کچھ
تھے آسمان پر ایک تنہا ستارے کی طرح روشن تھا
ستارے، چاند اور دن ایک ساتھ جلا وطن ہو گئے تھے

آؤ موسم کی آبیاری کا انتظار کریں
کائنات کی سریع الحرکت مسرت محض اس تحریر ہے
آؤ اس لازوال محبت کی آگ کو جلا کر دیکھیں
جو زندگی کی ان کی چاہ میں گھر جائیں

جہاں روشنی کا رشتہ دنیا اور محبوبوں کے سوا کچھ نہیں
وہ مقام جو ہوا کے لطف و کرم سے ملا ہوا ہے

Scanned by CamScanner

چھاگ کے حقیر ادارے کو ترک کرنے تک ہے

بے شمار بلاؤں کے درمیان زن آب بلائیں ہیں، وہ باقی بلائیں
ہماری آنکھیں بھی پراگندہ ہی ہیں
اس لیے مشکل ہی سے ہوا کی قوت کی قائل بنی رہ سکتی ہیں
آنکھیں کہ جو جاری اسرار کی کلیاں ہیں

سانیٹ ------(9)

تم کو ایک حسن بھری مورتی کی طرح جو میں تم سے پیار کرتا ہوں
پیار کرتا ہوں مورتی کے منہ زوروں کی وجہ سے جو پیارے کی طرح دیکھتے ہیں
میرا کوئی دوست حسد و نہیں ہے
مرے لیے تم تیز اور اس کائنات کا نقش جلی ہو

تمہاری کرشماتی آنکھیں کی حسین ہوئی نگاہوں کی
تمہارا ثانی ہیں
تمہاری جلد شباب جو آفتاب کے گولے کی طرح
پانی میں منعکس ہوتی ہے

تمہارے گولے مرے لیے چاند جیتے تھے
تمہارا دہن اور اس کی لطافتیں سورج جیسی ہیں
اور تمہارا دل پر آنچل ہے سورج کی کالی سرخ شعاعوں سے

Scanned by CamScanner

وہ نیم روشن روشنی زرد، سایہ شہد کی طرح تھی
میں تمہاری وحشت کو پیار کرتے ہوئے گزرا
اور مری طاقت! مری کائنات! تم ایک پکار، سیارہ کی مخلوق ہو!

سانیٹ ...... (10)

پیاری محبت اب ہم گھر کی سمت لوٹتے ہیں
جہاں دشتِ رز کی بیلیں پوری کی پوری سے خاطر کے اوپر چڑھتی ہیں
موسم گرما تم سے پہلے ہی ریشمی بیلوں والے پاؤں پر چلتا
تمہاری خواب گاہ میں آئے گا

ہمارے خانہ بدوش بوسے دھرتی پر جہاں گردی کرتے رہے
آرمینیا[1] جو شہد کے چھتے جیسا ایک امیر ہے
سیلون[2] سبز فاختہ[3] اور یانگسی اپنی قدیم شکیبائی کے ساتھ
رات کو دن سے الگ کرتا ہوا

اور اب اے مری پیاری محبوبہ ہم قریش سمندر کے اس پار
ہم دو اندھے پنچھیوں کی طرح اپنی دیوار کی طرف جاتے ہیں
ہم بہار کے دور افتادہ گھونسلے کی جانب سفر کرتے ہیں

کیوں کہ محبت استراحت کے بغیر ہمیشہ پرواز نہیں کر سکتی
اس لیے ہماری زندگی دیوار کی سمت لوٹتی ہے، ہم سمندری چٹانوں کی طرف لوٹتے ہیں

Scanned by CamScanner

اور ہمارے پرانے گھر کی سمت اڑتے ہیں کہ جو ان کا مرجع ہے

1۔ آرمینیا (Armenia)

2۔ سیلون (Ceylon)

3۔ یانگ سے (Yang-Tse)

سانیٹ ......(11)

اور اب تم مرے ہو اپنے خواب کے ساتھ مرے خواب میں استراحت کرو
پیار، دکھ اور کام اب سب کو سو جانا ہے
رات اپنے غیر مرئی پہیے گھماتی ہے
اور تم مرے پہلو میں پاک ہو ایک خوابیدہ عنبر کی طرح

کوئی دوسرا نہیں، مرے پیار، میں خواب میں سوئے گا، تم جاؤ گے
ہم ساتھ ساتھ جائیں گے وقت کے پانیوں پر
مرے ساتھ کوئی دوسرا سایوں کے درمیان سے سفر نہیں کرے گا

صرف تم ہو جو سدا بہار ہو، سدا چاند ہو، سدا سورج ہو
تمہارے ہاتھ پہلے ہی سے اپنی نحیف مٹھیاں کھول چکے ہیں
ان کے نرم بہتے لطیف نشان غائب ہو رہے ہیں
تمہاری بند آنکھیں دو بھورے پروں کی طرح ہیں

Scanned by CamScanner

قبر میں پھولوں کا ذوق پ کرتے ہوئے

وہ مجھے دور کر رہا ہے رات دیا ہوا ہوا اپنی نگاہ

تمہارے بغیر میں تمہارا خواب دیکھوں اور سو

سانیٹ ...... (12)

تمہارے ہاتھ سے میری آنکھوں پر سے دن میں پرواز کی

روشنی آئی اور گلاب کے ایک دریا کی طرح لہراتی ہوئی

ریت اور آسمان فیروزے میں گندھے

شہد کے چھتے کی طرح دھڑکتے تھے

تمہارے ہاتھوں نے حروف کو چھوا جو گھنٹیوں کی طرح بجتے تھے

اور پیالوں اور پیچھے گھر کے دیواروں کو

دنیا کی تمام ... سب سے بڑھ کر پیار کو

پیار تمہارے ہاتھوں نے کئی گیروں کی حفاظت کی

وہ پرندہ تھی رات خاموشی سے چلی

ایک خوابیدہ آدمی پر اس کا ہالہ کی چھال

تمہارے ہاتھوں نے اپنی صاف روشنی پاس کر بچھا دیا

اور جب تمہارا ہاتھ کھلا ہوا پرواز کے بعد واپس آیا

Scanned by CamScanner

[illegible]

[illegible]

سانیٹ ......(13)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

Scanned by CamScanner

سانیٹ ......(14)

مری محبوبہ میں سمندروں اور صعوبتوں سے لوٹ آیا ہوں
تمہاری آواز اور گٹار، پرچھائیں تمہارے ہاتھوں کی طرف لوٹ آیا ہوں
اس آگ کی طرف جو اپنے بوسوں سے خزاں کو پریشان کرتی ہے
رات کی طرف جو آسمان کو گھیرے میں لے لیتی ہے

میں نے سب کے لیے روٹی اور سلطنت طلب کی
مستقبل سے محروم کاشتکاروں کے لیے زمین مانگی
کوئی توقع نہ رکھے مرے خون یا سستانے کے لیے ایک گیت کی
لیکن مرے جیتے جی تمہارے پیار سے محروم نہیں ہو سکتا

تب بجاؤ یہ خاموش چاند کے رقص کی لے پیارے
حیات گیت، یہ اس کے تک رسیلی کے ہاتھوں کا گیت گاؤ
جب تک مرا خواب دیکھتے دیکھتے لگ نہ جائے

مری زندگی بھر کی بے خوابی نے اس جنگل میں یہ پناہ گاہ بنالی ہے
جہاں تمہارا ہاتھ رہتا اور پرواز کرتا ہے
خوابیدہ مسافروں کی رات کی نگرانی کرتے ہوئے

سانیٹ ......(15)

جو وقت تھا، سکوت تھا اور غم آلود روشنی تھی
جہاں کا سینہ گل کی طرح کانپتا تھا

Scanned by CamScanner

بعد سے، تم نے دوپہر کے اوقات کو گزارا
تم نے جنوبی علاقوں، جھیلوں اور سمندروں کو عبور کیا

تم نے اپنی بھنوؤں کی کیپ کے ساتھ سفر کیا
جنوبی ہواؤں نے سمندری گھاس کی ایجاد اور تاوان کیا
تم وقت سے بچتے ہوئے تمہارے ہاتھ ابھی سفید تھے
ان ہاتھوں نے ریت میں گھنگی والیوں کو اٹھایا

میں تمہارے پاکیزہ تحائف سے پیار کرتا ہوں، تمہاری جلد جیسے سالم جو
تمہارے بچپن جیسے ہیں تمہاری انگشت کے سوراخوں میں
تمہارا دہن تمام مسرتوں سے سرشار ہے

اور میرے گھر میں پاتال کے متصل مجھے دے دو
اس سکوت کی پرلطف ساخت
اور وہ سمندری خیمہ جو ریت میں فراموش ہو گیا تھا

سانیٹ……(16)

سنہری آہن کی چوڑے پھل والی تلواروں کے درمیان
میں ایک اجنبی ملاح کی طرح گھومتا ہوں، جو واقف ہے
گل کاریوں اور ان کے زاویوں سے اور جو اپنے حال کے مطابق گاتا ہے
اس نے سب چھوڑ دیا ہے
میں طوفانی مجمع الجزائر سے

Scanned by CamScanner

یہ سوچتے ہوئے [illegible] ہواؤں سے [illegible] بارش کی بوندیں

[illegible] فطرت کی سب دستور [illegible]

جو [illegible] کے خالق ہیں

وہ سب [illegible] کے [illegible]

[illegible] رات [illegible] کی [illegible] کے [illegible]

[illegible] ہوتے گزر گیا

میں چلتا رہا اپنے بچپن کی گلیوں کی طرف

[illegible] مشرق سے [illegible] دیہات کی طرف

[illegible] تمہاری خوشبو سے معمور ہو گیا تھا

سانیٹ ـــــ (17)

تم سمندر کی بیٹی ہو اور [1] ہواؤں کی قریبی رشتہ دار

تم [illegible] پانی کی طرح [illegible]

[illegible] مٹی کی طرح [illegible] ہے

تمہاری ذات پھولوں سے معمور ہے

تمہاری آنکھیں پانی کی سمت جاتی ہیں اور [illegible] ہوتی ہیں

تمہارے ہاتھ مٹی کی طرف جاتے ہیں اور بیج بونے لگ جاتے ہیں

تم گھر سے پانی کی راہ اور مٹی کو جاتی ہو

(18)

Scanned by CamScanner

پوروا اور باگھ سے

ساحلِ سمندر پر نیرودا کا گھر

Scanned by CamScanner

چارلس بکوسکی (CHARLES BUKOWSKY)

Charles Bukowsky is an American poet of considerable stature. His poetry touches new dimensions that distinguishes his work from that of contemporaries. His approach is difference and innovative. He has own style and a way with language, particularly the way he creates an atmosphere. An appreciation of his work of the theme in this piece of writing.

چارلس بکوسکی کا تعارف بقول اس طرح ہے

نہ شیکسپیئر نہ ٹالسٹائی نہ مکی سپلین (Mickey Spillane) ہے۔

دیوانگی کی حد تک

وہ مصرعے اور ہجے سے کام لیتا

اس بات کا تذکرہ کہیں سے کوئی بڑا ادیب آزاد ہوئے گا

چناسکی (Chinaski) ہم نہیں جانتے کہ ہم طویل عرصے سے

تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔

چارلس بکوسکی (Charles Bukowsky) کی نظموں کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ امریکی شعری روایت سے وہ یکسر مختلف و منفرد ہے۔ وہ اپنے ہم وطن شاعر اول والٹ وہٹ

Scanned by CamScanner

ارتقا اور ارتقا پر گہری نظر رکھتے تھے۔ وہ اپنے عصر میں انگریزی زبان کے عمل دخل سے بھی
واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے خوش اسلوبی کے لیے ایک ایسی مرکب زبان کو پسند کیا جو
اردو روزمرہ کے الفاظ اور محاورات کے ساتھ ساتھ فارسی اور عربی کے الفاظ، بندشوں
کے امتزاج سے تشکیل پائی ہے۔ اس طرح سے وہ زبان کے پیمانہ میں کسی قدر عجز اور
وسعت گری کے وجود ہوتے ان کے نزدیک اردو زبان کی بنیاد ہندی بھاشا پر ہے معلوم ہے جو
اور بھاشا پر رکھی گئی ہے۔ اسی لئے تمام افعال اور تمام حروف اور غالب حصہ اسماء کا ہندی سے
ماخوذ ہے۔ اور اردو شاعری کی ہندی شاعری پر جو عربی شاعری سے مستفاد ہے قائم ہوا
ہے نہ کہ اردو زبان کا جملہ حصہ عربی اور فارسی سے ماخوذ ہے۔"

زبان کے اس جدید تصور کی عملی صورت مقدمہ کے علاوہ ان کی سوانح عمریوں میں بھی
ملتی ہے جنہوں نے انگریزی اور ہندی کے الفاظ مثلاً [illegible]
جیسے [illegible] کے ساتھ ساتھ انگریزی کے کئی رائج الوقت الفاظ جیسے
[illegible]، یورپ، پالیسی، [illegible]، سلیپ، [illegible]، [illegible]، [illegible]
[illegible] بے تکلفی سے استعمال کیے ہیں۔

حالی نے مقدمہ میں کئی جگہوں پر زبان کی تشکیل میں روزمرہ، محاورہ، تشبیہ،
استعارہ کے ساتھ ساتھ صنائع و بدائع کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے اور ان سے اعلیٰ
شعر کا مطالبہ کیا ہے۔ محاورہ اور روزمرہ کے برمحل استعمال اور ان کی لطافت نیز اہل
دل زبان کی بول چال سے [illegible] کرتے ہیں۔ اور ان کے بے جا استعمال کا احتراز کرتے
ہیں۔ محاورہ کو شعر میں ایسا سمجھنا چاہیے جیسے کوئی خوب صورت عضو بدن انسان میں اور روزمرہ
کو ایسا جاننا چاہیے جیسے تناسب اعضاء بدن انسان میں۔ چونکہ محاورہ اور روزمرہ کلام
میں [illegible] حسن کا موجب قرار دیتے ہیں اس لیے قدرتی طور پر صنائع و بدائع اور قافیہ
[illegible] کو "حسن کلام کی تجلی کو" ظاہر کرنے میں رکاوٹ کے مترادف قرار دیا ہے گئے

Scanned by CamScanner

[illegible]

[illegible]

میں لکھتی ہوں"

کیا آپ بھی لکھتے ہیں؟

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تو تم ایک لکھاری بننا چاہتے ہو؟ So you want to be a writer

اگر یہ تمہارے اندر سے [illegible] پھٹ کر نہیں نکلتا

ہر رکاوٹ کے باوجود

تو یہ کام مت کرو

جب تک تمہارے دماغ، دل سے اور قلم سے

بن بلائے باہر نہیں آتا

تو اسے مت کرو

اگر تمہیں گھنٹوں کمپیوٹر پر نظریں جمانا

یا ٹائپ رائٹر پر جھکے بیٹھے رہنا پڑتا ہے

الفاظ کی تلاش میں

تو یہ کام مت کرو

اگر تم دولت یا شہرت کے لیے کر رہے ہو

تو مت کرو

اگر تم کو دوبارہ پڑھنا پڑتا ہے بار بار لکھنے کے لیے

تو یہ مت کرو

اگر تم کسی شخص کی طرح لکھنے کی کوشش کر رہے ہو

تو اس کے بارے میں بھول جاؤ

اگر کسی کام کے ارادے کے وقت یہ مشکل معلوم ہو

تو مت کرو

اگر تم کو انتظار ہے کہ تمہارے اندر سے یہ شور مچاتا باہر ہو تو

تو تم اس کے لیے صبر سے انتظار کرو

اگر یہ جوش مارتا باہر نہیں آتا

کوئی دوسرا کام کرو

اگر تمہیں پہلے یہ اپنی بیوی کو سنانا ہے

یا کسی لڑکی، دوست یا لڑکا دوست

یا والدین یا کسی اور کو سنانا ہے

تو گویا تم تیار نہیں ہو

تم دوسرے بہت سے لکھاریوں کی طرح مت ہو

تم ہزاروں لوگوں کی طرح مت ہو

جو اپنے کو لکھاری کہتے ہیں

تم کاہل، بورنگ اور بہانہ تراش مت ہو

اور ذات کی پرستاری میں خود کو ضائع نہ کرو

دنیا کی لائبریریاں جمائی لے رہی ہیں سونے کے لیے

تم جیسوں کی مہربانی سے

یہ مت کرو

جب تک تمہاری روح سے راکٹ کی طرح نکل نہیں رہا

جب تک کہ یہ خاموشی سے تمہیں دیوانگی یا خودکشی یا

قتل تک نہیں لے جاتا

یہ مت کرو

جب تک تمہارے اندر کا سورج تمہارا شکم جلا رہا ہے

یہ مت کرو

اس کا حقیقی وقت کب آتا ہے

کب یہ حقیقت بنتا ہے؟

اگر تم اس کے لیے منتخب کیے گئے ہو

تو یہ اپنے آپ آئے گا

اور سرگرم عمل رہے گا

جب تک تم مر نہیں جاتے

یا یہ تمہارے اندر خود نہیں مر جاتا

اس کے سوا چارہ نہیں

اور پہلے بھی نہیں تھا

چارلس بکوسکی کی اس نظم کا عنوان ہے "تو آپ لکھاری بننا چاہتے ہیں؟" وہ اس نظم میں لکھاریوں سے مخاطب ہے اور وہ مصرعوں کی شکل میں چند ضروری باتیں ادیبوں کے Guide Line کے طور پر کرتا ہے۔ جو ادیبوں اور اہل قلم کے لیے گرہ میں باندھ رکھنے کی ہے۔ اس نے تو سب حالات اپنے سیدھے سادہ مصرعوں میں ایسی باتیں کر دی ہیں۔ ہماری اردو شاعری میں ایسی نظمیں کم ہی ہیں کہ ان پر بات ہونے کا اہتمام ہو

Scanned by CamScanner

کہ فارسی روایت، غزل کے ناتے سے فارسی و عربی کی روایت سے قریب ہے۔ اور ہمارے ہاں بات کہنے کا طریقہ اور انتخاب الفاظ آرائشی ہے۔ آج بھی اردو میں ذرا سا اس سے ہٹ کر کلام کرنے کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ حالانکہ فارسی کی قدیم روایت اور جدید ایرانی شعرا نیما یوشیج، فروغ فرخ زاد، سہراب سپہری اور اسی قبیل کے دوسرے شعرا نے ایرانی شاعری کے ڈھانچے کو اب سے تقریباً ساٹھ برس پہلے عصری تقاضے اور انقلاب سے ہم آہنگ کر دیا ہے۔ ۱۹۸۰ء سے ہمارے ہاں اردو شاعری میں ہیئت، بیان اور موضوع میں بہت طرح کے انقلابات آ چکے ہیں لیکن چارلس بکوسکی کا اسلوب شعری، آج بھی ہمارے ہاں بالکل شاک سے اور خود اعتنا سمجھا جائے گا۔ جس نے نہ صرف امریکہ میں تہلکہ مچایا بلکہ معاصر شعرا میں مقبولیت کے اعلیٰ مقام پر فائز رہا۔ بلکہ اس کے شعری مجموعوں کے دنیا کی بہت سی زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ بقول میکسیکی ناقدین اب چارلس بکوسکی کا مقام آسانی سے بیٹ شاعر ایلن گنز برگ اور میکسیکی شاعر اوکتاویو پاز کی صف میں رکھا جا سکتا ہے۔

چارلس بکوسکی کی شاعری یک رخی نہیں، کتاب "Sifting Through The Madnes for the Word, The Line, the way" سے پتا چلتا ہے کہ اس کے یہاں شاعرانہ تنوعات کی بھی کمی نہیں۔ ان تنوعات کو جاننے اور پرکھنے کے لیے چند نظمیں پیش کی جاتی ہیں تاکہ قارئین کے سامنے اس کے مزید رخ سامنے آ سکیں۔

Loss Angeles

ایک پرانی کہاوت ہے
دیوتا جس کو برباد کرنا چاہتا ہے
وہ پہلے اسے پاگل کر دیتا ہے
ہر دن گھٹیا راستے سے گزرتے ہوئے

Scanned by CamScanner

مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے

کہ دیوتاؤں کا قول تیار ہو رہا ہے

فرشتوں کے شہر کو تباہ کرنے کے لیے؟

Working Through it all

بزدلی بہادری خوف کے قریب ہے

اور بزدلی کا خوف بہادری کے قریب

اور میں بہادر اور بزدل کے مقابلے میں پھنسا رہا ہوں

اور کبھی کبھی ان میں سے کوئی ایک بن جاتا ہوں

اور آخر میں نہ یہ ہوں، نہ وہ

اور تب بھی میں بہت بہتر ہوں

نہ بہادر نہ بزدل

ٹھیک گرم کمرے میں تر و تازہ ہوا آ جائے

یا جیسے پھول، جس کی کلی تازہ تازہ کھلی ہو

جیسے تتلی جو خوش کرنے کو نکل جاتی ہو

یا جیسے خواتین کی آنکھوں کی محبت!

In a Ladies bedroom

ایک خاتون کی خواب گاہ

میں ایک نظم لکھنے کی کوشش کر رہا ہوں

(پیاز کی بھاپ میرے سانس میں در آتی ہے)

وہ ایک لباس زرتاری ہے

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

گلی کے بیچوں بیچ

لڑکی پہیے سے کچل کر ماری گئی

یہ عام اور غیر اہم بات ہے

اس کے لیے بھی

اور ہم سب کے لیے بھی

کہ جو بھی عمر اور عمر نہیں

بے سبب۔

مختصر یہ کہ چارلس بکوسکی امریکی شاعری میں خود ایجاد اسلوب رکھتا ہے۔ اس کی شاعری کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ اس کے شعری موضوعات واردات کیفیات، اور تجربہ و مشاہدہ کے ہیں۔ اس کی شاعری میں اظہار بیان عام فہم ہے۔ وہ جو خیال کرنا چاہتا ہے اپنے مصرعوں میں بے ساختہ پیش کرتا چلا جاتا ہے۔ بندش کسی میں نہ تکلف ہے نہ تصنع ہے نہ خواہ مخواہ کے آرائشی لفظیات ہیں نہ ہی ابہام اور نہ غیر ضروری الفاظ۔ جو بات ہے سامنے کی ہے اور سامنے ہے۔ آسانی سے سمجھ میں آنے والی بلکہ دل میں اتر جانے والی بات۔ وہ اپنی شاعری کی وجہ سے امریکی معاصر شعرا کے ہجوم میں صاف الگ کھڑا دکھائی دیتا ہے۔ انگریزی اصطلاح میں شاید ایسے ہی شاعر Proleterate کی صف میں داخل ہیں۔ اردو میں اس کے لیے لفظ عامیانہ شاعری مستعمل ہے، جو عامیوں کے لیے گھڑا گیا ہے۔

بکوسکی تخلیقی خیال کے اپنے منبع سے ایک بھرپور چھوٹ پڑنے کا قائل تھا۔ وہ کسی خیال کے کلام بننے تک، رنگ ریگ کے سو سطرے کرنے کو پسند نہیں کرتا تھا۔ نہ ہی مچھلی پکڑنے والے کی طرح تیج آب تر یا پھینک کر مضمون انتظار کر سکتا تھا۔

امریکی ناقدین کا خیال ہے: "چارلس بکوسکی امریکی ادب کے معاصر شعرا میں

نظم و نثر کے ایک اہم ترین شاعر و نثر نگار کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ وہ "اینڈرناخ" جرمنی میں ۱۹۲۰ء میں پیدا ہوا۔ اس کے باپ ایک امریکی سپاہی اور ماں جرمنی کی تھی۔ وہ تین برس کی عمر میں جرمنی سے امریکہ آ گیا۔ وہ لاس اینجلس میں جوان ہوا اور پچاس برس کی عمر تک وہیں گزارے۔ اس کی پہلی تخلیق، کہانی "After math of a lengthy rejection slip" میگزین میں شائع ہوئی۔ اس وقت اس کی عمر ۲۴ برس تھی۔ ۱۹۵۵ء سے شعر لکھنے شروع کیے اور ۱۹۵۹ء میں اس کے شعری مجموعے "Power"، "Fist" اور "Bestial Wail" شائع ہوئے۔ چارلس بوکوسکی کو سان پیڈرو، کیلی فورنیا میں ۹ مارچ ۱۹۹۴ء کو انتقال ہوا۔ انتقال کے وقت اس کی عمر ۷۳ برس تھی۔

چارلس بوکوسکی نظم و نثر پر یکساں مہارت رکھتا تھا۔ نظم و نثر کے ۴۵ مجموعے شائع ہوئے۔ میں نے "اوراق" کے صفحات کے ذریعے وقتاً فوقتاً کئی امریکی شعرا ایلن گنز برگ، گریگوری کورسو کو پہلے پہل متعارف کرایا تھا۔ ایلن گنز برگ امریکہ کے بڑے شعرا میں شمار ہوتا ہے۔ ... ایلن گنز برگ کی نظم "ہاؤل" اس لیے بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ ہاؤل کے زمانے میں جب وہ جنگ، ویتنام میں جابر حکمرانوں سے نظریں چرا رہا تھا۔ یہ اپنی اہمیت کے لحاظ سے گزر رہا ... ہوتے ہوئے یہ سب نظم ... ہو گیا۔

نرودا کی اس کمپنی کے عالم کو ایلن گنز برگ نے نہایت ... کی ... میں کیا۔ اس کی نظم آفریقی ... احتجاج کی فضا میں خوب خوب گونجی۔ نیرودا ... میں گیا جب ... اور وہاں ... کانفرنس ... تو اس وقت دنیا بھر کے ادیب جمع تھے۔ وہیں نرودا اور ایلن گنز برگ کی ملاقات ہوئی۔ نرودا نے ایلن گنز برگ سے فرمائش کی کہ وہ اپنی "ہاؤل" نظم سنائے۔ ایلن گنز برگ نے جب یہ نظم سنائی تو نرودا رو دیا تھا۔

Scanned by CamScanner

جان مارش کی خوشی یہ ہے کہ اس نے چارلس بکوسکی کے منتخب کلام 'Sifting Through the Madness for the Word, The Line, The Way' میں یکجا کر کے ایک مثالی شعری مجموعہ مرتب کر دیا اور یوں اپنے شاعر کا سامان فراہم کر لیا۔ لیکن عجیب اتفاق یہ ہے کہ Howard Nemerove نے اپنی کتاب 'Contemporary American Poets' میں ایلن گنز برگ اور چارلس بکوسکی کو شریک نہیں کیا۔ ذکر نہ کرنے کے پیچھے کون سی ادب و ادیب کی گروہی مصلحت کارفرما رہی یہ تو وہی جانیں لیکن اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جن گروہی مصلحتوں کے شاکی ہم اپنے ادبی حلقوں سے ہوا کرتے ہیں امریکہ کے ادبی حلقے ہم سے کہیں بڑھ کر ان گروہی مصالحے میں گرفتار ہیں۔

~~~~~~~~~~~~

Scanned by CamScanner
~~~~~~~~~~~~

ژاک لاکاں (JACQUES LACAN): ایک مطالعہ

Jacques Lacan the French critic has great service to ...e cause of literary criticism. With his preoccupation of ...plied psychology provided a solid contribution to the art of ...ticism. His expertise in psychoanalysis has also proved to ... a significant factor in his work. An avaluation of his work ...s attempted in this article.

جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

عالمی ادب کو تنقید کے جہانِ تازہ سے روشناس کرانے میں ژاک لاکاں کی گراں قدر خدمات تاریخِ ادب کا اہم واقعہ ہیں۔ ژاک لاکاں (۱۹۰۱ء۔۱۹۸۱ء) کا تعلق فرانس سے تھا۔ بنیادی طور پر وہ علم طب کا طالب علم تھا۔ اس نے طب (Medicine) کی تعلیم پیرس سے حاصل کی۔ اطلاقی نفسیات میں اسے گہری دلچسپی تھی۔ ۱۹۳۰ء میں ژاک لاکاں نے تحلیل نفسی کو وہ پیش کرنے والی تحلیل و تجزیہ کی نفسیاتی تحریک (FREUDIAN PSYCHOANALYTICAL MOVEMENT) میں شمولیت اختیار کر لی۔ اس نے اپنے فکر پرور اور خیال افروز مباحث کی بنا پر جلد ہی شہرت اور مقبولیت حاصل کر لی۔

ژاک لاکاں نے ایک ماہر نفسیات اصل میں بنیادی طور

Scanned by CamScanner

لکھنے والے [illegible]

ہماری سوسائٹی مشرقی زندگی کا المیہ یہ ہے [illegible]

کہ مغربی لوگ علم و فضل [illegible]

کے حالات وقت [illegible]

[illegible]

اس کے پیچھے [illegible]

ڈاکٹر لاکاں اس صورت حال سے [illegible]

بھی شدت سے مجھ پر انکشاف ہوتا ہے

تو [illegible]

[illegible] ڈاکٹر لاکاں کے سب سوال کرتے ہیں

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

۱۹۶۳ء میں ڈاکٹر لاکاں نے اپنا ادارہ ECOLE FREUDIENNE کے

نام سے قائم کیا۔ اس ادارے میں [illegible] (EGO) [illegible]

اور اس کی [illegible] انسانی حیثیت [illegible]

بہت انہماک سے کام کیا۔ اس کے [illegible]

بہت مشکل مرحلہ ہے۔ ڈاکٹر لاکاں نے (EGO) کی [illegible]

اور اسے [illegible] اپنی تمام [illegible]

[illegible] فرائیڈ نے انسانی سائیکی کے بارے میں بھی [illegible]

وہ ہیجان انگیز ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے [illegible]
والے خطوط نے اس کی حیثیت پر سوالیہ نشان لگا دیا۔ خصوصاً [illegible]
کے بارے میں فرائیڈ کوئی واضح نتیجہ سامنے نہیں لا سکا۔ اس کا نتیجہ یہ [illegible]
میں [illegible] ہو جاتا ہے۔ [illegible] اس کی [illegible] کے [illegible]
پیش [illegible]۔ ژاک لاکاں کے انداز فکر کے بارے میں [illegible]

"One Freudian theorist to whom such feminists have had recourse for this purpose in the French psychoanalyst Jacques Lacan. It is not that Lacan is a pro feminist thinker, on the contrary his attitudes to the women's movement are in the main arrogant and contemptuous. But Lacan's work in a strikingly original attempt to rewrite Freudianism in ways relevent to all those concerned with the question of human subject, its place in society and above all its relationship to language (1)

ژاک لاکاں کے تنقیدی مقالات ۱۹۶۶ء کتابی صورت میں منظر عام پر آئے
ان میں ژاک لاکاں نے متنوع امور پر [illegible] کی ہے۔ [illegible]
پر اس نے بہت [illegible] بحث کی ہے۔ معاشرے اور لسانی [illegible] کے بارے میں [illegible]
کے خیالات [illegible] کے [illegible]۔ ژاک لاکاں کے تحقیقی [illegible]
انکشافات کے ساتھ ہی اس کا [illegible] کے [illegible]

Scanned by CamScanner

میں ہونے لگے۔ ژاک لاکاں نے ساختیات اور پس ساختیات کے ماحول میں اپنے پائیدار اور منفرد موقف اور جدت اظہار کی دھاک بٹھا دی۔ وہ سب سے زیادہ لاشعور کا مطالعہ پیش کرتا۔ اس کا پسندیدہ موضوع رہا۔ اس کا خیال تھا کہ فطرت نے لاشعور کے تصور کی تعبیر کی ہے۔ فطرت کو اپنے زیر کرنے کی مہم مسائل سے تعلق ہوں۔ لاکاں ہمارا تصور انسانی بنتا ہے۔

ژاک لاکاں کے تصورات نے فرائیڈ کے نظریات سے وابستہ سمجھے جانے والے علوم کو حقیقت پسندانہ انداز میں دیکھتے ہوئے ان تمام بنیادی نکات کو سمجھنے کی راہ دکھائی اور فرائیڈ کی تھیوری کے بجائے ایک بالکل نیا انداز فکر پیش کیا۔ اس نے انا (EGO) کے سب سے زیادہ اہم خود حیثیت کو مسترد کر دیا۔ ژاک لاکاں کے نزدیک انا (EGO) تو محض ایک ذہنی حیثیت حاصل ہے۔ تشبیہ اور کنایات کے حوالے سے ژاک لاکاں نے نہایت منفرد اور معنویاتی طرز اور جدت فکر سے آشنا کیا۔ اس نے اپنے اسلوب میں لاشعور کو ہے زبانی ہیئت کا حامل قرار دیا۔ انسانی لاشعور جب انسانی عمل سے الگ ہو کر نئی زبان کے ساتھ منسلک ہو جاتا ہے تو کئی معانی کا مظہر بن جاتا ہے۔ ٹیری ایگلٹن نے ژاک لاکاں کے بارے میں لکھا ہے:

"It was this which moved the French Psychoanalyst Jacques Lacan to comment that ' the unconscious' is rather poor in techniques for representing what it has to say, being largely confined to visual images and so must often craftily translate a verbal significance into a visual one."(2)

لاشعور اور زبان کا انصرام جب فکر و خیال کے وسیلے سے زبان کے نظام تک

Scanned by CamScanner

[illegible]

'Jacques Lacan radically reinterpreted Freud in the light of linguistics and anthropology His 'Ecrits'(1966) are extraordinarily elusive and dense at first reading.'(3)

Scanned by CamScanner

[illegible]

[illegible] (Deconstruction) تشکیل [illegible]

[illegible]

دریدا نے خوابوں کے بارے میں بھی اپنا نقطہ نظر واضح کر دیا ہے۔ جہاں تک خوابوں کا تعلق ہے دریدا نے خوابوں کے بارے میں [illegible] فرائیڈ کا خیال تھا کہ [illegible] خواہشات اور مختلف [illegible] سے تعلق رکھتے ہیں۔ خوابوں کے [illegible] ماضی کے حالات، واقعات اور [illegible] کے بارے میں معلومات [illegible] فرائیڈ کا خیال تھا کہ انسان کی [illegible] خوابوں [illegible] ہیں۔ دریدا نے خوابوں کے حوالے سے [illegible] (TEXTUAL THEORY) پیش کیا۔ اس نے اس بات پر [illegible]

اپنی قوت سے مفاہیم و مطالب کو ایک ایسے پیکر میں ڈھال دیتا ہے جس کی تعبیر ضروری ہوتی ہے۔ خواب ایک پیچیدہ فکری کیفیت کے مظہر ہوتے ہیں۔ خواب لاشعور کی بھول بھلیوں اور گرہوں سے عبارت ہیں۔ ان کی گرہ کشائی ... سے خوابوں کی گرہ کشائی کے لیے لسانیاتی اور استعاراتی ... جو معنی خیز ہیں۔ فرائیڈ کے انداز فکر کے بارے میں ژاک لاکاں نے لکھا ہے

"Freud shows us in every possible way that the image's value as signifier has nothing whatever to do with what is signifies giving as an example. Egyption hieroglyphics in which it would be sheer buffoncly to pretend that in a given text that the frequency of a valture which is an alephor a chick which is van and which indicate a form of the verb to be as plural, prove that the text has anything at all to do with these orinthological specimens "(4)

لاشعور کے بارے میں ژاک لاکاں کے نظریات نے جدید تنقید کو نئی جہت عطا کی ہے۔ اب جس طرح اشیا اور عوامل کی معنی خیزی سے تعبیر کیا جاتا ہے اس میں بھی خواب کا عمل دخل بہت گہرا نظر آتا ہے۔ خوابوں کی خیال آرائیوں اور دھوکے کے بارے میں غالب نے کہا تھا

ہوں دام گاہ ... سے یک خواب خوش ولے

غالب یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں

Scanned by CamScanner

بغل میں غیر کی آج آپ سوتے ہیں کہیں ورنہ
سبب کیا خواب میں آ کر تبسم ہائے پنہاں کا

ژاک لاکاں نے تحلیل نفسی کو جو صورت خوابوں کے حوالے سے ماشاء اللہ کی وضاحت کی ہے دراصل اس کا تعلق لاشعوری محرکات سے ہے۔ لاشعور سے قریب وہ سب ورثہ میں جو ژاک لاکاں نے سائنسی انداز فکر کو بروئے کار لاتے ہوئے جانچنے کی کوشش کی ہے۔

ژاک لاکاں نے جس ساختیاتی فکر کو فروغ دیا اس میں ذہن کے عدم استحکام میں مرکزیت ہے۔ اس کا خیال تھا کہ انا (EGO) خودی کے ادراک سے عبارت ہے اور اس میں غیری اہمیت حاصل ہے۔ اس کے سوتے سماجی ترتیب سے جڑے ہیں اور اس کا اظہار بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ اس کا ثقافتی نظام سے انحراف بھی پیدا ہوتا ہے۔ انا (EGO) کے موضوع پر ژاک لاکاں کے خیالات اس کی ہمہ گیر فکر اور انفرادیت کی دلیل ہیں۔ اس نے انا کو ایک ایسے خیال افروز مرحلے سے تعبیر کیا ہے جس میں خودی کا تشخص ہے۔ اسے وہ MIRROR STAGE سے تعبیر کرتا ہے۔ جو تحلیل نفسی کے موضوع پر لکھا ہے

"According to the psychoanalytic account of transference and countertransference, the structures of unconscious are revealed not by the interpretive statements of analyst's metalinguistic discourse but by effects perceived in the roles analysts find themselves playings in their encounters with the patients discourse " (5)

[illegible] (UNIFIED SELF) [illegible] ۔ بقول غالب

محرم نہیں ہے تو ہی نوا ہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا
رنگِ شکستہ صبحِ بہارِ نظارہ ہے
یہ وقت ہے شگفتنِ گل ہائے ناز کا

حوالہ جات

1. Terry Eagleton: Literary Theory, Minnesota State U.S.A 1998, page 142
2. Ibid, page 137
3. Catherine Belsey: Poststructuralism, Oxford University Press London, 2002, page 62
4. David Lodge: Modern Criticism and Theory, Pearson Education Singapore, 2003, page 73
5. Jonathan Culler: On Deconstruction, Routledge London, 1994, page 271

پاؤلو کوئیلو: مغربی کیمیاگر

The popular best seller novel "Al-Chemist" has enjoyed great popularity in Pakistan and because of Al-Chemist his other books have found favour with the Pakistani readers. And the trend is promote mystical ideas in the west for revival of spiritual values. A general review of the author's book is part of the article

---

۱۹۹۳ء میں "الکیمسٹ" کے انگریزی ترجمے کی اشاعت میں، برازیل کا یہ ناول ایک ادبی واقعے کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔ اس ناول کی اشاعت نے برازیل سے تعلق رکھنے والے ایک گمنام ناول نگار کو شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیا۔ "الکیمسٹ" کی اب تک ۶۵ ملین سے زیادہ کاپیاں فروخت ہو چکی ہیں اور اس کا ترجمہ تقریباً دنیا کی چھپن زبانوں میں ہو چکا ہے۔ "الکیمسٹ" سے پہلے پاؤلو کوئیلو کی ایک کتاب (The Pilgrimage 1987ء) شائع ہو چکی تھی۔ جس پر عام قارئین اور عام آپ جیسے مصنف کے لیے کوئی خاص توجہ حاصل نہ ہوئی تھی۔ اس کا ناول "الکیمسٹ" تب سے اب تک پاؤلو کے گیارہ ناول، مضامین کے تین مجموعے، کہانیوں کے مجموعے، بچوں کے لیے کہانیاں اور آرٹ پر ایک کتاب شائع ہو چکی ہیں۔ پاؤلو کوئیلو کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے اب انہیں کئی زبانوں میں وسیع حلقہ رکھتی ہیں۔ اب پاؤلو کو ساری دنیا میں لاطینی امریکہ کے نمائندہ اہم ناول نگار کے طور پر پڑھا جاتا ہے

اور اس کا اثر بھی بڑی گہرائی اور تیزی کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ اسی لیے وہ کتابوں کے حوالے سے بھی پاؤلو
اپنی سرزمین میں ملک سے زیادہ مقبول ہے۔ پاؤلو کوہلو کے ناول "الکیمسٹ" کے ترجمے
زبانوں میں ہو چکے ہیں اور پاکستان میں اس کے ناولوں کے جعلی ایڈیشن شائع ہو چکے
ہیں جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ہمارے ملک میں بھی زیادہ پڑھے جانے والے
جدید مغربی تخلیق کاروں میں شمار ہوتا ہے۔

پاؤلو کوہلو برازیل کے شہر Rio de Janeiro میں 1947ء میں پیدا ہوا۔ مصنف کی
حیثیت سے اپنی شناخت ہونے سے پہلے اس نے تھیٹر ڈائریکٹر، ایکٹر، نغمہ نگار اور صحافی
کے طور پر بھی کام کیا۔ اس سے بھی پہلے وہ اپنی جوانی میں ہپی تحریک میں بھی
شامل رہا جو نوجوانوں میں حریت اور انسانیت پسندی کے افکار اس کے اندر ابھر کے جو
جوہر آگے چل کر اس کے ناولوں میں ایک انوکھی فضا کی تشکیل کرنے والے بنیادی
عناصر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پاؤلو میں ادب سے دلچسپی ابتدا سے موجود تھی۔ اس کا کہنا
ہوتا ہے کہ زندگی کے ابتدائی برسوں میں اس نے اپنے لیے مصنف کا پیشہ اختیار کرنا
سوچا مگر والدہ کے منع کرنے پر اس نے Law School میں داخلہ لیا تھا۔ بعد ازاں
سب کچھ چھوڑ کر ہپیوں میں شامل ہوا۔ لاطینی امریکہ، شمالی افریقہ، فرانس اور ہسپانیہ کی سیاحت
کے بعد جب وہ واپس برازیل آیا تو وہ ایک بدلا ہوا فرد تھا۔ اپنی اس سیاحت کے دوران
اس نے تجربے باطنی تبدیلیوں سے روشناس ہوا۔ مشرقی مذہب کا مطالعہ کیا۔ ایک نو
بختگی کے بعد پھر اپنی مذہبی شناخت بدل گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کا ایمان اس بات
پر پختہ ہو گیا کہ دنیا کے تمام مذاہب اپنے اندر سچائی رکھتے ہیں اور انسان کسی بھی مذہب
سے وہ نجات پا سکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ انسان اپنے ساتھ مخلص ہو اور دنیاداری
دکھاوے کے معاملات میں نہ پڑے۔ یہاں پاؤلو کوہلو عہد جدید میں مذہب
(Thealogy) روایت پسند (Tradnoalist) مسلک کے بہت قریب آ جاتا ہے

Scanned by CamScanner

روحانیت پر یقین رکھتے ہیں اور اس بات کو مانتے ہیں کہ آپ کسی بھی مختلف مذہب پر چلتے ہوئے دنیا اور آخرت میں فلاح پا جائیں گے۔

بیسویں صدی کے آخر میں مغرب کا انسان اپنی بے عقیدگی سے اتنا ہی تنگ آ چکا تھا جتنا کبھی وہ عقیدے سے تنگ تھا۔ گزشتہ دہائی تین سو سال کے مغربی ادب میں آپ کو خال خال ایسے لکھنے والے ملیں گے جو بلند آواز میں اپنے مذہبی ہونے کا اقرار کریں اور اس کے باوجود خواص و عوام میں ان کی مقبولیت روز افزوں ترقی کرے۔ کم از کم ہمارے عصر کے متعلق ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ کے بعد پاؤلو کوئلو دوسری مثال ہے۔ اس نے اپنے ناولوں میں جدید انسان کے ذہنی اور روحانی بحران کو موضوع بنایا ہے۔ وہ ہمیں بتاتا ہے کہ مادی ترقی کے باوجود انسان کے وجود میں ایک روحانی خلا باقی رہ جاتا ہے۔ زندگی میں سب کچھ مل جانے کے بعد ہی دراصل انسان اپنے روحانی وجود سے دوچار ہوتا ہے اور اپنی ہستی سے مکالمہ ہی انسان میں وہ تبدیلی پیدا کرتا ہے جو انسان کی قلب ماہیت کر سکتی ہے۔

پاؤلو کوئلو نے تین ناولوں کی سیریز (Trilogy) میں اپنی تخلیق کے بعض بنیادی سوالات کو تخلیقی انداز میں گرفت میں لیا ہے۔ اس سلسلے کا پہلا ناول (By the River Piedra I sat down And wept) ہے جو ۱۹۹۴ء میں چھپا۔ یہ ناول ایک نسوانی کردار کے گرد گھومتا ہے جو گیارہ سال کے وقفے کے بعد اپنے عہد شباب کے محبوب سے دوبارہ ملتی ہے اور اس کی جسمانی وجاہت اور روحانی استغراق سے بے انتہا متاثر ہوتی ہے۔ تب محبت کے ایک نئے سفر کا آغاز ہوتا ہے۔ فرانس میں دریائے (Piedra) کے کنارے یہ دونوں کردار زندگی کے بارے میں بعض انتہائی پیچیدہ سوالات پر غور کرتے ہیں خود اپنے تعلقات کے معنویت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس ناول کا بنیادی موضوع یہ ہے کہ محبت شخصیت کی تعمیر کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنتی بلکہ ایک قوت ہے جو محبت کرنے والوں کو خوابوں کی دنیا میں لے جاتی ہے۔ اس ناول میں دریا کی معنویت

لاحق ہے۔ اور یہ بیماری کی علامت ہے۔ اور یہ آخر میں خود کو مستند ہی قرار دیا ہے
اس ناول میں ایک نتیجہ پر ناول نگار کا پیغام یہ ہے کہ محبت کسی قسم سے قانون کی پابند نہیں
ہے۔ اس ناول میں یا تو وہ خدا کے نسائی روپ کو سامنے لا رہا ہے۔ یہ نسائی روپ
کے جذبے کی تجسیم ہے۔ محبت کی کئی سطحیں اس ناول میں موجود ہیں۔ شمس کی محبت
میں محبت کی پابندیاں اور اختیار بھی موجود ہیں۔ پابندیوں سے آزادی ہے اور یہ ایلا
نے (Ella) کو بے مقصد زندگی میں تبدیلی پر مجبور کر دیا ہے اور یہ محبت کی وہ شکل ہے
روحانی شکل میں ہوتی ہے اور جو آپ کے خوابوں کو تعبیر کرتی ہے۔

ناول میں دونوں کرداروں کے درمیان موجود جھگڑے کے ختم ہونے کے لیے ایک
دوسری صورت حال تخلیق کی گئی ہے۔ بعض اوقات میں جان بوجھ کر قانون توڑنے کا واقعہ
رونما ہو رہا ہے کہ محبت کے سامنے سرنگوں ہونے کے لیے کسی بھی طرح کے خوف
کو ترک کر دیا جائے اور محبت کرنے والوں کو تمام اصول و ضوابط کو پس پشت ڈال دینا چاہیے تاکہ
کی حقیقی صورت حال پیدا ہو گی تمام پابندیوں کو توڑتا ہے اور یہ محبت کے تجربے سے
آزادی کا اظہار ہے۔ یہاں بھی ناول نگار کے انداز میں وہ شعریت نظر آتی ہے جو اس
طرح کی صورت حال کو پڑھنے والوں کے لیے نہایت دلچسپ بنا دیتی ہے۔

محبت کا یہ تجربہ صرف جسمانی معاملات تک محدود نہیں بلکہ روحانی تجربہ بھی
رکھتا ہے۔ اس ناول کے آغاز میں یا تو وہ محبت اور روحانیت کے بارے میں اپنے تجربات
و خیال کا اظہار کرتا ہے جب وہ کہتا ہے کہ روایتی مذہبی رسومات کی حیثیت اپنی جگہ پر
درست مگر یہاں سب رسومات سے بالاتر ہے۔ یہ محبت کا کلی تجربہ ہے اور چونکہ محبت میں
کوئی اصول نہیں ہوتے۔ اس میں فیصلہ دل کرتا ہے اور صرف دل کا فیصلہ ہی حتمی
ہوتا ہے۔ یہاں ناول نگار محبت کے تجربے کو کسی ایک فرد تک محدود نہیں بلکہ اس کے خیال
میں ہم جتنے محبت کرتے جاتے ہیں ہمیں اتنی ہی خوشی حاصل ہوتی جاتی ہے اور یہ پیار کا

Scanned by CamScanner

چاہتی ہے۔ اس پہلو کو پانے کے لیے ہمیں روزمرہ کے محبت کے تجربے سے آگے جانا
پڑے گا۔ یہاں یہ سوال تو پوچھا ہی جا سکتا ہے کہ محبت اور جنس کے حوالے سے یہ
بنیادی اطلاقیات کے قریب غلط نظر ہے یا یہ ایک فرد کی ذاتی روحانیت کی پیداوار
کی ہے جسے روایتی مذہب کا لبادہ پہنایا جا رہا ہے۔

پاؤلو کوئیلو کا اس سلسلے کا دوسرا ناول (Veronike Decide to Die) ہے۔
ویرونیکا خوب صورت عورت ہے جس کے کئی ایک چاہنے والے ہیں۔ اس کے پاس اچھی
جاب، دولت اور عزت موجود ہے لیکن اس کے باوجود وہ خوش نہیں ہے۔ ایسے میں وہ خودکشی
کا فیصلہ کرتی ہے۔ وہ صرف فیصلہ کرتی ہے بلکہ اسے عملی جامہ بھی پہنا دیتی ہے۔ تب ایک
نیا مرحلہ آغاز ہوتا ہے جو موت کا عکس حیات کا مظہر ہے۔ ایسے میں خودکشی کی ناکامی اذیت
ظاہر کرتی ہے۔ ایک طرف زندگی کی موت اور ایک نئی طرز زندگی کا آغاز۔ Villeto کی
دنیا میں وہ محسوس کرتی ہے کہ وہ پہلے سے زیادہ جی رہی ہے۔ پہلے سے زیادہ اس کی
حیات متحرک ہیں۔ اب وہ اپنے ماضی کی زندگی کو زیادہ بہتر انداز میں جاننے لگی ہے۔
زندگی کی معنویت اب اس پر آشکار ہو رہی ہے۔ ان حالات میں نفرت، خوف، تجسس، محبت،
تنگ نظری جیسی چیزوں کے بارے میں ایسے پہلوؤں کو دریافت کرتی ہے جن کے بارے
میں پہلے اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ زندگی میں پہلی بار اسے حقیقی محبت کا تجربہ ہوتا ہے۔

"Veronike Decide to Die" میں پاؤلو کوئیلو تین بنیادی موضوعات کو اپنی
گرفت میں لینے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس میں پہلا موضوع (Conformity) دوسرا پاگل پن
(Madness) اور تیسرا موت (Death) کا ہے۔ یہ وہ موضوعات ہیں جو عہد قدیم سے
لکھنے والوں کو اپنی جانب متوجہ کرتے رہے ہیں۔ یہاں دلچسپ صورت حال یہ ہے کہ
عزت کی اس طلب کے دوران خودکشی کی ناکام کوشش کے بعد ایک طرح کے پاگل خانے (Villette)
میں ان موضوعات کو گہرائی میں محسوس کرتی ہے۔ جب اسے اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر اس کی

مرنے کی کوشش تو ناکام ہو جاتی ہے لیکن اس کوشش میں اس کے دل پر شدید اثرات مرتب ہوتے ہیں اور وہ چند روز کی مہمان ہے۔ یہاں ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ پاگل خانہ ایک طرح کا حفاظتی گھر ہے جو فرد کو خطرے سے بچاتا ہے اور خطرہ والی اور بیرونی دنیا سے الگ ہے جس میں فرد زندگی گزار رہا ہے۔ پاگل خانہ اپنے باسیوں کو وہ مخصوص ماحول مہیا کرتا ہے جس میں وہ اپنے پاگل پن کو کھل کر اظہار کر سکتے ہیں۔ یہ ناول انسان کو آمادہ کرتا ہے کہ وہ اپنے کے پاگل پن یا خبط (Obssession) سے کام لے۔ ناول رفتہ رفتہ اس موڑ میں داخل ہو جاتا ہے جہاں وہ خود کو کھوجنے کی طرف چل پڑتا ہے جس میں موت اور زندگی، مایوسی اور زندگی کے درمیان انتخاب کی خواہشات نمایاں ہیں۔

اس ناول میں پاؤلو کوئیلو نے انسان کی جنسی زندگی کے ایک پہلو کے تجربے کو تفصیل اور باریک بینی سے بیان کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ طرز بیان میں اتنی دلکشی اور رنگینی بھر دی گئی ہے کہ یہ تجربہ جنسی تجربے کی بجائے روحانی عمل معلوم ہوتا ہے۔ جنسی تجربے کے بیان کا یہ عمل اس کے اگلے ناولوں میں مختلف انداز میں جاری رہتا ہے اور وہ پاؤلو کوئیلو اور پڑھنے والوں کو متوجہ کرتا رہتا ہے۔

پاؤلو کوئیلو اپنے اس ناول میں بھی سادگی اور صلاحت کے ساتھ گہرے طنزیہ (ironic) انداز میں بات کرتا چلا جاتا ہے۔ نثر میں شعریت قاری کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے اور موت کی بے رحم زندگی سے شناسائی کراتی ہے۔ کوئیلو کا انداز سادہ، عام فہم اور پُر لطف ہے۔ وہ اپنے چھوٹے چھوٹے جملوں سے پڑھنے والوں کو خیالات اور تصورات کی اونچائی لے جاتا ہے۔

اس سیریز کا تیسرا ناول (The Devil and Miss Prym) ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا۔ اس ناول میں تین مرکزی کردار ہیں۔ لالچ اور خوف کی بنیادی ناول کہانی ہے جو اپنے تخلیقی وجدان کی صحبت سے لڑ رہا ہے اور خوشی کی متلاشی ایک خوب صورت

موت۔ یہ تینوں ایک دوسرے کے مقابل آتے ہیں اور زندگی، موت اور طاقت کے بارے میں سوالات اٹھاتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کو اپنے لیے راستے کا تعین کرنا ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کون نیکی کا انتخاب کرتا ہے اور کون بدی کا۔ ناول کے بیانیے کا آغاز ایک دور دراز گاؤں Viscos سے ہوتا ہے۔ جہاں ایک اجنبی ایک کاپی اور سونے کی گیارہ اینٹیں لیے داخل ہوتا ہے اس کے سامنے بنیادی سوال یہ ہے کہ انسان بنیادی طور پر خیر ہے یا شر۔ گاؤں کے لوگ اجنبی کا استقبال کرتے ہیں جنھیں یہ نہیں جانتے کہ وہ اپنے ساتھ ایک ایسی شے لایا ہے جو ان کی زندگیوں پر انمٹ نقوش چھوڑنے والا ہے۔ یہاں بھی ناول نگار اس جدوجہد کو تخلیقی اظہار کرتا دکھائی دیتا ہے جو خیر و شر کے حوالے سے ہر ذی نفس میں جاری رہتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ خیر و شر کی ازلی آویزش کو ہماری روز مرہ زندگی کی اس جدوجہد سے جوڑ دیتا ہے جو ہم اپنے خوابوں کی تعبیر پانے کے لیے کرتے ہیں۔ اس ناول کی فضا اپنے اندر شدید تناؤ رکھتی ہے۔ ایک ایسا تناؤ جو عبارت ہے کشمکش اور تصادم سے۔ اس ناول میں انسان اپنے اندر خود وارد کردہ ہونے والی کشمکش کا رقص پاتا ہے۔ پاؤلو کوئلو کا اسلوب، رواں اور شعریت سے بھرپور اسلوب اس تناؤ کو قابل برداشت بنانے میں مدد دیتا ہے جو موضوع کے حوالے سے پیدا ہوتا ہے۔

اس سیریز کے تینوں ناولوں میں کئی ایک باتیں مشترک ہیں۔ مثلاً زمانی اعتبار سے ساری کہانی سات دن کے دورانیے کو محیط ہے۔ عام آدمی کی زندگی سات دنوں میں کس طرح انقلابات سے دوچار ہوتی ہے۔ تینوں ناولوں میں مرکزی موضوعات محبت، موت اور طاقت ہیں۔ جب عام آدمی ان تینوں میں سے کسی ایک سے دوچار ہوتا ہے تو اس کی زندگی کیسے غیر متوقع موڑ لیتی ہے۔ اس بات کا نہایت فنکارانہ بیان ان ناولوں میں ملتا ہے۔ پاؤلو کوئلو خود کہتا ہے کہ اسے یقین ہے کہ افراد اور معاشروں کی زندگی میں نہایت بنیادی نوعیت کی تبدیلیاں مختصر وقت کے دورانیے میں رونما ہوتی ہیں۔

Scanned by CamScanner

آگے بڑھنے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی دو ناولوں (The Valkyries) اور (The Pilgrimage) کا ذکر کر دیا جائے جو پائلو کوئلو کی ابتدائی (Non Fiction) کی ذیل میں آتی ہیں اور ان میں کردار خود آپ بیتی کے انداز میں ایک دوسرے سے ملی جلی ہیں کہ ان کو ایک دوسرے سے جدا کرنا مشکل ہے۔

(The Pilgrimage) پائلو کی پہلی تصنیف ہے جس کا پہلا ترجمہ میں شائع ہوا۔ یہ دراصل مصنف کا ایک روحانی راستے پر سفر ہے جو صدیوں سے زائرین کی گزرگاہ رہی ہے۔ یہاں کو ہمیں قدیم روایات کا معاصر عہد میں احیاء نظر آتا ہے۔ یہ ایک ایسا سفر تھا جس نے پائلو کو ہمیشہ کے لیے تبدیل کر دیا اور اس نے زندگی میں نئی حقیقت کو جاننے کے گر سیکھے۔ اس کتاب کو دو حوالوں سے پائلو کے کام میں اہمیت حاصل ہے ایک تو یہ کہ اس کے بعد اس نے (The Alchemist) جیسا ناول تخلیق کیا۔ دوسرا اس کتاب میں ہمیں مصنف کے فلسفۂ زندگی سے شناسائی ہوتی ہے۔ اس کتاب کو بڑی حد تک روحانی کہانی اور بڑی حد تک ذات پر عبادت کی کتھا سے بھی موسوم کیا گیا ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ اس میں پائلو اپنے راہبر کے ساتھ سفر پر نکلتا ہے اور ایک روحانی تلوار کو تلاش کرتا ہے۔ یہ تلوار جو حالت خواب میں وہ ایک بار حاصل کر چکا ہے۔ بقول مصنف کے وہ اس کتاب میں اپنے تجربات کا اشتراک کرنا چاہتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے لیے مقاصد کا تعین کرتا ہے اور ان مقاصد کے حصول کے لیے تگ و دو بھی کرتا ہے۔ موت کے حوالے سے مصنف کے خیالات اپنے اندر ایک بے ساختگی کے باعث ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ انسان ہمیشہ اس بات کو خود سے بھی چھپانے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ ایک دن اس دنیا میں نہیں ہوگا۔ وہ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ موت ہی ہے جو ہمیں زندگی کی بہترین راہیں دکھاتی ہے۔ اس موضوع کو مصنف نے اپنے ناول Veronika

(Inside to Day) میں تخلیقی انداز میں پیش کیا ہے۔ پاؤلو کوئلہو کہتا ہے کہ انسان اندھیرے میں اترنے سے ڈرتا ہے۔ نامعلوم کا خوف اسے جکڑ دیتا ہے۔ اپنے اس خوف پر قابو پانے کے لیے وہ اس حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس دنیا میں اس کی زندگی کے دن گنے جا چکے ہیں۔ بقول مصنف لوگ نہیں جانتے کہ موت سے متعلق آگاہی انہیں ہمت دے اور سب پاس رہے گی۔ وہ اپنی روزمرہ کی چیزیں زیادہ بے خوفی سے کرنے لگیں گے کیونکہ اگر آپ موت سے آنکھیں چار کر لیں تو آپ کو کسی چیز کے کھونے کا ڈر نہیں رہتا۔ موت تو زندگی کی مستقل رفیق ہے اور یہ موت ہی ہے جو کسی انسان کی زندگی کو حقیقی معنی دیتی ہے۔

(The Valkyries) اپنی بیوی کے ساتھ پاؤلو کوئلہو کے چالیس دن پر محیط سفر کی روداد ہے جو (Mojave Desert) میں کیا گیا۔ بقول پاؤلو وہاں فرشتوں سے ملاقات کے لیے گئے تھے۔ اس کتاب میں مصنف نے ان ملاقات کا ذکر کیا ہے جس سے کوئی فرد اپنے معاملات سے وہ ان سے مدد چاہتا ہے۔ اس کے خیال میں ہمیں خود کو اس حالت میں قبول کر لینا چاہیے جس میں ہم ہیں اور یوں ہم خود کو بہت سی فرسٹریشن کرنے والی باتوں سے آزاد کر سکتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر ہم یہ سوچتے ہیں کہ ہم پہلے خود کو مکمل کریں گے اور پھر آغاز کریں گے تو ہم اپنے سفر کا آغاز بھی کر ہی نہیں سکتے۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ سفر ہی ہماری تکمیل کا ذریعہ ہے۔

ایلف اس کتاب میں پاؤلو کوئلہو ایک دلچسپ سوال اٹھاتا ہے کہ انسان اس چیز کو جو گزشتہ نسل سے اپنی نسل میں وہ آ رہا ہے جو اسے دنیا میں سب سے زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ اس کتاب میں ہمیں مصنف کی [illegible] ملتی ہے۔ اس میں انسان اپنی ذات پر شک اور خوف سے جنگ میں [illegible] دکھائی دیتا ہے اور [illegible] کے درمیان تعلق کو بھی جس کے اندر وہ ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش میں مصروف ہو گئے ہیں۔ مصنف کا اپنے سفر

کے دوران موٹر سائیکل سوار جنگجو خواتین سے ملاقات کرتا ہے۔ یہ ملاقات [illegible]
بڑی معنویت رکھتی ہے۔ چونکہ یہ سفر پاؤلو کو اپنے مرشد سے محبت [illegible]
اپنے اندر کی ان فرشتوں سے مل سکے اور اپنے تاریک ماضی [illegible]
میں ہمیں ایک مابعد الطبیعاتی ناول نظر آتی ہے جس میں مصنف اپنی ذات [illegible]
[illegible] سے [illegible] ہے۔ اس کتاب کا [illegible]
واضح کر دیا ہوتا ہے اور مستقبل پر پختہ یقین رکھتا ہے۔ [illegible]
کتاب میں اس نے اپنی زندگی کو بہت زیادہ [illegible] کر دیا ہے۔ اس کے خیال میں
ہیں" کوئی وجود اس دنیا میں قطعی نہیں۔ ہم سب سے [illegible]
تھیں ہم خدا کی رحمت پر یقین رکھتے ہیں تو ہم بھی [illegible]

مصنف پاؤلو کے ناولوں کی اشاعت کے دوران The Alchemist ایسا ناول
ہے جس نے ناول نگار کو بین الاقوامی شہرت دی اور آج بھی اس ناول کو پاؤلو کے ناولوں میں
مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ ۱۹۸۸ء میں اپنی اشاعت سے اب تک یہ [illegible] سب سے
زیادہ بکنے والا ناول ہے۔ جس کا بنیادی موضوع [illegible]
یہ The Pilgramage اور The Valkyries سے آگے کا ہے۔ اس ناول میں [illegible]
سے تعلق رکھنے والے ایک گڈریے Santiago کی [illegible] بیان کی گئی ہے۔ یہاں The
Pilgramage کے تحت سے [illegible] کی مطابقت [illegible] ہے۔ یہ [illegible] خواب میں ایک [illegible]
دیکھتا ہے اور [illegible] اس خزانے کی تلاش میں ایک نئے سفر پر نکلتا ہے۔ [illegible]
کہتا ہے کہ The Alchemist دراصل ایک قصہ ہے جو ہمیں اس [illegible] کے قریب
ہے کہ ہمیں خوابوں کی پیروی کرنا ہوتی ہے۔ پاؤلو کے خیال میں Santiago کا سفر
روحانی سفر ہے جس میں وہ مادی زندگی سے آگے کی حقیقتوں کو دریافت کرنے کی کوشش
کرتا ہے۔ ظاہری مادی اور روحانی دنیا میں جو دوئی نظر آتی ہے وہ ایک خاص [illegible]

ناول میں داخل ہوتی ہے۔ روحانی طور [illegible] ہے جس میں آدمی اپنے خوابوں [illegible]
زندگی کے مقصد سے [illegible] ہو جاتی ہے اور اگر آپ اپنے خوابوں کی جستجو [illegible]
کی کوشش کرتے [illegible] ساری کائنات [illegible] مدد کرتی ہے۔ ناول میں ایک
بادشاہ [illegible] کہتا ہے کہ "ایک فرد کی واحد اور اصلی [illegible] ہے کہ وہ اپنی منزل کا
حصول کرے [illegible] اور جب تم کسی چیز کو حاصل کرنے کی کوشش
کرتے ہو [illegible] تمہارے ساتھ اس کام میں شریک ہو جاتی ہے۔" [illegible]

[illegible] اس ناول کا [illegible] ہے۔

خواب دیکھنے کے بعد Santiago اپنی بھیڑیں فروخت کر کے [illegible]
Tangiers کے مقام کی طرف سفر کرتا ہے۔ راستے میں ایک [illegible] اس کی رقم چرا لیتا
ہے۔ اس کے بعد وہ ایک [illegible] کے پاس ملازمت کر لیتا ہے [illegible]
[illegible] یہاں ملازمت کے دوران اسے سفر کے لیے [illegible] رقم [illegible] مل جاتی ہے۔
سفر کے دوران Santiago کی ملاقات ایک انگریز سے ہوتی ہے جو کیمیا دان
[illegible] کے لیے [illegible] ہے جو آفاقی [illegible] اس انگریز کی [illegible]
[illegible] ہے [illegible] اس طرح کے [illegible] سفر کے دوران
Santiago محبت کے [illegible] ہے [illegible] طرح کے خطرات کا سامنا کر لے کے
بعد وہ اس مقام تک رسائی حاصل کرتا ہے جس کا مشاہدہ اس نے خواب میں کیا ہے تو اسے
معلوم ہوتا ہے کہ جس خزانے کی تلاش میں وہ یہاں تک آیا ہے وہ تو وہیں دفن ہے
جہاں سے اس نے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا۔

اس ناول کا اسلوب شاعرانہ ہے۔ [illegible] اور پلاٹ کی تشکیل میں
ناول کے روایتی تصور کی پیروی کی گئی ہے۔ اس ناول کے [illegible] کی تشکیل میں خواب،
علامتی اشارے، اس [illegible] کیفیت میں [illegible] ہیں۔ اس ناول میں [illegible] کی

ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی تقدیر کے تخلیقی اظہار اور اس حقیقت پر اصرار کرتا ہے کہ انسان کو اپنے خوابوں کی معنویت پر غور کرنا چاہیے اور اسے قبول کرنا چاہیے۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ (The Alchemist) ایک ایسا ناول ہے جو قاری قدم بہ قدم ساتھ رکھنے کے ساتھ ساتھ ہمیں اس بات پر بھی مائل کرتا ہے کہ ہمیں اپنے دل کی آواز پر چلتے ہوئے اپنی زندگی کے راستے کا انتخاب کرتے ہوئے اپنے خوابوں سے وابستہ رہنا چاہیے۔

اس ناول میں محبت اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔ انسان اگر چاہے تو سب کچھ کر سکتا ہے اور جب ہم کچھ کرنے کی ٹھان لیتے ہیں تو تمام کائنات اس کام میں ہمارے ساتھ شریک ہو جاتی ہے۔ "الکیمسٹ" کے یہ الفاظ ہیں جو وہ اس وقت کہتا ہے جب [illegible] کے روپ میں ناول میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسے ہم ناول کا مرکزی خیال قرار دے سکتے ہیں۔

الکیمسٹ اور اپنی دیگر تحریروں میں خوابوں کی معنویت پر بہت زیادہ اصرار کے پیچھے [illegible] کے اثرات دکھائی دیتے ہیں اور خاص طور پر اس کی (Tale of Two Deamers) کا واضح اثر (The Alchemist) پر دیکھا جا سکتا ہے۔

پاولو کوئلو نے اپنے ناولوں میں اس موضوع کو بھی تخلیقی اعتبار سے پیش کیا ہے کہ محبت اور عبادت کس طرح انسان کے اندر کی آگ کو بجھا دیتے ہیں۔ اپنے ناول The Fifth Mountain میں اس نے ایک عام سی بات کو نہایت دلچسپ اور پر اثر انداز میں پیش کیا ہے۔ اس کہانی کا منظر نامہ مشرق وسطیٰ کا ہے۔ ایلیا نامی (Elijah) نبی [illegible] زندگی کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد اپنے گھر واپسی کے [illegible] راستے میں [illegible] قصبے میں اس کی ملاقات نوجوان بیوہ اور اس کے بچے

[illegible] کی دنیا میں اپنی پاکیزگی [illegible]

[illegible] ایک ایسی صورت حال

[illegible] کا انتخاب [illegible]

[illegible] ۱۹۹۷ء میں [illegible]

[illegible] کے حوالے سے محقق

[illegible] ایک ذات محبت کی طاقت ہے جہاں محبت ہوتی

[illegible] ہے۔ یہ مفہوم آگے چل

[illegible] (Eleven Minutes) [illegible] میں ظاہر ہوتا ہے۔ جہاں

[illegible] ہوتی جا رہی ہے کیونکہ جنس اس کی توجہ

[illegible] اس کی ملاقات ایک پینٹر سے ہوتی ہے

[illegible] آگاہی کے اس سفر میں ماریا کو

[illegible] ایک مقدس جنسی عمل

[illegible] کا انتخاب کرتا ہے۔ اس ناول میں پاؤلو کوئیلو نے روحانیت اور

[illegible] کے حوالے

[illegible] کو کھو دیتے ہیں۔

ماریا ایک طوائف ہے۔ جس کی کہانی اس طرح بیان کی گئی ہے کہ اس کو جنسی

[illegible] پاؤلو نے خود لکھا ہے کہ اس نے اپنی اس کتاب

میں ان موضوعات کو چھونے کی کوشش کی ہے جو مشکل، کھردرے اور [illegible] چونکانے والے

[illegible] نے اس مضبوط اور جذبات سے بھرپور عورت کا کردار

[illegible] اپنی جانب متوجہ کر سکتی ہے کہ وہ اپنے بچپن میں

[illegible] جنسی تجربات ہوتے اور [illegible] سال کی عمر

Scanned by CamScanner

[illegible]

[illegible] (The Zahir) [illegible]

[illegible]

(The Zahir) [illegible]

[illegible] (Esther) [illegible]

[illegible] Veronika [illegible]

[illegible] (Mikhail) [illegible]

[illegible]

Scanned by CamScanner

[illegible]

[illegible] Esther [illegible]

[illegible] (Mahal) [illegible]

[illegible] Esther [illegible] (The Alchemist) [illegible] (The Zahir [illegible]

[illegible] کی روحانی زندگی [illegible]

[illegible]

[illegible] Commitment [illegible]

[illegible] "Die alive" [illegible]

[illegible] کی کتاب (Tale of warrier of light) [illegible]

[illegible] استعمال [illegible]

[illegible] کی مثال (Iskonos) [illegible]

[illegible] زندگی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] Archaic thoughts [illegible]

[illegible]

[illegible]

Scanned by CamScanner

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] (A tale of two roads) [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

Scanned by CamScanner

خودی کی وجودیاتی جہات

Human self is a dynamic entity and is enclosed between the transitory and the permanent conditions of existence. Individual self is a reality as per Descartes' dictum "I think therefore I am," which confirms another reality of I am-ness. The subjective reality has given rise to the objective reality of life. Self as an indicator of being unites two ontologies: the purely personal private phenomenological nature of self and the other objective, material, social, political, historical and cultural aspects of positivistic and scientific reality of things. The third ontology of self is linked with its transcendence from the material to the spiritual, the ultimate and pure superior ego of the creator. Self breaks its own barriers to come into contact with other selves and then goes beyond the other selves and the world, to the higher level of consciousness when it enters into the loving embrace of the Infinite, the Ultimate reality.

جدید فلسفے کے مطابق خودی کی حیثیت اور اس سے متعلق مسائل کا ایک مختصر
جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ ... اور جدید مفکروں نے اس موضوع کا جائزہ اور ...

[illegible] یہاں تک کہ [illegible] یہ خودی کی [illegible]
[illegible] خودی [illegible] ہے۔ [illegible] نے اس طرح
[illegible] خودی کے ساتھ ساتھ [illegible] ہے۔ اس نے [illegible]
[illegible] نہیں سکے۔ [illegible] کا [illegible] ہے [illegible]
[illegible] ہے کہ وہ ایک [illegible] دنیا کے [illegible] میں [illegible] ہے

خودی [illegible] ایک [illegible] ہے۔ اس نے [illegible] ایک [illegible]
[illegible] ہے۔ جس کے جب اسے اپنے ماحول سے [illegible] اور
[illegible] کر کے [illegible] ہے۔ [illegible] ہے کہ خودی کے [illegible]
[illegible] دوسرے انسانوں کے ساتھ [illegible] کے دوران اس کا ایک [illegible]
[illegible] ہو سکتا ہے۔ [illegible] ایک [illegible] کا نام [illegible] ہیں اور [illegible]
[illegible] سے ایک [illegible] اور [illegible] میں [illegible] ہو سکتے ہیں۔ یہاں بھی [illegible] ہے
کہ یہ ایک [illegible] ایک [illegible] مقام ہے اور [illegible] خودی کے مطالعہ [illegible]
[illegible] سے [illegible] ہیں۔ ہم [illegible] کہہ سکتے ہیں کہ خودی میں [illegible] اور
[illegible] ہیں [illegible] واضح ہیں تو [illegible] صاف دکھائی دیتے ہیں اور
[illegible] سے [illegible] یہ پہلو [illegible] موضوعی اور معروضی خودی کے دو واضح پہلوؤں کی طرف
اشارہ کرتے ہیں۔ اس سے [illegible] خودی کو سمجھنے کے لیے ان دو واضح [illegible] کا مطالعہ
کرنا ہوگا۔

خودی کے معروضی پہلو کو جاننے کے لیے ہم اسے سائنسی مطالعے کے لیے پیش
کر سکتے ہیں۔ یہ طریقہ کار ہر طرح سے خودی کے مطالعہ کے لیے ایک مشترک طریقہ
ہے جسے ہر شخص اپنا سکتا ہے۔ سال ۱۹۰۰ء میں [illegible] نے کہا کہ تمام انسان [illegible]
[illegible] محسوس کرتے ہیں کہ ہر ایک کی ایک خودی ہوتی ہے اور ہم میں سے ہر انسان
خودی سے [illegible] ہے۔ [illegible] کو شخصیت [illegible] کے فلسفہ کا نام دیا جا سکتا ہے جو کہ

[illegible]

خودی کی دوسری حقیقت کا تعلق انسان کے باطن سے ہے اور اس میں شامل [illegible]

ہے جس کی کوئی انتہا ہے۔ یہ قابل فہم ہے اس میں لاشعور بھی ہے اور یہ ارادہ کا
ہے اس خودی کی حقیقت کسی بھی قوت اور معروضی وجودیات سے مختلف ہے تو یہ
ہے اس خودی کی جذباتی کیفیات کا تعلق ایک دوسری وجودیات سے ہے جو
داخلی دنیا، قوت، ادراک اور جذباتی [illegible] سے ہے۔ اس قسم کی خودی کا وجود کامل سے
موضوعی ہے اور اس کا تعلق مشاہدہ حس سے ہے۔ اس طرح کی خودی کا وجود کامل سے بھی
کہا جاسکتا ہے یعنی "اپنی خودی کی پہچان" بالکل اس خودی کو بہت واضح طریقے سے قبل ان
ہے کیونکہ اس کا شعور داخلی تجربہ ہے اور ذات کے ادراک سے ہوتا ہے اور اس طرح خودی
کے ساتھ وجودیات کے درمیان ایک رشتہ قائم ہوتا ہے۔ یعنی شعور علاقی طور پر معروضی حقیقت
کو خود محسوس کرتا ہے یعنی تجربے کی بنیاد موضوعی اور داخلی حیثیت رکھتا ہے تو سوال پیدا ہوتا
ہے کہ یہ شعور کی کوئی پہچان ہے اور وہ تسلسل یا تواتر اس میں ہے یا نہیں۔ یہ شعور
تخلیقی ہے جو ہے [illegible] اور ماحول کے ذریعے انفرادیت کی تشکیل کا خواہاں ہوتا ہے
شعور (وجود) انسانی ذہن کو ایک حقیقت تسلیم کرتا ہے۔ شعور جس کی ساخت کا حصہ ہے
جس کو وقت یا ساخت کی حقیقت خود شعوری ذات کو بھی نہیں ہوتا اور جو ہماری ذات کے
تجربے کے مطابق یہ خودی کے ایک ایسے تاریک حصے سے تعلق رکھتا ہے جس سے خودی
بنتا ہے اور معروضی خودیوں سے بھی الگ ہے اور ان کے فہم کے دائرے سے باہر ہے
اسے شعور کا حصہ بننے کے لیے داخلی گہری سوچ تخلیق، وجدان اور ارادے کی ضرورت
ہوتی ہے۔ یہاں ہر پوشیدہ قوت کے دبے ہوئے عطیے اور باطنی رجحانات کو بیدار
کرنا ہے کہ ان کی مدد سے خودی کی ایک باقاعدہ تشکیل عمل میں آ جائے جو کامیاب
ہو اور باعث اطمینان ہو۔ انسان کے کارناموں اور کمالات کا انحصار اس امر پر ہے کہ اس
کی انفرادی خودی کے پیچھے ایک جذبہ ہو جس کی سمت مقرر ہو اسی لیے دیکھا گیا ہے کہ
جب ان میں جذبہ شدید ہو تو فنی علوم اور سائنس کے میدان میں عظیم لوگ اپنی اور تخلیق
کے لیے اپنے باطن میں گہرائی تک جاتے ہیں اور اپنی ذات کو پہچانتے ہیں۔ زندگی کے
مقصد تک رسائی حاصل کرتے ہیں اور اس طرح وہ ایک تخلیقی عمل کے ذریعے خودی

Scanned by CamScanner

طور پر اقبال کی شعور کی جانب غور کرتے نظر آتے ہیں وہ تقریباً سب سے مختلف پہلوؤں میں ہوا ہے۔ چنانچہ کلام میں اس مرکزی خودی دنیا کے حوالے سے یوں بیان کرتا ہے۔ "اس پہلو کی بیشتر خودی اختیاری کے ذریعے اپنے آپ کو استحکام حاصل کرتی ہے۔ اور یہی اپنے معاشرے اور اپنی روایت کے حوالے سے ایک پہچان ہوتی ہے۔ اس طرح میں اگر اپنی ذات یا معاشرتی شعور کی بات کی جائے تو آپ نے اسے سے لے کر ایک نئی شعوری کرتے ہوئے۔ اس لیے تاریخ سے گزرتے ہوئے انسان کو اس طرح کی خودی کی ایک آزادی کی طرح نظر آتے گی۔ اس طرح ایک فرد کے تشخصات اور اس کے علم و ادراک پیدا ہو کی حقیقت میں گرم ہوتے آتے ہیں۔"

اس طرح کلام میں تاریخی شعور کو دو طریقوں سے واضح کرتا ہے۔ وہ تاریخ کے حوالے سے پیدا شدہ شعور اور ادراک کا ذکر کرتا ہے اور دوسری طرف تاریخی شعور کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کئی جگہ پر فلسفہ اس طرح کے دوسرے پہلو کی وضاحت کرتا ہے کہ یہ سے خودی اور خارجی دنیا دو الگ الگ چیزیں نظر آتی ہیں اس کا دعویٰ ہے کہ حقیقت اصل میں ایک ہی ذات سے تشکیل نہیں پاتی بلکہ اس کا تعلق خودی اور خارجی دنیا کے درمیان باہمی عمل اور ربط سے ہوتا ہے اس طرح حقیقت ایک ساختہ حقیقت ہے اور تنہا وہ اس کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

جب خودی کا شعور اور پھیلاؤ واقع ہوتا ہے اس وقت تاریخی وقت کا احساس ہوتا ہے جس کے اندر خودی کا مقام اور تعین ہوتا ہے۔ خودی تاریخی وقت کے گھیرے کو نہیں توڑتی۔ اس لیے خودی کا پھیلاؤ لامحدود نہیں ہے۔ اسی لیے فلسفہ وجودیت پر یقین رکھنے والے اس خارجی تحریک کا ذکر کرتے ہوئے بہت محتاط نظر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ انبساط اور سمٹاؤ کے دو اصول بیان کرتے ہیں۔ جن کے ذریعے ایک خودی دوسری خودی سے وصال حاصل کرتی ہے اور اس عمل محبت، عشق کے قربانی اور ایثار جیسے جذبے اس تعلق میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ اس طرح خودی دو طرح کے عمل میں سے گزرتی ہے ایک

[illegible] کو محدود کرتا ہے تو وہ اس سے آزادی کی راہ [illegible]
جدائی کا تجربہ خودی کو [illegible] قوم اور [illegible] اس تمام [illegible]
اسے گھر، [illegible]
ہے اور پھر آخری مرحلے پر پوری انسانیت اور اس دنیا سے [illegible]
شعور کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس دوران باطنی دنیا کی [illegible]
[illegible] اور خارجی واجبات اور خارجی دنیا اور [illegible]
اس کا رابطہ قائم رہتا ہے اور وہ [illegible] اور انسان سے اپنے تعلق [illegible]
[illegible] خودی کو بھی قائم رکھتا ہے۔ [illegible]
[illegible] ہو جاتی ہے۔ [illegible]
[illegible] کرتے ہیں کہ آخری حقیقت روحانی ہے نہ کہ جسمانی۔ [illegible]
جیسے [illegible] حقیقت سمجھتے ہیں۔ [illegible]
[illegible] نہیں ہو سکتا وہ حقیقی نہیں ہو سکتا۔ اسی انداز میں شوپنہار نے [illegible]
کہا ہے۔ میرا خیال ہے اس کے بعد [illegible] اور کانٹ نے بھی خیال کی حقیقت [illegible]
[illegible] افلاطون کی خیالی دنیا کے وجود کے قائل ہیں اور اس دنیا کے متوازی ایک
دنیا کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں۔ وہ ایک مکمل اور بے داغ دنیا کو مانتے ہیں جہاں سے [illegible]
[illegible] آتی ہیں۔ یہ وہ [illegible] چاہتے ہیں جو ایک متوازن دنیا کے وجود کے قائل
ہیں۔ اسی طرح اقبال بھی خودی کے دو پہلوؤں کے وجود میں یقین رکھتے ہیں۔ ایک تو
محدود اور [illegible] خودی ہے جس پر تاریخ اثر انداز ہوتی ہے اور تاریخی وقت اس پر ایک
[illegible] میں اثر پذیر ہوتا ہے۔ اس سے بلند تر ایک اور خودی ہے جو اپنے وقت کے
[illegible] میں زندہ ہے اور اپنے اور دوسروں پر عائد پابندیوں اور شعوریت کی پابندیوں سے
آزاد ہے۔ یہ خودی دوسری خودی سے برتر ہے اور تاریخی وقت میں مقید خودی کی حفاظت
کرتی ہے۔ اقبال اس کو ایک قسم کی حیثیت دیتے ہیں۔ جس میں ماضی اور حال اور مستقبل
کے [illegible] موجود ہیں۔ یہ خودی ایک ہی قسمت میں [illegible] کے دائرے سے آگے نکل جاتی

Scanned by CamScanner

یہ وجود واحد کو اپنے آغوش میں لے لیتی ہے۔ لامحدود مطلق کی ذات ہے۔ اس طرح
خودی کی محدود ذات کا رشتہ جب اللہ تعالیٰ کی لامحدود ذات سے جڑ جاتا ہے تو اس کو اقبال انسان
کے وجود کا طبعیاتی سفر کی منزل سمجھتا ہے۔ وہ محدود ذات عقل و شعور کی پرواز کی بلندیوں
میں دم گھٹ کر اسے اپنی ذات کی طرف مائل پرواز دیکھنا چاہتا ہے۔ اور اسے اس
محدود پرواز کی تکمیل کرتا ہے۔ یعنی انسان اپنے خالق کی ذات پاکر اسے حاصل
کرے اور اس طرح اپنے خالق کی تخلیق کی عظمت میں اس کا وجود ضم ہو جائے۔

اس طرح معصومی اور ذہنی خودی سفر میں خودی کا پیچھا چھوڑ چکی ہے اور اپنے
وجود کی محدود ذات سے جو رشتہ ہوتا ہے اور تمام مراحل ایک ہی راستے میں طے کر چکی
ہے ان کو دیکھنے کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ خودی کی تین جہتیں ہیں الگ الگ واضح۔

ایک تو ذاتی اور معصومی خودی ہے جس کے ذریعے ہم خود کو پہچانتے ہیں
اور اسے آگاہی اور آشنائی کے لیے دھیان، فکر و تخیل، مشاہدہ، حس اور وجدان کی
ضرورت ہے جن کی مدد اور امداد سے اس خودی کے اندھیرے گوشے روشن ہو سکتے ہیں۔

دوسرے مرحلے میں ایک حقیقت جب دوسری حقیقتوں تک رسائی حاصل کرتی
ہے تو اس میں سماجی و باہم عمل، اور دوسرے تہذیبی عوامل شامل ہو جاتے ہیں۔ جن میں
ثقافت، سیاسیات، اقتصادیات اور تاریخ سب مل کر ایک معاشرتی اور سماجی شعور کو جنم
دیتے ہیں۔

اس کے بعد آخری مرحلے میں معاشرتی اور سماجی شعور ہمیں ایک کائناتی شعور کی
طرف لے جاتا ہے۔ سماجی اور طبعیاتی ماحول کے ذریعے ہمیں اپنے خالق کی حقیقت
کا احساس ہوتا ہے۔ ایک ہی ماورائی راستے میں تمام حقیقتوں کو پھلانگ کر ہم اپنی خودی
کو اپنی ذات اور کائنات سے جوڑ لیتے ہیں اور اس طرح آخری اور اعلیٰ حقیقت تک پہنچ
جاتے ہیں۔ منزل کو پالیتے ہیں اور آخری حقیقت تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

علامہ اقبال مقلد مولانا روم

Some people in Turkey have delightful way of establishing a connection between two great persons reaching across centuries. Maulana Jalaluddin Rumi is the great mentor of all time with the timeless wisdom permeating the great Masnavi and Allama Iqbal the acolyte and interpreter of the Maulana. The great connection between the Pir-e-Rumi and the Murid-e-Hindi is the subject of the study

----

[illegible]

[illegible]

یہی کہ وہ ایک ایسا شاعر ہے کہ خود سے [illegible] کو [illegible] اور خیال کو [illegible] بنا دیتا ہے

نیست پیغمبر ولی دارد کتاب (۲)

مثنوی کو فارسی زبان کی ہمہ گیر کتاب کہا جاتا ہے جس میں ہر قسم کے [illegible] ملتے ہیں اور [illegible] علم و معرفت اور روحانی اخلاقیات کا خزانہ موجود ہے۔ مولانا جامی نے اس کا مطالعہ کیا تو بے ساختہ بول اٹھے

مثنوی معنوی مولوی — ہست قرآن در زبان پہلوی

مثنوی کا مطالعہ [illegible] ہے کہ اس کی وسعت و گہرائی اور خوبیوں میں کوئی فرق نہیں آتا کہ گر مثنوی کا مطالعہ کرنے والے اس سے [illegible] نہیں ہوتے اور ہر ایک نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق جو چاہا لیا۔ اس میں [illegible] کہ مثنوی کی برکات و فیض سے جس قدر علامہ اقبال مستفیض ہوئے کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ مولانا خود اس مثنوی کے "دفتر اول" کے دیباچہ میں کہتے ہیں۔

"مثنوی روح کی جنت ہے جس کے آٹھ دروازے اور [illegible] ہیں۔ اس جنت سے ایک چشمہ پھوٹتا ہے جس کو [illegible] سلسبیل کہتے ہیں اور اہل مرتبہ اور صاحب کرامات کے [illegible] اور [illegible] ہے۔ ایک قسم اس سے کھاتے پیتے ہیں اور آزاد خوشی اور مسرت حاصل کرتے ہیں۔" (۳)

بڑے بڑے علماء اور فضلا نے مثنوی کی شرحیں لکھیں مگر اس کی روح کو جس طرح علامہ نے اس کو محسوس کیا اور مولانا کے روحانی [illegible] کی حالت میں کہتے ہیں

پیر رومی خاک را اکسیر کرد — از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد (۴)

مثنوی کے مطالعہ کا ہی فیض ہے کہ علامہ نے مولانا کو اپنا روحانی مرشد تسلیم کر لیا اور ان سے معنوی تعلق قائم ہوا جس میں [illegible] کی مسافت کا کوئی [illegible] حائل نہ ہو سکا۔ [illegible] مثنوی کے مطالعہ سے بصیرت کی آنکھیں روشن ہو گئیں اور [illegible]

جن کو وہ دوسروں کی بصارت سے دیکھ پائے لیکن علامہ کے دل میں جو خلش تھی وہ یہی تھی کہ دوسرے بھی اس کو دیکھ پائیں گے

محروم تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے

دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے (۵)

علامہ اقبال کو دنیا کی مجبور، مقہور، مظلوم بالخصوص مسلمانوں سے گہری ہمدردی تھی۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ جلد از جلد اس غلامی سے نجات حاصل کریں اور آزادی کی ہوا میں سانس لے سکیں۔ وہ ہمیشہ اسی فکر میں مستغرق رہتے اور قوم کو بھی جگانے کی کوشش کرتے رہے کیونکہ

مجھ پہ کھلتا نہیں آتا ہے تو کاش (۶)

علامہ کہتے ہیں کہ ایک رات میں گریہ و زاری کرتے کرتے سو گیا۔ خواب میں مولانا روم تشریف لائے مجھے خاص شراب عشق کا گھونٹ پلایا اور پھر فرمایا "اٹھو اور اپنے قم سے زندوں کو مزید زندگی بخشو۔"

شب دل من مائل فریاد بود   خامشی از یا ربم آباد بود
شکوۂ آشوب غم دوران بدم   از تہی پیمانگی نالان بدم
روی خود بنمود پیر حق سرشت   کو بحرف پہلوی قرآن نوشت
گفت ای دیوانۂ ارباب عشق   جرعہ ای گیر از شراب ناب عشق
خیز و جان نو بدہ ہر زندہ را   از قم خود زندہ تر کن زندہ را (۷)

محکوموں اور مجبوروں کو نئی زندگی عطا کرنے کے لیے علامہ نے فلسفہ خودی پیش کیا۔ جس کا مقصد کمزوری کے شکنجے میں جکڑے ہوئے بے جان لوگوں میں زندگی کی نئی روح داخل کرنا تھا جو اپنی زندگی سے مایوس ہو چکے تھے اور غلامی کو اپنا مقدر جان بیٹھے تھے۔ اقبال کے فکر و خیال نے انہیں جینے کا حوصلہ دیا جس کی بنا پر غلامی کی مضبوط زنجیروں کو توڑ

یورپ نے ہمیشہ ان سے ناجائز فائدہ حاصل کر کے انہیں کمزور سے کمزور تر کیا ہے اور مغربی طاقتوں کے دست نگر بنا دیا ہے اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے بعد [illegible] کہ چھوٹی قوموں کے [illegible] کے علاوہ [illegible] اور [illegible] دنیا نے دیکھا کہ اقبال نے [illegible] اسلامی [illegible] دنیا پر اس کے اثرات مرتب ہوئے [illegible] ایشیا میں [illegible] "پاکستان" کا قیام اقبال ہی کے افکار کا مرہون منت ہے۔

مغرب کی جو حالت [illegible] سب سے بڑا المیہ ہے اقبال نے اپنے اشعار میں مغرب کی [illegible] مکاریوں اور چالبازیوں کا پردہ چاک کیا ہے اور مشرق کو خبردار رہنے کو کہا ہے:

آدمیت زار نالید از فرنگ　　زندگی ہنگامہ برچید از فرنگ
پس چہ باید کرد اے اقوام شرق　　باز روشن می شود ایام شرق
گرگی اندر پوستین برہ ای　　ہر زمان اندر کمین برہ ای
مشکلات حضرت انسان از وست　　آدمیت را غم پنہان ازوست
ای اسیر رنگ پاک از رنگ شو　　مومن خود کافر افرنگ شو (۸)

اقبال اس سے بخوبی آگاہ تھے کہ [illegible] قوم [illegible] اپنے مقصد کو نہیں پا سکتی۔ [illegible] انہوں نے سب سے زیادہ زور اتحاد و اتفاق پر دیا ہے:

[illegible]　　رابطہ صدق و صفا را کن بلند
[illegible] زندگی از قوت است　　قوت ملت از جمعیت است (۹)

آج کا مغرب [illegible] دیکھو کیا چال چل رہا ہے اور اپنی تمام تر توانائی اسلام اور مسلمانوں [illegible] جس کے لئے نئے نئے بہانے تراشے جا رہے ہیں [illegible] جائز قرار دیا جا رہا ہے۔ اقبال نے جس [illegible] یاد دلایا تھا آج پھر وہی کھیل کھیلا جا رہا ہے۔

Scanned by CamScanner

ہو گیا مانند آب ارزاں مسلماں کا لہو

مضطرب ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانائے راز (۱۰)

فرد ملت پر یہ احساس اور یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ قوموں میں اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کریں کیونکہ

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر

ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ (۱۱)

یہ ہر قسم کے فروعی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر دشمن کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائے۔

ہے زندہ فقط وحدت افکار سے ملت

وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد (۱۲)

بتان رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا

نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی (۱۳)

فرقہ بندی و تفریق قوموں کی بربادی کا سبب بنتا ہے۔ اس کی بدولت قومیں ترقی کے بجائے تنزلی میں چلی جاتی ہیں جہاں سے نکلنے میں صدیوں کی محنت درکار ہوتی ہے۔ قوم کی مضبوطی اور طاقت و قوت باہمی اتحاد اور یگانگت سے ہی ممکن ہے۔ بقول علامہ

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں

موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں (۱۴)

علامہ اقبال نے مذہب کو اتحاد کا سب سے اہم ستون قرار دیا ہے۔ وطن، زبان، رنگ، نسل کے باوجود مسلمانوں کو ایک لڑی میں پرویا ہے اور انہیں متحد و منظم کیا ہے۔ جبکہ اقوام مغرب کے اتحاد کا ذریعہ ملک و نسب ہے۔

ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار

قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

Scanned by CamScanner

دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں

اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی (۱۵)

ملت کی خامیوں کے باوجود علامہ اقبال مایوس نہیں ہیں مگر اس کی تربیت کے لیے ارادی قوت کی ضرورت ہے۔

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی (۱۶)

انہیں اپنی ملت پر کامل بھروسہ ہے۔ یقین ہے کہ ملت کے مقدر کا ستارہ ایک دن ضرور چمکے گا۔

کب ڈرا سکتے ہیں غم کے عارضی منظر مجھے

ہے بھروسا اپنی ملت کے مقدر پر مجھے (۱۷)

ضرورت اس امر کی ہے کہ حقیقت کا ادراک کرتے ہوئے اپنی صفوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کیا جائے۔ گروہی اختلافات سے قطع نظر حالیہ حالات و واقعات کے پیشِ نظر قومی اور ملی سطح پر اتحاد، یگانگت، اخوت اور یکجہتی کا مظاہرہ کیا جائے تاکہ اغیار کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دیا جائے۔ اسی میں اپنی سلامتی اور بقا مضمر ہے۔

پیدا ہے تمیزِ ملت، آگے سے قوموں کو

مرے ... کے دل میں کچھ ... بھی ہے (۱۸)

حوالہ جات

۱۔ کلیاتِ اقبال فارسی (جاوید نامہ)، ص ۳۹۷

۲۔ ایضاً (اسرارِ خودی)، ص ۸

Scanned by CamScanner

[illegible]

کتابیات

[illegible]

[illegible]

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

یاسر شبیر خان

علامہ اقبال کا غیر مطبوعہ خط

Iqbal's epistles are not only an interpretation of his age but also a reflection of Allama's intellectual growth. Almost all his letters have been published because each reflected a phase of his intellectual and artistic development. Now a few letters that escaped publication are now appearing from various sources. The letter now published is one written to Khwaja Taunsawi and is being discussed here.

علامہ اقبال کی کوئی بھی ایسی تخلیق، تحریر یا بیان ایسا ہو جو شاید چھپنے سے رہ گیا ہو تو جب اقبال کا کوئی ایک آدھ نادر و نایاب خط منظر عام پر آ ہی جاتا ہے، جو کسی مجلے و رسالے کی زینت بن جاتا ہے اور یوں مکاتیب اقبال کی دریافت کا دائرہ وقت کے ساتھ ساتھ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے اور جس سے اقبال کی فکری و شخصی حوالوں کو مزید وسعت مل رہی ہے۔ اقبال کے ایسے ان گنت غیر مطبوعہ خطوط جو مختلف ہاتھوں سے اخبار، رسائل اور مجلات میں چھپ کر محفوظ ہو گئے ہیں اور جو کسی کتاب کا حصہ نہیں بنے، انہیں یکجا کر کے ایک کتابی صورت دی جا سکتی ہے تاکہ ان کی قدر و قیمت بڑھ جائے اور یہ کہ محققین اقبال کی رسائی بھی ان تک آسان ہو جائے۔

علامہ اقبال نے اپنی فارسی شاعری کی طرح علمی، ادبی اور سیاسی خیالات کا

میں خطوط لکھے۔ ان میں مولوی صالح محمد صاحب (1871-1950)، مرزا سید نواز

علی تونسوی (1892-1960) حضرت خواجہ نظام الدین تونسوی (1909-1965) شاہ لطیف

(1894-1962) محمد رمضان عطائی (1896-1968)، علامہ عبدالرشید تبسم جلالپوری

(1909-1962)، اور میاں اللہ بخش شامل ہیں۔ اور ان کی کل تعداد ... مکاتیب کی

ہے۔ فرزندوں کے دریافت شدہ ان خطوط کی یہ تعداد حتمی نہیں ہے۔ ان میں ... کی

موجودگی ... ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین تونسوی، مولوی صالح محمد

مرزا سید نواز تونسوی اور شاہ لطیف محمد کے نام اقبال کے مزید خطوط کی دریافت بھی

ہو چکی ہے۔ مزید ... دیگر معروف و غیر معروف شخصیات کے

... کی ... ہے۔ ان شخصیات اور مکاتیب کا ... زمانہ ...

... میں چھپ گئے ہیں ان کی دریافت بھی ہو گئی ہے۔ جن میں سے ایک اہم

شخصیت حضرت خواجہ نظام الدین تونسوی کی ہے جو حضرت خواجہ شاہ سلیمان تونسوی

(1784-1850) کے خاندان ... کے چشم و چراغ تھے جو خود بھی اپنے وقت کے ولی

کامل، عالم دین اور صاحب دیوان شاعر تھے جو فارسی، عربی اور اردو ادب پر عالمانہ

نظر رکھتے ... کے ... سے جانے والے کلام پر ... اصلاح کرتے اور

... شعر ... تھے۔ ... خواجہ نظام الدین تونسوی کے والد

گرامی خواجہ محمود تونسوی (1884-1939) بھی عالم دین اور کامل عارف طریقت تھے۔

خواجہ صاحب نے ... کے ... حافظ عبدالرسول ... سے قرآن پاک پڑھا اور

... علامہ ... مولانا احمد ... صادق ... اور مولانا علی ... تونسوی سے

... سے ... میں علوم معقولیہ و منقولیہ سے فراغت پائی اپنے والد گرامی سے

بیعت ہوئے اور خلافت ... (1) علامہ اقبال کے ساتھ ان کا اخلاص

... علامہ اقبال کی رحلت تک قائم و دائم رہا۔ اقبال ان کے علاوہ کے

Scanned by CamScanner

ہی روحانی مرشد کے قائل تھے۔ اور محررہ 25 جولائی 1930ء کے خط میں فرماتے ہیں
کہ اسی قوم سے سلیمان تونسوی، شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی اور خواجہ فرید چاچڑاں
شریف والے اب اس زمانے میں بھی پیدا ہو سکتے ہیں اس کی روحانیت کا فقدان ابھی تو
نہیں ہوا"(۲)

علامہ اقبال نے خواجہ تونسوی کے پوتے سے بھی خط و کتابت رکھی۔ ان میں سے
صرف ایک خط راقم کو اپنی تحقیق کے دوران جناب الحاج ابوبکر صدیقی کے خاندانی نوادرات
میں سے دست یاب ہوا۔ جس کے قریبی خاندانی مراسم خواجگان تونسہ سے رہے
تھے۔ اس خط کے اسلوب سے ہی قاری کو معلومات ملتی ہے کہ علامہ کا یہ خط خواجہ تونسوی
کے بعد پیدا نہیں ہے بلکہ اس سے قبل بھی دونوں کے درمیان مراسلت کا سلسلہ تھا۔
خواجہ تونسوی کے دو عدد ایسے خطوط علامہ اقبال کے متعلق ہیں۔ یہ اہم خطوط
دونوں کے پاس ہیں۔ خواجہ تونسوی کی باقیات تک کوئی رسائی نہیں ہے۔ اس خط پر
تاریخ 18 جون 1938ء درج ہے۔ اقبال اس میں رقم طراز ہیں۔

"آپ کا نوازش نامہ بھی ملا ہے۔ جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔
میں خدا کے فضل و کرم سے تندرست ہوں، بہ نسبت سابقہ صحت نے
بہت ترقی کی ہے۔ آواز میں بھی فرق ہے۔ اخباروں نے میری
صحت کے متعلق بہت غلط خبریں چھاپیں۔ آپ کے تار کا جواب (میں)
نے بھوپال سے دے دیا تھا۔ امید ہے آپ کا مزاج بخیر و عافیت
ہوگا۔ زیادہ کیا عرض (کروں) سوائے اس کے کہ دعا فرمائیے۔"

دونوں کے قریبی تعلقات کا اندازہ اس خط کے متن سے ہی ہو جاتا ہے۔ اقبال
نے بھوپال میں جب قیام کیا تو جب بھی دونوں مراسلت کے ذریعے ایک دوسرے کے
معلومات و حالات سے آگاہ رہتے۔ حسب معمول اقبال نے یہ خط بھی قلم برداشتہ

Scanned by CamScanner

پھر جلسے کے بعد ملاقات نہ ہو سکنے کے باعث علامہ نے ''سمجھ'' اور ''گرہوں'' جیسا لفظ
بولا گیا جنہیں راقم نے مختلف لوگوں کے قول کے حوالے سے لکھا ہے جیسے۔

اقبال اور خواجہ تونسوی میں تعلق کی ابتدا لاہور میں ہوئی۔ ''۱۹۰۵ کی گرمیوں کا دور تھا۔ حضرت پیر ... لاہور ایک پاکیزہ اجتماع تھا علماء کے ... اہم قومی مسئلہ بتانے کے لیے جمع ہو رہے تھے۔ اسی دوران مظفر ... علامہ اقبال بھی تشریف لے آئے۔ یک بیک ان کی نظر ایک نوجوان پر پڑ گئی۔ بے ساختہ فرمایا یہ جوان اقبال تو بہت خوب صورت پر قربان ہو گئے۔ حسین صورت کا والی ہے ساتھ ہی دیکھو تو کیسی نورانی پیشانی ہے اور خیال کی حدت بھی ہے۔ ابھی سے یہ عالم ہے تو آگے کی کیفیت کیا ہو گی۔ مستقبل میں یہ شخص بہت بڑے روحانی مقام کے مالک ہوں گے'' (۳)

یہ عظیم المرتبت شخص خواجہ نظام الدین تونسوی تھے۔ اس موقع پر علامہ حسن نظامی بھی موجود تھے۔ مولانا ... محمد بخش صدر مدرس دارالعلوم ... قرآن شریف بیان کرتے۔ علامہ صاحب حضرت خواجہ صاحب سے بے حد عقیدت رکھتے تھے۔ حضرت خواجہ جب لاہور میں علامہ کے حضور جلوہ گر ہوتے، اطلاع ملتے ہی فوراً استقبال کے لیے گھر سے باہر تشریف لے آتے۔ در حقیقت ان حضرات کے موقف اور پروگرام میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ علامہ صاحب ملت اسلامیہ کی عظمت رفتہ کو واپس لانے کے لیے جہاد میں مصروف تھے اور حضرت خواجہ صاحب کی جدوجہد کا بھی یہی حال تھا۔ جس طرح وہ انگریز کو علامہ مسلمانوں کے لیے سم قاتل سمجھتے تھے، اسی طرح خواجہ صاحب کا وہی تصور تھا۔ آپ جمالی ... کو علامہ صاحب مرشد جانتے اور مانتے تھے۔ بالکل یہی نظریہ خواجہ صاحب کا ... بڑی ... کی بات ہے کہ وہ ستارہ مشرق کرنے پر طلوع ہوا اور یہ اہم طریقت کا ... ایک ہی وادی سے ابھرا۔ (۳)

علامہ اقبال سے ان کے قلبی روابط اہل علم سے مخفی نہیں۔ مولوی صاحب محمد صالح

Scanned by CamScanner

کے نام حضرت علامہ کے تحریر کیا تمام الفوظ کے مخاطب متعلق خواجہ نظام الدین تونسوی ارادت کی ہے۔ خواجہ صاحب علامہ اقبال کے ملی پروگرام کو عملی جامہ پہنانا چاہتے تھے مسلمانوں میں سیاسی حقوق، دینی و ملی تشخص کو بیدار کرنے کے لیے اقبال نے خواجہ تونسوی کو جدوجہد کرنے کا مشورہ دیا۔ مولوی صالح محمد صاحب کے نام اقبال ایک خط مورخہ ۲۰ مئی 1931ء میں بیان کرتے ہیں۔ "فی الحال یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ تونسہ شریف کے نوجوان ملک ایک جا جمع ہو کر مشورہ کریں کہ کس طرح اس سلطنت کی حفاظت کی جا سکتی ہے۔ جو ان کے بزرگوں کی کوششوں سے پھیلا پھولا تھا۔ اب جو کچھ ہو رہا ہے وہ ہندوستان صوبے سے ہی ہوگا۔ میں کے دل میں خدا نے احساس حفاظت ملی کا کر دیا ہے۔ خواجہ صاحب کی خدمت میں عرض کیجئے کہ وہ ایسے نوجوان جماعت تشکیل دے کر ایک جگہ جمع کریں۔ میں بھی وہاں حاضر ہو کر ان کی مشورت میں مدد دوں گا۔" (۵)

اسی طرح مولوی صاحب کے نام 27 جون 1931ء کے ایک اور خط میں تحریر کرتے ہیں "میں نے حضرت صاحب کو اس طرف توجہ کرنے کا قصد کیا تھا وہ محض اس کے ملی کی خاطر تھا۔ ورنہ نام و نمود کی خاطر۔ مجھ کو تو بندوں سے کچھ مطلب ہے نہ بزرگوں سے۔ خیال یہ تھا کہ شاید اسی طریق سے نوجوان صوفیہ میں کہ ان کے مقدر و اسلاف میں اسلام کی زندگی کا یہ جذبہ حرارت پیدا ہو جائے اور وہ اپنے فرائض کو بھی اس کام میں شریک ہو جائیں۔ خواجہ صاحب اگر اس تحریک میں شریک ہوں تو میرے خیال میں زوال سے ان کی سعادت ہے۔" (۶)

حضرت علامہ سلطنت اسلام کی ایک تنظیم کی بنیاد رکھنا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں انہیں ہندوستان کے اندر ایک مرد قابل حضرت تونسوی کی صورت میں نظر آیا۔ اقبال ہمیشہ باخصوص مسلمانوں کو انگریز غلامی سے نجات دلانے کے خواہاں تھے۔ وہ انکی مسلمانوں کے لیے ہم قوافل کھلتے تھے۔ انہوں نے انگریز کی غلامی سے ملنے کی آزادی

Scanned by CamScanner

[illegible] مولوی صاحب [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] اقبال [illegible]
[illegible]
[illegible]

اس کیفیت کی اطلاع انہوں نے مولوی صاحب کے نام ایک خط [illegible] کر دی تھی۔ خواجہ صاحب نے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] اقبال [illegible]
[illegible] اقبال کی وفات [illegible]
[illegible] خواجہ صاحب [illegible] اقبال کے حوالے سے [illegible]
[illegible] پوری طرح عیاں ہے۔

رشتۂ آدم خاکی کی ہے تجدید موت
زندگی فانی ہے اور ہے زندۂ جاوید موت
ظلمت شب میں مسافر کے لیے خورشید موت
کائنات دہر کے آرام کی [illegible] موت
موت ساز زندگی کا نغمۂ خاموش ہے
[illegible] ہے

دیدۂ عشق ہے ظاہر میں حقیقت میں نہیں
حادثہ غم پہ خاموشی مرا آئیں نہیں
گفتنی احوال جاں مضطر و غمگیں نہیں
اب کسی پہلو دل مجروح کو تسکیں نہیں
"عمر رفت و دامن از گلزار من نہ چیدہ رفت
اندکے بہ نشیں کہ بامے آرزو باریدہ رفت"

غرق خوں کر دے مجھے اے دیدۂ خونبار یار
کیف غم نے کھو دیا ہے زندگی کا اعتبار
ہر نفس سینے میں گویا ہے ایک تیغ آبدار
دامن صبر و طاقت ہو گیا ہے تار تار
ہو گیا ہے ترجمان ملت بیضا خموش
جس کے نغموں سے تھی یہ بزم جہاں حیرت فروش

کون چھیڑے گا محبت آفریں نغموں کا ساز
کون سمجھائے گا ہم کو فطرت عشق کا راز
گوش گلزار سے اب کس کی ہوں گی دل گداز
کس کے انداز تکلم پہ کرے گا دہر ناز
رحلت اقبال سے سارا جہاں ماتم میں ہے
یہ زمیں ماتم میں ہے یہ آسماں ماتم میں ہے

Scanned by CamScanner

حوالہ جات

۱۔ "علامہ اقبال اور اردو نعتیہ شاعری" [illegible] ملتان، 2001ء۔

۲۔ "اقبال نامہ" (حصہ دوم) شیخ عطاء اللہ [illegible] شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار لاہور، 1951ء۔

۳۔ [illegible] 1987ء۔

۴۔ [illegible] علامہ اقبال [illegible] 21 تا 30 اپریل 1988ء۔

۵۔ "اقبال نامہ" (حصہ دوم) شیخ عطاء اللہ [illegible] شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار لاہور، 1951ء۔

۶۔ "اقبال نامہ" ـــــــــ ایضاً ـــــــــ

۷۔ "علامہ اقبال اور اردو نعتیہ شاعری" [illegible] ملتان 2001ء۔

۸۔ "اقبال نامہ" (حصہ دوم) شیخ عطاء اللہ [illegible] شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار لاہور، 1951ء۔

۹۔ روزنامہ "احسان" لاہور [illegible] اقبال نمبر 21 اپریل 1938ء۔

کتابیات و ماخذات

۱۔ [illegible] اشاعت اول 1978ء۔

Scanned by CamScanner

۵۹۔ ''اشاریہ مکاتیب اقبال'' صابر کلوروی، اقبال اکادمی پاکستان، طبع اول 1984ء

۶۰۔ ''کلیاتِ مکاتیب اقبال'' (جلد اول) سید مظفر حسین برنی، (ترتیب) پبلشرز لاہور

۶۱۔ ''کلیاتِ مکاتیب اقبال'' (جلد دوم) سید مظفر حسین برنی، (ترتیب) پبلشرز لاہور

۶۲۔ ''انوارِ اقبال'' بشیر احمد ڈار، اقبال اکادمی پاکستان، طبع دوم 1977ء

۶۳۔ ''ڈیرہ غازی خان کے تذکرہ میں خود نوشت'' ناصر خان، بیکن ہاؤس ملتان، اشاعت اول 1998ء

۶۴۔ میر محمد علی بلوچ ایڈووکیٹ اور ذوالفقار علی رانا ایڈووکیٹ کا شکریہ جنہوں نے تونسہ شریف سے متعلق معلومات فراہم کیں۔

Scanned by CamScanner

نستعلیق بمقابلہ رومن اردو

This article is a comparative study of the Urdu and Roman alphabets, and of the voices generated by the combinations of consonants and vowels available in the two systems. Since Urdu vowels are supplemented by semi-vowels, known as dicritic signs, and since its consonants span European, Arabic, Iranian and Sub-Continental voices, the Urdu alphabet generates 27[illegible] basic voices against a meager 48 generated by the Roman alphabet.

[illegible]

بھی رہے ہیں کہ [illegible] وہ تو بچے ہو گئے ہیں۔ قائد اعظم محمد علی جناح کے بعد کوئی ایسا نہیں [illegible] کی [illegible] تھے اور جو ہم [illegible] کی کہانیوں میں اب تک [illegible] اور ان کا [illegible] تصوف تک [illegible] ہیں اور اکثر [illegible] سے [illegible] بے حقیقت [illegible] ہوتا ہے۔

مگر یہی [illegible] اردو [illegible] کے حروف تہجی صوتی علامتیں ہیں اور ان کے [illegible] کا اگر کوئی مطالعہ کیا جائے تو ان کا باہمی [illegible] آ سکتا ہے [illegible] کے [illegible] ہیں [illegible] ایک [illegible] واضح فوقیت حاصل ہے [illegible] خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

[illegible] حروف تہجی کی [illegible] آوازیں مختلف [illegible] میں مختلف [illegible] سے [illegible] ہیں [illegible] انھوں نے [illegible] تحقیق کی بنیاد پر [illegible] کے ساتھ اپنے معروضات بیان کرنے کی بھی کوشش کروں گا [illegible] سے اگر کوئی [illegible] ہو گیا ہو اس کی اصلاح بھی کر دیں۔

اردو میں الف، واو، یائے [illegible] ہائے مختفی، یائے معروف اور یائے مجہول کی [illegible] حروف علت کا کام کرتے ہیں۔ ان کی باہمی [illegible] میں [illegible] شامل [illegible] ہائے [illegible] ہائے مختفی کی آوازیں [illegible] ہیں۔ باقی چاروں حروف [illegible] کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ دو چشمی ہائے (ھ) کا اردو میں نہ تو بطور [illegible] استعمال ہے اور نہ بطور مختفی۔ یہ تو بعض (۱۸) حروف تہجی کے مرکب (ہکاری) کے [illegible] جاتی ہے اور یوں یہ (۱۸) [illegible] حروف مرکب حروف تہجی کے طور استعمال [illegible] ایک مکمل صوتی فرق کے ساتھ۔

[illegible] حروف تہجی [illegible] کی مثال [illegible] ہیں۔ [illegible] کی [illegible] تھی [illegible] ہیں۔ [illegible] اس کی واضح [illegible] ہیں۔ [illegible]

Scanned by CamScanner

علامت (متصل) دو حروف ادا ہوتی ہے اس لیے یہ اس کی چوتھی آواز ہے۔ جیسے [illegible]
آواز اس کی [illegible] ساکن معروف آواز ہے۔ جیسے [illegible] ہے۔ [illegible]
[illegible] آوازیں متحقق ہوتی ہیں۔ اردو حروف تہجی کی ترتیب میں ب سے [illegible]
(تہجی) اردو حروف تہجی ہیں۔ ہر ایک کی اس مناسبت سے [illegible] آواز [illegible]
[illegible] بھی [illegible] رکھتا ہے اور ان کی بھی پانچ [illegible] آوازیں ہیں۔

سب پہلے "ا" کو لیتے ہیں۔ اس کی متحرک الف کے [illegible] آوازیں [illegible]
آوازیں متحقق ہیں۔ عربی میں ہمزہ ساکن کی چوتھی آواز اردو میں مستعمل نہیں۔ [illegible]
جب ہمزہ [illegible] آتی ہے تو پیچھے سے آنے والی آواز کو ایک جھٹکے سے ادا [illegible] ہیں اور
اردو میں ہمزہ کی بجائے الف پڑھتے ہیں۔ [illegible]
[illegible] یہی اصول چلتا ہے۔

[illegible] میں الف بطور حرف صحیح تین مختلف آوازیں دیتا
ہے۔ عربی و اردو میں الف [illegible] بطور حرف مدہ استعمال ہوتا ہے یہ اس
کی چوتھی آواز ہے۔ [illegible] اس لیے اس کی کل چار آوازیں متحقق
ہوتی ہیں۔

[illegible] میں پہلا واؤ بطور حرف صحیح آتا ہے اور یہ چار
مختلف آوازیں ہیں۔ ان میں [illegible] میں پہلے واؤ کی آواز [illegible]
بطور حرف مدہ استعمال ہوتا ہے۔ حرف مدہ کے طور پر بھی واؤ کی طرح تین آوازیں ہیں
جن کے [illegible] کی مثالیں [illegible] ہیں۔ جب کسی لفظ میں واؤ [illegible] آئے
[illegible] ایک طرح آواز ہے۔ یہاں واؤ کی پانچ آوازیں متحقق ہوتی ہیں۔
[illegible] میں [illegible] کی چار آوازیں بطور حرف صحیح متحقق ہوتی
ہے۔ [illegible] کی ایک آواز بطور حرف مدہ آپ کو لفظ [illegible] میں ملتی ہے۔ [illegible]

حروف زیر اور پیش کی شکل لیتی ہے۔ الف ممدود اور اس شکل کے علاوہ [illegible]

[illegible] بھی ہوتی ہیں۔ واو کے مجہول کی [illegible] آوازیں [illegible] میں

[illegible] ہیں۔ [illegible] زیر، پیش کی شکل لیتی ہیں۔ اس طرح واو [illegible] کی

آوازیں مختلف ہوتی ہیں۔

اب ہونٹ، ہول، [illegible] اور [illegible] کو دیکھیں تو [illegible] کی چار آوازیں ہیں اور

[illegible] مسنون آواز ہے۔ [illegible] ہوتی [illegible] جہاں [illegible]

[illegible] ہے۔

[illegible] کی ایک آواز تو حروف متصل کے ساتھ آتی ہے۔ [illegible] ایک

[illegible] حروف تہجی کے ساتھ ایک الگ آواز دیتی ہے۔

اب ہم ان تمام آوازوں کا گوشوارہ مرتب کرتے ہیں

آوازیں	حروف تہجی
۱۵۵	ب سے ی تک ۳۱ حروف تہجی کی پانچ آوازیں فی حرف
۴	ی کی آوازیں
۴	الف کی آوازیں
۸	و کی آوازیں
۱۰	ہ کی آوازیں
۴	ے مخلوط کی آوازیں
۱	الف ممدود کی آواز
۱	ں کی آواز
۹۵	۱۹ اعراب حروف کی آوازیں بحساب ۵ فی حرف
۲۸۲	کل آوازیں

Scanned by CamScanner

[illegible] permutation [illegible]

[illegible]

[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
١	am, hat, bash, lax, tramp	(١)	A
٢	win, dark, palm	(٢)	
٣	all, aunt, art, answer	(٣)	
٤	eject, even, elect, eczema, engage	(٤)	E
٥	web, gest, mesh, neck, mend	(٥)	

Scanned by CamScanner

۲	her, pert, perth	(۲)
۳	be, she, me, key	(۳)
۴	if, is, inn, mid, dim, sim, fish	(۴)
۵	sir, dirt, birth, chirp	(۵)
۸	high, radii, sight, flight	(۶)
۹	odour, onus, oval, old, over	(۷)
۱۰	do, to, too	(۸)
۱۱	God, sob, con, pond, cork, chord	(۹)
۵	son, won, worth, worthy	(۱۰)
۱۳	lo, so, no, bow, row, mow, grow	(۱۱)
۴	women	(۱۲)
۱۴	up, udder, ulcer, uncle, under	(۱۳)
۵	cub, but, mum, curb, burst, lunch, slump	(۱۴)

Scanned by CamScanner

[illegible]

[illegible]	aid, fail, rain, claim, frail, chain	[illegible]	ai
[illegible]	gaol	[illegible]	ao
[illegible]	fraud, laugh, vault, taught, daughter, saunter	[illegible]	au
[illegible]	fee, weep, bleed, kneel, teeth, freeze	[illegible]	ee
[illegible]	dead, deaf, health	[illegible]	ea
[illegible]	feather, weapon, ready	[illegible]	[illegible]
[illegible]	peasant, measure	[illegible]	[illegible]
[illegible]	geography, geometry, geology, neon, deodorant	[illegible]	eo
[illegible]	leopard, jeopardise, georgette	[illegible]	[illegible]
[illegible]	people	[illegible]	[illegible]
[illegible]	bay, ray, say	[illegible]	ay
[illegible]	boy, joy, loyal	[illegible]	oy
[illegible]	ceil, seine, seize, heifer, sleight	[illegible]	ei
[illegible]	right, fright	[illegible]	[illegible]
[illegible]	height	[illegible]	[illegible]
[illegible]	vein, neigh	[illegible]	[illegible]

Scanned by CamScanner

[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	deify, atheist, heifer	(۳۵)	[illegible]
[illegible]	fat, planet, viand, sciatica	(۳۶)	[illegible]
[illegible]	giant, liable, triad, diagnosis, diarchy	(۳۷)	[illegible]
[illegible]	lie, vie, pied, piety, client	(۳۸)	[illegible]
[illegible]	brief, piece, shield	(۳۹)	[illegible]
[illegible]	friend	(۴۰)	[illegible]
[illegible]	pierce, siesta	(۴۱)	[illegible]
[illegible]	adieu	(۴۲)	[illegible]
[illegible]	loaf, coat, soak, soap, croak, hoarse, poach	(۴۳)	[illegible]
[illegible]	oil, toil, joint, poison, voice, spoil, choice	(۴۴)	[illegible]
[illegible]	book, good, crook, stood, look	(۴۵)	[illegible]
[illegible]	too, cool, hoof, goom, boot, stooge, boost, stoop	(۴۶)	[illegible]
[illegible]	out, rout, bound, mouse, foul, ground	(۴۷)	[illegible]
[illegible]	four, pour, soul, mould, dough, though	(۴۸)	[illegible]
[illegible]	our, hour, sour, honour	(۴۹)	[illegible]

Scanned by CamScanner

مثالیں	نمبر طریق اشتمالی	حروف
۱۰ you, youth, throught	(۵۰)	ou
۲ journey, journal, cought	(۵۱)	〃
۴ bow, sow, mow, mown	(۵۲)	ow
۱۴ cow, now, how, brown	(۵۳)	〃
۱۰ fruit, cruise, bruise	(۵۴)	ui
۲۹ fluid, ruin, sluice	(۵۵)	〃
۸ ice, nice, side, mike, alive, price, shine, dive	(۵۶)	i-e
۷ live, give, liver, driven	(۵۷)	〃
۱۲ lobe, ode, mole, home, bone, ore, note, dose	(۵۸)	o-e
۵ one, done, some, love, dove	(۵۹)	〃
۱۰ suite	(۶۰)	ui-e
۸ guide, quite	(۶۱)	〃
۹ tuition	(۶۲)	〃
۷ buist	(۶۳)	〃

[illegible] ۱۳

[illegible]

[illegible]

[illegible] women میں o سے i کی آواز

bang میں ۱۸ سے ا کی آواز۔

میرا ہرگز یہ دعویٰ نہیں ہے کہ میں نے تمام امکانات حاصل کر لئے ہیں لیکن کہنے کا مقصد یہ ہے کہ کوئی آواز رہ نہیں گئی۔ یوں ۶۱ حروف تہجی کی آوازوں کے علاوہ یہ ۲۸ آوازیں ملا کر کل ۸۹ آوازیں ہی اس زبان سے دستیاب ہیں۔

اردو کی مختلف ۸۹ آوازوں کو ان ۲۸ آوازوں سے کیسے ادا کیا جا سکے گا۔ یہ سوال ہے جسے وہی اہل علم حل کر سکتے ہیں جو اس غریب اردو زبان اور انگریزی سے واقف اور اردو کی جملہ اقدار کو رومن املاء سے بدلنے کے نہ صرف خواہشمند ہیں بلکہ رومن رسم الخط کے حق میں ووٹ دے کر بیٹھے ہیں۔ اس قوم پر اگر سب تعالیٰ رحم نہ فرمائے تو یہ سر منہ کے بل گرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اردو طباعت کی کمزوریوں کو ڈاکٹر احمد مرزا جمیل کی کاوشوں نے دور کیا اور ذریعہ ہی اس کے استعمال کے لیے اردو فونٹ (font) نہ ہونے کا روگ ختم ہو اور نوری نستعلیق کی شمولیت مسائل سے دور ہو گیا ہے یا ہوا چاہتا ہے۔ اس کے بعد OCR (Optical Character Reader کی تیاری کوئی ایسا مرحلہ نہیں جو جلد عبور نہ کیا جا سکے۔ یہ تمام مراحل طے ہونے کے بعد اردو نستعلیق کو رومن سے بدلنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی دولت کا مالک ہو کے "تو اپنے ہاتھ کے محل کو اجاڑ کر اس کے بدلے جھونپڑے کو بنا لے۔"

حروف تہجی کی تبدیلی کے علمی، تہذیبی، ثقافتی، دینی، سیاسی اور جغرافیائی اثرات مجھ سے بہت زیادہ عالم اور پڑھے لکھے اتنا کچھ لکھ چکے ہیں کہ شاید اس پر اضافہ تحصیل حاصل کے سوا کچھ نہیں۔

اردو اصوات بارے مختلف علماء نے بنیادی اصوات کی تعداد بھی حتمی طور پر بیان نہیں کی اور اشاروں میں ان کی تعداد تقریباً حروف تہجی کی تعداد کے لگ بھگ بتائی ہے۔ تا ہم کو اور وضاحت سے لکھنے کے لئے ضروری ہے کہ تعین تعداد سے قبل طریق تعین کا تفصیل سے وضاحت کر دی جائے۔

Scanned by CamScanner

حروف

نمبر شمار	کیفیت	بـ	پـ	تـ	ٹـ	[illegible]
۱	حرکت زبر	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۲	حرکت زیر	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۳	حرکت پیش	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۴	حرکت الف مدہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۵	حرکت واو مدہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۶	حرکت واو ملفوظ [illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	—	[illegible]
۷	حرکت واو مضموم	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۸	حرکت یائے معروف	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۹	حرکت یائے مجہول	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۱۰	حرکت یائے ملفوظ [illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۱۱	مجزوم	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۱۲	مجزوم ملفوظ [illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۱۳	مجزوم [illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۱۴	مجزوم مضموم	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۱۵	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۱۶	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۱۷	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۱۸	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

[illegible]

Scanned by CamScanner

مرکب، ۱۸۰ مختلف قسم کی آوازوں کو پیدا کر لیتا ہے۔ اس جدول میں ۸۰ کی بجائے ۹۸ جگہیں صرف یہ بتاتی ہیں کہ مثال دینے کے لیے الفاظ سے شناسائی نہیں ورنہ حروف اور اصوات میں آوازیں پیدا کرنے کی پوری اہلیت ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کئی حروف سے بننے والے الفاظ ان خالی جگہوں کو بھی پُر کر دیں۔

اصوات علت میں اگر ہم ہمزہ کی کارکردگی کو نظر انداز کر دیں کہ وہ الف حرکت کو زائل کر دیتا ہے اور ۱۰ ... کی کارکردگی بڑھا دیتی ہے۔ لہٰذا یہ کمی بیشی تقریباً ۱۰۰ آ جاتی ہے۔ ان ۳۹ خانوں کے علاوہ ۱۸ خالی خانے مقصود والے مرکب حروف تہجی بھی ہیں گویا ۳۹+۸۵ = ۱۲۴ حروف۔ یوں اصوات علت کی تعداد ۱۰۰ فی حرف کے حساب سے ۱۲۴۰۰ ہو جاتی ہے۔ ان کے علاوہ ۱۳ = ۱۲ کے تین طریقوں کے مطابق حروف اور مرکب حروف تہجی ۸۵ کے جوڑوں میں بھی اسی طرح تین تین آوازیں دیتے ہیں جن کی تعداد ۱۳۰۵۰ ہو جاتی ہے۔ گویا اردو حروف تہجی اور تمام علامات سے ۱۵۹۸۰ اصوات تشکیل پاتی ہیں۔

اب غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ ان ۱۵۹۸۰ آوازوں کی ادائیگی رومن حروف تہجی کیسے کریں گے۔ میری تحقیق کے مطابق وہ کل ۳۹ آوازیں پیدا کرتے ہیں اور وہ بھی ایسی بے قاعدگی کے ساتھ جیسے Vision (وژن) اور Pension (پنشن)، Wood (وُڈ)، Mood (مُوڈ)، Take (ٹیک) اور Steak (سٹیک) جس کی وجہ سے اردو سیکھنے والے کی ترقی، کسی سہولت، کسی واضح علمی، عملی یا ثقافتی فائدے کے بجائے ذہنی الجھن اور وحشت گردی کا نتیجہ۔ قرار دیا جائے گی۔ اگر سادہ سا ایک لفظ بھی لے لیں تو دیکھیے کہ یہ ماحول سے زیادہ پھلانگ لگانے والے الفاظ کی بناوٹ کیسے ہو سکتا ہے۔ کسی کو جہاز کے عرشے سے سمندر میں دھکیلا جائے تو کوئی اس سے پوچھنے کے لیے قریب ہوتا ہے کہ "صاحب! آپ کو دھکا کس نے دیا تھا"

Scanned by CamScanner

تو پہاڑی کی ہندکو سے گلی بھانگ کے ہوتے کے لیے سب لاحول عمل میں آیا

اور بلند و بالا چیلے (ماخوذ)۔

حوالہ جات

۱۔ آسان اردو قاعدہ و چند دعائیں از مولانا خواجہ غلام ربانی جمال، دارالشاعت الجمال راولپنڈی

جولائی ۲۰۰۶ء، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد

۲۔ بنیادی اردو صوتیات کا […] ۲۰۰۵ء، از خواجہ غلام ربانی جمال مطبوعہ […]

جون ۲۰۰۶ء، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد

۳۔ آسان انگریزی ریڈر، مولانا خواجہ غلام ربانی جمال، ۲۹ گلستان کالونی، نمبر ۲

پارک روڈ، راولپنڈی

۴۔ ایضاً، ص ۲۰

۵۔ علمی اردو لغت جامع مرتبہ وارث سرہندی ۲۰۰۳ء، علمی کتاب خانہ لاہور

Scanned by CamScanner

نیاز فتح پوری کی "مشکلات غالب"

It is one of the more significant works of this prolific writer. Like its topic it is not an easy book and there is a lot of room for correction, discussion of quite a few viewpoints and prejudices. All these have been considered with an open mind.

کراچی کے ایک سیمینار میں نیاز فتح پوری کی مشکلات غالب پر مقالہ پڑھا گیا تھا۔ والدہ مرحوم اردو ادب کی دنیا سے نیاز صاحب کی تصانیف کی تعریف میں سے پہلے تب مشکلات غالب کے قیمتی اوراق کا ورق ورق پڑھا تھا۔ میں نے بھی ... تب ... اس طرح میں نے غالب کے ... جو نیاز صاحب نے کی تھی۔ اس مطالعے سے ... محسوس ہوتے نظر آئے۔ بعض جگہ مطالب میں ... تھی ... کہ نیاز صاحب کی طرز فکر ہی سے شدید اختلاف تھا، چنانچہ ... مضمون میں ... نیاز ... کا اظہار کیا ہے کہ جہاں مجھے موصوف سے کسی قسم کا اختلاف تھا، وہ سب ایک عام قاری کی حیثیت سے۔ اس میں نہ کسی قسم کی عصبیت کا دخل ہے ... غالب فہمی کا۔ لیکن اردو ادب کے ایک عام طالب علم کی حیثیت سے ... کہ ... لائق ہے وہ کہہ رہا ہوں۔

ظلم ہے گر نہ دو سخن کی داد
... سے ... ہو گا

جانب سے خود ہی اپنے شعر کی تشریح کی ہے اور کہا ہے "اگر تیری لو بجھ جائے تو بھی
ایک دفعہ ہوتے کے اور تلوار کے زخم کی شدتیں سب ایک طاقت سا حاصل ہو جانے کے بعد
ہے۔ یہ تشنگی دل کی دوا کیا ہو جائے تو تشنگی دل سے تعلق اس الفاظ اور مرا سکتہ نکل گیا تو
صاحب نے اس شعر کی تشریح کرتے ہوئے تشنگی دل [illegible] یہ بات ہے کہ پیاسے شعر
میں سارا مضمون بندی و خیال آرائی اس لفظ کے اندر ہے۔ لیکن اس وضاحت سے
یہ شعر کی بہت فکر کر "میری تشنگی دل کو دوا ہے کہ تیغ بھی اس کے اندر سے پیاس بہت
رنگ [illegible] اور پیاس کو دل ہی میں چھوڑ گیا" ایک سادگی زبان والی اور شعر فہمی کے ساتھ
زیادتی کی ہے۔ میں کچھ نہیں سمجھ سکا کہ یہ جملہ کہ "تیغ بھی پیاسا تھا" کس طرف لکھا
ہے۔ میں یہ کہنے والا نہیں کہ [illegible] صاحب ان الفاظ کے معنی نہیں جانتے تھے۔ اور
میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ "پیاس بہت نہ نکلی" کا اور "اپنے ماحول ہی میں چھوڑ
گیا" کا جملہ [illegible] صاحب نے اس شعر میں کہاں سے داخل کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ
جملہ صرف یہ کہ [illegible] اس دوری کا جملہ ہے جو مومن کے شاگرد منتخب کی تھی
جملہ صرف اتنی ہے کہ محبوب کا تیر دل کے پار ہو گیا ہے۔

تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا
اڑنے سے پیشتر بھی مرا رنگ زرد تھا

اس شعر کی تشریح کرتے ہوئے بھی [illegible] صاحب نے ایک جملہ غیر ضروری لکھ دیا
ہے کہ "ہماری حیات میں مجھے کبھی خوشی حاصل نہ ہوئی"۔ اگرچہ رنگ کے زرد ہونے اور
زندگی میں کھٹکا ہونے سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے لیکن یہ غالب کے شعر کی تشریح نہیں
ہوگی۔ حقیقت شعر صرف اس قدر ہی ہے کہ ہمارا رنگ جوانی میں موت کے ڈر سے زرد تھا
تھا۔ مجھے تو ساری زندگی اپنی موت یاد رہی۔

ایک ایک قطرے کا مجھے دینا پڑا حساب
خونِ جگر ودیعتِ مژگانِ یار تھا

اس شعر کی تشریح [illegible] صاحب نے اس طرح کی ہے۔ "مجھے اپنا خونِ جگر صرف

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

غالب نے اپنی کمزوری کا اظہار کر کے نہ عشق میں اور نہ ہی واقعی زندگی میں دوئی
حیثیت کا احساس کروا دیا ہے۔ چنانچہ شعر سے غالب کے کلام کے بنیادی اوصاف کی طرف
اشارہ کرتے ہوئے ہم شاعری میں عشق کی روایات کو نظر رکھتے ہوئے کہتے ہیں وہ
بنیادی قرینہ معلوم ہوتی ہے کہ جہاں دماغ کے معنی میلان کے لئے جا گئے۔ یہی وجہ
ہے کہ شعر کا مفہوم زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی صرف محبوب کے وصال کی خواہش نہیں
بلکہ اس کا اظہار اس سے لطف حاصل کرتے رہنے کا ایک فن۔ لگتے یہ خواہش اور حسرت
زندگی ہو سکتی ہے۔ بے وفائی کی بھی ہو سکتی ہے اور وصل بھی کی کمی کا احساس بھی تھی۔

گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگیٔ جا کا

گہر میں محو ہوا اضطراب دریا کا

شاعر نے اس کا مفہوم یہ لیا ہے کہ میرے شوقِ محبت کی شدت و وسعت کا یہ
عالم ہے کہ دل جیسی چیز میں بھی (جو وسعت دو جہاں اپنے اندر رکھتا ہے) اتنی جگہ نہ
تھی کہ جتنا سے دل سے دور ہو رہے۔ گویا یوں لگتے کہ ایک اضطراب تھا دریا کا جو گہر کے
اندر ہو گیا۔ شاید یہی مطلب کر رہا ہو کہ غالب اپنے عشق میں وحشت میں چھوڑ
گئے۔ حقیقت میں کوئی دوسری حیثیت قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ چنانچہ ان کی یہی طرف
طبیعت کو جہاں ان کے شعر سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس بنیادی چیز کو آپ ذہن میں رکھیں تو
اس شعر کا مطلب بھی غالب کی کیفیات سے متعلق کہ ہر کسی وقت کس کے ساتھ موجود گا
کروانا ہے کہتے ہو گا۔ یہ وجہ اس سے کہ سمندر کا اضطراب (یعنی دریا)۔ گر آپ
آپ کو یہ بات معلومات کو نظر میں رکھیں اور ایک گہر میں سما جاتا ہے لیکن یہ بے
شوق کی وہ کیفیت ہے کہ دل میں بھی اس کو تنگی محسوس ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر میرے شوق
کی شدت و وسعت اضطراب سمندر سے بھی زیادہ ہے۔

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے

دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

غالب صاحب کہتے ہیں کہ ہمیں گھر کی ویرانی سے گھبرا کر صحرا گیا۔ لیکن وہاں بھی وہی

Scanned by CamScanner

[illegible] نے اس طرح ادا کیا ہے۔

[illegible]

[illegible]

نہ چھوڑی حضرت یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی

سفیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر

غالب نے اس شعر [illegible] تصورات سے کام لے کر [illegible] حضرت یعقوب [illegible] "وابیضت عیناہ من الحزن" [illegible] حضرت یعقوب کی آنکھیں غم کے سبب سفید ہو گئیں۔

[illegible] حضرت [illegible]

[illegible] زباں پاے الل ہے

[illegible] ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے [illegible] زبان مراد ہو گی۔ [illegible] جب لوگ میرا حال پوچھنے [illegible] معلوم ہے [illegible] کا کوئی محل نہیں ہے۔

[illegible] "زباں پاے الل" [illegible] صاحب کہتے ہیں [illegible] کوئی محل نہیں ہے۔

Scanned by CamScanner

اس شعر پر کافی غور کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یوسف سلیم چشتی نے اس کی جو شرح لکھی ہے وہ بہت مناسب معلوم ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ [illegible] عملی زندگی کی بنیادی باتوں کو روایتی [illegible] کہتے ہیں لیکن [illegible] اس روایتی [illegible] سے واضح ہیں [illegible] مطلب یہ ہوا کہ میں اپنی [illegible] سے [illegible] کو [illegible] کی [illegible] سے [illegible] کے [illegible] کا فقرہ ہے کہ اس کی (اعجاز کی) [illegible] کے [illegible] میں [illegible] ہیں۔

میں نے محسوس کیا کہ چشتی صاحب سے بھی یہاں پر ایک نکتہ نظر انداز ہو گیا ہے۔ [illegible] سے متعلق ہے جو غالب کی شاعری کا خاصہ ہے اور جس پر خود چشتی صاحب بہت زور دیتے ہیں۔ نکتہ یہ ہے کہ [illegible] وہ [illegible] ہے جس پر [illegible] صاحب [illegible] ہے اور [illegible] کتاب کی دنیا میں اس کا [illegible] سے [illegible] ہے۔ [illegible] اور اس [illegible] میں [illegible] مطابقت بھی ہے اور [illegible] سے متعلق [illegible] زبان بند ہونا اور زبان کھلنا جیسے محاوروں کے لئے بھی مشہور ہوتے ہیں۔

ہے ہے خدا نخواستہ وہ اور دشمنی
اے شوقِ منفعل یہ تجھے کیا خیال ہے

بیخود صاحب اس شعر کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دوسرے مصرع میں شوق منفعل [illegible] مخاطب ہے۔ اگر یہ ترکیب توصیفی ہو تو پہلا مصرع بے معنی سا ہو جاتا ہے۔ [illegible] جب شوق [illegible] محبوب کے خیال دشمنی پر منفعل ہے تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے کہ "ہے ہے خدا نخواستہ وہ اور دشمنی"۔ اس لئے اگر شوق اور منفعل دونوں کو الگ سمجھ کر منفعل کے بعد لفظ "ہو" محذوف تسلیم کر لیا جائے تو البتہ اپنی جگہ ٹھیک ہو [illegible] اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اے شوق تیرا خیال کہ محبوب تیرا دشمن ہے [illegible] ہے [illegible] تجھے منفعل ہونا چاہئے۔ [illegible] ہو سکتا ہے دوسرا مصرع یوں ہو

اے شوق منفعل ہو تجھے کیا خیال ہے

Scanned by CamScanner

یگانہ صاحب کی تشریح سے مجھے شدید اختلاف ہے مجھے شوقِ منفعل میں بھی کوئی
دلچسپی نظر نہیں آتی۔ اور شوقِ منفعل کے وہ معنی بھی نہ لئے جائیں جو انہوں نے لکھے ہیں تو یہ
بھی وضاحت طلب ہے۔ اور کس طرح پہلا مصرع ہے معنی نہیں ہوتا۔ یہ اشکال شوق تو ہے مگر
منفعل کی وجہ سے۔ مثلاً اگر میں کہوں کہ "اے ایمان منفعل تیرا کیا خیال ہے" تو اس کا کیا مطلب
ہے۔ یہ سوال پیدا کرے گا۔ اس میں مجھے تو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے اور کہنا چاہیے کہ وہ
گئی ہے۔ میرے خیال میں تو شوقِ منفعل اس لئے ہے کہ وہ اپنی شوقِ تمنا وغیرہ
وحشت کی وجہ سے ذاتِ محبوب کی خصوصیات اور پھر وقتی جذبات و کیفیات سے پیدا
ہے۔ اور یہ وحشت اور کسی اس میں آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ اشکال اس شوق کو
منفعل ہونے کی دلیل دوسری طرح کی تو ہو سکتا ہے۔ مگر یگانہ صاحب کی طرح نہیں کہ
پہلا مصرع بے معنی ہو جاتا ہے۔ دراصل وہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ غیر ضروری ہو جاتا
ہے اب کسی اور کی صورت میں نہیں ہوتا۔

عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی سہی

میری وحشت تری شہرت ہی سہی

اس شعر کے مفہوم میں کوئی اشکال نہیں لیکن یگانہ صاحب کہتے ہیں کہ دوسرے
مصرع میں ردیف کا استعمال ٹھیک نہیں ہوا۔ موقع "میری شہرت تو ہے" کہنے کا تھا نہ
کہ "شہرت ہی سہی"۔ بات تو یہ ٹھیک ہی لگتی ہے۔ غالب کے ہاں کئی جگہوں پر یہ
خصوصیت موجود ہے۔ مثلاً اس نے ایک شعر میں غالب کہتے ہیں کہ وہ اپنی حسرت لیے
ہوئے ہیں۔ اس میں بھی خلافِ محاورہ ہے مگر بتایا نہیں جاتا کیا چاہتا ہے۔ یا غالب کا
مشہور شعر ہے۔

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی

کچھ ہماری خبر نہیں آتی

یہاں لفظ "ہم" بھی خلافِ محاورہ ہے "جہاں" اپنی جگہ فصیح ہے۔ اسی طرح میری تحریر
میں شعر کا مفہوم بھی اسی طرح ہے۔

ترے خیال سے روح اہتزاز کرتی ہے
بہ جلوہ ریزی باد و بہ پرفشانی شمع

پہلے مصرع میں [illegible]

[illegible]

نظارہ کیا حریف ہو اس برق حسن کا
جوش بہار جلوہ کو جس کے نقاب ہے

[illegible]

اس چشم فسوں گر کا اگر پائے اشارہ
طوطی کی طرح آئینہ گفتار میں آوے

[illegible] طوطی کے سامنے آئینہ [illegible]

[illegible]

Scanned by CamScanner

One Parent Product

Scanned by CamScanner

تو کر نیاز صاحب بھی جرأت سے کام لے کر یہ کہہ دیتے کہ شعر سمجھ میں نہیں آیا۔ غالب کے ایک دو نہیں درجنوں اشعار ایسے ہیں جن کا مفہوم واضح نہیں ہوتا۔

غرض یہ چند اشعار تھے جن کی شرح میری نظر میں محل نظر ہے۔ بہت ممکن ہے جو مفاہیم میں نے بیان کیے ہیں ان سے بھی لوگوں کو اختلاف ہو کہ یہ قاری کا حق ہے۔ میں نے بھی اپنے اسی استحقاق کو استعمال کرتے ہوئے ہی یہ ساری باتیں کی ہیں۔ چنانچہ اس استحقاق کی حد میں مفہوم کے جو اختلافات میرے اور نیاز صاحب کے ہیں وہ اپنی اپنی جگہ قائم رہ سکتے ہیں لیکن مجھے خاص اعتراض ان معانی اور مفاہیم پر ہے کہ جو ایک غیر اور وارد حالی رویے کی بنا پر مسلط کر دیے جائیں جبکہ شعر کے الفاظ اور سیاق و سباق دونوں سے کسی طرح ان معانی کی علامت دکھائی نہ دے۔ چنانچہ اپنے طور پر میں نے غالب کی تفہیم کی کوشش کی ہے۔ نیاز صاحب کی شرح پر یہ تنقید ضرور ہے ان کی تنقیص ہرگز نہیں۔

Scanned by CamScanner

ڈاکٹر میاں مشتاق احمد

رشید حسن خاں کا تحقیقی طریقۂ کار

Rasheed Hasan Khan was the researcher of Urdu literature. His works are memorable and very different. He has a realistic approach and has implemented this approach in Urdu research very potentially. He has written many basic books and articles about Urdu Language, especially upon the use of Urdu letter, word and phrase. His books have achieved the authority level. He has edited many manuscripts of Urdu classics like "bagh o Bahaar", "Fasana-e-Ajaeb" and other. This article attempts an analytical study of his work.

[illegible] اردو تحقیق کی حیثیت سے عالمی قابلِ بحث ہے۔ اس لیے کہ اردو کے پاس
تحقیق و تنقید ایک مستقل عمل سے مگر زیادہ آگے نہیں بڑھ سکا۔ اردو دنیا میں ہر شعبہ کچھ عطا
[illegible] ہیں جنھوں نے واقعتاً اردو تحقیق میں عالمی معیاراتِ تحقیق کو مدِنظر
رکھا ہے مگر ایسے ناموں کی فہرست بہت طویل نہیں ہے۔ اردو تحقیق میں کچھ اصحاب کو
[illegible] زیادہ اہمیت [illegible] کے علمی تحقیق سے [illegible] حافظ محمود شیرانی
[illegible] مشرقی [illegible] نے [illegible] اردو تحقیق

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

[illegible] لیکن رشید حسن خاں کو [illegible]

[illegible] پڑھانے [illegible] اس طرح کی [illegible]

چھوٹے بچے پڑھانے کی خصوصی [illegible] خاص طور ان کی [illegible]

کرانے کے لیے [illegible] بچوں کے لیے [illegible]

کی قدر معتبر ہے [illegible] "املا اور تلفظ" [illegible]

[illegible] رشید حسن [illegible]

[illegible]

[illegible] رشید حسن خاں کی ہیں۔ خاں صاحب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] خاں صاحب [illegible]

[illegible] خاں صاحب

[illegible] خاں صاحب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] خاں صاحب کے [illegible]

[illegible]

انھوں نے [illegible] اس طرح [illegible] آج بھی [illegible]

[illegible]

صاحب [illegible]

[illegible]

رشید حسن خان کا اردو تحقیق میں خاص میدان تدوین متن ہے۔

[illegible] سے شائع ہونا شروع ہوئی ہے۔ اس سے پہلے بھی اس کی [illegible] "انتخاب"
ترتیب و تدوین جس طرح رشید حسن خان نے کی [illegible]
[illegible] کی روشنی میں تصنیف [illegible] کا اہتمام کیا۔ انھوں نے [illegible]
[illegible] متعلق حواشی لکھے۔ ان میں الفاظ [illegible]
اسی طرح "فسانۂ عجائب" کا متن [illegible]
[illegible] جس کے ساتھ فرہنگ، حواشی بھی دیے گئے ہیں۔ اس کام کے بارے
میں کہا جاتا ہے کہ

"[illegible] کتنی ہی کوشش کی جائے اس سے بہتر [illegible] (۱۳)"

شعری کلیات کے حوالے سے خان صاحب کے مرتب کردہ "انتخاب ناسخ" اور "انتخاب سودا" اردو تدوین کے مسائل کے لیے لکھے گئے ہیں۔ [illegible] "انتخاب ناسخ" کے مقدمے میں املا، زبان کے حوالے سے ناسخ کے متعلق [illegible] کی تفہیم کی گئی اور "کلیات ناسخ" [illegible] کیا گیا۔ "انتخاب سودا" [illegible] کے لیے مرتب کردہ نسخوں کی بنیاد پر ترتیب دیا گیا ہے۔ یوں [illegible] شعری روایت کو [illegible] زندگی [illegible] ہے۔ شعری انتخابات میں [illegible] اردو ادب کی [illegible] ہے۔ مثنویات کے حوالے سے خان صاحب کی دو مثنویاں "گلزار نسیم"، "سحر البیان" اور "مثنویات شوق" کی تدوین [illegible] ہے۔ ان کے آخری کاموں میں "[illegible]" کلیات کے حوالے سے [illegible] ہے۔

زبان کے مسائل، خاص طور پر خان صاحب کے زیر نظر رہے اور اس میدان میں [illegible] کے [illegible] اردو [illegible] تعلیم [illegible] کے [illegible] ہے

Scanned by CamScanner

انھوں نے اردو زبان کو تحقیق اور صحیح شکل و صورت میں زندہ رکھنے کی کامیاب جستجو کی ہے اور آنے والے زمانوں کے نہایت دقیق لسانی مسائل پر واضح اور قطعی نقطۂ نظر اختیار کرکے اردو کو بہت سی مشکلات سے محفوظ کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی کتب "اردو املا"، "اردو کیسے لکھیں" اور "زبان اور قواعد" اردو زبان کے آئین کا درجہ رکھتی ہیں۔ جن میں صحت املا اور املا کے مسائل پر بحث کی تفصیل ہے۔ املا کے قواعد دیے گئے ہیں۔ ضروری الفاظ کی فہرست ہے۔ اس میں خان صاحب نے اردو زبان کے تلفظ اور املا کی پہلی وضاحت کی ہے کہ کس طرح ایک آزاد اور خود مختار زبان کی حیثیت سے اردو نے فارسی اور عربی لفظوں کو تلفظ اور ہجے کے لحاظ سے اپنے سانچوں میں ڈھالا ہے؟

"تحقیقات تحقیق" میں سوا بات تدوین و تحقیق بیان کرکے آنے والے محققین کو روشنی دی گئی ہے اور اس ادارے کے اہم مسائل کا جائزہ لیا گیا ہے۔ "مرزا غالبیات" پر ان کا کام دیا ہے اردو تحقیق میں بہت کام کا حامل ہے۔ جبکہ "ادبی تحقیق مسائل و تجزیہ" ان کی ایسی کتاب ہے جس میں رشید حسن خان کی تحقیقی شخصیت نمایاں ہو گئی ہے۔ اس کتاب میں ان کو ایک زندہ اردو تحقیق اور ادبی متون کے بنیادی کام کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ظاہر ہے یہ نہایت مشکل مرحلہ ہے اور رشید حسن کے لیے کڑا امتحان بھی۔ اور میں سمجھتا ہوں رشید حسن ہی تھے جو اردو تحقیق کے لیے بھی وہ بہت مرحلے سے گزر کر مستقل مقام تک تھا۔ یہ اس میدان کی معروضیت، تجزیہ، بے باکی، بے تعصبی، جرأت اور بے باکی کا امتحان ہی نہیں تھا زندگی و موت کی جنگ بھی تھی۔ کیونکہ اس میں زیر بحث کتاب ایک ایسے صاحب نظر، متین اور ادب شناس ادیب کی تحقیق تھی، جو اردو تحقیق کی آبرو ہے۔ اردو زبان و ادب اس کا ممنون کرم ہے۔ ایسے کام کا تجزیہ و تحلیل اور وہ بھی ایسے تو ان کے ساتھ کہ تمام احترامات کے باوجود تمام پہلوؤں کو دیکھ کر اور دیانت داری سے زیر بحث لایا گیا۔ رشید حسن خان ہی کا نہیں بلکہ اردو تحقیق کا قد بھی بہت بلند کر دیا ہے۔ ہمارا اردو بنیادی سوال جس کی وجہ سے یہ تحریر ناگزیر ہو گئی تھی اپنا

Scanned by CamScanner

بہرصورت یہ قابلِ قدر عمل بھی ہے کہ اردو ادب کی تحقیق ابھی ابتدائی مراحل سے گزر رہی ہے [illegible] ہو چکی ہے اور ہم ابھی کلاس میں بیٹھے ہوئے ہیں [illegible] تحقیق سے [illegible] اردو تحقیق [illegible] ابھی [illegible] اور آگے [illegible] کہ اردو تحقیق ابھی [illegible] سے [illegible] کی ضرورت رہ گئی ہے۔

جالبی کا دوسرا قیمتی کام ہے ان کے ہاتھ سے ہوئے اصلی [illegible] تحقیق [illegible] "تاریخ ادب اردو" [illegible] خاں صاحب کی [illegible] سے [illegible] "تاریخ ادب اردو" کا مطالعہ [illegible] نظر میں لکھتے ہیں:

"جمیل جالبی کی مرتب کی ہوئی یہ تاریخ اردو ادب کی ارتقا کو [illegible] ہے۔۔۔ مؤلف نے محنت کی ہے۔" (۲)

انھوں نے جمیل جالبی کے تحقیقی شعور کی تعریف کی اور صحیح کہا ہے کہ [illegible] صورت سے [illegible] لیکن انھوں نے جالبی صاحب کے [illegible] ہونے والے [illegible] پر اعتراضات کیے۔ [illegible] نے خاں صاحب کی زندگی میں ان کے اعتراضات کا جواب [illegible] مگر انھوں نے [illegible] ان کی زندگی میں [illegible] رشید حسن خاں صاحب اردو تحقیق [illegible] ان کا کیا کام [illegible] ہے جو [illegible] کی طرف [illegible] ہوگا۔

رشید حسن خاں نے قدیم متون کو تدوینی اصول کی روشنی کے مطابق مرتب کیا اور [illegible] کے تحت حواشی، مقدمہ، فرہنگ، زبان، تصنیف، مصنف کے عہد کے متعلق ضروری معلومات [illegible] جیسے اہم امور کو ملحوظ رکھا۔ تدوین و تحقیق کا فرق یوں بتاتے ہیں:

"حقائق کی بازیافت، صحت کی جانچ، حقائق کی تحقیق اور ان سے

نزدیک امتزاج ادبی تحقیق کا مقصود ہے وہ ادا ہو جاتا ہے۔ تدوین یعنی تحقیق متن

کی تصحیح و ترتیب اس سے الگ چیز ہے جس کے اپنے مسائل و مطالبات

ہیں۔ تحقیق اور تدوین بجائے خود دو مستقل موضوعات ہیں۔ یہاں یہ ضرور

ہے کہ دونوں کی حدیں کہیں کہیں مل جاتی ہیں۔ تحقیق کا اطلاق ان دونوں پر

ہوتا بھی ہے مگر یہ ایک خاصا غلط بحث ہے" (۴)

تدوین کو انھوں نے تحقیق سمجھتے ہیں

"تدوین تحقیق سے آگے کی منزل ہے" (۵)

رشید حسن خان تحقیق و تدوین کا کام بڑے اہتمام سے ایک سوال اور عمل کی طرح

سے کرتے ہیں اور بعض امور کو تحقیق کے مترادف سمجھتے ہیں۔ وہ تحقیق میں امتزاج کو

بے جا ہیں اور جو ہوتے ہیں انھیں بھی وہ قبول نہیں کرتے۔ خارجی حقائق کے علاوہ

داخلی شواہد تحقیق میں بھی کوئی دلیل رکھتے ہیں۔ ان کا اسلوب خالصتاً تحقیقی ہے۔ ان کی

تحریر کی دقت زیادہ ہوتی ہے اور ذہنی ایمانداری کا عنصر بہت زیادہ۔ جب وہ کسی دوسرے

محقق کے کام پر تبصرہ کرتے ہیں تو ان کے یہاں طنز نمایاں ہوتا ہے لیکن جہاں تحقیقی تجزیہ

ہوتا ہے وہاں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ رشید حسن خاں کے نزدیک ادبی تحقیق سائنس کی طرح

غیر جذباتی معروضی ہوتی ہے۔ اس کا طریقہ کار سائنٹفک اور کم و بیش تجرباتی ہوتا ہے (۶)

خان صاحب کی تحقیق نگاری کا سب سے بڑا کارنامہ وہ اثر ہے جو ان کی شخصیت ہی کا

نتیجہ اور حسن کی وجہ سے اور سمجھنے کی روایت شروع ہوئی۔ انھوں نے تحقیق میں اصول پسندی کو

بنیادی اہمیت دی اور تحقیق کو آگے بڑھایا۔ یوں ایک مستقل مزاج اور حوصلہ مند اردو محقق

کی حیثیت سے منفرد مقام پایا۔

حوالہ جات

۱۔ گیان چند، تحقیق کا فن، طبع دوم، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۳ء، ص ۱۵۔

۲۔ رشید حسن خان، ادبی تحقیق مسائل و تجزیہ، الفیصل، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۲۹۹

۳۔ [illegible] کا تحقیقی طریقہ کار، تحقیق ادب، NUML، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء

۴۔ رشید حسن خان، ادبی تحقیق مسائل و تجزیہ، ص ۲۹۹

۵۔ ایضاً، ایضاً، ص ۴۷

۶۔ رشید حسن خان، مقالات تحقیق، ساہتیہ اکیڈمی، دہلی، ۱۹۹۳ء، ص ۵۲

Scanned by CamScanner

ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن

فنِ ترجمہ نگاری اور فارغ بخاری

Dr. Zia ur Rehman's thesis on Farigh Bukhari discusses the art of translation in general as well as the work of Farigh Bukhari in this context. His translations are a step towards the cognition of his truth and the identity of a creative work. Also his choice of work for translation reflects his catholic taste and inclination. He would reject any piece of writing that fails to meet his taste and choice. Farigh Bukhari applies his creative powers in translation and thus has enriched Urdu literature with work.

فارغ بخاری سرحد میں ترجمہ نگاری کے حوالے سے اپنی الگ پہچان رکھتے ہیں۔

بقول پروفیسر طاہر فاروقی

”سرحد میں ترجمہ نگاری کے فن سے فارغ روشناس ہوا تھا۔

بلکہ اس خطے میں وہی معتبر تھے۔“(1)

فارغ نے نہ صرف اس خطے کی جو بہ جو ہر گز ہیں ان کو بلند پایہ ترجمے کے قالب میں ڈھالا بلکہ ان کے ادبی احساسات کی رعایت اور نزاکت بھی نگاہ میں رکھی۔ فارغ بخاری نے ترجمہ نگاری کی آڑ میں جو کچھ کیا، ہے کا حق پورا نہیں کیا ہے بلکہ پوری جیلی کے

Scanned by CamScanner

ب۔ "۔۔۔سی ہوئی ترجمہ ہوئی نہیں تھی"۔ (ڈاکٹر سموئیل جانسن ۱۷۰۹ء صدی عیسوی)

ج۔ "ترجمے کی زبان تو اصل الفاظ کا عکس نہیں دیتی۔" (ٹی ایس ایلیٹ ۱۹۲۰ء)

د۔ "ترجمہ کرنا ایک گناہ ہے۔" (گراہٹ شاہ/ ہکسلے ۱۹۱۲ء)

ہ۔ "ترجمہ وہم ہے ایک سی پاؤں کو، جس کے بیچے میں حقیقت کے بعد معنی ترشی ہے۔"

و۔ "ترجمہ کو تحسین بنانے کی سعی ہے۔" (ڈیوڈ فراسٹ ۱۹۵۵ء)(۴)

ترجمہ نگاری کے سلسلے میں یہ آراء کسی اتفاقی حادثے کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ ان کے پس منظر میں وسیع تجربہ، عمیق مطالعے کی قندیلیں روشن ہوئی ہوں گی۔ تاہم حالی کا فکر میں ترجمہ کے پیچھے ہونے کی وجوہ میں جو محرکات ہیں ان کی منطقی توجیہ کرنے کی قوت رکھتے ہیں وہ بہر حال ترجمہ نگاری کی حد تک اپنی معقولیت کے باعث ایک خاص جذباتی عمل کی مظہر ہوتی ہیں۔ ان میں تصویر کا ایک رخ تو پوری تفصیلات کے ساتھ سامنے آتا ہے جب کہ دوسرے رخ کو تو قابل اعتناء ہی نہیں سمجھا گیا ہے۔ چنانچہ ضروری ہے کہ اس موضوع پر دوسروں کی آراء کو بھی بطور مثال پیش کیا جائے۔ جو زیادہ معقول، متوازن ہیں اور جن میں تصویر کے دونوں رخ بڑی حد تک نمایاں ہیں۔ مولانا حالی کی رائے ہے:

> "معلومات کے میدان میں پہلی منزل ترجمہ ہوتی ہے۔ اس لیے کہ جب قوم میں جودت اور اپج نہیں رہتی تو ظاہر ہے کہ اس کی تصانیف معمولی، ادھوری، کم سرمایہ اور ادنیٰ تصانیف اپنی زبان میں داخل ہو گئے جیسی ترجمے خیالات میں تغیر اور معلومات میں اضافہ کریں گے۔ جس کو وہ دیں گے اور قوم میں ایک ایسی حرکت پیدا کریں گے اور پھر یہی ترجمے تصانیف و تالیف کے جدید اسلوب اور آہنگ

Scanned by CamScanner

جاتی ہے۔ ایسے میں ترجمہ تصنیف سے زیادہ قابلِ قدر، زیادہ مفید اور زیادہ فیض رساں ہوتا ہے۔" (۳)

مولوی عبدالحق کہتے ہیں

"ترجمے سے زیادہ ... کی تعریف یہ ہے کہ کسی مصنف کے خیالات کو ادا کیا جائے، اپنی زبان کا لباس پہنا دیا جائے۔ اس کو اپنے الفاظ و محاورات کے سانچے میں ڈھالا جائے اور اپنی قوم کے سامنے اس انداز میں پیش کیا جائے کہ ترجمے اور تالیف میں کوئی فرق معلوم نہ ہو۔" (۶)

ڈاکٹر ... کہتے ہیں

"جس طرح بیج سے پودا اگتا ہے اسی طرح علوم سے علوم پیدا ہوتے ہیں۔ اگر دنیا کی تمام ترقی یافتہ زبانوں کو دیکھا جائے تو اس وجہ سے پتا چلے گا کہ ان کی نشوونما کے مختلف مرحلوں میں دوسری زبانوں کے تراجم کا بھی بڑا دخل رہا ہے۔" (۷)

ڈاکٹر ... حسین کے مطابق

"ترجمہ صرف اسی کا نام نہیں کہ اصل عبارت کا مفہوم دوسری زبان میں ادا کر دیا جائے۔ مفہوم تو صرف خیال کا بے کیف اور بے رنگ عکس ہوتا ہے۔ جو فلسفے کی میزان میں چاہے جو کچھ وزن رکھتا ہو ادب میں کوئی وزن نہیں رکھتا۔ ادبی قدر و قیمت ترجمے کو اس وقت حاصل ہوتی ہے۔ جب ایک زبان سے دوسری زبان میں مفہوم کے ساتھ وہ آب و رنگ، وہ چاشنی، وہ خوشبو، وہ حسن بھی آ جائے جو اصل عبارت میں موجود تھا۔" (۸)

Scanned by CamScanner

حالی قرآنی ادب کے ذیل میں

"ترجمہ علم الثقافت ہے کہ جب کوئی قوم علوم و فنون میں ترقی کا پہلا قدم اٹھاتی ہے تو سب سے پہلے غیر زبانوں کے تراجم سے اپنی زبان کا سرمایہ بڑھاتی ہے اور اپنے علمی خزانوں کو معمور کرتی ہے۔ ترجمے کا مقصد محض مضامین و خیالات کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا نہیں، اصل بات تو ترجمے کے ذریعے ترقی یافتہ زبانوں کے اسالیب کو اپنی زبان میں لانے اور رواج دینے سے پیدا ہوتی ہے۔"(۹)

مذکورہ بالا اقتباس کی روشنی میں یہ بات ظاہر کی جا سکتی ہے کہ اگر ترجمہ تخلیق کی طرح سے صورت پذیر ہو تو اس سے ادب ہی نہیں بلکہ ادبیات کی نئی جہتیں اور راستے میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ معاشرہ اور ادب اس وسیلے سے اعلیٰ افکار کی وسعتوں سے بھی ہم آہنگ ہوتا ہے۔

جہاں تک فارغ بخاری کی ترجمہ نگاری کا تعلق ہے تو اس بات میں ان کی کامیابی کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ان کی وہ تخلیقی خصوصیات ہیں جن کے بطن میں حقیقت کے بعد [illegible] ہے۔ ان کے ترجمے کسی صورت نہیں بلکہ ان کی [illegible] پر استوار ہے۔ ان کے تراجم زبانوں کی بے اتفاقی کا شکار نہیں ہوئے اور نہ ہی انہوں نے ترجمے کو [illegible] روایت کا [illegible] بنایا۔ ان کے ہاں ترجمہ نگاری کا معاملہ محض [illegible] کی صورت نہیں بلکہ [illegible] کا وسیلہ ہے۔ فارغ بخاری نے جن زبانوں کے ادبیات کا ترجمہ کیا ہے وہ دراصل ان کی زندگی میں رچی بسی تھیں بلکہ ان کے [illegible] میں [illegible] کرتے ان کی شعری [illegible] تھی ہے۔ [illegible] کے [illegible] زبانیں [illegible] تھیں۔ اس لیے انہیں اس شعبے میں زیادہ دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ فارغ بخاری کو کامل شعور اور ترجمہ نگاری کے رموز و نکات سے مکمل واقفیت رکھتا تھا ان کے

Scanned by CamScanner

بھی ترجمہ کی سماجی علمی و تہذیبی قدر تھی کہ وہ اسے اپنے عہد کے ادبی مسائل کے حل
کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے تراجم اور حواشی نے عربی ادب اور فارسی
نئی تخلیقات سے ہم آہنگ ہو کر آفاقیت کا تصور ابھار دیا ہے۔

ترجمہ نگاری کے سلسلے میں فارغ بخاری نے مصری علوم سے بھی استفادہ کیا۔
ہر مسلم ترجمہ نگاری کے عمل نے ترجمے کے سلسلے میں ان کا ایک خاص نظریہ تشکیل
دیا تھا۔ جو ترجمہ کی بنیادی حد تک ان کی انفرادی امتیاز کی ترسیل
ضروری ہے چنانچہ ضروری خیال کیا جاتا ہے کہ ترجمے کے عمل کے بارے میں فارغ
بخاری کے تجربات کی بنا پر مشکلیں دور کی جائیں جو کہ ان کے تراجم کے بارے میں تحقیق کا
میدان فراہم ہو سکیں۔

فارغ بخاری ترجمے کے عمل کو عالم گیر انسانی اقدار اور انسانوں کی طرف
بڑھنے کا قدم تصور کرتے ہیں۔ یہ ان کے نزدیک ترجمہ زبان کی وسعت کا باعث بھی
بنتا ہے۔ اس طرح فارغ بخاری ترجمے کے عمل کو قومی اور بین الاقوامی سطح پر قبول کیے جانے
کا وسیلہ گردانتے ہیں۔ ان کے مطابق

> "دنیا کا وہ پہلا شخص جس نے ترجمہ کی طرف توجہ دی وہ سب سے
> بڑا انسانیت کا محسن تھا۔ تراجم نے کئی زبانوں کا تعارف
> کرایا۔ دشمنوں کو انسان دوستی پر مجبور کیا۔ اگر ترجمہ نہ ہوتا تو ہر شخص
> اپنے خول میں مقید رہتا۔ ترجمہ زبان و ادب میں اضافہ کرتا ہے۔
> خیالات آفرینی کے در وا کرتا ہے۔ اس آئینے میں انسان اپنے آپ کو
> بھی جانچ سکتا ہے کہ اپنے خدوخال کیسے نکلتے ہیں۔" (۱۰)

فارغ بخاری ترجمے کو آفاقی گیر وسعتوں کو حاصل کرنے کا ذریعہ بھی سمجھتے ہیں۔ اس کے ذریعے
ایک انسان دوسرے انسان سے اور ایک معاشرہ دوسرے معاشرے سے جڑ جاتا ہے۔ لیکن

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

وہی وسائل آزادی کے لیے بروئے کار لائے جاسکتے ہیں، ان سے متعلق

"ہمیں بعض جگہ آزادی سے کام لینا پڑا۔ لیکن اس سے مصنف

کی روح اور اصل [illegible] (۱۲)

[illegible]

"اس مجموعے میں جن کہانیوں کو درج کیا گیا ہے وہ سب کی سب اصل واقعات پر مبنی نہیں، بلکہ کہانی کے مواد میں داستانی عناصر کے علاوہ افسانوی زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ البتہ بعض مقامات ایسے بھی آگئے ہیں جہاں حقائق [illegible] کا نام دیا گیا ہے اگر اس میں رد و بدل کیا جائے تو شاید واقعیت کے ساتھ حقیقت نگاری کا خون ہو جاتا۔" (۱۳)

ترجمہ سازی کے لیے تاریخ نگاری کی آزادی [illegible] کی طرح ہے

[illegible] میں اقبال نے کیا ہے

Scanned by CamScanner

صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پابہ گل بھی ہے

وہ جبری آزادی جو تخلیق کی معنوی دنیا میں ہے جو انحراف کا باعث بھی بنتی ہے اور متن کا خون کرنے لگتی ہے کبھی کبھی ترجمہ نگار کے لیے وارث علوی ایسی آزادی کے حق میں نہیں ہے۔ وارث علوی ترجمہ نگار کے لیے کم سے کم وسیع سے وسیع تر الفاظ کے استعمال پر زور دیتے ہیں۔ الفاظ کی عدم کفایت شعاری وارث علوی کے نزدیک ترسیلی صورتحال کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔ موصوف چونکہ پیچیدہ، تجنیس، ابہام، پیچ دار اور ادق وغیرہ الفاظ اور ساختوں سے بھی ترجمے کو گراں بار بنانے کے حق میں نہیں ہیں۔ ان کے خیال میں ترجمے کو رواں دواں، عام فہم، زود اثر اور دلپذیر، جاذبیت کا حامل ہونا چاہیے۔

وارث علوی مشکل اور پیچیدہ عبارات کا ترجمہ بھی سلیس زبان میں کرنے کے حق میں ہیں۔ اسے وہ غیر ضروری خیال نہیں کرتے۔ کیونکہ اگر اصل عبارت میں یہ امکان نہیں ہے تو ترجمہ بھی چند حد تک اس ذمہ داری سے بری الذمہ سمجھتا ہے۔ وارث علوی دوسری زبانوں کی عبارت کو اردو میں منتقل کرتے ہوئے فقط ان اصطلاحات، تراکیب اور محاوروں تک محدود نہیں رہتے جو ان زبانوں کے ساتھ خاص ہیں۔ بلکہ ترجمہ کرتے ہوئے وہ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بھی کام میں لاتے ہیں اور ان اصطلاحات اور ترکیبات کو اردو میں منتقل کرنے سے راہ بچاتے ہیں۔ جو اس زبان کی نفسیات سے لگا نہیں کھاتیں وہ ترجمہ کرنے کے دوران میں اردو زبان کی مروجہ اصطلاحات اور تراکیب کو کام میں لاتے ہیں اور اگر ایسی کوئی صورت نظر نہیں آتی تو پھر اپنے طور پر نئی اصطلاحات اور تراکیب وضع کرتے ہیں جو اردو زبان کے لیے قابل قبول ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں رچنے بسنے کی قوت بھی رکھتی ہوں۔ وارث علوی کا یہ عمل زبان کو بار آور بنانے کا ایک حیلہ بھی ہے چونکہ وارث علوی کو زبان پر عبور حاصل تھا یہی وجہ ہے کہ اصطلاحات وضع کرنے میں انھیں زیادہ دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ وارث علوی نے نہ فقط اردو ادب کو ترجمے

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

ترجمہ سے حاصل کیا بلکہ اس حوالے سے اردو زبان کو کئی خوب صورت تراکیب و اصطلاحات سے بھی نوازا۔

مولوی عبدالحق اپنے مضمون "ترجمے کے متعلق چند اصولی باتیں" میں لکھتے ہیں

"یہ بحث بھی نئی نہیں، ضرور دیکھنے میں آجاتی ہے کہ غیر زبانوں کے الفاظ کا ترجمہ کس اصول سے کیا جائے۔ کوئی کہتا ہے کہ ٹھیٹھ ہندی کے الفاظ استعمال کیے جائیں اور کوئی عربی، فارسی سے مدد لینا ضروری سمجھتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جس حد تک صرف معمولی بول چال کا تعلق ہے۔ آپ بہ آسانی ہندی بھاشا سے کام نکال سکتے ہیں لیکن جس وقت سوال علمی اصطلاحوں کا آئے گا تو آپ مجبور ہوں گے کہ زیادہ تر عربی فارسی سے مدد لیں یا سنسکرت سے۔"(۱۴)

چونکہ فورٹ ولیم کالج کے تراجم زیادہ تر عملی نوعیت کے تراجم ہیں اس لیے انھوں نے بھی عمومی تراجم کے وسیلے سے اس حقیقت کو منکشف کرانے کی سعی کی کہ یہ تراجم عربی اور فارسی زبان پر گرفت اور دسترس رکھنے کے متقاضی ہوتے ہیں بلکہ ترجمے کے پس منظر میں نظریات کارفرما ہوا کرتے ہیں۔ اس لیے فورٹ ولیم کالج کے تراجم ترجمہ نگاری کے نظریات کے تحت لائق مطالعہ نہیں۔

اردو زبان میں ترجمہ نگاری کے رائج چلن پر حسن عسکری نے سب سے پہلے توجہ دلائی ہے کہ عمومی طور پر تراجم کے ذریعے ہمارے تخلیقی ادب کو زیادہ فائدہ نہیں پہنچ سکا۔ فورٹ ولیم کالج پر اس لیے وار کیا کہ وہ ترجمے کو ایک تخلیقی عمل تصور کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے گزشتہ عہد کے ادب کو اپنے تراجم میں عمومی اعتبار سے ترجمہ نہیں بلکہ صورت کے لحاظ سے ترجمہ کیا ہے جسے آج کا عہد کہنا مناسب ہے۔ گویا کہ انھوں نے ترجمہ نہیں کیا بلکہ اس وسیلے سے ایک تخلیقی تجربے کی راہ ہموار کی ہے۔

Scanned by CamScanner

[illegible]

"The translation as work of art can never be a true image of original, a re birth in the translation's tongue of products of another language, it will always impose a new form."(15)

حوالہ جات

۱۔ انٹرویو [illegible] ۱۰ فروری ۲۰۰۷ء، بمقام [illegible] (کراچی)

۲۔ عملی ترجمہ کے اصول، ڈاکٹر مرزا حامد بیگ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء، ص ۱۰

۳۔ مقدمہ [illegible] (ترجمہ [illegible])، [illegible] ۱۹۸۹ء، ص ۳

۴۔ رسالہ "اردو" کراچی، اکتوبر ۱۹۷۹ء، ص ۵

۵۔ [illegible] مرتبہ [illegible] ۱۹۸۰ء، ص ۵۳

۶۔ رسالہ اردو، اکتوبر ۱۹۷۹ء، ص ۵۴

۷۔ روزنامہ جنگ، راولپنڈی، ۱۲ ستمبر ۱۹۸۳ء

۸۔ ایضاً

۹۔ ایضاً

۱۰۔ زعفران کے رومان، اشرف بک ایجنسی لاہور ۱۹۸۱ء، ص ۸

۱۱۔ کراچی، ۶ جولائی ۱۹۶۳ء

۱۲۔ زعفران، ص ۹۳

Scanned by CamScanner

ندیم نما

(احمد ندیم قاسمی کے خطوط)

Letters or epistles have to way to reflect the personality of the writer. They manifest the writer's persona and emotional responses. Ahmed Nadeem Qasmi, a prominent man of letters reveals himself copiously in the letters written by him. The letters have been discussed here with background of his letters as well.

اگر آپ کسی شخصیت کے داخلی اسرار دریافت کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خطوط ملاحظہ کیجیے۔ وہ خطوط نہیں جو محض چھپنے کے لیے یا نام روشن کرنے کی خاطر لکھے جاتے ہیں ان میں تو بالعموم مقام و منصب کا لحاظ ہوتا ہے جو مکتوب نگار کی شخصیت کو چھپاتا ہے اور اس پر غالب رہتا ہے۔ اجنبیت کے عالم میں لکھے جانے والے Personal ذاتی خطوط یا تکلفات معدوم ہو جانے کے بعد کی مراسلت ہی دراصل مکتوب نگار کی شخصیت کو منکشف کرتی ہے۔ آج کل کمپیوٹر، موبائل اور ای میل نے خطوط کی دنیا کو اجاڑ دیا ہے کسی طرح لمبے خطوط لکھنے اور اس کے جواب کا انتظار کرنے اور جوابی مکتوب ملنے پر حاصل ہونے والی مسرت سے ہم رفتہ رفتہ محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ کمپیوٹر سے لکھے جانے والے خطوط کو زیادہ سے زیادہ [illegible] ان میں بھی عام طور سے رسمیت [illegible] ہے [illegible] کے (Cut & Paste) کے طریقے نے تو خطوط کی انفرادیت کو بھی [illegible] کر دیا

Scanned by CamScanner

دوسرا جواب "کیا انھیں کے گرد یہ مطلب گھومتے ہیں" واقعہ "یہ جانتا ہوں کہ وہ [illegible]

"وہاں کی کیفیات سے تو جدید معاشرہ واقف ہی نہ آشنا ہو چکا ہے۔"

ذہنی شخصیت کی تفہیم میں خطوط کی اہمیت کے احساس کے تحت راقم الحروف نے اپنے دورِ طالب علمی میں مولانا ظفر علی خان کے خطوط کی جمع آوری کا کام کیا۔ اس دوران میں خطوط کی جمع آوری کے دوران میں مختلف بزرگوں سے رابطے کیے۔ احمد ندیم قاسمی صاحب سے کوئی خط نہ مراسلت۔ اس لیے ان سے رابطہ کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس ہوئی۔ ایک روز پروفیسر محمد صدیقی مرحوم سے اس ضمن میں تذکرہ ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ ندیم صاحب بڑی باقاعدگی سے جواب دیتے ہیں، آپ انھیں خط لکھ کر دریافت کریں۔ چنانچہ حضرت ندیم صاحب کی خدمت میں ایک مختصر سا عریضہ لکھ کر اپنا مدعا عرض کیا، جس کا جواب تو ندیم صاحب کی طرف سے جو پہلا خط ۶ جولائی ۱۹۸۳ء کو لکھا گیا، یہ جواب ان سے رابطے کا ذریعہ بنا۔ مگر ان سے مسلسل مراسلت کا موقع نہیں ملا۔ جب بھی کوئی ضرورت ہوئی خط لکھا، انھوں نے فوراً اس کا جواب عنایت کیا اور خط میں جو کوئی فرمائش کی تھی انھوں نے اسے بھی پورا کیا۔ زیادہ مراسلت نہ ہونے کی وجہ [illegible] یاد نہیں کہ کبھی [illegible] ہے۔ حال ہی میں جب اپنے پرانے کاغذات میں ندیم صاحب کے خطوط تلاش کیے تو ان میں ۱۹۸۳ء، اور ۱۹۸۴ء کے دو، ۱۹۸۶ء اور ۱۹۸۷ء کا ایک ایک، ۱۹۸۸ء اور ۱۹۸۹ء کے دو دو خطوط موجود پائے۔ معلوم نہیں کیا ان سالوں میں ندیم صاحب سے کل اتنی ہی مراسلت رہی۔ ۱۹۸۹ء میں راقم لاہور آ گیا۔ اس کے بعد بھی اگرچہ دو ایک موقع پر ان کی طرف سے خطوط موصول ہوئے تھے جو اب کاغذات میں مل نہیں سکے۔ دراصل راقم کے پاس اپنے قیام سرگودھا کے کاغذات تو مرتب اور محفوظ ہیں، تاہم قیام سرگودھا کے بعد کے کاغذات بالعموم ہماری زندگی کی طرح نامرتب اور پریشان ہیں۔ ۱۹۸۹ء میں لاہور آنے کے بعد تو ندیم صاحب سے ملاقات رہنے لگی۔ اس ملاقات میں بھی بعض اوقات طویل وقفے حائل ہو جاتے رہے۔ تاہم ندیم صاحب سے جب بھی ملاقات ہوئی وہ اسی کرم اور شفقت سے ملے

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

انہی دنوں بعد از وفات مرحوم مشفق خواجہ صاحب کا خط آیا کہ آپ نے مجلس سے
[illegible] ۲۰۰۰ء والا مسودہ واپس لے لیا ہے ۲۰۰۳ء احقر نے صورت حال ان کی خدمت میں
گوش گزار کی تو انھوں نے لکھا کہ " آپ یہ مسودہ ہمارے قاسمی صاحب کے حوالے کر دیجیے
یہاں شائع ہو [illegible] سے پیچھا [illegible] آپ قاسمی صاحب کو [illegible] مسودہ دیں تاکہ ان سے کہہ دیجیے
کہ [illegible] " مجلس کے داخلی حالات اور منظر دیکھتے ہوئے احتیاط
اس میں زیادہ تھی۔ مشفق خواجہ صاحب نے اگلے خط میں اپنے ہم نام ندیم صاحب کے ایک خط
کا اقتباس نقل کر کے بھیجا۔ ندیم صاحب نے مشفق خواجہ مرحوم کو لکھا تھا: " [illegible] عامر صاحب
کے [illegible] عامر صاحب علم تھے تو ان دنوں بھی تحقیقی کاموں میں لگے رہتے
تھے۔ [illegible] تحریک [illegible] رہتے تھے۔ میر سوز کے کلیات مجلس کی طرف سے خود
چھپیں گے [illegible] مشفق صرف یہ ہے کہ اتنی ضخیم کتاب [illegible] نے مجلس کی [illegible]
کر دی ہے۔ بہرحال [illegible] عامر صاحب کا مرتب کردہ کلیات [illegible] ضرور چھپے گا۔" یہ خط
مشفق خواجہ صاحب کے [illegible] کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ ندیم صاحب نے خود
[illegible] ۲۰۰۳ء [illegible] ۲۰۰۰ء [illegible] شائع کر دیا تھا ان بزرگوں کی اس مراسلت سے
[illegible] کے لیے [illegible] معنوی محبت کا اظہار ہوتا تھا اس کے اظہار کے بعد احتیاط کے
لیے اس کے سوا کوئی راستہ نہ تھا کہ کلیات کا مسودہ ندیم صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا
جائے [illegible] مسودہ ندیم صاحب کی خدمت میں پیش کیا گیا تو
انھوں نے مشفق خواجہ صاحب کے ساتھ اپنی مراسلت کا ذکر کیا اور خوش ہوئے۔

[illegible] ۲۰۰۰ء کو ان کے ساتھ منعقد ہونے والی احمد ندیم قاسمی ادارہ کی آخری
تقریب میں بھی احقر شامل تھا اس تقریب میں سال ۲۰۰۰ء کی شاعری کا ندیم ادارہ خورشید
رضوی صاحب کو دیا گیا تھا احقر نے اس مناسبت سے ایک مضمون بھی پڑھا اس کے بعد بھی
ان سے مجلس ترقی ادب کے دفتر میں ملاقات ہوتی رہی۔ آخری دنوں میں مجلس [illegible]
[illegible] مجلس کے [illegible] میں واقع ہے [illegible]

سے نکلنے سے پہلے کے لیے جانا ہوا تو واپسی پر ندیم صاحب سے ملاقات کا خیال بھی آیا
پہنچ ہوا کے ساتھ ندیم صاحب سے ملاقات ہوتی رہی۔ انھی ملاقاتوں میں اختر نے اپنے
شعری مجموعے ''نظم مجھ سے کلام کرتی ہے'' کا مسودہ دکھانے کے لیے ندیم صاحب کی
خدمت میں پیش کیا۔ انھوں نے کشادہ دلی سے مسودہ قبول کیا لیکن مسودہ اختر نے جواب
سے ان کی صحت کی مستقل [illegible] رہتی تھیں۔ ندیم صاحب پر بہت سی کتابوں پر رائے زنی
[illegible] اور ان کی صحت کی حالت کا ذکر کیا تو میں نے شرمندہ ہو کر اپنی گزارش واپس لے لی۔
ندیم صاحب نے بہت محبت سے کہا ''نہیں نہیں میں اس پر ضرور لکھوں گا'' اور مسودہ
فوراً اپنی میز کی دراز میں رکھ لیا۔ یہ مئی ۲۰۰۶ کا ذکر ہے اور پھر انھوں نے واقعی ایک ہی ماہ
میں اختر کے نئے مجموعہ منظومات پر اپنی رائے لکھ دی۔ اختر ایک روز ندیم جی کا خط لے
پہنچے تو ان کے دفتر میں گیا تو انھوں نے یہ مسودہ اختر کی جانب بڑھایا جس میں ایک
[illegible] ہوا تھا اس پر اختر کا نام اور احمد ندیم قاسمی کے لیٹر پیڈ پر لکھا ہوا ندیم صاحب
کا [illegible] انھوں نے اپنے دست خط میں لکھا، موجود تھا۔ دست خط ہمیشہ کی طرح صاف اور
خوش خط [illegible] تھی نیلی روشنائی سے لکھی ہوئی اس عبارت میں صرف دو تین الفاظ ایسے تھے
[illegible] جو قلم زد کیا گیا تھا ورنہ تمام عبارت رواں اور روشن تھی۔ آخر میں انھوں نے اپنا نام
لکھا [illegible] نوے برس کی عمر میں قلم پر یہ گرفت اور عبارت کی یہ روانی قابل داد تھی۔ اختر
نے اسی وقت یہ فلیپ پڑھا ندیم صاحب اختر کی طرف دیکھتے رہے اور پھر پوچھا کیسا لگا؟
میں نے شکریہ ادا کیا (اب یہ تحریر اختر کے نئے مجموعہ منظومات ''نظم مجھ سے کلام کرتی
ہے'' میں دیکھی جا سکتی ہے) اس مرحلے پر ندیم صاحب نے اختر کے مسودے میں موجود محترم
ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب کے دیباچے کے عنوان کی بابت استفسار کیا۔ محترم جالبی صاحب
نے اپنے دیباچے کا عنوان ''تعریف'' درج کیا تھا جب ان کا دیباچہ موصول ہوا تو اختر نے
اس لفظ کا مطلب جاننے کے لیے لغات سے رجوع کیا لیکن کہیں اس لفظ کا اندراج نہ پا
کر جالبی صاحب کی خدمت میں رہنمائی کی درخواست کی انھوں نے فرمایا کہ میں نے

Scanned by CamScanner

قرینہ اور وقتی لفظ کا ادا کرنا یہ لفظ وضع کیا ہے۔ علامہ صاحب کے انتقال کے بعد [illegible]
جامع ہو تو ترکیبوں سے اختر کی نظموں کے مسودے اگر ان سے پوچھا جاتا ہے، جالبی صاحب
جواب [illegible] ممکن ہے [illegible] صاحب نے فرمایا کہ اس سے پہلے بھی جالبی صاحب [illegible]
[illegible] مجھے [illegible] سے فون آیا کہ جالبی صاحب سے ملنے کا [illegible]
درست نہیں ہے۔ اختر نے وضاحت کی کہ وہ لفظ تھا جو جالبی صاحب نے اپنی کتاب
میں [illegible] نکات الشعرا کے لیے استعمال کیا ہے اور یہ
طور سے تحقیق اور تنقید کو ادا کرنے وضع کیا ہے وہ کتاب مجلس ترقی ادب لاہور سے شائع ہوئی ہے
جالبی صاحب کے دور میں سے اس لفظ کے لیے چند ہی کی علامت بھی ہوئی تھی اختر [illegible]
[illegible] کے ترجمے کیا ہے عربی قاعدے کی رو سے یہ لفظ [illegible] مکمل ہو جاتا
ہے اور [illegible] تحقیق کا کوئی تعلق پیدا کرنا ہو جاتا ہے۔

[illegible] جالبی صاحب کی [illegible] کے احترام میں "[illegible]" سے کلام کیا ہے
کہ [illegible] کو [illegible] وہ مقام بھی قائم رکھا گیا۔ اس ملاقات میں علامہ اقبال کا
ذکر [illegible] اقبال کے تصورات [illegible] کا اختلاف بھی تھیں، علامہ صاحب بھی اقبال
[illegible] سے ان کے اعتراضات کا تعلق [illegible] اقبال کے ان افکار سے تھا جن میں
[illegible] کے لیے شاہین کی علامت اختیار کی ہے اور [illegible] اقبال کی تعلیم
سے متعلق تھے۔ اختر نے ان کے خیالات میں کچھ اپنی معروضات پیش کیں لیکن وہ اپنے خیالات
میں پختہ تھے۔ اختر کی وضاحتوں کے جواب میں "[illegible] بھی بہت کہاں تھیں [illegible]
تھیں" کہتے رہے۔ شاہین کے کبوتر پر جھپٹنے کی علامت کو وہ بہت پہلے اپنی کی [illegible]
[illegible] دیکھتے تھے۔ راقم کے خیال میں ان کا یہ جو فکر اقبال کو اس کی [illegible] میں وہ
کے [illegible] جالبی صاحب سے یہ ملاقات آخری ملاقات ثابت ہوئی اس کے بعد بھی
[illegible] کو [illegible] صاحب وہ اقدام [illegible] کر سکے علم و ادب [illegible] تھے اس
[illegible] وہ بہت اطمینان سے اپنی آخری منزل کی سمت چلے گئے [illegible]

Scanned by CamScanner

و بیان سے جدا ہوتے ہوئے میں نے کہا استودع اللہ دینک و امانتک و [illegible]
[illegible] ندیم صاحب اللہ حافظ۔

اب ملاحظہ ہوں ندیم صاحب کے چند خطوط جو کسی دوسری تحریر سے زیادہ ان کی
[illegible]

﴿۱﴾

فون

[illegible] لاہور

[illegible] ۱۹۸۸ء

مکرمی و محترمی۔ سلام مسنون آپ کا گرامی نامہ ملا۔ ممنون ہوں۔ افسوس ہے کہ مرزا ظفر علی خان کے مرحوم والد سے مجھے شرف نیاز حاصل نہیں رہا۔ انھیں اور اقبال کو پڑھ کر میں نے شاعری ضرور سیکھی مگر ان سے ملاقات رہی نہ مراسلت۔ چنانچہ میں آپ کی مدد کرنے سے قاصر ہوں اور معذرت خواہ ہوں۔

مخلص

احمد ندیم

﴿۲﴾

فون

[illegible] لاہور

[illegible] ۱۹۹۳ء

مکرمی ڈاکٹر [illegible] عامر خان صاحب۔ سلام مسنون

آپ سے شرمندہ ہوں۔ آپ کے خطوط ملتے رہے۔ ایک بار آپ نے [illegible] الفاظ میں [illegible] مگر میں حسب عادت (?) [illegible] ۔ آپ کی مرتب کردہ کتاب [illegible]
[illegible]

[illegible]

دعا گو

مخلص

[illegible]

﴿۳﴾

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مکرمی و محترمی ڈاکٹر صاحب۔ سلام مسنون

آپ کے سوالات ... میرے سامنے ہیں۔ جواب عرض کرنے میں تاخیر کی معافی چاہتا ہوں۔

۱۔ آپ کا پہلا سوال یہ ہے کہ آپ نے اسے ایم اے کے لیے کیوں منتخب کیا ہے؟ مجھے ... یہ کہنا ہے کہ میں اس منصب کا اہل ہی نہیں ہوں۔ ...

Scanned by CamScanner

[illegible]

مخلص

احمد ندیم

(۲)

[illegible]

مکرمی و محترمی [illegible] صاحب، سلام

جناب [illegible] آپ کے تین سوالوں کے جواب [illegible] ظفر علی خان [illegible] اور آپ کی [illegible] سے تین اشعار لکھ کر بھیج رہا ہوں۔ دعا ہے [illegible] اللہ تعالیٰ آپ کو [illegible] برکت اور استقامت دے۔

خیر اندیش

احمد ندیم

کچھ نہیں مانگتے ہم لوگ ، بجز اذنِ کلام
ہم تو انسان کا بے ساختہ پن مانگتے ہیں

زندگی شمع کی مانند جلاتا ہوں ندیم
بجھ تو جاؤں گا مگر صبح تو کر جاؤں گا

ندیم کوئی مرے فن کا اجر کیا دے گا!
میں خاک چاٹ کے بھی نکلا، بھنور میں رہتا ہوں

احمد ندیم قاسمی

Scanned by CamScanner

سوال نمبر۱۔ آپ کے نزدیک ہماری نوجوان نسل کے فکری انتشار کا سبب کیا ہے۔؟

جواب۔ میں یہ تسلیم ہی نہیں کرتا کہ ہماری نوجوان نسل فکری انتشار کی شکار ہے۔

دراصل ہمارے آس پاس کی دنیا ناقابلِ یقین تیزی سے بدل رہی ہے۔ یہ عمل اسی تیزی سے نوجوان نسل کے ذہنوں میں انقلاب آرہا ہے۔ گزشتہ چالیس برس کے اندر عالم انسانیت نے جتنی ترقی کی ہے اتنی ترقی اس سے پہلے کی چار صدیوں میں بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس ترقی کا رخ کچھ بھی ہو، اور بہت زیادہ ترقی یافتہ لوگ اس ترقی کو بنی نوع انسان کی مکمل ہلاکت ہی کے لیے کیوں نہ استعمال کرنے کی سوچ رہے ہوں، تبدیلی اور تغیر کی اس طوفانی رفتار سے انکار ممکن نہیں ہے۔ ہم نوجوان نسل کے فکر و عمل کی کسوٹی اپنی قدیم (روایات)، اپنے خاص تہذیبی معیاروں اور اپنے پرانے مشاہدات و واردات کو بناتے ہیں جب کہ آج کے انسان کی نفسیات تک بدل گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کے جذبات و احساسات کے اظہار کی صورتیں بھی بدل گئی ہیں۔ چنانچہ ہماری نئی نسل فکری انتشار کی شکار نہیں، اسے فکری تغیر و تبدل کا سامنا ہے جسے ہم پرانے لوگ شک سے دیکھنے میں انتشار سمجھ بیٹھے ہیں۔

سوال نمبر۲۔ اس فکری انتشار کی روشنی میں آپ ہمارے مستقبل کو کیسا دیکھتے ہیں۔؟

جواب۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ میں نوجوانوں کے فکری انتشار کو تسلیم ہی نہیں کرتا۔ میں اسے نوجوانوں کے دل و دماغ کا انقلاب قرار دیتا ہوں اور اسی لیے مجھے اپنی قوم اور اپنے ملک کا مستقبل روشن [illegible] نظر آتا ہے۔ اختلاف رائے کو انتشار نہیں کہتے۔ یہ [illegible] کرنے، غور کرنے، سمجھنے کی کوشش کرنے کا عمل ہوتا ہے چنانچہ اگر آج کل کی نوجوان نسل کے درمیان اختلاف رائے کو انتشار سمجھ لیا گیا ہے تو یہ ایک فکری مغالطہ ہے۔ ہماری نوجوان نسل بحیثیت مجموعی روحِ عصر پہچانتی ہے، وقت سے آگے بڑھ کر سوچنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور اسی لیے ہمارا مستقبل تاریک نہیں ہے۔

Scanned by CamScanner

جناب محترم! اپنے تجربات زندگی کی روشنی میں آپ نوجوانوں کے لیے کون سی ایسی باتیں تجویز کریں گے جس کے ذریعے وہ اپنے مستقبل کو سنوار سکیں۔

جواب: اگر نوجوان اسلام کو صرف ایک نعرے کی بجائے اپنا ضابطہ حیات بنائیں، اگر وہ سائنس اور ٹیکنیکل ترقی سے نفرت کرنے کی بجائے اس پر حاوی ہو جائیں، اگر وہ تہذیب و ثقافت کو ٹھکرانے اور مسترد کرنے کے علاوہ اپنے ماضی کی حسین روایات کی قدر کرنا سیکھیں، اگر وہ زندگی کو قوم کے وقار کے لیے آسان اور خوشگوار اور عزت حاصل کرنے کے لیے وقف کر دیں، اگر وہ آزادی سے عشق کرتے رہیں اور غلامی سے نفرت کا اظہار کرتے رہیں اور عدل و انصاف کو اپنا معمول بنائیں اور تعصب سے دور رہیں اور اپنی قوت و صلاحیت سے کام لیں اپنے کردار و مزاج میں نرمی، گداز، وسیع النظری اور بے تعصبی کو ملحوظ رکھیں تو میں اپنے ملک کے شاندار اور محفوظ مستقبل کی قسم کھا سکتا ہوں۔

احمد ندیم قاسمی

تقریب

ابو حسیب عامر کی ادبی اور علمی و دینی سرگرمیاں دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ ایک نوجوان نے اپنے اندر کیسی کیسی صلاحیتیں جمع کر رکھی ہیں۔ اس سے پہلے انہوں نے مرحوم سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم و مغفور کے بارے میں اس کتاب کا حصہ لکھا ہے۔ اب انہوں نے مولانا ظفر علی خان مرحوم و مغفور کے مکاتیب جمع کرنے کا مرحلہ طے کیا ہے۔ میں نے اسے مرحلہ اس لیے کہا ہے کہ مولانا کی شاعری اور تراجم تو محفوظ ہو چکے ہیں مگر ان کے مکاتیب جمع کرنے کی کوشش نہیں ہوئی تھی، اور اگر ہوئی بھی تھی تو اسے عملی جامہ پہنانے میں کامیابی نہیں ہوئی۔ یہ اعزاز ابو حسیب عامر کے لیے مختص تھا کہ وہ ان مکاتیب کو ملک کے کونے کونے سے جمع کر کے انہیں کتابی صورت میں قوم کی نذر کر رہے ہیں۔ یہ خطوط برصغیر کی تحریک آزادی اور اسلام سے والہانہ جذبہ حریت، غیر ملکی سامراج کے خلاف نفرت، اسلام سے والہانہ عشق اور استقامت

کے وہ نقوش ہیں جن میں ہم اپنے اسلاف کے کارناموں کے عکس دیکھ کر اپنے اندر ایمانی یقین کی توانائی محسوس کرتے ہیں۔ اس کارنامے پر پوری قوم کو اس جوشیلے نوجوان کا ۔ ہم جیسے ہم کو ممنون ہونا چاہیے۔

احمد ندیم قاسمی

﴿۵﴾

ماہنامہ فنون

۴۔ میکلوڈ روڈ، لاہور

۱۶ اپریل ۱۹۹۰ء

مکرمی زاہد منیر صاحب۔ سلام مسنون

مولانا ظفر علی خان کی ایک جلد مل گئی تھی۔ ممنون ہوں۔ آپ نے بڑی محنت کی اور تاریخ، سیاست و صحافت و ادب کا ایک خزانہ محفوظ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو برکت دے۔

دعا کے ساتھ

مخلص

احمد ندیم قاسمی

﴿۶﴾

مجلس ترقی ادب

کلب روڈ، لاہور

۱۵ اکتوبر ۱۹۸۹ء

عزیز مکرم۔ سلام مسنون

گرامی نامہ مل گیا تھا۔ آپ اپنی طرف سے جو سوالات بھیجنا چاہتے ہیں وہ ضرور بھیجئے۔ میں پوری کوشش کروں گا کہ فوراً جواب عرض کر دوں۔

ڈاکٹر نظیر حسنین صاحب کی کتاب "مولانا ظفر علی خان ـــ احوال و آثار" چھپ گئی

Scanned by CamScanner

۶۔ قیمت [illegible] آپ کا مطلب [illegible] میں [illegible] روپے میں [illegible] کر دوں گا۔

[illegible] "[illegible]" [illegible] عظمت علی خان" [illegible] آئے گا۔ [illegible]

[illegible] کے [illegible] آئے گا۔

دعا کے ساتھ

مخلص

[illegible]

(۷۰)

محبی [illegible]

السلام علیکم

[illegible]

[illegible]

[illegible] پہلے کے [illegible] کی ضرورت۔

[illegible] مصروف رہا۔

[illegible]

۱۔ [illegible]

۲۔ "[illegible] عظمت علی خان" کی ایک جلد [illegible]

[illegible] کے ایک [illegible] "[illegible]" لگے ہیں۔

۳۔ [illegible]

[illegible] کر دوں گا۔

۴۔ مطالعہ تاریخ (۶ جن پی) کی دونوں جلدیں ختم ہو چکی ہیں۔

دعا کے ساتھ

مخلص

[illegible]

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

[illegible]

حوالے اور حواشی

1. [illegible] جب کسی شخص کو رخصت کرتے تو یہ کلمات ادا کرتے۔

2. [illegible]

3. [illegible] مولانا ظفر علی خان اور اقبال [illegible]

Scanned by CamScanner

پڑھنے کی یاد اپنے ایک مضمون میں بھی محفوظ کی تھی۔ یہ مضمون [illegible]

[illegible] کے دیباچے "[illegible]" کے طور پر [illegible]

[illegible] کے متعلق علامہ اقبال [illegible]

[illegible] سے ایک کتابچے کی صورت میں شائع ہو گئے [illegible]

صاحب نے علامہ کی محفل میں مولانا ظفر علی خان کے [illegible]

کی [illegible] میں ڈاکٹر صاحب سے علامہ اقبال [illegible]

[illegible]

"یہاں سے خدا جانے کس طرح گفتگو کا رخ مولانا ظفر علی خان صاحب [illegible]

طرف ہو گیا۔

ڈاکٹر صاحب مولانا کی خداداد قابلیت کے [illegible]

[illegible] کی طرف [illegible] متوجہ ہوئے۔ انھوں نے [illegible]

[illegible] سے زیادہ [illegible] تھے۔

[illegible] صاحب پچھلے دنوں [illegible]

[illegible] کریں گے اور [illegible] افسانوں [illegible]

[illegible] انگریزی۔ امریکن۔ فرانسیسی۔ روسی اور جرمن افسانہ نگاروں کے [illegible]

ترجمہ کریں گے۔ میں نے کہا [illegible] افسانوں میں [illegible]

[illegible] ان افسانوں کی [illegible]

[illegible] کوئی مستقل حیثیت نہیں ہو سکتی۔

ڈاکٹر صاحب (اپنی مخصوص مسکراہٹ سے) [illegible]

[illegible]

[illegible] ڈاکٹر صاحب [illegible] سے [illegible] لگے

اس اقتباس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ علامہ اقبال نے مولانا ظفر علی خان کی نسبت یہ ریمارکس کس لہجے میں دیا ۔۔۔ چنانچہ راقم الحروف نے ایک بار نذیر صاحب سے پوچھا تھا کہ علامہ نے آپ کے سامنے مولانا ظفر علی خان کا جو ذکر کیا تو اس میں مولانا کی نسبت ان کے لہجے میں پسندیدگی تھی یا اس کے برعکس ۔۔۔ نذیر صاحب نے وضاحت سے فرمایا کہ اچھی رائے ظاہر ہوئی تھی اور ان کا ذکر تحسین کے انداز میں کیا گیا تھا۔

ع مطبوعہ مکتبہ نوائے فیصل آباد، جنوری ۱۹۸۳ء، صفحات ۲۰۰

ع سید عطاء اللہ شاہ بخاری (۲۳ ستمبر ۱۸۹۲ء — ۲۱ اگست ۱۹۶۱ء) مشہور سیاسی اور دینی رہنما، مجلس احرار اسلام کے بانی، شعلہ بیان مقرر۔ علامہ انور شاہ کاشمیری کی تحریک پر مارچ ۱۹۳۰ء میں ہندوستان کے پانچ سو علماء نے انہیں امیر شریعت منتخب کیا۔

ایک بار نذیر صاحب نے شاہ جی سے اپنی پہلی ملاقات کا حال یوں سنایا تو "تقسیم سے پہلے ایک روز معلوم ہوا کہ آج شاہ جی کی تقریر ہے۔ ان کی خطابت کی بہت شہرت تھی اور مشہور تھا کہ وہ ساری ساری رات تقریر کرتے ہیں اور حاضرین پر سحر طاری کیے رکھتے ہیں۔ ہم اسی اشتیاق میں ان کی تقریر سننے گئے۔ میرے ساتھ ایک دوست بھی تھے (افسوس کہ مجھے اب ان کا نام یاد نہیں۔ ناقل) ہم جلسے میں پہنچے کہ اس کے بعد شاہ جی کی تقریر شروع ہوگئی۔ ہم ایک نوجوان عقیدت مند کے طور پر گئے ہوئے تھے۔ لیکن میں اس وقت حیرت اور فخر کے جذبات میں ڈوب گیا جب شاہ صاحب نے خطبہ مسنونہ کے بعد اچانک تقریر کا آغاز میرے ایک قطعے سے کیا۔ وہ قطعہ اسی روز یا اس سے ایک روز پیشتر روزنامہ انقلاب میں شائع ہوا تھا۔ تقریر ختم ہونے پر میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے ساتھی نے شاہ جی کو بتایا کہ آپ نے تقریر کا آغاز جن اشعار سے کیا ہے وہ ان کے ہیں۔ شاہ صاحب اٹھ کر

Scanned by CamScanner

چناں چہ ان کے انتقال سے صرف سیاست کی دنیا ہی سونی نہیں ہوئی بلکہ شعر و سخن کی دنیا بھی اجڑ گئی، وہ دور ختم ہو گیا، صحافت کا ایک عہد ختم ہو گیا جو عرفی، غالب اور اقبال سے قائم کی تھی، وہ رشتہ آج تک ٹوٹ گیا جس کے دم سے ہم ٹیپو سلطان شہید اور سید احمد شہید کی روحوں کو اپنے قریب [illegible] سمجھتے تھے۔ خدا ہمیں شاہ ولی اللہ کی حالی جیسی عقل، جرأت مندی، صداقت پسندی اور سچائی کے ساتھ ان کے حسن و اخلاق کی پیروی کرنے کی توفیق بخشے۔ (ہفت روزہ [illegible] امیر شریعت نمبر، ش ۱۹، ۳ ستمبر ۱۹۶۲ء، ص ۱۰)

۲ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے قیام پاکستان کے بعد لاہور کے ایک جلسۂ عام میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا: "میرے دل میں چند خواہشات تھے جن کے لیے وقت کی [illegible] کوئی [illegible] پہنچ گئی اور قائد اعظم کی بارگاہ تک رسائی نہ ہوگی بہر حال قوم نے فیصلہ کر دیا اور جس دیانت داری سے ہم نے اختلاف کیا تھا اسی دیانت داری سے ہم نے اکثریت کے فیصلے کو تسلیم کر لیا۔ اب یہ ملک میرا ہے میں اس کا وفادار شہری ہوں جنھوں نے چندہ خود جا چکے ہیں۔ میں یہاں ہوں اور یہیں رہوں گا، یہاں آج کوئی جنگ کا اختتام ہے اور وہاں جاؤں تو وہی میری جنگ کا آغاز ہوا" (روزنامہ آزاد لاہور، ۲۰ ستمبر ۱۹۴۹ء، صفحہ اول) انھوں نے یہ بھی کہا کہ "قوم میری بات [illegible] مسلم لیگ [illegible] میری رائے چلی گئی اور اب اس کہانی کو ہمیشہ ختم کرو"

۳ محترم راقم نے کئی برس کی تحقیق کے بعد مولانا ظفر علی خان کے خطوط کا مجموعہ مکاتیب ظفر علی خان کے عنوان سے مرتب کیا تھا (مطبوعہ لاہور ۱۹۸۹ صفحات ۲۵۶) اس کام کی تکمیل پر خیال ہوا اس کتاب کا مقدمہ کسی ایسے صاحب قلم سے لکھوانا چاہیے جنھوں نے مولانا ظفر علی خان کا عہد بھی دیکھا ہو اور وہ ان کے علمی و ادبی مرتبے سے بھی آگاہ ہوں اسی خیال سے ندیم صاحب کی خدمت میں مقدمہ نگاری کی درخواست کی گئی تھی ان کے اس جواب کے بعد راقم نے

Scanned by CamScanner

وساطت اپنے عہد کے مشہور مصنف اور شاعر خان احمد حسین خان مجلہ صہبائی
صاحب (۵ فروری ۱۹۰۲ء   ۲۸ جنوری ۱۸۸۹ء) سے کی۔ مجلہ صاحب سے موزوں
کو ملاقات بھی رہی تو ان کے اخبار میں کام بھی کیا تھا اور ان کے علمی و ادبی مرتبے کے
مداح ہو گئے تھے۔ انھوں نے اردو کرم پر وساطت قبول فرمائی اور ان کو مقدمہ
کتاب میں "مقدمہ مجلہ" کے عنوان سے شامل ہوا۔ مجلہ صاحب نے ۱۹۳۱ء میں انتقال
کیا۔ ان کے والد خان محمد ایوب خان نشاط بھی شاعر تھے۔ گھریلو مسائل کے باعث
مجلہ زیادہ تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ اخبارات میں لکھنا شروع کر دیا۔ علامہ تاجور نجیب
آبادی نے ان کو جوہر پہچان کر انھیں لاہور بلا لیا۔ ۱۹۳۰ء مولانا ظفر علی خان کے روزنامہ
زمیندار میں ملازم ہو گئے جہاں انھیں عبدالمجید سالک کی رفاقت میسر ہوئی۔ طرز تحریر
میں بھی وساطت کی گئی۔ چہرہ لکھنے تمام عمر ان کی بنیادی مصروفیت رہی۔ اپنے وقت
کے اہم اخبارات میں ان گنت مضامین اور تبصرے لکھے۔ مستقل کتابوں میں قرآنی تعلیم
اور شعرا پر تنقید پر، مختصر تاریخ ادب اردو، تذکرہ شعرائے اردو، شرح دیوان غالب،
ترجمان اقبال، علم مسیں، روائے حرم، گنج بہار، گنج نشاط، اردو غزل کا ارتقا، آفتاب
حرم، دوسری متعدد کتب شامل ہیں۔ انھوں نے مولانا ظفر علی خان کی تمام شعری
تصانیف کو دوسری اشاعت کے لیے مرتب کیا۔ اور ان کی ترتیب دی ہوئی یہ کتابیں
مکتبہ کاروان سے شائع ہو چکی ہیں۔

محمد عبداللہ قریشی صاحب ۱۹۰۹ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۱ء میں سکول میگزین میں پہلا
مضمون لکھا۔ ۱۹۲۲ء میں پروفیسر علم الدین سالک سے متعارف ہوئے۔ یہ تعارف
عمر بھر کے تعلق میں بدل گیا۔ ۱۹۲۹ء میں منشی محمد الدین فوق سے رابطہ ہوا۔ اس تعلق
نے بھی ان کے رجحانات تصنیف کو متعین کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ [illegible]
ادبی دنیا سے منسلک رہے۔ بیس برس تک خدمات انجام دینے کے بعد ۱۹۸۰ء میں سبکدوش

Scanned by CamScanner

ہو سکے۔ رسالہ ادبی دنیا کے مدیران مولوی ... سے تعلقات استوار ہوئے۔

۱۹۳۵ء سے ۱۹۷۲ء تک ادبی دنیا کے مدیر رہے۔ اقبال اکادمی سے بھی وابستہ

رہے۔ آپ نے کئی کتب مرتب، تحقیق اور حواشی ... اقبالیات اور تنقید کے حوالے سے

تصنیف، تحقیق و تالیف کیں۔ ۳ مئی ۱۹۹۲ء ... کو لاہور میں انتقال ہوا۔ ۱۹۷۲ء میں آپ نے ادبی دنیا کی

ادارت میں محمد عبداللہ قریشی نمبر شائع کرنے کا اعلان کیا۔ ... اس نمبر میں احمد

ندیم قاسمی نے ان کے بارے میں لکھا

"میں نے جب مجلس ترقی ادب لاہور کی نظامت سنبھالی تو 'مکاتیب اقبال'

مرتب کرنے کا ایک چھوٹا سا منصوبہ بنایا اور اس سلسلے میں لاہور کے متعدد حضرات

اور اداروں سے تعاون بھی حاصل کیا۔ محمد عبداللہ قریشی صاحب سے بھی استدعا کی گئی کہ وہ

بھی معاونت میں ہاتھ بٹائیں۔ وہ ایک شخص کی حیثیت سے معمول سے سوا حصے پر کام کرتی

رہی مجلس کے دفتر میں کام کرتے ادا کرتے رہے۔ اگرچہ 'مکاتیب اقبال' کا منصوبہ مجلس کے

مالی حالات کی وجہ سے پروان نہ چڑھ سکا مگر قریشی صاحب علمی و ادبی تحقیق و

تنقید کے مسائل کے سلسلے میں ایک مشیر کار کی حیثیت سے مجلس سے وابستہ رہے اور

اب تک وابستہ ہیں۔ آنکھوں میں موتیا اتر آنے اور دیگر عارضوں کے باعث وہ اب

لکھنے پڑھنے کے کام بہت کم کر سکتے ہیں مگر تاریخی اور ادبی معلومات کے سلسلے میں

ان سے اب بھی کسب فیض کیا جاتا ہے اور حیرت ہوتی ہے کہ ۸۵ برس کے اس

نحیف و نزار شخص کو آج بھی کتنے بے شمار واقعات، تاریخیں اور مقامات اور

اشخاص کے نام مع حوالہ یاد ہیں۔ علمی و ادبی اہمیت کے کسی بھی استفسار کا جواب

وہ اتنے یقین اور صحت کے ساتھ دیتے ہیں کہ ان کی یادداشت پر حیرت ہوتی ہے۔"

(احمد ندیم قاسمی۔ ایک معتبر محقق اور ادیب۔ اقبال۔ ج ۲۴ ص ۳۰ محمد عبداللہ قریشی نمبر

مدیر ادبی دنیا ... بزم اقبال لاہور ۔ ... ۱۹۹۰ء ص ۱۱۵)

Scanned by CamScanner

تحصیل کے لیے دیکھیے راقم کا مضمون "احمد ندیم قاسمی سے کچھ سوال" (۱۹۸۱ء،

٥ بیاض لاہور ج ۱۲ ش ۱۱ نومبر ۲۰۰۹ء ص ص ۱۸۱ ۔ ۱۹۵)

ندیم صاحب کا یہ قطعہ ہے ۔ کتاب ظفر علی خان (مطبوعہ ۱۹۶۹ء) میں شامل ہو۔

٦ راقم ان دنوں تحقیقی کام کی غرض سے ابوالاثر حفیظ [illegible] ظفر علی خاں کا طالب تھا [illegible] "نوائے وقت" کے لیے ندیم صاحب سے گزارش کی تھی کہ وہ اپنے قلم سے اپنے چند شعر عنایت فرمائیں۔ انھوں نے یہ اشعار اپنے قلم سے لکھ کر بھیجے [illegible] "نوائے وقت" میں شائع ہوئے [illegible] (۱۹۶۹ء) ص ۳۳۰ ۔ ۳۳۳)

٧ اب یاد نہیں کہ اس وقت میرے ذہن و خیال میں کون سے سوالات گردش کر رہے تھے؟

٨ یہ کتاب دراصل ڈاکٹر نظیر حسنین زیدی صاحب مرحوم کے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالے کا ایک حصہ ہے۔ اس مقالے کے باقی دو حصے "مولانا ظفر علی خان بحیثیت شاعر" (مجلس ترقی ادب کراچی ۱۹۸۶ء) اور "مولانا ظفر علی خان بحیثیت صحافی" (مکتبہ اسلوب کراچی ۱۹۸۵ء) کے ناموں سے شائع ہوئے۔ "مولانا ظفر علی خان احوال و آثار" کے عنوان سے یہ حصہ احمد ندیم قاسمی صاحب نے مجلس ترقی ادب سے جون ۱۹۸۶ء میں شائع کیا۔ اسے طباعتی مراحل طے کرنے میں بہت وقت صرف ہوا اور مسودے پر ناشر نے بعض اعتراضات کیے جنھیں دور کرنے کے لیے کافی ایک سے زائد بار مصنف سے رابطہ کیا گیا جس پر [illegible] نے محسوس کیا تھا۔ ڈاکٹر نظیر حسنین زیدی صاحب اس صورت حال سے خوش نہیں تھے اور انھوں نے راقم سے اس کی شکایت میں اپنی ناخوشی اور کبیدہ خاطری کا اظہار بھی کیا تھا۔

٩ افسوس کہ ندیم صاحب کا یہ مجموعہ شائع ہونے سے پہلے [illegible]

Scanned by CamScanner

ذہن میں راسخ کیا جا رہا ہے؟

"جب سرگودھا کے زاہد حسین عامر سے میری ملاقات ہوئی تو مجھے یقین ہی نہیں آیا کہ یہ وہی شخص ہے جس نے "سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور پاکستان" نیز "مکاتیب ظفر علی خان" کی سی معیاری کتابیں مرتب کر کے تحقیق و تالیف کی دنیا میں اپنی محنت، کاوش کے جھنڈے گاڑ دیے ہیں۔ یہ نوجوان لاکار سرگودھا کالج کا طالب علم ہے مگر ابھی سے ادبیات و سیاسیات اور صحافتی ادبیات میں اتنا درک رکھتا ہے کہ دو ایسی کتابیں مرتب کر کے اس نے اردو کے محققین کرام کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم مجلس احرار کے ایک بڑے عظیم رہنما تھے اور ان گنت زود اثر مقررین میں ان کا شمار ہوتا تھا جن کی تعداد برصغیر پاکستان و ہند کے حوالے سے لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ مجلس احرار کا رجحان متحدہ برصغیر میں قوم پرستی کی طرف تھا اس لیے اس کے رہنما مسلم لیگ کے بجائے جمعیت علمائے ہند کے زیادہ قریب سے تعلق رکھتے تھے۔ مگر جب پاکستان قائم ہو گیا تو احرار کے سب سے جلیل رہنما حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم نے اپنی جرات اور صداقت سے پاکستان کے ساتھ وفاداری کا اعلان کیا کہ وہ لوگ جو قیام پاکستان کی مخالفت کرتے رہے وہ قیام پاکستان کے بعد اپنے طرز عمل کی تاویلیں کرنے میں مصروف تھے۔ شاہ جی کی اس بے مثال اخلاقی جرات پر وہ ہم بڑا خوش ہوں گے اور خود ان کی تاویلیں کمزور پڑ گئیں۔ زاہد حسین عامر نے اس ضمن میں واضح حقائق جمع کر دیے ہیں اور ساتھ ہی شاہ جی کے حالات زندگی اور ان پر اب تک ہونے والے کام کا بھی محاسبہ اور تحقیقات اردو میں جائزہ لیا ہے۔ یہ کتاب ہماری تاریخ آزادی کا ایک باب ہے۔

اسی طرح مولانا ظفر علی خان مرحوم مغفور ہماری تاریخ آزادی کا ایک حوالہ

Scanned by CamScanner

حالی اور اقبال اور دوسرے اکابر تھیں۔ وہ صرف سیاسی رہنما ہی نہیں تھے بلکہ بہت بڑے عالم، بہت بڑے "ادیب" بھی تھے۔ مگر ہماری قوم میں احسان فراموشی کی روش وہ قدیمی ہے۔ خاص طور پر علماء اور ادبی ہے اور مولانا بھی اسی روش کی زد میں آئے ہوئے ہیں۔ مگر اب مختلف اداروں کی طرف سے مولانا کی حیات اور سیاسیات و علوم میں ان کے کارناموں و احوال کتابوں کے اوپر کام ہونے لگا ہے اور یہ بہت خوشی کی خبر اور قابل تعریف ہے۔

راقم تحریر عاجز کو مولانا ظفر علی خان مرحوم کے خطوط جمع کرنے کا خیال آیا ہے مولانا کی ہر تحریر ادب کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے جس کی طرف بڑے بڑوں کی توجہ نہیں گئی تھی مگر اس پر خود راقم نے نہ جانے کیسے اور کہاں کہاں سے چند خطوط جمع کرکے بڑے مجموعے میں مکتوبات کی کتاب کے سلسلے سے مرتب کر دی ہے کہ اہل ادب کو اس وقت کی کاوشوں سے خوش بھی ہونا چاہیے اور اس کا ممنون بھی۔ اللہ تعالیٰ برکت

حواشی

(نقوش لاہور، شمارہ ۱۰۰، اکتوبر، نومبر ۱۹۸۹ء ص ص ۳۹۲-۳۹۳)

راقم کے لیے یہ بڑے اعزاز کی بات تھی کہ اس کی تحقیق کتابی صورت میں [illegible] قاضی صاحب نے خود تبصرہ تحریر فرمایا اور مضمون کا عکس بھی ارسال کیا اور اپنے ہاتھ سے راقم کو خط تحریر کرکے ارسال فرمایا۔ اللھم اغفرلہ و رحمہ و عافہ واعف عنہ

۲۔ پیام اقبال اور اقبال نمبر شمارہ ۱۰۳ سے اپنی تحقیق کا ذکر حاشیہ نمبر ۱۱ میں ہوا۔

۳۔ دیکھیے حاشیہ نمبر ۱۳

۴۔ مشہور محقق [illegible] اور آزاد [illegible] نے اپنی مفصل کتاب A Study of History کا ایک خلاصہ بھی تیار کیا تھا۔ مولانا غلام رسول مہر مرحوم نے اس کا خلاصہ "مطالعہ تاریخ" کے نام سے اردو میں منتقل کیا تھا۔ کتاب مجلس ترقی ادب نے ۱۹۶۳ء

Scanned by CamScanner

میں دو جلدوں میں شائع کی تھی۔ راقم اس کتاب کے مطالعے کا خواہش مند تھا لیکن
یہ کتاب اب تک نایاب ہے۔ ۱۹۸۵ء مجلس ترقی ادب سے ۱۹۸۹ء دوبارہ شائع ہوئی۔

۱۷ محترمہ درج بالا نے اپنے ایم۔ فل مقالہ کے لیے کلام پر قیوم صاحب سے رابطے کی خواہش کی تھی چنانچہ قیوم صاحب کی خدمت میں ان کے کلام کا مسودہ پیش کیا گیا جس پر قیوم صاحب نے رائے دی۔ شاعر موصوف کو اس رائے سے مطلع کر دیا گیا تھا لیکن بعد ازاں معلوم ہوا کہ انھوں نے اس رائے کے باوجود اپنا مجموعہ کلام شائع کر دیا۔

۱۸ دیکھیے حاشیہ نمبر ۱۳

۱۹ یہ تقریب گورنمنٹ اسلامیہ مسلم کالج سرگودھا میں منعقد کی گئی۔ صدارت ڈاکٹر خورشید رضوی صاحب نے کی۔ یہ تقریب برادر گرامی پروفیسر ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم صاحب کی محبت اور انتظام کا نتیجہ تھی۔

۲۰ یہ تقریب ۲۰ ستمبر ۱۹۹۹ء کو فیصل ہال سرگودھا میں منعقد ہوئی۔ راقم شعراء کے مقررین میں شامل تھا۔ جناب احمد ندیم قاسمی اس کی دوسری نشست کے مہمان خصوصی کے طور پر تشریف لائے تھے۔ انجمن ترقی اردو سرگودھا کے ان جلسوں کا اہتمام مرحوم اور ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم صاحب کیا کرتے تھے۔ یہ جلسے بھی انجمن ترقی اردو سرگودھا نے ترتیب دیئے تھے بعد ازاں اس کے عنوان سے تبدیل کیا گیا۔

۲۱ دیکھیے حاشیہ نمبر ۱۳ دوسری کتاب سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور پاکستان تھی جس کے بارے میں قیوم صاحب کی رائے ان کے مکاتیب مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۹۸۳ء میں بھی گزر چکی ہے۔

۲۲ نیشنل بک کونسل آف پاکستان، پاکستانی مصنفین سے ان کی تحقیقی تحریریں طلب کیا کرتی تھی۔ منتخب غیر مطبوعہ مسودات کے مصنفین سے اپنی کتب شائع کرنے کے

Scanned by CamScanner

بھی کیا جاتا تھا اور بعد کو انجمن ان سے مطبوعہ کتاب کے چار سو نسخے خرید لیا کرتی تھی۔ اس
کے ساتھ ان میں سے بعض مسودات ادارہ کے لیے بھی منتخب کیے جاتے تھے۔ ہم
نے اخبار میں اشتہار دیکھ کر اپنی ایک غیر مطبوعہ تصنیف [illegible] کو ترقی
[illegible] سے [illegible] انجمن کو بھجوا دیا جس پر انجمن کی طرف سے موصولہ جواب میں
نہ صرف مسودے کی منظوری کی اطلاع تھی بلکہ اس کے ادارہ کے لیے منتخب
ہونے کی نوید بھی درج تھی اور مصنف سے اس کتاب کو حسب قواعد شائع کرنے
کے لیے کہا گیا تھا لیکن جب مصنف نے کتاب شائع کر لی تو اس اثنا میں کوئی تبدیلی
عمل میں آ گئی جس سے ادارہ کا معاملہ کھٹائی میں پڑا اور مطبوعہ کتاب کی بابت انجمن
کا [illegible] انجمن [illegible] اس کی خریداری کے سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتی۔ یہ ایک عجیب
اور تکلیف دہ صورت تھی۔ اتفاق سے انہی دنوں راقم کا لاہور آنا ہوا اور [illegible]
صاحب سے ملاقات ہوئی ان کے پاس [illegible] صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ ہم نے
اس محفل میں [illegible] صاحب تک اپنی شکایت پہنچائی ہوگی جس پر [illegible] صاحب نے
اسے مصنف کے ساتھ زیادتی قرار دیتے ہوئے اس سلسلے میں مدد کا وعدہ کیا ہوگا۔

۱۔ [illegible] انہی دنوں مجلس [illegible] انجمن [illegible] پاکستان کی وائس [illegible] کے منصب
پر فائز تھیں۔

۲۔ [illegible] ص ۲۲-۲۳

۳۔ [illegible] مسودہ تھا۔ راقم کے دوست اور [illegible] صاحب نے اس کے کلام کو ایک
مجموعہ مرتب کیا تھا جو [illegible] صاحب کو بھیجا گیا۔

Scanned by CamScanner

ڈاکٹر ضیاء الحسن

رحمان مذنب کا اسلوب
("باسی گلی" کے تناظر میں)

Though Rehman Muznib is basically a short story writer, he has also written three novels. Of these "Bass Gali" is more important. The theme of this novel is prostitution. From the perspective of its plot, characters, dialogues and picturisation, this novel is of exceptional importance in the realm of modern trends and techniques. In this novel, an effort has been made to elicit the problem metaphorically and descriptevely. This article is an analytical study of this novel.

رحمان مذنب کا شمار اردو کے نمایاں فکشن لکھنے والوں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے ناول، افسانہ اور ڈرامہ فکشن کی تینوں اصناف میں طبع آزمائی کی لیکن وہ بنیادی طور پر افسانہ نگار ہیں۔ اس بات کا اندازہ ان کے کام کی ضخامت سے بھی ہوتا ہے۔ ان کے اب تک شائع ہونے والے تخلیقی کام میں پانچ افسانوی مجموعے، تین ناول، ایک ڈراموں کا مجموعہ اور ایک شعری مجموعہ شامل ہے۔ معیار سے قطع نظر، محض مقداری حوالے سے بھی افسانہ نگاری ان کے مزاج میں رچی بسی صنفِ ادب نظر آتی ہے جس میں مشاہیر ادب نے ان کے تخلیقی کام پر اپنی آرا دی ہیں۔ ان کے ناقدین کی نظر بھی ان کی افسانہ نگاری کی طرف رہی ہے۔

Scanned by CamScanner

رحمان مذنب جرائم افسانہ نگار تھے۔ دنیا بھر کے ادب میں جرائم کی صورت حال تھی
پر وہ ناول نگار ہوئے۔ ان کے افسانوں کو کم اہمیت ملی۔ جیسے جاسوسی، کرائم کی
پر ترقی پسندوں، الطاف فاطمہ، عبداللہ حسین وغیرہ اور جو افسانہ نگار ہوئے ان کے
بعد وجود ہوئے جیسے منٹو اور اردو میں انتظار حسین وغیرہ۔ رحمان مذنب کے ساتھ
یہی صورت حال رہی۔ ان کے افسانے کے مقابل ان کے ناول کم [illegible] ہے
یہاں ان کے افسانے اور ناول دونوں کا اسلوب اور بنیادی موضوع ایک ہے۔

رحمان مذنب نے تین ناول تصنیف کیے۔ بازی گر، گوری کالونی اور گلی بدنام۔ ان کا
اس ناول میں متنوع موضوعات سے پیدا ہونے والے اسلوب کا بیان ہے۔ اس ناول
میں دیہات کی زندگی، محنت کش طبقہ، شہری ماحول، انسان کی ذات ہے یہی اور سب سے
بڑھ کر معاشرت کی زندگی۔ وہ موضوعات ہیں جنھوں نے مل کر ان کے عہد کی تصویر مکمل کی
ہے۔ یہ موضوعات متنوع ضرور ہیں لیکن متضاد نہیں ہیں اور نہ ہی بکھری ہوئی تفصیلات کا
انبار ہیں بلکہ تصویر کے دھاگے میں پروئی ہوئی ایک مالا کی صورت ظاہر ہوتے ہیں جس
میں انھوں نے فرد کی زندگی میں پیش آنے والے واقعات، خوشیوں، غموں، امیدوں،
ناامیدیوں، آرزوؤں، حسرتوں اور خوابوں کے ذریعے انسان کے پورے وجود کو اس کے
خارجی تناظر میں گرفت میں لینے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

رحمان مذنب کے اس ناول کا بنیادی کردار ایسا ہے جو دیہات کی ایک "الھڑ
دوشیزہ" ہے جو بابا کریم خان کے گھر پر رضا ہو جاتی ہے۔ یہاں سے ایک نئی کہانی شروع
ہوتی ہے۔ محرومی اور پھر بدنامی کی کہانی۔ رحمان مذنب نے تمام تفصیلات کے ساتھ
طوائف بننے کے عمل اور اس عمل کے دوران میں ایک عورت پر گزرنے والی کیفیات کا احاطہ کیا
ہے۔ اردو میں طوائف کے موضوع پر لکھی جانے والی افسانوی تحریروں کا ذخیرہ بہت ہے
"امراؤ جان ادا" سے لے کر "بازی گر" تک لاتعداد افسانے اور ناول اس موضوع پر

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہوگا۔

[illegible]

[illegible] ایسے [illegible] ہیں جن میں زندگی کے [illegible] اور عورت کی [illegible] بھی ہے۔ [illegible] نذیر صاحب اس زمانے میں یہ کام کر رہے تھے [illegible] سے اور طاقت سے [illegible] معاشرے میں [illegible] تھی۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس تحریک کی [illegible] کرنے والے ادیبوں میں سے ہیں۔

"ایامیٰ" میں طوائف کے موضوع سے بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ [illegible] کے مسائل اور کیفیت کا بیان ہے۔ اردو شاعری اور فکشن دونوں کے لیے یہ موضوع [illegible] ہے۔ اقبال شاعری میں اور رسوا، نذیر فکشن میں ایسے ادیب ہیں جنھوں نے

ہے جو زندگی ہے اس کے ورثے کا کھوکھلا پن محسوس کیا ہے اور اس کی مخالفت اور

بغاوت کو واضح کیا ہے۔ یہاں اقبال اور رومانی مذہب کا حوالہ مخصوص تنقیدی مرتبہ

ہے یعنی صوفیانہ اشتراکیت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ غزل کی شاعری کی نسبت ہوا

نیز نثر کا بیان زیادہ تر حیات کے ساتھ منسلک ہے۔ نثر نگار نے خواب بننے کے عمل کو

جس موضوع سے جوڑا ہے وہ اس معروضیت کی اصل بنیاد ہے اور خواب بننے کے عمل کو

نثر کے تجربے میں بھی برتا گیا ہے۔ یہ ایک مثالی موضوع تھا اور اس میں مصنف کے

خواب بننے ہونے کے امکانات روشن تھے لیکن افسانوی ادب نے اس مرحلے میں انسان کو

بہت سی نگاہ سے دیکھا ہے اس میں تخلیق شکستہ نظر کے تصور سے ایک گہرا اور بڑا معنوی

سوچ کا ہونا بہت ضروری ہے جو کہانی کی تشکیل میں ایک مخصوص ادبی رنگ اور قاری کے ہاں

ایسے نثر کو جذب کی ہر طرح صلاحیت رکھتا ہے۔

افسانے کی کہانی لکھنے والے ادیبوں میں کسی کی نفسیات کی نمائندگی پیدا ہو جاتی ہے۔

افسانے سے ذات کو بیان کرنے کا رجحان جیسا کہ اول تو یہ ہے کہ داخلی ذات لکھی اگر کہانی کا

حسن ذات پر تنقید کی طرف مائل ہو جائے تو یہ تمام تر قاری پر منتج ہوتا ہے وہ جہاں پر تخلیق

ہے رومانی مذہب کو موضوع دیکھا جائے تو بہت آسان تھا کہ وہ قوس قزح کی طرح بن جائے لیکن

نقش کی حسن جمال نے اسے تعبیر دے کر ذات کی بات سے نکال کر ایک زندہ وادی

کی تجلی رنگ میں ڈھال دیا ہے۔ خاص طور پر لیوں کی حسن کے بیان میں ان کا قلم اس

خیال پر بحث کا اظہار کرتا ہے وہ شخصیت کے باوجود بھی ذات سے پرے اور اولاد کی تھی

"ان میں کی زعفرانی رنگ کی اصلی اصلی تصویر میں شخصیتوں کے قریب

ہیں کی جگہ سے تن جاتی اور جوانی کے اعضاء کو چھپائے رکھتے۔ جوانی

کبھی کپڑوں میں نہیں چھپتی۔ اس کی مہک بھی اسیر نہیں ہوتی

کپڑے جیسے اچھے اٹھاتے تھے اس کی جوانی اتنی ہی زیادہ مہک

چھلک چھلک۔ کپڑوں میں ایک دہکتا ہوا شعلہ نکل رہا تھا"۔

یہ بیان قاری کے دل میں ایک عجیب جنسی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ اس کے جنسی جذبات بھی ابھر آتے ہیں۔ یہ جمالیاتی کیفیت حسن سے تعلق کو وقت انسانی بنیادوں پر استوار کرتی ہے۔ بعض اوقات اس سے بھی زیادہ واضح اور الفاظ کی کیفیات کے بیان پر مامور ہو کر وہ دکھاتے ہیں۔ ایک اور مثال دیکھیے:

"جب وہ دالان یا آنگن سے اوجھل ہو جاتا تو وہ اس کے ساتھ دالان کے بڑے سے در پر روانہ ہو جاتیں۔ واپس آ کر آنگن میں آ بیٹھتیں تو کھڑکی کھڑکی میں اسے اپنا پاتیں۔ جو راز جو وہ دل میں چھپائے بیٹھی تھیں۔ سہیلیوں سے بھی نہ کہتیں۔ ان کے سامنے لگی رہتیں۔ بیوی تو سب سے آگے تھی۔ اس معاملے میں وہ کھڑکی اور خواب میں دالان سے وہ سب دیکھ کر تھکی جو اس کے سامنے کھڑکیوں پر بیٹھے پردے کرتے یا اس کے آنگن میں اس کو علاوہ ازیں رقص میں مصروف ہوتیں"۔

اس اقتباس میں مصنف نے جو لذتی پرکشش تجربے کا بیان اس جمالیاتی شعور کے ساتھ کیا ہے کہ جنسی تجربے سے ہونے کا گمان بھی نہیں گزرتا اور نہ ہی عریانی کا تاثر نمایاں رہتی ہے۔ اس طرح اس نے بچپن پر ہونے والے جنسی تشدد کو بھی ایسا جمالیاتی رنگ دیا ہے جو لذتیہ احساس کے بجائے اس ظلم کے احساس کو پیدا کرتا ہے جو لذت کش ہے۔ اس طرح کے واقعات میں اردو کی کہانی لکھنے والے عموماً جنسی عمل کو قاری کے اندر جگا کر مریضانہ کیفیات ابھارنے کا وسیلہ بنتے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ جمال کار نے اس سے قبل بچپن کی سرگزشت قاری میں اس جمالیاتی انداز کو اختیار کیا ہے۔ واقعے کے بعد اس کا اظہار یوں کیا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ ایک مصیبت زدہ عورت کے سراپے کا جمالیاتی بیان کس

Scanned by CamScanner

وہ واقعہ حقیقت سے دور ہے۔

رحمان مذنب حقیقت نگار ہیں۔ حقیقت نگاری عموماً ادب کا ایک اہم رجحان رہی ہے۔ تو رحمان مذنب اس ادبی رجحان سے بہت کم متاثر نہیں ہوئے۔ انھوں نے ساری حقیقت لانے سے کام ضرور لیا ہے لیکن اسے تمام بیانیہ میں تبدیل ہونے نہیں دیا۔ یہ کام انھوں نے اپنے اسلوب کی کفایت سے انجام دیا ہے۔ حقیقت نگار عام طور پر اس براہ راست سے پرہیز کرتے ہیں جو رومانوی اوصاف کی حامل ہوتی ہے اور حقیقت کے برعکس ہوتی ہے۔ اس کے لیے رحمان مذنب تمثیلی و استعاراتی زبان اختیار کرتے ہیں۔ تمثیل اپنے اندر ایک لازمی ابہام رکھتی ہے جس میں اسرار کی ایک رواں روانی ہے جسے انھوں نے بڑی کاری گری سے برتا ہے اور فلیش بیک کی Techniqu کے ساتھ اس میں رنگ بھرا ہے۔ فلیش بیک بذات خود ایک اسرار ہے۔ رحمان مذنب نے اسے بھی محض ایک صورت میں استعمال نہیں کیا بلکہ ماضی کو حال کے ساتھ اس طرح گھلا ملا دیا ہے کہ قاری پڑھتے ہوئے منتقل ہو جاتا ہے۔ قاری مسلسل دونوں زمانوں میں سفر کرتا ہے۔ انھوں نے ماضی کو حال میں اور حال کو ماضی میں اس طرح شامل کیا ہے کہ زمانے کی تدریجی حد ختم ہو گئی ہے۔ یہ لازمیت اس کے اسلوب میں ظاہر ہوتی ہے اس نے ناول کو نہ صرف قابل مطالعہ بنا دیا ہے بلکہ اس میں وہ تجسس پیدا کیا ہے جو قاری کے ذہن کو گم ہو جانے والی ہے۔

رحمان مذنب اپنے اس ناول میں ایک درد مند دل رکھنے والے تخلیق کار کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ دردمندی ہر شعبے ادب کی تخلیق میں بنیادی عنصر کے طور پر کام کرتی ہے ان کے اسلوب میں حسن و جمال اور دردمندی دو لازمی عناصر کی صورت میں جمع ہیں۔ ان عناصر سے جو اسلوب تشکیل دیا ہے اس کی وجہ سے عام موضوع و مسائل دلکش ہو کر ایک تخلیقی اظہار کی صورت اختیار کر گئے ہیں۔

Scanned by CamScanner

رحمان مذنب کے اس ناول میں ناول نگاری کے تمام بنیادی عناصر ایک متوازن انداز میں [illegible] ملتے ہیں۔ ان کا پلاٹ پیچیدہ ہونے کے باوجود [illegible] ہے جو اپنے قاری کی گرفت سے باہر نہیں نکلتا۔ اسی طرح سراپا نگاری، منظر نگاری، مکالمہ نگاری اور کردار نگاری میں ان کی فنی [illegible] دسترس کی گواہ ہے۔ اس حوالے سے ناول کا تجزیہ [illegible] سے موضوع سے وابستہ ہے اور کئی اور ناقدین کی توجہ کا متقاضی ہے۔

میرے خیال میں [illegible] یہ فکشن کی وہ [illegible] ہے جو ایک ناول کو دیگر افسانوی کیفیات سے [illegible] فکشن ہے۔ اس حوالے سے رحمان مذنب کا یہ ناول "[illegible]" ایک [illegible] ہے اور اردو فکشن کے قاری کے لیے تحفے کی حیثیت رکھتا ہے۔

Scanned by CamScanner

’’یا خدا‘‘...... ایک مطالعہ

The partition of the subcontinent into India and Pakistan was a cataclysmic event. It caused a communal upheaval on a scale seldome seen in this part of the world. It provided some great writers a chance to portray the great communal strain and tension resulting into mindless killing rampage and vandalism. Among them: Manto, Khuswant Singh and Qudrat Ullah Shahab. "Ya Khuda" by Qudrat Ullah Shahab has been studied in this article from a different approach.

اردو ادب میں ناول کی صنف مغرب سے آئی۔ [illegible]

[illegible]

اگرچہ ابھی تک اردو ناول، مغربی زبان و ادب کے ناولوں کے معیار تک نہیں

پہنچا، پھر بھی ہمارے یہاں کچھ اچھے ناول ضرور لکھے گئے۔ ان اچھے ناولوں میں اگر [illegible]

[illegible] کی [illegible] اور [illegible] کی [illegible] ناولوں کو [illegible] تو پتا چلتا ہے ان ناولوں میں

[illegible] و مسائل کو موضوعات کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اردو ناول کا [illegible]

بیسویں صدی میں جو موضوع سب سے زیادہ اہم رہا ہے وہ فسادات، ہجرت اور [illegible]

[illegible] ہے۔ اس موضوع کی مختلف جہتیں مختلف ادیبوں نے [illegible]

[illegible] ہے جیسے "یا خدا" بھی اسی موضوع سے متعلق ایک ناول ہے۔

یا خدا: قدرت اللہ شہاب کی تخلیق ہے اسے ناول کے بجائے [illegible] [illegible]

[illegible] ہے اس کے صفحات کی تعداد [illegible] ہے اور [illegible]

[illegible] تمام [illegible] میں [illegible] کیا گیا ہے۔

جہاں تک قدرت اللہ شہاب کی ادبی و [illegible] شخصیت کا تعلق ہے وہ [illegible] سے

[illegible] ہے آپ نے [illegible] اور [illegible] پاکستان کے [illegible]

[illegible] اور [illegible] "یا خدا" [illegible] ناول [illegible] سے [illegible]

[illegible] ادب [illegible] میں سے [illegible]

[illegible] اور [illegible] [illegible] اور [illegible]

کی [illegible] میں آئی۔

چنانچہ عام طور پر یہی کہا جاتا رہا ہے کہ قدرت اللہ شہاب کے ادبی [illegible]

کی [illegible] کی [illegible] سے وجود میں آئی۔ [illegible]

[illegible] ہے قدرت اللہ شہاب کی [illegible] [illegible]

تھے۔

یا خدا: [illegible] ناول سے [illegible] ہے [illegible] کے

Scanned by CamScanner

سے ملاقات کا ایک قدرتی جواز ہے جس میں انہوں نے دالدار کے کردار کو [illegible]
[illegible] ہے جو مشرقی پنجاب کے ایک ایسے گاؤں کی باسی ہے جہاں اکثریت سکھوں
کی ہے اور جو قوم پاکستان کے بعد کئی مرتبہ جب ارض پاک کی مٹی پر قدم رکھتی ہے تو
[illegible] میں [illegible] ہوتی ہے ان ہوتی ماں، جو پاکستان کیلئے نہ صرف اپنے مولوی
[illegible] ہے بلکہ اپنی عزت و عصمت کی قربانی بھی دے چکی ہوتی ہے۔ یہ دالدار اپنی آنکھوں
سے دیکھتے [illegible] ہوتے جب ان کو [illegible] پر سانس لیتی ہے تو اسے قتل [illegible] کا سامنا
[illegible] ہے کیسے کیسے صاحب ان کے [illegible] میں ڈالتے ہیں، اور وہ کس طرح ایک [illegible]
[illegible] جاتی ہے یہ سب اس ناول کا بنیادی موضوع ہے۔

اسی کے ساتھ ایک اور [illegible] کردار زبیدہ کا بھی ہے جو اپنے چار سالہ بھائی
کے ساتھ [illegible] کی ہجرت کرتی ہے۔ گویا وہ بارہ سال کی عمر کی زبیدہ کی داستان
ہے جو [illegible] سے بالکل جدا اور مختلف نہیں۔

قدرت اللہ شہاب نے ناول کے دیباچے میں لکھا:

"میں ان کیمپوں کا جو حال میں نے لکھا ہے، وہ اور میں دیکھا ہوا
جن کا افتتاح کرنے والے بہت سے بھائی جن کے چہرے [illegible]
میں نظر آئیں گے۔ مولوی، ادیب، [illegible]، قوم کے لیڈر، اور سیاستدان
سبھی اس میں کردار ہیں میں نے ان کے نام نہیں لکھے، ان میں سے
ایک صاحب کو تو خدا نے وزارت عظمیٰ بھی بخشا۔"

[illegible] سکھوں کی بستی کے مکین اگر [illegible] دالدار کے والد کو قتل کر
کے [illegible] کے کنویں میں پھینک دیتے ہیں اوپر سے کوڑا کرکٹ بھی ڈال دیتے ہیں لیکن
[illegible] بھی ان سکھوں کی توہم پرست گھر والیوں کو اس کی اذان سنائی دیتی ہے۔ ان سکھ
گھرانوں کا یہ خیال ہے کہ اگر کوئی سکھ عورت اذان کی آواز سن لے تو وہ پاگل ہو جاتی ہے

Scanned by CamScanner

پادری صاحب لکھتے ہیں کہ

"ادھر اذان کی آواز آئی۔ ادھر کسی نے کمرے کو چیخ سے بھر دیا
شروع کر دیا، کسی نے چیخ کر ماں سے لپٹ کر رونا، کوئی کانوں میں انگلیاں
ٹھونس کر بیٹھ گئی۔ کوئی بھاگ کر پچھلی کوٹھری میں جا گھسی اور اس
طرح سارا جادو خاک ہو گیا۔ اذان کی آواز کو لے جانے کے اثر سے
بچا کر بیڑا غرق کر دیا تھا۔"

دہلی کے قتل اور گاؤں کے دوسرے مسلمانوں کی تباہی و بربادی اور ہجرت کے
بعد اس گاؤں کے تمام ہندو اور مسلمانوں کی مشترکہ میراث بن چکی ہے۔ یہ وہی ہاتھ ہے جو
اپنے گردن میں لٹکا ہوا ہے کہ جب اس کے محبوب رحیم خان نے اسے زندگی
بچانے کی کوشش کی تو اس نے اس کے سر پر ضرب لگایا تھا۔ اسے ڈر ہے کہ اس کی
چوڑیاں ٹوٹ کر رحیم خان کے ہاتھ میں گڑ گئی تھیں اور وہ خود ساری رات انگاروں پر لوٹتی
رہی تھی کہ بہت خدا اور رسول، رحیم خان کو اس کی پرواہ نہیں ہے۔

یہ وہی ہاتھ ہے جس کو دیکھ کر سب مرد کی طرح کھڑے ہو گئے تو گاؤں کا
ایک ہندو عورت کی نظروں میں اعتبار و وقار حاصل کرنے کیلئے اسے قتل کرنے چھوڑ آتا ہے
تاکہ اسے مرد ہونا ثابت ہو سکے۔ لیکن قتل کرنے میں ہندو قاتل کے اندر کو سکون ملا تھا۔

قتل کے بعد صاحب نے بیٹھ کر اس کے ہاتھ کو جانچا تو لیا۔ قبول صورت، جوانی کا
کی بیٹی بھی گرم گرم تھا مگر جب ان کی نظر ہاتھ کے پیچھے پڑی تو ان کی ابھری ہوئی
امیدوں کو زبردست دھچکا لگا۔ جو ہم رات کے کھانے کے بعد جا گئے۔ وہاں کر وہ چارپائی پر
لیٹے تو انہوں نے ہاتھ کو پاؤں دبوانے کے لئے اپنے پاس بلا لیا اور پھر ان کے پاؤں کا
دبانے بیٹھے چھاتیوں تک آ گیا۔ پھر گھٹنوں میں اور پھر ــــــــ وہ ہاتھ کا ہاتھ پکڑ کر
اپنی وحشی ہوس رانی کا دور دورہ تھا۔ کیونکہ بعض راجم کے نزدیک خواہش کا دورہ تھا

[illegible]

[illegible]

[illegible] اس کی بیٹی کو [illegible] جاتی ہے۔

زندگی کے اس عالم میں ایک انگریز جوڑا اپنے بچے کی خواہش پوری کرنے کیلئے [illegible] اس کی بیٹی کو [illegible] رہا ہے۔

قدرت اللہ شہاب نے اس موقع پر انگریز جوڑے کو شاید اس لئے منتخب کیا کہ ان کے خیال میں انگریز قوم دنیا بھر کے [illegible] کی زیادہ علمبردار ہے لیکن دوسری طرف یہ [illegible] بھی ہو سکتی ہے کہ وہ [illegible] انگریزوں سے [illegible] نظر آتے ہیں لیکن [illegible] انہوں نے انگریز جوڑے کی [illegible] کا ایک [illegible] پیدا کیا ہے [illegible]

Scanned by CamScanner

ڈالی گئی ہے۔

اس موقع پر شہاب نے اپنی کمزوری اور لاچاری میں بدلی حاجتی کو بھینٹ دیا ہے جب وہ بوڑھے مہاجروں کے اس طرز عمل پر پسندیدگی کا اظہار کرتے اور ممتاز کو اچھی خاصی کھری کھری سناتے ہیں وہ موسم کے اثرات سے جاں بلب بچی اور بھوک سے نڈھال ماں کی کیفیات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے نہ ہی کوئی مدد کرتے ہیں بلکہ ہم وطن اخلاقیات کی تقریر جھاڑ دیتے ہیں کہ

"غداری تو کی، علاقائی کو چھوڑ دیا، تم کوئی بچے نہیں ہو، تمہیں خود شرم آنی چاہیے۔ آزاد قوم کی بیٹیاں بھیک کے ٹکڑوں پر نہیں پلتیں، ہاں"

یہ وہ تلخ تجربہ ہے جو پہلے ہی قدم پر خواب دیکھنے والی آنکھوں میں اداسی کے ڈھیر لگا دیتا ہے اور وہ سوچنے لگتی ہے کہ میں تو ایک وحشی بدکاری میں شامل ہونے آئی ہوں، یہ کیا ہے کہ ہر کوئی مجھ سے پوچھتا ہے، تم کون ہو؟ تم کیا ہو؟ تمہاری جیب میں پیسے ہیں؟ تمہارے جسم میں جان بھی ہے؟"

اسی طرح مہاجر کیمپ میں مہاجرین سے جس طرح کا سلوک ہوا، جو زیادتے ہوئے، تجاوز و حرمت کا جو تصور سامنے آیا، انسانیت کی جس طرح تذلیل ہوئی، اس سب کی داستان بڑے مختصر مگر اچھوتی بات وہ لے میں اس ناول میں ملتی ہے۔ یقیناً اس پر شہاب اور میں بہت سے لوگوں کا ردعمل بھی رہا ہوگا۔ ایسے بڑے لوگ ہر معاشرے میں ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ لیکن یہاں ان لٹے پٹے خاندانوں اور خستہ حال لوگوں کے جذبات و احساسات کے کچلے جانے کے واقعات بڑے اہم ہیں۔ اس مقامی دھرتی کا مہمان بننے والوں نے اس سلوک کی توقع شاید نہ کی ہو۔

اسی کیمپ میں ممتاز کی ملاقات گیارہ بارہ سال کی بچی زبیدہ سے بھی ہوئی جو وقت کی بے رحمی کے نتیجے وقت سے پہلے Mature ہو جاتی ہے اسے بھی بھوک کا احسا

Scanned by CamScanner

یہاں بھی اس کی کردار نگاری کے حوالے سے صاحب قرآن کو کہتے ہیں

"وہ پھول کی ٹہنی اپنے چھوٹے بھائی کو دیتی، کسی کی طرح وہ اچھی تھی اور دیکھنے والے کو یہ محسوس ہوتا تھا کہ اس نے فطرت سے خاموشی کو سیکھا ہے۔ وہ بھی ایسی ہی ہے۔ اس لڑکی کا شعور اس قدر حساس ہے جیسا کہ وہ بیک وقت ایک گڑیا بھی ہے، ایک کلی کی پتی اور ایک گڑیا کی ماں کے فرائض بھی انجام دے رہی تھی۔"

قدرت اللہ شہاب کے افسانوں/ناولوں میں اس کی منظر نگاری سے محروم نہیں ہوتا۔ یہ وقت کا پتہ اور اس کی جزئیات نگاری کا جوہر انہوں نے بڑی خوبصورتی سے [illegible] کے اندر [illegible] کا مطالعہ [illegible] انہوں نے جن الفاظ میں کھینچا ہے تحریر میں [illegible] زندہ اور محسوس ہونے لگے۔

"ٹھیک ہے، وہ بات کی [illegible] آنکھوں پر موٹے گلاس کا چشمہ، سر پر سبز مخمل کی سیاہ ٹوپی، ہاتھوں میں رعشہ، گردن میں ابھری ہوئی رگیں تھیں۔ جب وہ گلی میں کھڑے ہوکر پڑھاتے وقت [illegible] وہاں بیٹھ کر [illegible] ڈھال لگے ہے وہ زمانے کی آواز [illegible] دست بدعا ہوں کہ [illegible] ہوں۔"

ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔

"جب اس کی آنکھ کھلی تو [illegible] کی ایک چھوٹی سی [illegible] پانی سے [illegible] رہی تھی [illegible] ایک گھنی سی بیلی [illegible] رہی تھی، صبح کی [illegible] کی سوندھی [illegible] کے [illegible] رہی تھی [illegible]

Scanned by CamScanner

ہوئی چھت سے لگے رنجش پر چمکتی جگی تھی، ایک گرم چائے والا
تھالی سے بھاپ اٹھاتی پیالی پر جھکا ہوا سوال رہا تھا۔"

یعنی جب صبح بچی کو اٹھا کر صبح کی دھوپ نکل آتی ہے جب وہ مہاجر کیمپ کی اسی رات سے دوسرے دن تک جو میں بچی پالنے والے بیمار بچی کو زرد دھوپ کی سردی سے بچانے کے لئے اپنے کپڑے اوڑھتی ہے۔ جو رات بھر روتی رہی ہے تو ماں کے اپنی بچی کا جسم ٹھنڈا ہو چکا ہوتا ہے مگر نکلی ہوئی ہے، وہ جو اپنی بچی کی زندگی پر مطمئن ہے تو منظر قلب پر آتا ہے کہ بچی کی موت مر چکی ہوتی ہے۔ اس واقعے کی منظر نگاری دیکھئے۔

"جب صبح صادق کی پو پھٹی تو مہاجر خانے کے میدان میں ایک
مردہ بچے کو اپنی گود کی طرح سمیٹے ہوئے اس جوان عورت کا چہرہ
ماں تھی جس نے اپنے کپڑوں میں اپنی مرتی ہوئی بچی کو لپیٹ لیا
تھا اس نے جوان چھاتی سے اس کی بچی کی لاش یوں چمٹی ہوئی
تھی جیسے ابھی ابھی دودھ پیتے پیتے سو گئی ہو۔ معلوم ہوتا تھا کہ کسی بت
تراش نے مرمر کو تراش کر یہ خوبصورت بت بنائے ہیں۔ عورت کے
چہرے پر شبنم کی بوندیں بارش کے قطرے موتیوں کی طرح چمک
رہے تھے اس کی تھکی ہوئی آنکھیں دو ستاروں کی طرح ابھری پڑی تھیں۔
اس کی پلکوں پر آنکھوں میں پانی کی ایک تہ سی جمی ہوئی تھی جیسے اس
کے خون کے ساتھ ساتھ اس کے آنسو بھی منجمد ہو کر رہ گئے ہوں۔"

میرا خیال ہے کہ ممتا کی مجبوری، اس کی نفسیات اور اس کی لازوال قربانی کا یہ دل ہلا دینے والا منظر ہے اسی منظر سے ایک اور المیہ بھی جنم لیتا ہے جب مہاجر خانے کے لوگ ان لاشوں کو دفنانے لے آتے ہیں اور رات بھر کے مردہ جسموں کو ان سے الگ کیا جاتا ہے ان لاشوں کی گمشدگی دوسرے مہاجروں کو اپنے وطن پر محسوس ہوتی ہے اس

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

وہ عورتیں جو بچوں کو لے کر آئی ہیں، ان مردوں کی [illegible] جن کو پیچھے چھوڑ کر آئی ہیں، کو صرف محسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔

لاہور، لاہور ہی تھا [illegible] لاہور والے [illegible] تھے۔ انتظار حسین [illegible] سے بھی وہ [illegible] تھے [illegible] لاہور [illegible] بھی [illegible] ان کا رشتہ [illegible] ہے۔

ناول کا وہ حصہ جو ہجرت کی کہانی [illegible] کے بعد کا ہے، وہ بے حد اہم ہے۔ اس حصے میں واقعات کا کردار [illegible] ہو جاتا ہے [illegible] دوسرے کئی کردار اپنی روایت اور تہذیب کے حوالے سے [illegible] ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ یہ کردار ان کے [illegible] اور ان سے وابستہ واقعات اپنے [illegible] زندگی میں [illegible] مختصر ہیں [illegible] زندگی کے [illegible] سے [illegible] رہے ہیں۔ خود مشرقی پاکستان کے سانحے کے بعد سندھ میں لسانی فرقہ وارانہ فسادات کے [illegible] سامنے تک [illegible] کی صورت [illegible] رہے ہیں [illegible] جب وجود میں آئے، کراچی سے اب بھی پاکستان کا [illegible] کیا جاتا ہے۔ "پاکستان" میں اس کے ابتدائی خدوخال کی تصویر [illegible] سے واقف ہیں۔

> "ایک ہندو خاندان ہجرت کر رہا تھا۔ اس کی خوشنما کوٹھی کے سامنے چار لاری گاڑیاں سامان سے لدی کھڑی تھیں۔ سامان میں ایک طوطے کا پنجرہ بھی ہے۔ طوطا مزے کی چھلیاں کھا رہا ہے۔ جب کوئی اس کے پاس سے گزرتا ہے تو وہ نیم باز آنکھوں سے اس کی طرف یوں دیکھتا ہے گویا کہہ رہا ہو کہ لو، سالو میں بھی چلا، اب تم دیکھوں کا [illegible] پاکستان کیسے بناتے ہو۔"

اسی طرح یہ واقعہ بھی ذہن میں رکھیے۔

Scanned by CamScanner

تم بھی کہیں ہو!

میں نے ساتھ ہی پاکستان بننے سے پہلے [illegible]

شراب کی تجارت پہلے سے ہی ہوتی تھی [illegible]

یہ کاروبار بھی ہوتے تو تعجب تھا۔ [illegible]

پھر بھی یہ مصر ہی اسلامی حکومت بننے کے بعد [illegible]

کو پاکستان بنا [illegible] مسلم ممالک میں سب سے بڑا ملک [illegible]

پیر صاحب کی معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ مصر ہی سب سے بڑا اسلامی ملک بنا [illegible]"

پیر صاحب مصر تھے۔ "قبلہ!" [illegible]

پھر کہا: "آپ درست فرما رہے ہیں۔ ہم [illegible]"

یہ شخص [illegible]

[illegible]

[illegible]

"یہ روٹی کھولی ہے جی، بس کے کنڈکٹر نے [illegible] سے کہا [illegible]

بولی دو۔ یہ روٹی میں نے نہیں کھائی، [illegible] نے [illegible]

جواب دیا، میں یہ روٹی [illegible] سے نہیں دیا، میں تمہیں [illegible]

دوسری روٹی نہ دوں گا۔"

کنڈکٹر نے بس روک دی۔ "جب تک تم لوگ دوسری روٹی نہ

دو گے، یہ بس آگے نہیں جائے گی۔" [illegible] نے کنڈکٹر کو [illegible]

[illegible] "سارے سندھی [illegible] پاکستان [illegible]

[illegible] میں [illegible] لگا دیں گے یا"

Scanned by CamScanner

سکھ، ہندو اور انگریز باہر نکل کر ایک طرف کھڑے ہو گئے۔

سارے بنگالی بہت چاؤ کر یہاں آئے تو ساتھیوں کو دعا ہی نہیں ملا۔

وہ بڑی چیز سے آئے ہیں۔ ہندو کے پیچھے ان کی ماں کے شکم کو

گھر ہے یہاں۔

ایک ہندو دانشور نے قصیدہ ہی کر ختم کیا اور دوسرے ہندو نے

سکھ ہندو انگریز کو ایک ایک بڑی تقریر کی۔

وہ بنگالی جو یہ تماشہ دیکھ کر کسی سے پیچھے آ گئے۔ وہ ایسی دعا تھی

وہ بے شک ایک نے پوچھا۔ یہی کوئی دو گھنٹے اور ہوگی۔ دوسرے

نے اندازہ لگایا۔ آدھ گھنٹے ہی بیتی۔ جب وہ دونوں اس سے ایک

محفوظ سے پہنچ گئے تو انہوں نے دونوں والے صاحب نے پوری تحمل

کر ختم کیا۔ تو نے وہ سارے مسلمان اور بنگالیوں کو کہتے ہیں

پاکستان کی زبان اردو ہوگی۔ گویا ... یہ ہماری قومی

زبان ہی نہیں ۔۔۔۔۔۔ بھی تھی۔"

میرا خیال ہے کہ اس واقعے کی رو سے بہت سی گرہیں کھلتی ہیں۔ جو سادگی

کے ساتھ ہندو اور بنگالی کے اندر کا زہر بھی ظاہر ہو جاتا ہے جس کی وہ انتقال

خوش ہوتے ہیں جو بعد میں گھر کی تقسیم کا سبب بنتے ہیں۔

کوئی بھی ادیب یا شاعر نہ صرف عصر حاضر کا شعور رکھتا ہے بلکہ وہ آنے والے

زمانے کی چاپ سننے کا ادراک بھی رکھتا ہے اور یہ قدرت اللہ شہاب کا کمال ہے کہ انہوں

نے پچیس برس کا ایک قبل پیدا ہونے کے باوجود اپنی تحریر میں ان محرکات کے بنیادی

اسباب کو محسوس کر کے اس کا تجزیہ پیش کیا۔ جنہوں نے ہماری آدھی قومی اور ملکی بلکہ نظریاتی اور

... کو حصہ بنا کر الگ کر دیا۔

[illegible] سے کشمیر کی طرف۔

[illegible] دل [illegible] حیدر کی
[illegible] کراچی میں تو اس میں
[illegible] پہلی [illegible] کرتے تھے
[illegible] ایسے کردار ہیں جو
[illegible]

[illegible] کے گالوں کی سرخیاں
[illegible] اور گرم
[illegible] قسمت کے ساتھ
[illegible] یہاں مشکل سے
[illegible]

[illegible] میں فسادات اور مسلمانوں کے لیے [illegible] ایک [illegible] کشمیر میں بھی ان حالات کی آس لگائے بیٹھے تھے [illegible] مہاجر اور پنجابی لڑکیوں کے بعد انہوں نے کشمیریوں کے بارے میں [illegible] جب انہیں کشمیر کے بارے میں [illegible] ہو جاتے تھے۔ کشمیری لڑکیوں کے بارے میں [illegible]

[illegible] جن کے گالوں میں سیب ہوتے
[illegible] آنکھوں میں ڈال کر
[illegible] پہاڑی چشموں کا [illegible] آگ

Scanned by CamScanner

میں گلاب اور موتیے کی مہک، زعفران کی بھینی بھینی مہک ہے۔

اس سارے ہوٹل کا نقطۂ عروج وہاں سامنے آتا ہے جہاں ہوٹل کے انتظام کا پھاٹک اور دروازہ میں منتظر ہوتی ہے۔ جہاں دلشاد اور زیبو کی طرح کی بہت سے چہرے بھی رنگ برنگی نظر آتی ہیں۔ یہ منظر نگاری، رومانوی انداز بیان میں لکھا گیا ناول فروش ہے۔

ایک جھونپڑی میں چادر تان کر وہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ سامنے کی طرف دلشاد، پکوڑیاں تل رہی ہے۔ پچھلی طرف زیبو وہی جلتے لالٹین تلے بیٹھی ہے۔ ایک لمبا تڑنگا پٹھان پکوڑیوں کے سامنے کھڑا ہو کے بیٹھا ہے۔

"گرم گرم پکوڑیاں ہیں، خان، کھاؤ — بولو کتنے کی دوں؟"

"نرم ہے خو — گرم ہے؟" پٹھان نے آنکھ ماری

"ہاں خان، نرم ہے، خو گرم ہے۔" دلشاد کو بھی اس کے سامنے کر کے مسکرائی۔ دلشاد کی مسکراہٹ میں بھی عجیب جادو تھا۔ اس کی ایک مسکراہٹ پہ نثار ہو کر، رحیم خان نے قسم کھائی تھی کہ وہ ارض وسما کی وسعتیں پھاند کر اسے بھگا لائے گا۔

پٹھان نے ہونٹوں پہ زبان پھیری، "خو ایک روپیہ"

"تمہیں خان، خو پاؤ روپیہ — بہت۔ خو ڈھائی روپیہ — خو پاؤ گا"

پٹھان نے اپنی جیب کے پیسے گنے۔ اس کے پاس تین روپے چار آنے تھے۔ اس نے پورے دو روپے کا سودا کرنا چاہا، لیکن دلشاد نے اسے مجبور کر دیا کہ خان قرض محبت کی تنگی ہے، تم پیسے بعد میں دے کر، دو میں تمہیں بہت بہت نرم نرم، گرم گرم پکوڑیاں دے دوں گی۔

پٹھان راضی ہو کر دوسری طرف چلا گیا۔ وہاں اس نے دہی بڑوں کا

Scanned by CamScanner

سوچا کیا۔ زبیدہ ابھی بچی تھی، نادان تھی، معصوم تھی۔ اس نے وہ پہلے

وہ روپیہ کا ادھار مان گئی۔

زبیدہ نے دلشاد کو آواز دی، "بہن ذرا اس طرف دھیان رکھنا، محمود

سو رہا ہے۔ میں ذرا خان کے ساتھ جا کر دہی لے آؤں۔"

ایک لاوے سے ناول اس جگہ ختم ہو جاتا ہے۔ اگرچہ قدرت اللہ شہاب نے کچھ

نہیں کہا کہ میں نے ابھی اس ناول کا انجام نہیں سوچا، اسے میری کئی بار آنکھوں نے کراچی کے

جھونپڑوں میں دیکھا، جہاں بے شمار لوگوں نے ڈیرے ڈال رکھے تھے، جہاں زبیدہ دہی لینے

کی بچوں کے ساتھ چلی جاتی ہے اور دلشاد اپنی جھونپڑیوں کیلئے جس لینے کسی اور کا

کے ساتھ۔

دہلی اور مشرقی پنجاب کی اس وحشت پر دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ملت کا
مستقبل پروان چڑھ رہا ہے، جب دلشاد کی بیٹی نرم نرم گرم گرم
جھونپڑیوں پر پل کر جوان ہوگی، جب زبیدہ کا بھائی محمود دہی بڑوں
کی چاٹ پر پیدا ہوگا تو اسلام کی برادری میں دو گراں قدر کارکنوں کا
اضافہ ہو جائے گا، ایک مضبوط بھائی، ایک خوبصورت بہن ــــ جسم
کی مضبوطی اور جسم کی خوبصورتی یہی تو وہ اخلاق اور کمال ہے جس
سے بڑی قومیں تعمیر ہوتی ہیں۔"

کیا قدرت اللہ شہاب کی ان باتوں کے بعد کچھ اور کہنے کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔

Scanned by CamScanner

صبا اکبر آبادی کے مرثیے "شباب" کا تجزیاتی مطالعہ

Saba Akbarabadi (born 1908) died in 1990 and his reputation rests on his contribution to traditional poetry, particularly the Marsia - the traditional elegaic poetry linked with the tragic event of Karbala and the martyrdom of Imam Hussain the grandson of hte Holy Prophet (PBUH). Saba gave Marsia a new style and his marsia "Shabab" is an important specimen of his work and is the subject of this analytical study.

"شباب" جو مشہور شاعر صبا اکبر آبادی (۱۹۰۸ء۔۱۹۹۱ء) کا مرثیہ ہے۔ صبا کی شہرت میں ایک بڑا حصہ ان کی رثائی شاعری کا ہے۔ انہوں نے شاعری کی دیگر اصناف جیسے غزل، سلام، رباعی، نظم کو بھی وسیلۂ اظہار کے طور پر اختیار کیا ہے۔ [illegible] مرثیہ کے [illegible] بھی کہے ہیں مگر اردو شاعری میں انہیں جو شہرت و مقبولیت حاصل رہی ہے [illegible] ہے وہ زیادہ تر ان کے مراثی کے سبب ہے [illegible] میں ان کے تخلیقی مزاج کو مناسبت مرثیے سے تھی۔ [illegible] دوسری اصناف کے ساتھ نہیں تھی [illegible] کے ساتھ [illegible] ہے اور اس کا سبب غالباً یہ ہے کہ [illegible]

جمالیاتی، رسمیہ رویہ اور سکوت کے باوصف مرکز ہو جاتے ہیں اور جب کسی تخلیقی مزاج پر مرثیت غالب ہو جاتی ہے تو پھر وہ اپنے مخصوص تجربات، احساسات کو اس میں ضم کرنے کی روش اختیار کر لیتا ہے۔ یہ حقیقت صبا اکبرآبادی کی روایتی شاعری اور اس کے ایک مجموعے "خواب" میں بھی دکھائی دیتی ہے۔

صبا اکبرآبادی کی شہرت، واحدیت کو مرثیے سے منسوب کرنے کا مطلب یہ بھی ہے کہ انھیں مرثیے میں، شاعرانہ کمالات کے اظہار کے وہ سب امکانات دکھائی دیتے ہیں جنھیں اردو دوسری شاعری کی روایتی اصناف سے وابستہ کیا جاتا ہے۔ گویا مرثیہ ان کے نزدیک مذہبی شاعری کی ایک قسم نہیں ہے۔ بلکہ شاعری کی وہ قسم ہے جس میں شاعری کی کئی اقسام کے مختلف عناصر کو سمیٹنے کی وسعت اور گنجائش ہے۔ جب کسی شاعر کو مرثیے کی شعریات کا یہ شعور حاصل ہو جاتا ہے تو وہ دیگر اصناف شعر میں اپنی تخلیقی استعداد کو کھپانے کے بجائے ان اصناف کے مختلف اجزا کو مرثیے کی شعریات میں ضم کرنے لگتا ہے۔ اگرچہ دیگر اصناف میں لکھتا بھی ہے تو فطری اور کیفیاتی سطح پر مرثیہ (یا اپنی کسی دوسری پسندیدہ صنف) میں یہ عمل ضرور انجام دیتا ہے۔ صبا اکبرآبادی کے مرثیے اس امر کی شہادت پیش کرتے ہیں۔ یہ بات کس قدر ظاہر ہے کہ دیگر اصناف کے عناصر کو مرثیے میں شامل کرنے کا مطلب مرثیے کو مختلف اصناف کا آمیزہ بنانا ہے اور مرثیے کی مرکزیت پر دیگر اصناف کی یلغار کی راہ کھولنا ہے۔ ممکن ہے کہ اس مرثیہ گو کے یہاں یہ عمل ہوا ہو جس نے یہ سب جتن کے طور پر کیا ہو، مگر جس کے تخلیقی مزاج میں تبع ازلی نے مرثیے کو پایۂ تکمیل کر اس کی طرف رخ کیا ہو، وہ اس ازلی کو مرثیے کی شعریات کا واسطہ و حوالہ بنا کر دیگر اصناف کے عناصر کی تقلیب کر رہا ہے۔ صبا کے مرثیوں میں تقلیب کا یہ عمل موجود ہے۔ "خواب" میں بھی بعض مقامات پر تقلیبی عمل ظاہر ہوا ہے۔

"خواب" ایک مفہوم میں جدید اور دوسرے مفہوم میں روایتی ہے۔ صبا نے

Scanned by CamScanner

[illegible]

Scanned by CamScanner

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مرثیے کی [illegible] محاکات [illegible] ہے۔ محاکات کسی شے کی تصویر کھینچنے [illegible] [illegible] وابستہ بھی ہو اور [illegible] [illegible] تاثر کی [illegible] کرے [illegible] شبلی کے بقول [illegible] کے کہ تصویر [illegible] [illegible] اصل چیز [illegible] [illegible] اصل واقعے سے [illegible] محاکات [illegible] میں مدد دیتی ہے۔ مرثیہ [illegible] ضروری تھا کہ مرثیہ [illegible] سامعین کی باقاعدہ واردات بنے یعنی [illegible] مرثیہ گو کے لیے لازم تھا کہ وہ واقعات کربلا کی [illegible] محاکات کرے۔ جدید تنقید محاکات کی جگہ امیجری کی اصطلاح استعمال کرتی ہے۔ مگر دونوں مترادف نہیں ہیں (دونوں میں [illegible] فرق ہے جو تخیل کی پرانی اور نئی تعریفوں میں ہے۔) صبا کے زیر نظر مرثیے میں محاکات کے متعدد عمدہ نمونے موجود ہیں اور روایتی تاثر کو گہرا کرنے میں مدد دیتے ہیں اگر صبا مرثیے کو جدید بنانے کی کوشش میں امیجری سے کام لیتے تو ان کے مرثیوں میں مذہبی واقعیت کے مجروح ہونے کا خطرہ ہوتا۔ محاکات واقعے کی اصل سے برابر وابستہ رہنے کی کوشش کرتی ہے اور امیجری نئے واقعات تخلیق کرنے اور مانوس واقعات کو نامانوس بنا کر [illegible] پر مائل ہوتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ "خواب" کس مفہوم میں جدید مرثیہ ہے؟ یہ مرثیہ دو زاویوں

ہے جو یہ ہے۔ ایک ایسی ساخت اختیار کی اور وہ اپنے کس موضوع (موضوعات) کو
کی ہوئے ہے۔ اس مرثیے کی ساخت دیکھو اگر ایسا ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ مرثیے کے پہلے
بند مرثیے کی بنیاد رکھتے ہیں۔ ساتویں بند میں کہا گیا ہے اور آگے کے بند تمام کے طرز بیان
سے متعلق ہیں۔ اس حصے میں وہ اصل Invocation ہے۔ Invocation کا ترجمہ ہے
مرثیے کا حصہ وہی ہے مگر جو اس مرثیے میں ایک سے آہنگ سے خلاف اسم کے آگے
تمام طرز کرتے اور خطاب کرتے ہیں۔

اک بار پھر شباب کی تجدید چاہیے
دل کو ادا ہے تری تائید چاہیے

یہی وہ حصہ ہے جو اور جو مثل کو مرثیے کے کس موضوع سے وابستہ کرتے ہیں۔ مرثیے کے
گے وہ حصوں میں مرثیہ نگار اپنی جوانی کی باز آفرینی کرتا ہے۔ پھر آگے کے عمومی انسانی
جوانی اور رسول و امام کی جوانی کا تقابل کرتا ہے۔ مرثیے کے اس حصے تک ایک خاص بیان
کنندہ کی آواز سنائی دیتی اور اس کا شخصی تصور قائم ہوتا ہے۔ مرثیہ نگاروں کی روایت مختلف
تھی جو اس لیے کہ جہاں یہ سامعین کا تصور رکھتا ہے وہاں بیان کنندہ کا بھی۔ اس لیے کہ
اگر کوئی کہنے والا ہے تو لازماً کوئی سننے والا بھی ہوگا۔ "شباب" کے مذکورہ حصے میں جس
بیان کنندہ کی آواز سنائی دیتی ہے وہ آواز "غیر شخصی" ہے۔ شخصی آواز میں اپنی ذات کا اثبات
ہوتا ہے جب کہ غیر شخصی آواز میں ذات کی نفی اور روح کا اثبات ہوتا ہے۔ مرثیے میں شخصی
آواز کی گنجائش نہیں ہوتی۔ مرثیے کی شعریات ایک ایسے بیان کنندہ کا تقاضا کرتی ہے
جو مرثیے کے واقعات و کردار کے مقابلے میں اپنی حیثیت سے آگاہ ہو اور جو آگاہی اسے
عجز اختیار کرنے پر مائل کرتی ہے۔ چوں کہ "شباب" کا بیان کنندہ "غیر شخصی" لب و لہجہ رکھتا
ہے اس لیے وہ مرثیے کی بیان کو کولاں وہ ہی ہے۔ آگے چل کر جہاں وہ عام انسانوں کے
شباب اور رسول و امام کے شباب کا تقابل کرتا ہے تو وہاں بھی یہ کام میں ہوتا ہے۔

Scanned by CamScanner

محبوبیت ہے شباب حسن کا
باپ ہے
جس میں تیغ ہو وہ جلال و حسن کا
خصوصیت ہے کہ وہ جلال کا
ہے دماغ ہو جمال و کمال کا
نظریں گڑا کے کوئی کہیں تو
آنکھ جمال دلی کہیں تو

مرثیے کے رنگ ہیں جو بہت نمایاں ہیں۔ یہ ایک بند گریز کا ہے۔ اور اس میں حضرت علی اکبر کی شہادت میں ... ہیں۔ اور گریز حضرت امام حسین کی شہادت میں ہیں اور گریز ... میں آل رسول کی گریز کی طرف ... بعض وقت گریز کو ... بیان ہے۔ گریز اور آخری ... حصہ میں یہ حضرت علی اکبر کی شہادت سے متعلق ہیں۔ آخری ... کی طرف اکبر ...

کو بہ کر ... ہیں کہ وہ قول ... سے وہ ... کا ...

"شباب" کا موضوع روایتی ہے مگر حسن کا موضوع غیر روایتی ہے۔ یعنی موضوع (Theme) شباب ہے۔ ... موضوع کو جس وقت کیا جاتا ہے مگر حسن ... کے مرثیے سے پیش کیا ہے وہ غیر معمولی ہے۔ مرثیے میں شباب "اور مرگ سے" ہے۔ یعنی شباب مرثیے میں ... نظم ... مرثیے کو موضوعاتی تنظیم دیتا ہے۔ اس لیے ... ظاہر ہوتا ہے اس کے ... ہونے کی وجہ سے ہے مگر ... کی صورت مرثیے کی شعریات کے اصول کے مطابق ہے۔ مرثیے کی شعریات ایک پھول کا مضمون اور ... رنگ سے ... سے ... ہے۔ چنانچہ شباب کے ... کی تکرار کئی رنگوں اور صورتوں میں ہوئی ہے۔ پہلی صورت میں شباب واقعاتی رنگ میں ظاہر ہوا ہے۔ یہ مرثیہ دراصل حضرت علی اکبر کی ... سالہ شہادت کا مرثیہ ہے۔ ... مختلف ہونے کی وجہ سے مرثیے کا نقطہ ارتکاز (Focalization) ہے اور ... سالہ علی اکبر کی شہادت کا واقعہ اس مرثیے کا نقطہ ارتکاز ہے اور مرثیے کے بیانیے کا ... بھی ہے۔ چونکہ

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

پاسبان [illegible]

یہ مجھے کمان [illegible] ان [illegible]

پہلے بند کی علامات اسلامی تعلیمات کی مدد سے لی گئی ہے [illegible] اسلامی روایات کو نظم میں ادا کیا گیا ہے۔ شباب [illegible] سے ماخوذ ہیں۔

شباب کے موقف کے اظہار کی دوسری صورت [illegible]

یہ شعر ملاحظہ کیجیے

ہے دین کا شباب محمد کے نام سے

ایمان دہ آ گیا جوانی پھر آ گئی

عمر [illegible] شباب پہ آیا [illegible]

وہی [illegible] جوانی [illegible]

وہ تمیں ان کی [illegible] شباب

اسلام کو شباب [illegible] میں [illegible]

[illegible] شباب کو انجام آ گیا

وہی نے [illegible] جوان کی

وہی میں [illegible] کی جوانی نہیں ہے

کہیں شباب تشخصی، کہیں استعاراتی، کہیں علامتی صورت میں ظاہر ہوا ہے اور کہیں اسے [illegible] تضاد کی صورت [illegible] کیا گیا ہے۔ اس سے صبا اکبر آبادی کی [illegible] اور زندگی [illegible] [illegible] ہوا ہے۔ نتیجتاً اسلوبی [illegible] کے [illegible] اختیار کر گیا ہے اور "شباب" [illegible] ہے۔

Scanned by CamScanner

ڈاکٹر محمد آصف قادری

شورش کاشمیری - انقلابی اور مزاحمتی شاعر

Shorish Kashmiri was multi-faceted person. Political commentator, man of resistance, agitator and a revolutionary and a slaty speaker. An orator of great impact. He was all those things and yet ultimately we are left with his poetry as the final and ultimate expression of all those aspects of his personality. This article is a study of poetry of Shorish from all these angles.

****

[illegible]

Scanned by CamScanner

[illegible]

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

تولہ کی طرح ہیں کبھی ماشے کی طرح ہیں
ہر چند کمہار کے لاشے کی طرح ہیں
پانی کے کٹورے میں بتاشے کی طرح ہیں
بچے بھی یہ لیڈر ہیں تماشے کی طرح ہیں
اب کیسے کہوں کس سے کہ کون ہیں کیا ہیں؟
بادام میں بھیگی ہوئی کسی کی دعا ہیں!

اسی سے ملتے جلتے مضمون کو ایک شاعر نے کہا ہے۔

مرے وطن کی سیاست کا حال مت پوچھو　　گھری ہوئی ہے طوائف تماش بینوں میں

شورش نے اپنے مخصوص خطیبانہ انداز میں پاکستانی لیڈروں کی جو درگت بنائی ہے اور جس طرح ان کی شخصیت کے اسرار کو کھول کر معتوب ٹھہرایا ہے وہ ان کی جرأت مندانہ حق پرستی کو اجاگر کرنے کے لیے کافی ہے۔ اس کے علاوہ جب شورش کی نظر مذہب کے نام پر عام انسانوں کو کثرت استحصال بنانے والے طبقے پر پڑتی ہے تو وہ اس طبقے کی نشاندہی کرنے والے کسی بھی فرد کو غدار وطن اور اسلام دشمن کے مترادف سمجھتے ہیں۔ ایسے میں وہ مولانا ظفر علی خان کو یاد کرتے ہیں کہ

ظفر علی خاں کو یاد ہوں کہ ان علماء کے پیچ کھولے
کہاں سے وہ ملّا، پیر و سلطان کی چوکھٹوں کے غلام ہیں یہ
یہ قول و فعل تیغ جس میں کوئی نہیں وہ نیام ہیں یہ
غیر کے ٹکڑے چبائے ہوئے ہیں وہ نکتے میں تمام ہیں یہ
بھری تمنا ہے کہ ان شیخوں کو دور حاضر پچھاڑ ڈالے
جناب شورش یہ واعظوں کا گھر ہے انساں نہیں ملے گا
ذرا سنبھل کر قدم اٹھانا کہیں بھی ایماں نہیں ملے گا
قلم کی تلوار لے کے نکلو، ظفر علی خاں نہیں ملے گا

Scanned by CamScanner

وہ بھی کام کار وہیں کر سکے؟

شب [illegible] رات ہو گی — شب کی محبت یادی کو مبارک کہہ دو
چاند [illegible] آنکھوں کے سپنے [illegible] — چاند کرنوں کی ندی کو مبارک کہہ دو
چاند [illegible] — چاند چمکتا ہوا اکیلا [illegible] میں چاند
چاند معصوم [illegible] کے قریب [illegible] — چاند [illegible] کے [illegible]
چاند [illegible] کے [illegible] — اب کوئی وعدہ [illegible]
چاند محبوب کی [illegible] سے [illegible] کہہ دو — [illegible]

[illegible] شہزادی [illegible] اور [illegible] سے [illegible] عام شاعر [illegible]
[illegible] سے [illegible] کے [illegible] کے [illegible]
[illegible] کو استعمال کر کے دیکھیے۔

[illegible] کی یاد [illegible] کی گلی میں [illegible]
[illegible] کی طرح [illegible] سے [illegible]
[illegible] کی [illegible] ہوتی ہے [illegible] کے [illegible]
[illegible] معاملے میں [illegible] ہوتی
[illegible] ہے [illegible]

شہزادی کی [illegible] کی آواز محسوس ہوتی ہے۔ [illegible]
[illegible] کی طرف [illegible] ہے کہ انھوں نے [illegible]
[illegible] سے [illegible] لیکن ان کی شاعری اور [illegible]
[illegible] ہے۔ [illegible] کے عنوان سے لکھی ہوئی
نظم میں [illegible] کی [illegible] ہے۔

آنکھ [illegible] ہے [illegible] کی [illegible] — [illegible] ہوئے [illegible]

ہجوم ہوا ہے ہم پہ ستمگروں کی بھیڑ بھاڑ
وطن کے دشمنوں کو مٹاتے ہوئے چلو

میدان کارزار پہ چھاتے ہوئے چلو
عزم وفا کا نقش بٹھاتے ہوئے چلو

شورش اپنے عہد کی ایک توانا اور دل نشیں آواز تھے۔ ان کا سفر ایک غلام کے فرد کی حیثیت سے شروع ہوا تھا۔ پھر وہ بہت جلد وطن کے قافلے میں شامل ہو گیا۔ اس قافلے نے جب انگریزوں کے چنگل سے آزادی کا پھریرا لہرایا تو اس کی آواز [illegible] میں مثالی تھی وہ محمود ہو گئی۔ یہ کاروان رفتہ رفتہ بڑھتا گیا۔ جب یہ قافلہ نیم آزادی حاصل [illegible] سے [illegible] ہو گئے تو انگریزوں کے بجائے جاگیرداروں اور [illegible] کے خلاف [illegible] میں [illegible] سے پاکستان کے مختلف حکمرانوں اور سیاسی جماعتوں کے ظلم و استحصال کی وضاحت کرتا چلا گیا۔ 1965ء اور 1971ء میں لڑی جانے والی پاک۔ بھارت جنگوں میں پاکستان [illegible] کی حمایت میں اردو شاعروں نے قابل ذکر کردار ادا کیا۔ شورش بھی [illegible] سے [illegible] ہونے کے باعث ہر قابل مزاحمت کو [illegible] رہے۔ ایک سچے ادیب و شاعر کی طرح وہ ہمیشہ وطن کے وفادار رہے۔ حکومت کے نہیں۔ وہ صرف صداقت کے داعی تھے نصف صداقت کے نہیں، بلکہ مکمل صداقت کے جو داعی ہوتا ہے اور وطن [illegible] مصلحتوں کی مرہون منت نہیں ہوتی۔ شورش اور وطن کا رشتہ آقا و غلام کا نہیں بلکہ عاشق و محبوب کا رشتہ تھا اور محبوب کے معاملے میں عاشق کبھی مصلحت کوشی سے کام نہیں لیتے۔

شورش نے اپنی 67 سالہ عمر میں 20 ہزار سے زیادہ صفحات، 60 ہزار سے زیادہ تقریریں، 30 کتابیں، 50 [illegible] سفر کے 30 [illegible]، اردو زبان کو ایک ہزار نئی اصطلاحات، 900 سے زائد اردو کی تشبیہات اور 05 لاکھ سے زائد اشعار اپنے قارئین کو دیئے۔ ان لاکھوں اشعار میں کبھی ایک خطیب بول رہا ہے اور کبھی ایک سچا مسلمان ادیب جس پر خوف اور دہشت کی کوئی چیز اثر انداز نہیں ہوتی۔ کہیں اس کا انداز نظم ایک صحافی کا ہو جاتا ہے اور کہیں وہ ایک ادبی سفر کی آواز کا قلم سنبھال لیتا ہے۔ حافظ محمد ادریس [illegible] [illegible] ہیں

Scanned by CamScanner

پیوں نظموں میں رومانیت کی جھلکتی ہے مگر یہ محض کہانی نہیں، ایک حقیقی داستان حریت کا ایک حصہ ہے۔ شورش کی زندگی کے البم میں سے چند تصویریں ان اشعار میں کھل جاتی ہیں جو انہوں نے جیل جاتے ہوئے صاحب جناب نے لکھے ہیں۔

یہ دور ستم سے تو ہے مردہ دماں — ہیں کہاں آفاق میں تجھ سے بڑی اڑان
لکھی ہوئی دستِ شب ہے تیری کہانی — انگریز کے ایواں میں لگی تیری جوانی
انگریز کی دیوار سے لگی ہے جوانی — جاگم رہی کائنات تیری شعلہ بیانی

شورش نے کلام کے انقلابی، باغیانہ اور مزاحمتی پہلوؤں پر نظر ڈالتے ہوئے بھی جا بجا یہ لگتا ہے کہ یہ مزاحمتی شاعر نیر و دور کی طرف جاتا ہے اور کبھی فلسطینی حریت پسند جو ذکر شعر و قصور دوشش کی جانب۔ کیونکہ ان دونوں کو بھی اور ادھر اوجھل نظمیں ہر حال سے کرتے ہیں۔ شورش کے یہاں ایسی بہت سی زیادہ نظمیں ملتی ہیں جن کے عنوانات میں لفظ انقلاب مشترک ہے جیسے انقلاب نو، انقلاب، انقلاب، یوم انقلاب، انقلاب، انقلاب وغیرہ، اسی طرح آزادی طرح، سرفروشی، سرفروشوں کا ترانہ جیسی نظمیں ہیں جن میں انقلابی اور مزاحمتی رویوں کی عکاسی ملتی ہے۔ اگر ایک طرف شورش نے مذہبی پیشواؤں کی مدح سرائی کی ہے جن میں گاندھی، مولانا ابوالکلام آزاد، سید عطا اللہ شاہ بخاری، احسن شاہ وغیرہ شامل ہیں تو دوسری جانب ان سے وہ اختلاف بھی جتاتا ہے اور ان کے ہم خیال سیاست دانوں پر تنقید کی ہے۔

ایوب، وغیرہ وغیرہ، یحییٰ، بھٹو، بلوچ، غلامی یا سیاسی پاک فوج زندہ باد، یا کستان، سب ملک و ملت کا ہے۔ پاکستان کے سرفروش، وغیرہ جیسی اور نظمیں ہیں ان میں بیشتر نظمیں مزاحمتی جذبات کی دولت سے مالا مال ہیں۔ قلم اور اس کے ادھر کے وابستے میں شورش نے درجنوں نظمیں لکھی ہیں۔ ان نظموں کی ایک خاص بات یہ ہے کہ ان میں آزادی تحریر و تقریر اور آزادی رائے وغیرہ جیسے حقوق انسانی کی حمایت میں

Scanned by CamScanner

وہ نظم صرف ۔۔۔ ہے۔ ان کی نظموں میں "نظم ۔۔۔" ، "نظم کی رنگ میں تلوار ہو گئی" ، "نظم ۔۔۔" ، "موقف" ، "نظم ۔۔۔" ، "نظم کی آزادی" ، "ہم اس نظم کیا ہیں" ، "نظم ایک لاش ہے" ، "مرے ہم نظم پڑھو" ، "نظم نے ۔۔۔" ، "نظم کیا ہے" ، "نظم ۔۔۔" وغیرہ مزاحمتی عنصر لیے ہوئے ہیں۔ ان کا [illegible] ظفر علی خان، جوش ملیح آبادی، مطالعات شاہ بخاری، اقبال [illegible] وغیرہ شورش کی [illegible] مزاحیات میں شامل ہیں۔ قادیانی اور [illegible] دشمن [illegible] ہیں۔ یہ قومی [illegible] شورش کے شعری مجموعوں کا انتخاب چھپ چکا ہے۔

کلیاتِ شورش 1616 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں سے بیشتر انقلابی اور باغیانہ احتجاجی اور مزاحمتی رنگ سے بھرے ہوئے ہیں۔ شورش نے ظفر علی خان کی طرح عملی سیاست پر [illegible] صحافت سے [illegible] ہیں۔ پاکستان میں جس قسم کے سیاسی کھیل نے فروغ حاصل کیا اور استحصال [illegible] اور شخصی مفادات پر مبنی سیاست کی گئی اس کی جھلک [illegible] تصویروں کی [illegible] نظموں میں موجود ہیں۔ [1] شورش کا تعلق مجلسِ احرار سے تھا۔ [illegible] پاکستان سے پہلے [illegible] ایک [illegible] تحریک تھی جس نے اپنے عروج کے زمانے میں انگریزی حکومت پر [illegible] کر رکھا تھا۔ قیامِ پاکستان کے بعد احرار نے کئی [illegible] جماعت پاکستان سے وفاداری کا [illegible] اعلان کیا اور سیاست سے کنارہ کشی کر لی مگر انفرادی حیثیت سے بعض رہنما سیاست میں حصہ لیتے رہے۔ شورش نے اپنی نظم و نثر میں سیاسیاتِ پاکستان پر [illegible] مصلحت کوشی سے بلند ہو کر صدائے حق بلند کرتے رہے۔ جب وہ مختلف حالات و واقعات کے ردِعمل میں اپنا مزاحمتی مواد اکٹھا کرتے ہیں تو ان کا قلم دائرۂ سیاست سے باہر نکل کر مذہب، تہذیب، ثقافت اور دیگر شعبہ ہائے زندگی کو بھی [illegible] جاتا ہے۔ شورش کی مزاحمتی شاعری کے عمیق مطالعے سے ان پر [illegible] ظفر علی خان، احسان دانش، اقبال اور [illegible] کے [illegible] خاص اثرات دکھائی دیتے ہیں۔ البتہ ان

Scanned by CamScanner

[illegible] پیدا کرنا درست نہ ہوگا کہ وہ ان سب کے قائل تھے ان سے متاثر ہو کر دوسری [illegible]

[illegible] شاعری ایک [illegible] صفت [illegible] اور [illegible] کی حیثیت سے [illegible] لڑائی میں [illegible]

[illegible] گئے تھے۔ ان کا [illegible] کلام ملاحظہ ہو

[illegible] کی [illegible] خیالات کا زوال / جنگ و جدل میں [illegible] جس طرح

[illegible] سے [illegible] کا [illegible] / [illegible] میں [illegible] ہے سب کا کام

[illegible] کی طاقت سے [illegible] / [illegible] کو بچایا جائے گا

[illegible] سے [illegible] ہے [illegible] / [illegible] کے [illegible] جائے گا

[illegible] کی [illegible] سے [illegible] / [illegible] پر [illegible] ہے غم

[illegible] کی [illegible] پر [illegible] / ان [illegible] میں [illegible] کر

[illegible] آ [illegible] رہے / [illegible] میں ان [illegible] ہے غم

[illegible] کے [illegible] / ان [illegible] کی [illegible]

[illegible] اشعار [illegible] کے [illegible] کی [illegible] صورت [illegible] میں [illegible] کرتے ہیں۔ [illegible] کی طرح [illegible] نے [illegible] سیاسی [illegible] کی [illegible] کے [illegible] اور [illegible] میں [illegible] کیا [illegible] کی [illegible] کی گئی ہے [illegible] میں ان کے [illegible] کی گئی ہے۔

[illegible] کے [illegible] کی [illegible] سے [illegible] میں [illegible] اس باب میں [illegible] حالات کی [illegible] سے [illegible] اس طرح [illegible] ایک طرف [illegible] میں [illegible] کا [illegible] کرنے والے [illegible] کے [illegible] دوسری طرف [illegible] اور [illegible] سیاسی [illegible] کے [illegible] سے [illegible] کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے [illegible]

Scanned by CamScanner

[illegible] بعض اوقات شاہ کے ساتھ ساتھ مولانا ظفر علی خاں [illegible]

شاہ [illegible] کی [illegible] کراروی صاحب [illegible]

[illegible] شاہ احمد نورانی وغیرہ کے بارے میں شورش کی تحریریں [illegible] قابل توجہ ہیں [illegible]

[illegible] کیا ہے جس [illegible] تحریف [illegible] کیا گیا ہے۔ جس

[illegible] [illegible] ایک وقت [illegible] [illegible] ایک [illegible]

[illegible] [illegible] [illegible]

میں اس خیال کے حامل تھے۔

کیا ہے [illegible] [illegible] کے [illegible]

تو اس سے [illegible] نے [illegible] خاں سے ملاقات کرنے سے اجتناب

[illegible] [illegible] خیال کیا۔

[illegible] [illegible] سے نکل جاتا ہے

[illegible] [illegible]

اس طرح شورش کی [illegible] کے [illegible] میں جاتے ہیں اور کبھی اس کے [illegible]

[illegible] وقت [illegible] [illegible] لیتے ہیں۔ شورش [illegible] والے

[illegible] [illegible] اور [illegible] کے [illegible] کرتے [illegible]

[illegible] اپنے قاری کے سامنے لاتے ہیں۔ [illegible] سلام میں

فرماتے ہیں۔

[illegible] —— افسوس [illegible] سلام

[illegible] —— [illegible]

[illegible] —— افسوس [illegible] سلام

[illegible] —— افسوس [illegible] سلام

[illegible] میں اس نے [illegible] کے [illegible] کا [illegible]

[illegible] کے [illegible] ہے۔ [illegible] پاکستان [illegible] کا [illegible]

[illegible] کے [illegible] کی ہے اس میں [illegible] کے جذبات کا [illegible]

Scanned by CamScanner

ہے۔ موری گڑی کی ڈھیاں کی نوعیت کاری یہ شوریٰ کا تصور ایک بہت بے حس و دل عادات
کی بقا کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شوریٰ جیسا نقد اور مزاحمتی اجتماعی یکجہتی شاندار
ہوا کرتے ہیں۔ اس کا یہ نتیجہ کیا خوب ہے۔

جو مجھے کہتا ہو کہ لیتا ہوں رنگ سکتا نہیں
میں کسی فرعون کی چوکھٹ پہ جھک سکتا نہیں

حوالہ جات

۱۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، شوریٰ کا تصور، صفحہ 12، ادارہ ثقافت، روزنامہ پاکستان، لاہور، نومبر 1982ء۔

۲۔ جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال، صفحہ 13-14، ادارہ ثقافت، روزنامہ پاکستان، لاہور، نومبر 1982ء۔

۳۔ محمد اسد، شوریٰ کا تصور، صفحہ 1232، ادارہ ثقافت، لاہور، اکتوبر 1956ء۔

۴۔ شوریٰ کا تصور، صفحہ 39، ادارہ ثقافت، روزنامہ پاکستان، لاہور، 9 اپریل 1984ء۔

۵۔ شوریٰ کا تصور، صفحہ 10-11، مطبوعات پاکستان، لاہور، اشاعت پنجم، فروری 1988ء۔

۶۔ شوریٰ کا تصور، صفحہ 42، مطبوعات پاکستان، لاہور، اشاعت دوم، اکتوبر 1988ء۔

۷۔ علامہ محمد ابراہیم، شوریٰ کا تصور، صفحہ 31-32، ادارہ مطبوعات پاکستان، لاہور، نومبر 1982ء۔

۸۔ شوریٰ کا تصور، مطبوعات پاکستان، لاہور، جنوری 1998ء۔

Scanned by CamScanner

طارق حبیب

''میراجی شناسی'' میں ڈاکٹر وزیر آغا کا حصہ

Meerajee was an unusual man and contributed a lot to modern Urdu poetry. He took an unusual stance on many of the matter-of-fact aspects of life. His approach to poetry and life were unconventional and provoked the contemporary writers to work on him. Dr. Wazir Agha is among those who conducted valuable critical study of Miraji's poetry. "Knowing Meerajee" is also part of knowing Dr. Wazir Agha as well.

وہ مثل مشہور ادیب میراجی، جن کا اصل نام محمد ثناء اللہ ڈار تھا، لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد منشی مہتاب الدین نے حسین بی بی سے شادی کی۔ حسین بی بی سے دو بیٹے محمد عطاء اللہ ڈار اور محمد عنایت اللہ ڈار ہوئے۔ حسین بی بی کی وفات کے بعد منشی مہتاب الدین نے زینب بیگم عرف سردار بیگم سے شادی کی، جن سے محمد ثناء اللہ ڈار، عزیز تنویر محمد اکرام اللہ ڈار (آتھی)، انعام اللہ ڈار، محمد شجاع اللہ ڈار، محمد ضیاء اللہ اور محمد کرامت اللہ پیدا ہوئے۔ میراجی کے والد ریلوے میں اسسٹنٹ انجینئر تھے اور ملازمت کے باعث کئی مقامات پر تعینات (اور اپنے خاندان کے ساتھ وہاں مقیم) رہے۔ تاہم میراجی نے اس آوارہ گردی میں زمانے کی کافی سیر کی اور اس سلسلے میں وہ گوجرہ ضلع تک گئے، گجرات کاٹھیاواڑ، پوہ گوہ کا قصبہ ڈھال، بوستان (بلوچستان)، سکھر، جیکب آباد،

Scanned by CamScanner

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

غالب کے اس شعر کی [illegible] تصویر تھے

پڑیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار

اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

زندگی کے آخری ایام انھوں نے [illegible] حالت میں گزارے [illegible] یہاں تک کہ ان کے وطن میں [illegible] ۱۹۷۹ء [illegible] اور انھیں [illegible] پانچ لوگوں نے شرکت کی۔(۱۰)

Scanned by CamScanner

میرا جی نے قیام لاہور کے زمانے ہی سے "مشرق و مغرب کے نغمے" اور "اس نظم میں" لکھ ڈالی۔

علم و ادب کی علامت بن کر ابھری اور میرا جی جیسے ... کے علم و ادب سے ہو گئے۔

یہاں تک کہ شادی بھی نہ کی۔ میرا جی نے اگرچہ ادبی ماحول کو قبول کیا تھا مگر اصل زندگی

ان کو مطالعہ قبول تھا اور وہ وابستہ ... رہے ... ادبی دنیا سے بھی ... ہو گئے۔ انھوں نے

"ادبی دنیا" کی وساطت سے "حلقہ ارباب ذوق" میں شمولیت اختیار کی اور دیکھتے ہی

دیکھتے حلقے کی روح رواں بن گئے۔ "حلقہ ارباب ذوق" اور میرا جی دونوں کو ایک

دوسرے کے وجود سے تقویت اور شہرت حاصل ہوئی۔

میرا جی کی ادبی سرگرمیاں مولانا صلاح الدین احمد کے "ادبی دنیا" سے بھی

وابستہ رہیں۔ انھوں نے "ادبی دنیا" میں مشرق و مغرب کے شاعروں پر مضامین لکھے۔ ان کا تنقیدی شعور

بالغ نظر تھا۔ اس وقت وہ تخلیق کار بھی تھے اور نقاد بھی۔ "ادبی دنیا" میں ان کے

تنقیدی مضامین، جو ان کے تنقیدی شعور اور وسعت مطالعہ کے غماز ہیں، "اس نظم میں" کے

عنوان سے شائع ہوتے رہے اور "ادبی دنیا" میں "اس نظم میں" کے عنوان سے بھی چھپے۔

تجزیے پر ہیں۔ اب ان کی کتاب "اس نظم میں" ... ۱۹۴۴ء میرا جی کے

تنقیدی مضامین "مشرق و مغرب کے نغمے" کے نام سے چھپے ۱۹۵۸ء۔ میرا جی کی

شہرت کا اصل حوالہ ان کی نظمیں ہیں اور بعد ازاں وہ جدید اردو نظم کے اولین علمبردار کی

حیثیت اختیار کر گئے۔

☆

ڈاکٹر وزیر آغا ... نقاد، انشائیہ نگار، شاعر ... آپ کی ... کی حیثیت اولیں ۱۸ مئی ۱۹۲۲ء

... کی خدمات ... ڈاکٹر وزیر آغا ... ۱۹۲۲ء کو

(ضلع سرگودھا) میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ ہائی سکول سرگودھا سے میٹرک کا امتحان پاس

کیا۔ گورنمنٹ کالج جھنگ سے ... اور گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے

Scanned by CamScanner

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

Scanned by CamScanner

ادبی خدمات کے حوالے سے ڈاکٹر وزیر آغا کے مقالات بھی قلم بند کیے جا چکے ہیں اور پاکستان میں بھی کئی کتب رسائل و مقالات سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ (۵۰)

میراجی پر ڈاکٹر وزیر آغا کے تحریر کردہ مقالات اور مضامین بھی دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ مقالات مختلف اوقات میں مختلف رسائل میں شائع ہوئے اور بعد ازاں ڈاکٹر صاحب کی تنقیدی کتابوں کی زینت بنے۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ میراجی ۔ دھرتی پوجا کی ایک مثال [مشمولہ "نظم جدید کی کروٹیں"]

۲۔ میراجی ["اردو شاعری کا مزاج"]

۳۔ میراجی کا عرفانِ ذات [مشمولہ "نئے مقالات"]

۴۔ میراجی [مشمولہ "تنقید اور مجلسی تنقید"]

۵۔ میراجی کی اہمیت [مشمولہ "میراجی ۔ ایک مطالعہ" مرتبہ جمیل جالبی، ڈاکٹر]

☆

اگرچہ میراجی کی سوانح، فکر اور فن پر تنقید کرنے والوں کی ایک طویل فہرست ہے اور ایک محتاط اندازے کے مطابق تقریباً ایک سو مضامین میراجی پر لکھے جا چکے ہیں۔ حجم اور موضوع کے اعتبار سے ڈاکٹر وزیر آغا کے مضامین کی حیثیت مختلف بھی ہے اور نمایاں بھی۔ ان مضامین کی ایک خوبی یہ ہے کہ ان کا تعلق میراجی کی ذاتیات سے نہیں اور نہ ہی وزیر آغا نے ایسی کوئی نوک جھونک کی کوشش ہی کی ہے جس سے میراجی کی شخصیت پر حرف آنے کا امکان ہوتا۔ یہ خالصتاً علمی اور فکری نوعیت کے مضامین ہیں اس لیے یہ طے ہے کہ ان مضامین کی حیثیت جز وقتی ہرگز نہیں ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا اس لیے بھی اعتبار کا حامل ہے کہ وہ نہ صرف خود آزاد نظم کے صاحبِ اسلوب شاعر ہیں بلکہ ادبیاتِ اردو کے ایک معتبر نقاد کا بھی درجہ رکھتے ہیں۔ (۵۱)

Scanned by CamScanner

انداز یہ ہے کہ پہلے ایک کلیہ وضع کیا جائے اور پھر اسے زندگی پر اپلائی (apply) کیا
دیکھا جائے اور پھر زندگی سے جو حاصل شدہ نتیجے سے اس کلیے کی طرف واپس مڑا
جائے۔ حالی صاحب چونکہ رومانی ذہن تھا، اس لیے یہ طریق کار الطاف سے منسوب ہے۔
میراجی کا نظریہ ہے کہ زندگی سے کلیے کی طرف سفر کیا جائے اور پھر کلیے سے واپس
زندگی کی طرف لوٹا جائے۔ راشد چونکہ رومانوی شخص ہے اور جذباتیات تھا، اس لیے وہ اصول
وضع کرنے کا نظریہ واضح کرتا ہے۔ جبکہ میراجی اور تو ان کا تجربہ ہوتا ہے تو وہ میراجی طرح
کی کسی ویژن میں تجزیہ کرتا ہے اور فنکار کی شخصیت اور اثباتات میں بہت زیادہ
فکر ہو، کو تقسیم کو دوسرے تحلیل نہیں کرتا۔ میراجی تجزیہ بہت خلوص ہے اور اس میں زیادہ
فکر ہونے کا اضافہ ہی کرتا ہے یعنی فکر سے شخصیت کی طرف سفر کیا جائے اور پھر شخصیت
سے واپس فکر کی طرف رجوع کیا جائے۔ "دھرتی پوجا کی ایک مثال۔ میراجی" میں ڈاکٹر
وزیر آغا نے اسی اصول کو مد نظر رکھا ہے۔

ڈاکٹر وزیر آغا نے میراجی کی فکر سے میراجی کی تخلیقی شخصیت کی طرف مڑ کر
پھر واپس میراجی کی فکر تک۔ اپنے مضمون کے شروع میں انھوں نے ذہن سے وابستہ
شعراء کا ذکر کیا ہے، جن میں نظیر اکبر آبادی، محمد حسین آزاد، الطاف حسین حالی، اسماعیل
میرٹھی، جوش ملیح آبادی، محمد اقبال اور ن م راشد شامل ہیں، جن کی انھوں نے واضح
کیا ہے کہ ان شعراء میں دھرتی سے وابستگی کی ایک مثالیں تو دستیاب ہیں، جبکہ ان
شعراء کو کوئی واضح تعہد (Commitment) اور کوئی گہری لگن دھرتی سے، اس کی روح سے
اور اس کے تہذیبی ورثہ سے حاصل نہیں۔ میراجی وہ پہلے شاعر ہیں، جنھوں نے اپنی
روح کو دھرتی کی روح سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی اور تہذیبی سمندر کے اندر ایسا غوطہ
لگایا ہے کہ ایسی جرأت پہلے کسی کو میسر نہیں آسکی۔

"دوسرے لفظوں میں میراجی نے ایک جست، وہ دھرتی پوجا ہوا

Scanned by CamScanner

پجاری کی طرف اپنی دھرتی کی پوجا کی ہے محض رسمی طور پر اس
دھرتی کی تحریک کا ساتھ نہیں دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی نظموں کی
روح، فضا اور مزاج، سرزمین وطن کی روح، فضا اور مزاج سے
پوری طرح ہم آہنگ ہے اور اس خاص میدان میں اُس کے
حریف کا سامنا نہیں۔" (۲۰)

ڈاکٹر وزیر آغا کا موقف ہے کہ میراجی کا فکری وذہنی سفر میرا سین کی عطا نہیں، بلکہ یہ سب کچھ تو میراجی کے اندر پہلے سے موجود تھا۔ اسے ابھارنے کا موقع میرا سین کے ملنے سے میسر آیا۔ گویا اس کیمیائی عمل میں میرا سین کی حیثیت محض عمل انگیز (Catalist) کی ہے۔ عمل انگیز کسی چیز کو تخلیق نہیں کرتے، بلکہ محض واقعے میں اس کی اہمیت واضح کرتے ہوتے ہیں۔ یہ موقف اس لیے بھی وزن رکھتا ہے کہ کسی بھی انسان کا عورت یا زمان کی بنیادی حیثیت اور اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ یہی زمان بعد ازاں اُسے کئی دوسرے چہروں سے آشنا کرتا ہے جہاں عاشق تھوڑی دیر ٹھہرتا اور پھر اپنے جذبے کی تلاش میں آگے بڑھ جاتا ہے۔ اس لیے کہ عشق مقصود بالذات ہوا کرتا ہے البتہ معشوق کے وجود کی نفی نہیں کی جا سکتی۔ گویا میراجی کی آتما آریائی اصل اور وشنومت کی پجاری تھی، جو کسی اور جنم میں کسی اور زمان و مکان میں بھٹکتی پھر رہی تھی اور اپنی اصل میں ضم ہونے کے لیے بے تاب تھی۔

ڈاکٹر وزیر آغا نے میراجی کے ہاں ملارمے کے ابہام کے حد سے بڑھے ہوئے اثرات کی بھی نفی کی ہے اس لیے کہ ہر دو کے ابہام کی نوعیتیں ہی مختلف ہیں۔ اسی طرح بودلیئر کے اثرات کی بھی نفی اس لیے کی ہے کہ خود بودلیئر کے ہاں جنسی موضوعات بنگال کی فضا اور ماحول کی دین تھے گویا میراجی نے جو اثر لیا بھی ہے وہ ثانوی اثر کی حیثیت رکھتا ہے، وراثت کی نسبت کا اثر بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد

Scanned by CamScanner

ڈاکٹر وزیر آغا نے قدیم ہندو دیو مالا کی بات کی ہے ... میراجی کی دھرتی پوجا اور جنسی موضوعات

تک میں ہماری رہنمائی کی ہے۔ انھوں نے میراجی کی چار اہم صورتوں کی طرف اشارہ

کیا ہے ... میراجی کے ہاں ... اور ... کی نمود

ہے ... جنت اور ... کے ... "کول" کے ... ہیں اور جن کی علامات میراجی کی

نظموں میں ... ملتی ہیں۔ میراجی کے ہاں جنسی موضوعات بھی وراثت سے

ابھرے ہیں اور یہی ... میراجی کو دیو مالا اور ... وغیرہ سے بھی ...

... کی طرف مائل کرتا ہے ... دھرتی پوجا کے وارث ہیں ... ایک ...

حیثیت رکھتے ہیں۔

دھرتی پوجا کا دوسرا پہلو وہ تمثیل تھا ہے جو جنگل کی تہذیب کی طرف اشارہ

کرتی ہے جس میں میراجی کا عنصر غالب ہے ... کے بعد ... کو پہنچ

جاتا ہے۔ جنگل کی ... علامات کا ... سے کہ میراجی کی تخلیقی زندگی میں بھی

ابھر رہی ہیں اور میراجی کی شخصی زندگی میں بھی۔

انھوں نے اس مقالے کے آخر میں وزیر آغا نے ان اساطیری، قدیم دیو مالائی اور

ویشنومت کی تہذیبی اصطلاحات، تلمیحات وغیرہ کا ذکر کیا ہے، جنھیں میراجی نے اپنی

نظموں میں علامات کے طور پر برتا ہے اور جن کے استعمال سے میراجی کی اس قدر

تہ میں اس عنصر سے ... کا احساس ہے۔ اس اسلوب کی اہمیت اس لیے بھی

بڑھ جاتی ہے کہ میراجی سے پہلے اس شدت کے ساتھ اس کی کوئی مثال موجود نہ تھی، جس کی

وہ تقلید کرتے۔ یوں میراجی کی تخلیقات اس لحاظ سے منفرد بھی ہیں اور تازہ بھی۔ اس قسم

کی نظم میں میراجی کو تہ میں ... پرکھنے کے لیے ڈاکٹر وزیر آغا کا یہ مضمون بہت اہم ہے

جو میراجی پر پڑے ہوئے اساطیری پردے کو چاک کر کے اصلیت تک ہماری رسائی ممکن

بناتا ہے۔

Scanned by CamScanner

☆

ڈاکٹر وزیر آغا کی کتاب "اردو شاعری کا مزاج" شعریات کے کلی کوائف سے بحث نہیں کرتی، بلکہ تہذیبی پس منظر میں رجحانات کی ترجمان ہے، تاہم اس میں میراجی کے لیے چند صفحات مختص کیے گئے ہیں کیوں کہ نئی نظم کی تشکیل اور رجحان سازی میں میراجی کا نہایت اہم اور بنیادی کردار ہے اور آغا صاحب نے جا بجا یہ حق میراجی کو دیا ہے۔ ان چند صفحات کے اقتباس اور گزشتہ مقالے کے بارے میں بعض قارئین کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ دونوں ایک ہی طرح کی تحریریں ہیں، لیکن ایسا نہیں ہے۔ دونوں تحریروں میں ایک فکری اشتراک تو ضرور پایا جاتا ہے، تاہم دونوں میں مجموعی کاوش کا پہلو موجود نہیں۔ گزشتہ مضمون اور زیر بحث اقتباس کی اپنی اپنی جگہ خاص اہمیت ہے۔

"اردو شاعری کا مزاج" میں گیت، غزل اور نظم کے تہذیبی حوالے سے تفصیلی جائزے کے بعد انھوں نے نئی نظم کی وضاحت کے دوران کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ نئی نظم کا اصل مزاج اور سفر خارج سے داخل کی طرف ہے اور اس مزاج کے سب سے بڑے علمبردار میراجی تھے۔ انھوں نے اقبال کے بعد اردو نظم کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی قسم اقبال سے متاثر ہے اور دوسری غیر متاثر ہے، یا واقعیت پسندوں کی ہے۔ پہلی قسم میں سفر باطن سے خارج کی طرف اور دوسری قسم میں خارج سے باطن کی طرف کا ہے:

> "باہر کی طرف بڑھنے میں امید، رجائیت، حرکت اور گرمی کی صفات پیدا ہوتی ہیں، جبکہ اندر کی طرف آنے میں مایوسی، انفعال، یاس، تنہائی، خوف، بے پاؤں چلنے کا انداز اور لہجے کی ملائمت اور نرمی نظم لیتی ہے..... اندر کو آنے والا ذات اور نسل، جبلت اور تخلیقی بنیادوں سے منسلک ہو کر گویا انسان کے باطن کی طرف لوٹتا ہے۔" (۹۹)

نظم کے اس بنیادی مزاج کو اگر اچھی طرح سمجھ لیا جائے، تو کسی بھی نظم اور

Scanned by CamScanner

بھی شدید احساسات موجود ہے۔ خارجی اور داخلی کا یہ جو تصادم کا منظر ہے وہ اس کا سچ

نصف خارجی اور دوسرا نصف داخلی جہت کو واضح کرتا ہے۔ میراجی کا شعور اور لاشعور اور

طرف تو جنسی قوتوں کا دوسرا نصف جنسی لاشعور ... ہیں۔ ان کے ... اس کے

پچھلے کو۔ میراجی کی نظموں کا بنیادی حوالہ ہے۔ اسی تناظر میں میراجی کے ہاں اسم

معدومیت ... جس کا پچھلے صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ لیکن میراجی کے ہاں اس کی

بھی ہوتا ہے۔ تو میراجی کو ... میں ... میراجی نے ان تمام الجھنوں ... کو

وجہ بھی ہے کہ وہ داخلی کیفیات اور وصف ... سے متعلق کیا ہے اور یہی سبب ہے کہ میراجی کی نظم

زندگی بیدار ہے ... سے بھی ملتی ہے۔ کیوں کہ میراجی کی نظم داخلی ... اظہار کا

ذریعہ ہے

"نظم زندگی اور موت کے تصادم سے عبارت ہے۔ قوس کے
نصف دائرے میں جب یہ تصادم ایک شعری تجربے کی صورت اختیار کرتا
ہے تو نظم میں کیفیتی، جنسی اور روحانی پیدا ہوتا ہے۔ یہی میراجی
کی نظم کا بنیادی حوالہ ہے کہ اس کا رخ موت کی طرف ہے۔ لیکن
میراجی نے جو قدم بڑھایا موت سے پہلے زندگی کی ہے۔ یوں اس
کے ہاں ایک شعری کیفیاتی تصادم وجود میں آیا ہے۔" (۵۸)

دیکھا جائے تو میراجی کے ہاں استعمال ہونے والی علامات اور ہمارے تخیل کے ساتھ میراجی کے ہاں جو بات موت کی کیفیاتی نظموں پر بات کی گئی ہے۔ اسی طرح انھوں نے جنسی موضوعات میں میراجی کی علامات کے حوالے سے ... میراجی کی کیفیاتی ضرورت کے تحت قرار دیا ہے۔ انھوں نے میراجی کے ہاں تہذیبی ... ہے جب داخلی کی طرف اشارہ کیا اور جنگ سے پہلے ... میراجی کے متعلق تاثر پر روشنی ڈالی ہے کہ اسی سے میراجی کے ہاں ... اور قدیم تہذیب کے ... علامات میں ...

Scanned by CamScanner

پیدا ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر وزیر آغا نے بڑی اہم بات اجاگر کی ہے کہ ان تمام پہلوؤں کا سبب بھی یہی ہے کہ میراجی کا خارج سے رابطہ بالکل ہی منقطع ہو گیا تھا اور ان کے ہاں باہر کا کوئی موجود نہیں رہا تھا بلکہ میراجی کے ہاں جو موجود تھا وہ ان کی داخلی دنیا تھی اور میراجی کے ہاں "غلط ذات" کا شدید احساس کوئی تیز نہیں ہوتا۔

آخر میں ڈاکٹر وزیر آغا نے اس غلط العوام اور غلط العام نظریے کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ شاعری میں شاعر کی شخصیت یا داخلیت کا پہلو ہوں بھی نظم کے معنی کے تعین کی بات ہے اور کسی ادیب کے شخصیت سے فرار کے غلط نظریہ شخصیت کی زد پر درست نہیں ہے۔ حتیٰ کہ خود ادیب کا یہ نظریہ اس قدر قابلِ قبول نہیں ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر وزیر آغا نے میراجی کو حیات، روشنی یا امید کا ہی شاعر قرار نہیں دیا اور نہ ہی موت، بیزاری اور مایوسی کا علمبردار گردانا ہے۔ بلکہ روشنی اور تیرگی کا ایک مشترکہ عمل دکھایا ہے اور میراجی کو داخلیت پسندی کے اعتبار سے ایک کامیاب اور بڑا شاعر تسلیم کیا ہے۔ ان کے اثرات بعد میں آنے والے شعرا کی ایک پوری نسل پر موجود ہیں۔

☆

یہ حقیقت ہے کہ میراجی کو سمجھنے میں بڑی غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا گیا ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ اس کی ذمہ داری سب سے زیادہ خود میراجی پر عائد ہوتی ہے جنھوں نے یہ حلیہ بنا رکھا اور اپنی شخصیت کے حوالے سے ایک غلط نظریہ قائم کرنے کی دعوت دی۔ اردو ادب میں ڈاکٹر وزیر آغا کی کتاب "نئے مقالات" میں ایک مضمون "میراجی کا عرفانِ ذات" میں شائع ہوا۔ یوں تو میراجی کے حوالے سے ان کے سارے مضامین ہی اہم ہیں۔ لیکن ان کا یہ مضمون میراجی کی شخصیت کی تفہیم کے ضمن میں خاصا اہم ہے۔ اس کے مطالب کا اگر جائزہ لیا جائے تو میراجی کے بارے میں کئی ایک غلط فہمیوں کا ازالہ ممکن ہے۔ اس مضمون کو سمجھنے کے لیے اس کی ابتدائی سطور بہت اہم ہیں

Scanned by CamScanner

تیرہ آبی طوفان کی ایک ایسی آنکھ ہوتی ہے، جس کے گرد و پیش میں
بھی وہ لرزتی ہوتی ہیں۔ لیکن آنکھ کے اندر ہوا کے دھارے ساکن و
سکوت قائم رہتا ہے۔ مجھے اب بھی میراجی کا خیال آتا ہے تو اس کے
ساتھ ہی آبی طوفان کا منظر بھی میری نگاہوں میں گھوم گیا اور میں
نے سوچا کہ یہ کیسے غضب کی بات ہے کہ ہم طوفان کو دیکھنے میں اس
قدر منہمک ہوں کہ اس "آنکھ" کو دیکھ ہی نہ سکیں۔ جو اس طوفان کا
مرکز ہے اور جس میں ایک عارفانہ سکوت کی سی کیفیت سدا قائم
رہتی ہے۔"(۱۰)

ڈاکٹر وزیر آغا کا یہ موقف نہایت درست ہے کہ میراجی کے ساتھ 'طوفان' والی کی بات یہ ہے کہ صحبتوں میں ایک خاص نوع کا ہنگامہ شروع ہو جاتا ہے اور اس کی بہت وجہ سے بیشتر حوادث وابستہ ہیں، جو ان کے دوستوں نے ان سے وابستہ کر رکھے تھے۔ یعنی وابستہ نے میراجی کے باطن تک رسائی کو مشکل تر بنا دیا۔ چونکہ ان تمام واردات میں خود میراجی بھی برابر کے شریک ہیں، اس لیے ڈاکٹر وزیر آغا کا یہ کہنا بعید از قیاس نہیں کہ میراجی کا قصہ، میراجی کے اپنے ہی ذہن کا زائیدہ تھا، جس کی آڑ میں میراجی محض سوالوں سے کترانا چاہتے تھے۔ "تو پھر یہ سوال کہ کیا آبی طوفان کی آنکھ محض اپنے اردگرد کا تماشا دیکھ رہی تھی، یا اس کا کوئی منظر وراء بھی تھا۔"(۱۱) بڑا اہم ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر وزیر آغا کے مطابق میراجی صرف دنیا ہی نہیں، بلکہ دنیا کے ہر پہلو اور زندگی کی ہر کروٹ کا مطالعہ شوق سے کرتے ہیں۔ تجسس کا عمل انھیں بہت مرغوب ہے اور اس مطالعے کے لیے 'تنہائی' ان کا بہترین پلیٹ فارم ہے، تاہم تنہائی کے عمل میں بھی انھوں نے کسی کی مداخلت اور مشارکت قبول نہیں کی۔ دراصل میراجی کے باطن میں ایک دنیا آباد تھی، جو عرفان ذات کی متلاشی تھی، مگر انھوں نے خود کو کئی لبادوں میں چھپا رکھا

Scanned by CamScanner

تو ان کا تعارف اور ربط، مشرق و مغرب کے بڑے مصنفوں، شاعروں کا مطالعہ تھا
مطلب یہ کہ تعارف کے حالات میں شریک کار ہونے کے باوجود وہ اس سے کیا قبول کرتے
تو ان کا جائزہ لیتے تھے اور اپنے فکری نظریات کی آبیاری میں مصروف عمل تھے۔ یہی
شعور کے تحت وہ ایک سالک کی طرح گیان تو ضرور حاصل کرنا چاہتے تھے اور اس
کے لیے انھوں نے جتن بھی کیے لیکن اپنی ذات کی بازیافت کے باعث وہ اس کے
حصول میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکے۔ دراصل وہ کامیاب ہونا ہی نہ چاہتے تھے، بلکہ
گیان دھیان کا مسلسل سفر ہی ان کا مقصود نظر تھا

"میراجی کی بات یہ ہے کہ میراجی نے اپنی تگ و دو کو کسی منزل تک پہنچنے
کے لیے وقف نہیں کیا، بلکہ محض اس عمل کو تلاش و جستجو میں صرف کیا
ہے، جو سالک اور منزل میں کڑی کا کام کرتا ہے، یعنی ان
دونوں کے درمیان فاصلے کو کم نہیں ہونے دیتا۔" (۴۳)

جہاں تک ہم سمجھ پائے ہیں میراجی کے ہاں خود سپردگی، بھکتی یا سپردگی کا عنصر
تو غالب تھا کہ وہ کسی اور کی طرف منتقل کر ہی نہ سکتے تھے اور شاید یہی وجہ ہے کہ انھوں نے
گیان کو محض بہت نزدیک رکھا تھا اور بالواسطہ طور پر اپنی ہی ذات کی پوجا میں لگے
گیان دھیان سے لگے ہوئے تھے۔ یاد رہے کہ کامل صوفی کے درجے تک رسائی حاصل
کرنے کے لیے اپنی ذات کی نفی بے حد ضروری قرار پائی ہے جس کے درمیان کا
ترقی کیجیے جو تصوف کے راستے پر چلنا مشکل ہو جاتا ہے تاہم میراجی اس راستے کے
اس انداز سے مسافر تھے ہی نہیں

"ہوں سالک، پر حاصل میرا راس نہ آیا"

بھی دراصل ان کا مسلک تھا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میراجی ان معاملات
سے آگاہ نہ تھے، یا انھیں حقائق کی خبر نہ تھی، لیکن بات یہ ہے کہ اپنی ذات کی نفی کو ان

میں موجود تھا، وہاں بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے وجود کو ختم ہوتے دیکھ بھی نہ سکے تھے۔
ہر قیمت پر اپنے وجود کا اثبات انہیں عزیز تھا اور میراجی راستے میں کہیں کھو گئے، وہ فکری سطح پر
یہ میراجی اور اقبال میں ایک قدر مشترک رکھتا ہے۔

اہم ترین بات یہ ہے کہ ڈاکٹر وزیر آغا نے قطعاً یہ وضاحت نہیں کی کہ میراجی کسی
نوع کے باقاعدہ صوفی تھے اور معرفت کے جن مراحل سے گزر گئے تھے، وہ وجودی یا شہودی
سے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ میراجی اس راستے کے عبور کرنے کے باوجود تو اس منزل کو
پا سکے اور نہ ہی یہ ان کا مقصود تھا، ان کا مقصود تو گیانی کی طرح حقیقت اور خود کو مرکز میں
کر کے کائنات کا مشاہدہ کرنا تھا۔ جو انہوں نے کس طریقے سے کیا، وہ ہم کو تفصیل سے
میراجی کو باقاعدہ وہ صوفی ثابت کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ جو ادھار سے فراہم کیے
ایک فکری مغالطہ ہے۔ یہ مغالطہ ڈاکٹر وزیر آغا کے مذکورہ مضمون کے مطالعے کی روشنی
میں دور کیا جا سکتا ہے کیونکہ انہی کی ہے کہ میراجی گیانی تو تھے، صوفی بہرحال نہیں تھے۔
اسی بات کی مزید وضاحت ڈاکٹر وزیر آغا اپنے اگلے مضمون میں بھی کرتے ہیں۔

☆

ڈاکٹر وزیر آغا کی معروف کتاب "تنقید اور مجلسی تنقید" میں بھی "میراجی" کے
زیر عنوان ایک مضمون شامل ہے، جس کا آغاز اس مفروضے کی تردید سے کیا گیا ہے کہ
میراجی کی موت بے راہ روی کے باعث واقع ہوئی۔ ان کا موقف ہے کہ میراجی کی موت
بے راہ روی کا نتیجہ اور قوانین حیات سے بغاوت کا حاصل ہے اور یہ بغاوت اور انقلاب
سوچے سمجھے منصوبے کے تحت تھے۔

میراجی سے قبل بھی بے راہ روی کی مثالیں موجود ہیں۔ فرق یہ ہے کہ وہ سب کسی
خاص سمت میں سفر کر رہے تھے۔ جب کہ میراجی کا سفر ایک سے زیادہ جہتوں اور سمتوں کا
حامل تھا۔ جو ہم میراجی جیسی شخصیت کے مسافر نہ تھے۔ انہیں پیچ و خم مرغوب تھے، زندگی میں

Scanned by CamScanner

کو بھول جاتی تھی۔ اس کا دوسرا عرفان کے تحت میراجی کی نظموں کو رکھنے میں ایک خاص رویہ پیدا ہوا ہے۔ اس کے بعد ایک دوسرا رویہ واضح طور پر سامنے آیا ہے کہ میراجی بھی کے راستے جنسی اور دیومالائی کی فضا میں اتر کے چلے گئے۔ اس میں کرشن کی طرح وہ بانسری کی کمی بھی تھی۔ یہ لوگ وہ اصل حقیقت تک پہنچ گئے مگر وہ صورت نہ کر سکے۔ یہ لوگ کم کی طرح کامیاب نہ ہو سکے۔ شاید ان میں اتنی روحانی طاقت نہ تھی اور یہ واضح نقطہ ہے کہ میراجی کے اندر گھس بیٹھنے کا جذبہ تو تھا مگر وہ اس عرفان کی کہانی کو پوری طرح نہ پا سکے۔ یہ لوگ دراصل آگاہی نہ پا سکے کہ میراجی کے کلام میں جو تصوف کے پہلو ہیں اگر وہ صحیح طور پر کامیاب ہو جاتے تو شاید وہ ادارہ بن جاتے۔ جو بات تعجب خیز ہے کہ کئی نقادوں نے میراجی کو باقاعدہ صوفی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جو عجیب سی بات ہے اور اب بھی [illegible] لے گئے ہیں۔

> "میراجی کی فطرت و طبیعت ایسی تھی۔ اس لیے انہوں نے صوفی بننے کی
> خواہش [illegible] اس طرز فکر کے علاوہ میراجی کا طرز حیات اور شاعرانہ کمال
> اس حقیقت کا غماز ہے کہ میراجی ایک صوفی شاعر ہیں۔" (۱۳)

اس میں کوئی شک نہیں کہ میراجی کے یہاں ایسے عناصر پائے جاتے ہیں جو انہیں تصوف کی طرف لے جا سکتے تھے لیکن ان کی زندگی کے اسلوب اور شاعری کے حوالے سے ان کا صوفی ہونا قطعاً ثابت نہیں ہوتا۔ [illegible] کہ [illegible] میراجی کے طرز حیات پر صوفی ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے کہ انہوں نے کمال تحقیق سے میراجی کو صوفی شاعر قرار دے دیا۔ جب کہ ہم تو [illegible] ابھی اس تک ان کی شاعری کے حوالے سے "صوفی شاعر" کا درجہ دینے کے لیے پوری طرح تیار نہیں ہیں (۱۴)۔ یہ [illegible] میراجی کو صوفی شاعر کہتے تھے۔ میراجی کو تو [illegible] صوفی [illegible] کا درجہ بھی اتنی آسانی سے نہیں دیا جا سکتا کہ یہ حال تصوف اور روحانیت ابھی تک سوال [illegible] حقیقتیں [illegible]

Scanned by CamScanner

کر آپ اپنا تعارف دے رہی تھیں۔ اس لیے گیت کو علامت کا مضمون بنایا گیا ہو گا کی گلیوں میں
کے لفظ نظر سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۲۲

ڈاکٹر جمیل جالبی کی مرتبہ کتاب ’’میراجی: ایک مطالعہ‘‘ میں میراجی کی اہمیت کے نام سے ڈاکٹر وزیر آغا کا بھی ایک مضمون شامل ہے، وہ میراجی کی اہمیت کی آواز کرتی ہے اور مقالہ نگار زبانی انتخاب سے بھی ایسا ہی ہے۔

زیر تذکرہ مضمون میں ڈاکٹر وزیر آغا نے میراجی کے عہد میں شاعری کے تین صاحب کا ذکر کیا ہے، جو اپنے کمال کو پہنچ چکے تھے یعنی اختر شیرانی، اقبال اور جوش۔ میراجی ان تینوں صاحب سے ہٹ کر ایک نئی راہ کے مسافر تھے، جس کا گزشتہ صفحات میں وضاحت کے ساتھ ذکر ہو چکا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر وزیر آغا نے میراجی کو ان تینوں کی ضد قرار دیا ہے۔ مگر سب سے اہم بات جو انھوں نے کی وہ یہ ہے کہ اختر شیرانی، اقبال اور جوش تکمیل شدہ ہیں، اسی طرح باقی شعراء بھی ریلے کی طرح تھے، جب کہ میراجی ایک بہتے چشمے کی حیثیت رکھتے ہیں اور چوں کہ ان کی مختلف جہتیں ہیں، اس لیے ان کی تفہیم بھی آسان نہیں ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر وزیر آغا نے بڑے انصاف کی بات کی ہے کہ میراجی کی ہیئت میں بھی کمال کو پہنچے ہوئے نہیں ہیں، بلکہ امکانات کا ایک جہان اپنے اندر لیے رکھتے ہیں، اسی لیے زندہ ہیں اور اپنے اثرات مسلسل پھیلاتے چلے جا رہے ہیں اور یہ اثرات بھی ہمہ جہت ہیں، کسی خاص سمت میں نہیں ہیں، کسی خاص حوالے سے نہیں ہیں، ہندوستانی کلچر کے اثرات، دیگر ارضی پہلو، جسم اور جنسیات کے اثرات وغیرہ سب اس میں شامل ہیں اور سب سے اہم بات داخلیت کا رجحان ہے، جو نظم کا بنیادی مزاج کہلاتا ہے اور آزاد نظم کا یہ بنیادی مزاج میراجی ہی کی دین ہے۔

ڈاکٹر وزیر آغا کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انھوں نے آزاد نظم کو شعرا، بالخصوص

میراجی، ن م راشد اور مجید امجد کے افکار کے پرکھنے اور سمجھنے کی اس وقت کوشش کی، جب ان شعرا کی تفہیم کا باقاعدہ سلسلہ ابھی شروع نہیں ہوا تھا، یہی وجہ ہے کہ بعد کے ناقدین نے ڈاکٹر وزیر آغا کے قائم کردہ نکات سے خاطر خواہ استفادہ کیا، بلکہ بعض نے تو ان خیالات کی توضیح و اشاعت کو کافی سمجھا ہے (۱۵)۔ بہرحال میراجی کی اولین تفہیم میں ڈاکٹر وزیر آغا کے مقالات کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ میراجی کے حوالے سے ان کی خدمات ہمیشہ یادگار رہیں گی۔

حوالہ جات و حواشی

۱۔ میراجی کی سوانح، شخصیت اور فکر و فن کے مطالعے کے لیے حسب ذیل کتب ملاحظہ ہوں:

ا۔ "اشارات" از: آفتاب احمد، ڈاکٹر، کراچی، مکتبہ دانیال۔
اشاعت اول اگست ۱۹۹۲ء، بطور خاص مضمون "حلقۂ ارباب ذوق"

ب۔ "پاکستانی ادب کے معمار، میراجی، شخصیت اور فن" از: رشید امجد، ڈاکٹر،
اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، اشاعت اول ۲۰۰۵ء۔

ج۔ "میراجی۔ ایک بھٹکا ہوا شاعر" از: انیس ناگی، لاہور، پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساؤنڈز، اشاعت اول ۱۹۹۱ء۔

د۔ "میراجی، ایک مطالعہ" مرتب جمیل جالبی، ڈاکٹر، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء۔

ہ۔ "میراجی، شخصیت اور فن" از: رشید امجد، ڈاکٹر، ۱۹۹۵ء، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی۔
اشاعت اول: ۱۹۹۵ء۔

۲۔ میراجی خود تو چاہے میٹرک نہ کر سکے، یا انھوں نے میٹرک نہ کیا لیکن ان کے علمی مقام و مرتبے پر بعد ازاں پاکستان اور بھارت میں لوگوں نے پی ایچ ڈی کے مقالے ضرور قلم بند کیے ہیں۔

"اس عہد میں"، کراچی: آج کی کتابیں، دوسری اشاعت ۲۰۰۴ء

۳۸۔ عمیر قی،

۳۹۔ عمیر قی، "مشرق و مغرب کے نغمے"، کراچی: "آج کی کتابیں"، دوسری اشاعت

نومبر ۱۹۹۹ء

۴۰۔ ڈاکٹر وزیر آغا کی سوانح اور فن کے تفصیلی مطالعے کے لیے درج ذیل کتب ملاحظہ فرمایئے

ا۔ "وزیر آغا: عہد ساز" از عرفان [illegible]، لاہور، کاغذی پیرہن، اشاعت اول مارچ ۱۹۹۳ء

ب۔ "پاکستانی ادب کے معمار، ڈاکٹر وزیر آغا، شخصیت اور فن" از [illegible]

اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، اشاعت اول ۲۰۰۵ء

ج۔ "[illegible]" از [illegible]، سرگودھا، مکتبہ [illegible]، اشاعت اول جون ۱۹۹۳ء

د۔ "ڈاکٹر وزیر آغا اور [illegible] عہد" از رشید نثار، راولپنڈی، [illegible] آرٹس

سوسائٹی [illegible] ۱۹۹۸ء

ہ۔ "ڈاکٹر وزیر آغا [illegible] کی نظر میں" مرتبہ [illegible]، لاہور،

[illegible] سوسائٹی، اشاعت ۱۹۹۷ء

و۔ "ڈاکٹر وزیر آغا عہد ساز شخصیت" از سید [illegible] قریشی، ملتان، [illegible]،

اشاعت اول ۱۹۹۵ء

ز۔ "کاغذی پیرہن" ، [illegible]، لاہور، "وزیر آغا نمبر"، جلد ۵، شمارہ ۷، ۸،

مئی جون ۲۰۰۳ء

ح۔ "[illegible]" مرتب [illegible]، لاہور، مکتبہ فکر و خیال، جنوری ۱۹۹۹ء

۴۱۔ ڈاکٹر وزیر آغا "ادبی دنیا" میں مولانا صلاح الدین احمد کے ساتھ شریک مدیر کے طور خدمات انجام دیتے رہے اور ان کی خدمات کے اعتراف کے طور پر مولانا صلاح الدین احمد کی یاد میں ڈاکٹر وزیر آغا نے "اوراق" کا اجرا کیا، جو گزشتہ چالیس برس

سے شائع ہوا ہے۔ اور جو ادبی رسائل و جرائد کے حوالے سے [illegible] [illegible] ہے۔

۱۰۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، مضمون ''میرا جی [illegible] کی ایک مثال، میرا جی''، مشمولہ ''[illegible]''، ص ۲۴

[illegible]''، لاہور، [illegible] ص [illegible]

۱۲۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، ''اردو شاعری کا مزاج''، لاہور، مکتبہ عالیہ، [illegible]

۱۹۹۹ء، ص ۳۹۲

۱۳۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، ''اردو شاعری کا مزاج''، ص ۳۹۵/۳۹۶

۱۴۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، مضمون ''میرا جی کا عرفانِ ذات''، مشمولہ ''[illegible]'' کے حوالے،

[illegible]، اردو زبان، اشاعت اول فروری ۲۰۱۰ء، ص ۹۷

۱۵۔ ایضاً، ص ۹۵/۹۸

۱۶۔ ایضاً، ص ۹۸

۱۷۔ [illegible]، ''میرا جی کی کتاب پریشاں''، مشمولہ ''میرا جی۔ ایک مطالعہ''،

مرتب: جمیل جالبی، ڈاکٹر، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، اشاعت [illegible]، ص ۲۹۔۳۰

۱۸۔ تفصیل کے لیے درج ذیل مقالہ جات ملاحظہ ہوں

ا۔ عارف حبیب، ''[illegible] تمام کی کلیتوں کا شاعر''، مشمولہ ''[illegible]''، لاہور

ماہنامہ، جلد ۲، شمارہ ۵، مئی ۱۹۹۲ء

ب۔ عارف حبیب، ''[illegible]: ایک مطالعے کی کوشش''، مشمولہ ''[illegible]''، لاہور

ماہنامہ، جلد ۹، شمارہ ۱، جنوری فروری ۱۹۹۸ء

۱۹۔ راقم نے آزاد نظم کے شعراء پر ہونے والی تنقید کے تحقیقی و تنقیدی جائزے کے حوالے سے ایم فل (...) کا مقالہ قلم بند کرتے ہوئے اس اتفاق تک رسائی حاصل کی۔ [illegible] لیے مقالہ نگاری اس رائے کو محض مفروضہ (Hypothesis) خیال نہ کیا جائے۔

Scanned by CamScanner

محمد قاسم

تھے عجب دھیان کے در و دیوار

(جون ایلیا کی شاعری)

John Aliya is a well known name in the field of modern Urdu poetry. In his works, we find a unique style of poetic elements. He is conspicuous amongst his contemporaries due to his unique style of the use of metaphors and similes, and versification. In this article, an effort has been made to assess John's style from diverse angles so that the newness of his style is brought to light.

جون کی شاعری اس کی مختلف شخصیتوں کا ایک "کولاژ" ہے۔ وہ کبھی "مفکر جز
قدیم" کو چھانے کی تحقیق کرتا ہے تو کبھی عام وقت کو مسند سے اتارنے کا پرچار کرتے ہوئے
دکھائی دیتا ہے۔ کبھی "شہر دل" کے کھنڈروں میں گھومتا ہے تو کبھی کسی یاد کے در پہ بیٹھے ہوئے
"نئی منزلیں" تلاش کرتا ہے۔ "جہاں داراب" کو اساس کی تعمیر کرتے ہوئے اور الجھتے ہوئے خود کو خدا
"تسلیم" کرتا دیتا ہے۔ یہ تمام جو ہے مل کر جو شخصیت بناتے ہیں وہ ادب کی دنیا میں جون ایلیا
کے نام سے جانی جاتی ہے۔

آج کی شاعری کو تقابل کا روحانی عمل شخصی اور جاوداں علامتوں اور استعاروں کا ایک
نیا تخمینہ اور پیچیدہ جنگل ہے جہاں ہر طرف سرابوں اور انتشار اور بے ترتیبی کے کچھ کھائی نہیں

Scanned by CamScanner

رہتی ہے۔ جو ترتیب لفظ میں شاعری اور یہ اطوار کیسے بن گئی ہے اور انسان کو انسان سے
جدا کیسے کیا جا سکتا ہے۔ آج کل کی شاعری فرد کے دکھوں اور انفرادی خیالات کو بیان کرتی
ہے لیکن اس کی علامتیں اور استعارے صرف ملاقات کو ختم دیتے ہیں اور انسانی رشتوں اور
رویوں کی دوری اور ٹکراؤ بڑی گہرائی سے آتی ہے۔ اس اظہار میں شعر و ادب میں شاعری محض ذات سے
محدود ہو گئی ہے۔

جون نے زندگی کی پرچھائیوں کو گہرے سے اظہار کی ہے اور اپنے احساس و شعور کی روشنی
میں ہوتے ہوئے اپنی ذات کے ملاقات کو حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہی ملاقات نے اسے
لوگوں کی بھیڑ اور بے معنی آوازوں میں گم ہونے سے بچایا ہے۔

حیران ہونا اور حیرت میں مبتلا کر دینا دو مختلف عوامل ہیں۔ ضروری نہیں کہ حیران
ہونے والا کسی دوسرے شخص کو بھی حیرت میں مبتلا کر سکے۔ لیکن جون ایسا کر سکتا ہے اس کے
یہاں حیران ہونے کی زبردست صلاحیت موجود ہے وہیں یہ صلاحیت بچے کی ہے جو ہر وقت بھی
موجود ہے۔ اس کی مثال اس بچے کی سی ہے جو ہر چیز کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو جاتا ہے اس کی
شخصیت کی بنیاد ہی حیرت سے عبارت ہے اگر دیکھا جائے تو حیرت ہی ہے جو بچے کو تخلیق کار بنا
دیتی ہے اور اسے بوڑھا ہونے سے بچا لیتی ہے۔

یہ حال ہوں جو صورتِ احوال کچھ نہیں
حیرت ہے کہ میرے پاس فکر کس کے پاس ہے؟

شدید روایت کی پابندی اور اداسی یہ دو عناصر ہیں جو کہ جون کی شخصیت کی بنیاد
ہیں اور یہی وحشی بھی شخصیت اس کی شاعری میں جلوہ نما ہے۔ جون کی شاعری ذات کی تلاش کا
دوسرا نام ہے جس کے پس منظر میں یہ تنہائیاں رنگ اس طرح ترتیب پاتے ہیں کہ ایک جیالوی
رنگ وجود میں آ جاتا ہے جسے ہم اس کی اداسی شدید روایت سے موسوم کر سکتے ہیں جس کے
راستے دل نے ختم نہیں کی اور یہ احساس لوگوں کی دل آزاری اور اداسی کا احساس کا باعث تھی

[illegible]

☆

[illegible]

[illegible] (Attention) [illegible]

[illegible]

Scanned by CamScanner

اے یقیں کے گماں

اے گماں کے یقیں

اے ازل آفریں

اے ابد آفریں

اے خدا الوداع

اے خداوں خدا

الوداع الوداع (رموز)

جون جب "اس گلی" کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد صرف دل یا گلی ہی نہیں بلکہ وہاں اس کے پاس امروہے کی تہذیب کی وسعت بن کر سامنے آتا ہے۔ جس کی گلیاں، محلے اس کی ذات کا حصہ ہیں۔ "اس گلی" "حالت حال" "امروہہ" میں گماں کی گلیاں، مکان کے کمرے اور صحنوں کی کہانیاں ہیں جو ایک پل بھی اس سے جدا نہیں ہوتے۔ ان کی یادیں اسے اپنے ماضی میں کھینچتی ہے۔ امروہے کی تہذیب وہ "قریہ" ہے اس تہذیب کا حصہ نہیں وہ تھیں وہ تہذیب اس کی ذات کا حصہ بن گئی ہے وہ دل کو کبھی گلی کہتا اور کبھی یادوں کی صورت میں دیکھتا ہے۔ یہ یادیں کبھی اسے اداس رکھتی ہیں اور کبھی بے اماں کیے رہتی ہیں۔

ہم تو جیسے وہاں کے تھے ہی نہیں

بے اماں تھے اماں کے تھے ہی نہیں

اس گلی نے یہ سن کے صبر کیا

جانے والے یہاں کے تھے ہی نہیں

اسے دکھ ہے تو یہ ہے کہ وہ لوگ اس کے ہم سفر تھے وہ گرد باد حیات کی نذر ہو چکے ہیں اور اب ان کی یادیں ہیں جن کی عکاسی وہ "دل محلے" کی گلیوں میں وہ اپنی صورت اپنی مثالیت تلاش کرتا رہتا ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ شاعر ماحول کی نذر ہے۔ کیونکہ جب وہ سراپا غم دل والا ہے تو اسے گرد سے واسطہ پڑتا ہے اور ہر طرف ماحول ہی ماحول اداسی دکھائی دیتی

Scanned by CamScanner

تجنیں ایک ٹیکیا تکس ہے ہر حال اس کی ہم رکاب ہے اور اس کا مقصد ہے۔

پھر اس گلی سے اپنا گزر چاہتا ہے دل

اب اس گلی کو کون سی بستی سے لاؤں میں

وہ اپنی ذات کے ویرانے یادوں کے قبرستان میں جا نکلتا ہے جہاں وہ تنہا ہے مگر زندہ رہنے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔

اب وہ گھر اک ویرانہ تھا بس ویرانہ زندہ تھا

سب آنکھیں دم توڑ چکی تھیں اور میں تنہا زندہ تھا

ساری گلی سنسان پڑی تھی باد فنا کے پہرے میں

ہجر کے دالان اور آنگن میں بس اک سایہ زندہ تھا

وہ جو کبھی اپنی رخصت کی ایسا دیا دھر کر تھی

اپنے اندر اپنی ذات اقلیم میں جیسے زندہ تھا

یہ نظم پڑھنے کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس کے پاس دل لگی کے، تنہائی، محبت، ہجر اور یادوں کی کیا اور کس قسم کی معنویت ہے اور ان سے اس کا کیا رشتہ ہے۔

ناصر کی شاعری چلتے پھرتے پلکے یا دل بہلانے کی چیز نہیں ہے بلکہ یہ احساس ذات کی گہرائیوں اور احساس کے وہ لمحات ہیں جو صرف محسوس کیے جا سکتے ہیں بیان کیے یا سمجھائے نہیں جا سکتے۔ ناصر کی شاعری احساس سے ہم کلام ہونے کا نام ہے اس کی وضاحت وہ شعر کی گمشدگی کا

آگہی نے کیا وہ چاک جسے

وہ گریباں بھلا سیئے بھی کہاں

یہ احساس جب ذات میں پیوست ہو جاتا ہے تو انسان خون تھوکنے اور ماتم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ خون تھوکنے کی داستان جس شدت اور دکھ کے ساتھ ناصر کی شاعری میں بیان ہوئی ہے واقعی ہے اس کے معاصرین کے ہاں اس کا تذکرہ کم کم ہی ہے۔ بات یہ ہے کہ کہانی اس

Scanned by CamScanner

[illegible] اس کہانی کی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تم وہ پیمان کے حق میں قائل اندیشہ کہ نہیں

[illegible]

وہ تیری چیز ہے تمہارا جو خوش بیانی ہے

([illegible])

☆

تھوکا ہے میں نے خون ہمیشہ مذاق میں

میرا مذاق آپ ہمیشہ اڑائیے

☆

رنگ ہر رنگ میں ہے داد طلب

خون تھوکوں تو واہ واہ کیجیے

اب ہم اس کہانی کی دوسری تکنیک کے متعلق بات کرتے ہیں۔ کہانی کی یہ تکنیک [illegible]

[illegible] کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے [illegible]

[illegible] کہانی کی یہ دوسری تکنیک اس وجہ سے [illegible]

[illegible] کہ جس کے عروج میں اسے اپنا زوال دکھائی دیتا ہے

اس کے عروج کی تھی بہت آرزو ہمیں

جس کے عروج میں ہمارا زوال تھا

... ہے جب اس کی ذات پر چوٹ پڑتی ہے اور اس کی انا سے اس
... ہو جاتی ہے ... اس کے حواس رخصت ہو جاتے ہیں اور وہ ہوش
میں نہیں ہوتا ... زبان کے جملے ہی تھیں۔ جس سے وہ دوری اور مغائرت
... ہے ... ذات میں ... ہوتی ہے اور یہی
... خون تھوکتا ... جاتا ہے۔ ... کے ہاتھ وہ
... سے ... اور ... مسلسل جدائی اور جان کی
... ہو جاتا ہے۔

اس مسلسل شبِ جدائی میں
خون تھوکا گیا ہے بے پروا

☆

خون ہی تھوک رہا ہوں مگر کہ اس سے
وہی تو رنگ دہاں ہے جو تھا ہم ہو

☆

کیا کہوں خون جو اب تھوک رہے ہیں جاناں
ہم ترے رنگ کے پرتو سے بچاتے بھی گئے

☆

جیسے کہ "درختِ زرد" میں جون کہتا ہے

تمہاری [illegible] بہت دن میں
میں اس کے رنگ کی تسکین سے تنہا بہت دن میں
وہی تو ہیں جنہوں نے مجھ کو [illegible] رنگ تھکوایا
وہ کس رنگ کا ہو ہے جو میاں میں نے نہیں تھوکا
لہو ... تھوکنا اس کا ہے کاروبار بھی میرا
یہی ہے ساکھ بھی میری یہی معیار بھی میرا

(درختِ زرد)

[illegible]

[illegible]

☆

[illegible]

☆

[illegible] Paradox [illegible]

[illegible] Paradox [illegible]

[illegible]

☆

کیا میں اس کو تیری مثال کہوں
دل میں اک شوق ہے [illegible]

☆

ملے رہے اسی تپاک کے ساتھ
ہے وصال کی دعا [illegible]

Scanned by CamScanner

[illegible] Absurdity

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

☆

Scanned by CamScanner

کوئی معنی نہیں کسی شے میں
وہ، اگر ہوں بھی تو معانی سب کیا

☆☆

۱۱۲ ، معنی کا جسم کہاں ہے جو تھی
کس زمانے میں تھیں جن میں پایاں

۱۱۳ وصالی کی اس ملاقات کی بھرپور معنویت وہاں واضح ہے جہاں شاعر یہ سوال اٹھاتا ہے کہ وہ مجرد حقیقت کہاں ہے کہ جہاں حرف و معنی و جسم متصل و پیوست ہوں .... شاید کہیں نہیں۔

کہاں ہے سمت گماں وہ جہان جاں پرور
کہ جس کی شکل بھی کا فسوں مجسم کیا
وہاں میں چھپتا ہے منظروں میں چھپتا ہے
جہاں تو ہی ہے سامنے نظر ہی منظر ہے
جہاں حرف لبوں سے کلام کرتے ہیں
جہاں وجود کے معنی خرام کرتے ہیں

(۶ب)

ایک موڑ کی بحر اس پابندی کے سبب تین زمینوں میں تقسیم ہوتی اور مصرعوں کی اس کے پاس وحدت معنویت ہے۔

"تم کہاں جاتے ہو ہم کہاں جا رہے تھے" .... "شام تھی شب تھی" .... "کبھی پل کا تو کبھی پل کا ہم" .... "نہیں" .... "دن ہو یا ہو" .... "کہتے ہو" .... "اور کہاں" .... "کچھ بہت سے تھے" .... "اب تم یاد نہیں آتے"۔

ان کے ہاں علامتوں کے استعمال کا ایک دائرہ کار ہے اور ان کے تصرف میں اس نے رنگوں سے اس کا کام لیا ہے اور ایک عجیب طرح کی معنویت کو ابھارا گیا ہے۔

"سبز وہاں سبز" .... "سفید سبز قدم" .... "زرد ملال" .... "کہاں زرد" .... "گلابی یا سبز کلام"

Scanned by CamScanner

"[illegible]"

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مجھے اب دھیان کے در و دیوار
گرتے گرتے بھی اپنے دھیان میں تھے

☆

یہ بستی ہے مسلمانوں کی بستی
یہاں کارِ مسیحا کیوں کریں ہم

☆

حاصل کن ہے یہ جہان خراب
یہی ممکن تھا اتنی عجلت میں

☆

مستقل بولتا ہی رہتا ہوں
کتنا خاموش ہوں میں اندر سے
میرے اندر کمی ہا کی ہے
کیا مجھے کھوجتا ہے منظر سے

☆

بولتے کیوں نہیں مرے حق میں
آبلے پڑ گئے زبان میں کیا

☆

ہم نے جانا تو ہم نے یہ جانا
جو نہیں ہے وہ خوب صورت ہے

☆

کون اس گھر کی دیکھ بھال کرے
روز اک چیز ٹوٹ جاتی ہے

☆

کل دوپہر عجیب سی اک بے دلی رہی
بس تیلیاں جلا کے بجھاتا رہا ہوں میں

☆

جانے کیا واقعہ ہوا کیوں لوگ
اپنے اندر نہیں رہے آباد

☆

نظر پر بار ہو جاتے ہیں منظر
جہاں رہیو وہاں اکثر نہ رہیو

☆

یہاں میں دار بھی کر دوں گیہوں کا
ابھی کل ہی وہ دہقاں مر گئے ہیں

☆

مانگ لے یہ کوئی مجھ سے
وقت اچھا کیا ہے مجھ میں

☆

ن م راشد اور میرا جی کا تصورِ مشرق: تقابلی مطالعہ

Noon Meem Rashidand Meeraji are known for their preoccupation with Nazm and not ghazal in their poetry. In a new study of these poets the concept of east or rather the orient has been examined. East here is not a geographical entity but a certain way thinking peculiar to this area. Besides Iqbal, perhaps these were the only two 20th century poets who practised Nasm - the long poem and did not indulge in the popular genre of ghazal, the two-liner aphoristic poetic composition.

ن م راشد اور میرا جی جدید اردو شاعری کے دو ایسے نام ہیں جو نہ صرف اپنے عہد پر اثر انداز ہوئے بلکہ آج بھی ان کے اثرات اسی طرح رواں دواں ہیں۔ دونوں کا بنیادی حوالہ نظم نگاری ہے۔ دونوں کا تعلق سر زمین راولپنڈی، پنجاب سے ہے اور دونوں نے کم وبیش ایک ہی زمانے میں شاعری کا آغاز کیا۔ اگرچہ ان کے ہاں بعض مباحث بھی موجود ہیں مگر کئی ایک پہلو ایسے بھی ہیں جہاں دونوں ایک دوسرے کے مقابل کھڑے نظر آتے ہیں۔ اس مضمون میں یہ کوشش ہوگی کہ دونوں کے ہاں مشرق اور مشرقی تہذیب کے حوالے سے جو تصور ملتا ہے اس تک رسائی حاصل کی جائے اور اس کی اہمیت کا تعین کیا

Scanned by CamScanner

جسے اس کی وضاحت اس موضوع نے دونوں شاعروں سے وہی جگہ پائی اور یہی کہ وہ
مشرق اور مشرقی تہذیب کی بالادستی ہو، یا زندگی میں انساں تک کامیاب ہوئے ہیں۔
مشرق اور مشرقی تہذیب کی ... مشرقی بھی ...... ایک نئے با معرفہ اقبال وسعت میں
ابھرتے سورج کی سرزمین
یوم بھی بلکہ زندگی ہونے کے ان خاص دعووں اور چیزوں کو پیچھے دکھانے کی ان خاص
صوفیوں کا وہم بھی ہے جو اس معرفہ اقبال وسعت سے وابستہ ہیں۔ رنگ و نسل، مذہب
زبانوں اور ثقافتوں کی رنگا رنگی کے باوجود مشرق کا ایک اپنا مجموعی رنگ بھی ہے جو اسے
مغرب اور جنوب و شمال سے ممتاز کرتا ہے۔ دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں کا مسکن یہ خطہ
دنیا میں اپنے اعلیٰ انسانی جوہر کی ان گنت روایتوں اور عہد بہ عہد تجربات لیے ہوئے
ایک منفرد اور جداگانہ حیثیت رکھتا ہے جیسا کہ اسی طرح دنیا کے باقی خطے اپنی اپنی
انفرادی شناخت رکھتے ہیں۔ اپنی ایک خاص شناخت اور پہچان رکھنا کوئی مسئلہ نہیں تھی
مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب یہ شناخت اپنا وجود کھونے لگے۔ سترھویں صدی عیسوی
کے بعد سے مشرقی ممالک بالخصوص مغربی دنیا کے اس مسئلے نے سر اٹھانا شروع کیا جو
انیسویں اور بیسویں صدی تک آتے آتے ایک گمبھیر شکل اختیار کر گیا یہی وجہ ہے کہ
انیسویں صدی کے اواخر میں اور پھر اس کے بعد بیسویں صدی میں تواتر کے ساتھ اہل
دانشوروں اور ادیبوں کے ہاں یہ مسئلہ موضوع بنتا ہے۔ اس کی نمایاں ترین صورت ہمیں
اقبال کے ہاں ملتی ہے اور اس کے بعد ن م راشد اور میراجی۔

اقبال کا مشرق بحیرۂ روم کے ساحلوں سے لے کر ہمالہ اور ہمالہ سے آگے
... تک پھیلا ہوا ہے۔ بلکہ آخر تک اس میں اسلامی وطن کو وسعت ہوتی رہی۔ مشرقی تہذیب
و تمدن اور بالخصوص مشرقی دنیا کے تہذیبی و فکری اقدار سے ان کی آنکھوں کا سرمہ رہے ہیں
اور ان کے نزدیک وہ مشرق کی سالمیت اور ترقی کی بنیاد قرار دیتے رہے۔ اقبال کے ہاں
یہ تصور ان کے فلسفۂ حیات کا حصہ بن کر سامنے آتا ہے۔ ن م راشد اور میراجی کے ہاں

Scanned by CamScanner

شروع ہوا۔ مغرب سے قربت کے اثرات کا نتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے جس میں اس کا اپنا بھی ایک
ہاتھ ہے مگر یہ کو یکسر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

بیسویں صدی اور اردو ادب کے تناظر میں مشرق کو جانچنے سے پہلے ضروری ہے کہ ایک نظر
پیچھے ڈالی جائے تو دیکھیں جس کے نتیجے میں انیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی
یورپ میں [illegible] شروع ہوئے اور جس نے زندگی کے ہر شعبے کی طرح ادب کو بھی متاثر کیا۔
اٹھارویں صدی عیسوی میں مغرب میں سائنسی و صنعتی انقلاب شروع ہوا اور اس نے وہاں کے
سیاسی اور سماجی حالات پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ انیسویں صدی میں اس کا
دائرہ دنیا کے دیگر علاقوں کی طرف بڑھا اور دیکھتے ہی دیکھتے پوری دنیا اس کی لپیٹ میں
آگئی۔ بیسویں صدی اس پھیلاؤ کا نقطہ عروج ہے۔ اس صدی کے نصف اول میں دو عالمی
جنگیں ہوئیں۔ [illegible] پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۷ء کا انقلاب روس اور ۱۹۳۹ء
کی دوسری جنگ عظیم نے نہ صرف مغرب بلکہ مشرق میں بھی صدیوں پرانے سیاسی، سماجی
حالات اور معاشرتی نظام کو بدل کر رکھ دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ نت نئی سائنسی ایجادات اور علم
کی [illegible] نے [illegible] کی کسر بھی پوری کر دی۔ یوں ایک ایسے معاشرے کی
بنیاد پڑی جس کے سامنے بہت سی مشکلیں کھڑی ہو گئی تھیں اور ان مشکلوں تک پہنچنے کے
لیے [illegible] نہ تھی۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ بے یقینی، انتشار اور [illegible] نے جنم لیا۔
مغرب سے آنے والی تحریکوں نے مشرق کے [illegible] کو پارہ پارہ کر دیا۔ خود مغرب
میں بھی یہی صورت حال تھی جو صدیوں سے ایک ہی ڈگر اور مخصوص راستوں پر چلنے والے
مشرق کے لیے تو [illegible] بالکل ہی ناقابل برداشت ہوئی۔ دو عالمی جنگوں اور
[illegible] نے [illegible] کو [illegible] کر کے رکھ دیا۔ یہی وہ دور ہے جس میں
[illegible] نے اپنی شاعری کا آغاز کیا۔
یہی وہ [illegible] کے ہاں مشرق کی حالت کا عمل شروع کرتا ہے، ہم دیکھتے
[illegible]

Scanned by CamScanner

ہیں کہ اگرچہ دونوں قریب قریب [illegible] ہیں لیکن ایک کا رخ [illegible] مشرق کی [illegible]

دوسرے کا رخ مغرب کی طرف ہے۔ راشد کی شاعری میں [illegible]

اصطلاحات، تلمیحات، استعارات استعمال ہوئے ہیں [illegible]

تصور کی [illegible] ہے وہ میراجی سے بالکل مختلف ہے۔ راشد کے [illegible]

رات، [illegible] کی علامتیں بکثرت ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ [illegible]

[illegible] مطلب کے [illegible]

[illegible] ہیں۔ میراجی کے [illegible]

اور تہذیب [illegible] کی عکاسی ہے [illegible] علاقوں کے ساتھ مخصوص تھی۔ اس کے [illegible]

میراجی کے ہاں [illegible] جنگل، رات، [illegible]

[illegible] متعلق ہوتی ہیں۔ وہ گنگا جمنا اور [illegible] کی باتیں کرتے ہیں

[illegible]

[illegible]

[illegible] دونوں کی [illegible]

[illegible] ایک کا رخ عرب، ایران اور وسط ایشیا کی طرف ہے

اور دوسرے کا [illegible] مشرقی ایشیا کی طرف۔ بقول ڈاکٹر [illegible]

"راشد کا شعری [illegible] عربی، عجمی اور وسط ایشیائی ہے۔ اس کے مقابلے میں میراجی کا [illegible] ہے"۔ (۱)

اور بقول ڈاکٹر [illegible]

"میراجی اپنے مزاج کی وجہ سے قدیم [illegible] کی طرف راغب ہوتے چلے گئے جبکہ راشد اپنی مغرب [illegible] کے باوجود بھی [illegible] کی طرف متوجہ ہوتے"۔ (۲)

Scanned by CamScanner

ن م راشد اور میراجی دونوں جو حلقہ کے نمائندہ تھے ڈاکٹر وزیر آغا صاحب بھی

کو یہی دونوں کے ہاں اپنے مشرقی روایات کے قریب آنے اور ان کو قبول کرنے کی شعوری کوشش ملتی ہے۔ اگر چہ دونوں میں بعد فکری بھی ہے۔ میراجی اپنے تجزیے کی راہ سے ہو کر آگے بڑھتے ہیں اور راشد قول کے مطابق ان کی طرف سفر کرتے ہیں۔ مگر یہ بات بھی واضح ہے کہ دیکھنا یہ ہے کہ دونوں کی مشرق کی طرف مراجعت صرف عقلی یا جذباتی تھی یا اس میں کوئی اور مقصد کارفرما تھا۔ یا انتقام کے تحت ان کے پاس مقصد تھا اور یہ مشرق اور تہذیب مشرق کے متعلق محض دونوں کے تحت اس طرف راغب ہوئے۔ ڈاکٹر وزیر آغا اس سے بھی ملتے ہیں۔

میں (راشد) کی معروف شخصیت کو اگر قبول و تسلیم کیا جائے
تو شخصیت کی کرنے کے وہ بھی مخالف تھے اور ہم
ان کی معروف شخصیت پر ان کا ذاتی میں تبدیلی ہوئی تھی۔
اس کے بعد میراجی کی تہذیب کو اپنا کر مشرقی
ہندوستانی روایات ہوتے تھے۔ (۳)

یعنی ڈاکٹر صاحب کے نزدیک دونوں شاعروں کے ہاں مشرق اور مشرقی تہذیب کی طرف مراجعت محض جذبے کے طور پر تھی بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ اس ملک کے لوگ اپنی مغرب کے ہاتھوں کھوئی ہوئی اپنی روایات کے مطابق دوبارہ تعمیر کیا جائے اور اس کو دوبارہ زندہ کیا جائے جو ضروری ہے۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے اب ہم راشد اور میراجی کی شاعری کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ایک مختلف صورت حال سامنے آتی ہے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ دونوں کے ہاں یہ کوئی شعوری مقصد موجود نہیں تھا اور نہ ہی انھیں اپنی روایات سے کوئی دلچسپی تھی

بالخصوص راشد کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ بھی ثقافت کا احیاء از سرِ نو چاہتے تھے غلط ہے کیونکہ راشد کو اپنے ماضی سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ انھیں اپنے ماضی کی کسی روایت سے کوئی رغبت نہیں تھی۔ بقول ڈاکٹر تبسم کاشمیری:

"ایرانی تہذیب کے ساتھ ان کا کوئی زندہ، معنوی رابطہ نہیں کیونکہ ماضی ان کے لیے بیکار محض ہے اور حال کے فرد، موجود کے لیے ماضی کے پاس کوئی زندہ معنوی حل نہیں ہے۔ عراق، ایران یا عجم یا ماضی کی بھی فرد کے لیے راشد کے اندر جذباتی تعلق نہیں۔" (۴)

یعنی راشد عرب، عجم اور وسطِ ایشیا کے حوالوں اور ان کی تہذیب کی کوئی تعمیری صورت نہیں دیکھتے۔ یہ محض استعارے ہیں۔ ایسے استعارے جن کی قطعی تاب و تب زائل ہو چکی ہے۔ اور موجود سے بعید ہو جانے کے لیے ان کی طرف لوٹا جاتا ہے۔ راشد کی ان استعاروں کی طرف مراجعت تعمیرِ نو کے لیے نہیں بلکہ وہاں ہجرت کے لیے ہے۔ وہ ایک ایک کر کے اپنی تہذیبی روایت کے ان استعاروں کو کھوتا ہے جس میں اسے اپنی قسمیں اور پہچان نہ نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ساقی یا حسن سے ایک بے وفا دوست کا انتظار نظر آتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں آ کر راشد کا ایرانی تشخص میں دلچسپ تبدیل ہو جاتا ہے۔ لیکن ڈاکٹر آفتاب احمد کے خیال میں راشد بھی اقبال کی پیروی کرتا ہے اور زیادہ جامع انداز میں اقبال کی فکر کو آگے بڑھاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"مشرق میں مغرب کی بڑھتی یلغار کا احساس، رنگ و نسل کی تفریق کا احساس، جس عنوان اور جس انداز سے راشد کے کلام میں جاری و ساری ہے وہ صاف اقبال کی یاد دلاتا ہے اور راشد کو اپنے ہم عصر شاعروں سے ممتاز کرتا ہے۔ بلکہ میں یوں کہوں گا کہ اقبال کے ہاں بھی یہ احساس اتنی شدید، اتنی تیکھی صورت میں ظاہر نہیں ہوا۔" (۵)

Scanned by CamScanner

لیے اقبال اور راشد کا تقابل محض [illegible] ہے اور دونوں کا [illegible] کے ہاں
[illegible] تشکیل ہوا تھا۔ اقبال [illegible] کا [illegible] ہے
[illegible] راشد [illegible] ہے۔ راشد اقبال کی طرح
[illegible] اس [illegible] کے
[illegible] اس کا [illegible] ہے اور اس میں [illegible] کی
[illegible] کا [illegible]
[illegible] ہے [illegible] اور [illegible] ہے
[illegible] ہے۔ [illegible] کے مطابق

"راشد کی شاعری میں ماضی مستقل طور پر [illegible]
ہے مستقبل کی علامت کے طور پر موجود ہے۔ جہاں جہاں بھی
ماضی کا حوالہ [illegible] ہے اس کا تصور [illegible] ہے مستقبل کی
[illegible] نظر آتا ہے۔ ماضی کے ساتھ اس کا [illegible] ہے
ہے۔ اس تصور کے ساتھ ہی اس کے اندر [illegible]
[illegible] طاری ہو جاتی ہے۔" (۹)

وہ خود راشد لکھتے ہیں:

زندگی تو اپنے ماضی کے کنویں میں جھانک کر کیا پائے گی؟
اس پرانے اور زہریلی ہواؤں سے بھرے، سوئے کنویں میں
جھانک کر اس کی تہہ میں کیا پائے گی؟
اس کی تہہ میں [illegible] کے سوا کچھ بھی نہیں
[illegible] کچھ بھی نہیں! (۷)

راشد [illegible] جس تہہ [illegible] اور جس تہہ میں زندگی کی تلاش کرتے رہے اور جس کی

Scanned by CamScanner

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] سے نکل

جائے گی۔

اب ذرا ماضی کی طرف آتے ہیں۔ [illegible] میراجی کی شاعری [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] جنگل کی [illegible] کی طرح [illegible]

[illegible]

محسوس ہوتے ہیں جو ماضی کے ہی اظہار [illegible] ہے۔ بقول ڈاکٹر وزیر آغا

"جنگل کی طرف میراجی کی مراجعت دراصل قدیم ہندوستان کی فضا کی طرف مراجعت ہے۔ اسی لیے میراجی کے ہاں بار بار [illegible] [illegible] کا رجحان ملتا ہے جو نہ صرف جنگل کی تاریکی میں گم ہونے کا رجحان ہے بلکہ یہ ماضی کی تاریکی میں کھو جانے کی آرزو پر بھی دلالت کرتا ہے۔" (۹)

اپنے ماضی میں کھو جانے کی یہی ایک صورت ہے جو میراجی کو ماضی سے [illegible]

Scanned by CamScanner

نئی ہے۔ راشد کو یہی آرم میراجی کی بدولت یہ کچھ جانا پہچانا نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں ایرانی اور اس کا تمدن ہی سرمایۂ حال کی الجھنوں سے نجات کے لیے محض ایک سہارا ہے۔ وہ بھی اس بنیاد کو کھو دینا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ جانتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی متبادل نہیں۔ میراجی اپنی بنیاد کو قائم رکھنا چاہتے ہیں لیکن ایسا نہیں کر پاتے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگرچہ راشد اور میراجی دونوں اپنے اپنے دور میں مشرقی تہذیب سے وابستگی کا اظہار کرتے ہیں لیکن یہ وابستگی چونکہ انتہائی کمزور اور روایت کو قائم رکھنے کے لیے تھی اس لیے ان سے مقام پیدا نہ کر سکی۔ مختصر یہ کہ دونوں اپنے تہذیبی دھاروں کے رنگ میں رنگے نظر آتے ہیں لیکن مغربی رنگ زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ وہ اس طرح میں خود ان پر ہوتے ہیں لیکن دونوں اپنے دور و زمانہ کو نہیں پا سکے۔ دونوں بہت دور تک گئے ہیں لیکن ۱۹۳۶ء کے بعد سے نئے ہونے والی مشرقی تہذیب کی روایات نہ کر سکے۔ وہ کر بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ ان کے عہد تک مغرب اور مغربی تہذیب اپنی جڑیں مضبوط کر چکی تھی۔ اور وہ اس تہذیب کے اثر میں بہہ جانے پر مجبور ہوتے چلے گئے۔ ڈاکٹر رشید امجد راشد کے بارے میں لکھتے ہیں

"راشد صرف مغرب کے ادب ہی سے متاثر نہ تھے بلکہ آہستہ آہستہ
مغربی تہذیب کا رنگ ان کی ذات و شخصیت پر بھی گہرا ہوتا گیا اور آخر
وہ مکمل طور پر مغربی اثر میں آ گئے۔" (۱۰)

میراجی کے بارے میں وہ لکھتے ہیں

"میراجی نے اپنے اردگرد کو جدید اور روایت کے ان دونوں پہلوؤں
نظر سے دیکھا کہ اس میں بیک وقت مغربی اور مشرقی طرز فکر کے
امتزاج کی آمیزش ہو گئی۔" (۱۱)

ڈاکٹر صاحب نے میراجی کو جو مشرقی قرار دیا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے

تھی کیونکہ مشرقی طرز احساس اول تو محض کا شکار ہوا اور آگے چل کر ان محدود معنوں میں ہم جیسے داخل کر رہی ہیں تو بھی میراجی کی شاعری میں اس کی کوئی قیمت پیدا ہو سکے نہیں دیتا۔ مختصر لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ میراجی اور ن م راشد کے ہاں اپنے واسطے عہد کی مجبوری صورت حال کے ذریعے نظم مشرقی اور مشرقی تہذیب موضوع تو تھا ہے لیکن دونوں اس موضوع کے تقاضوں سے پورے طور پر عہدہ برآ نہ ہو سکے۔ مشرق ان کے ہاں ایک استعارے کی حیثیت سے تو موجود ہے۔ لیکن یہ استعارہ محض اصطلاح صورت کی حد سے آگے نہیں بڑھ پاتا۔ اب یہ عام ہے کہ ہم اسے کیا نام دیتے ہیں مگر حقیقت یہی واضح ہے کہ اس سے صرف نظر ممکن نہیں۔

حوالہ جات

۱۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، ن م راشد، نگارشات، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۵۹

۲۔ رشید امجد، ڈاکٹر، میراجی شخصیت اور فن، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۲۰۷

۳۔ رشید امجد، ڈاکٹر، ایضاً، ص ۲۰۲

۴۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، ن م راشد، ص ۱۰

۵۔ آفتاب احمد، ڈاکٹر، ن م راشد (شاعر اور شخص)، مکتبہ دانیال، کراچی، س ن، ص ۹۵

۶۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، ن م راشد، ص ۹۳

۷۔ ن م راشد، زندگی اک پیرزن، ن م راشد، الحمرا، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۲۱

۸۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، اردو شاعری کا مزاج، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۹۰۔۳۶۹

۹۔ رشید امجد، ڈاکٹر، میراجی فن اور شخصیت، ص ۲۹۱

۱۰۔ رشید امجد، ڈاکٹر، ایضاً، ص ۹۵۔۲۹۳

Scanned by CamScanner

میراجی اور ن م راشد کے کلام میں "عورت" بطور موضوع

The collected work of the great Urdu poets of the 20th century has been examined with reference to their concept and place of woman in their poetry. Certain questions have been raised, where do they place woman in their poetic universe. How does the vision of the one differ from that of the other? Which aspect of woman does find a place in the work of each poet, and which one has treated woman as a wholesome entity?

ادب کے دو بڑے موضوعات "عشق اور موت" ہیں۔ عشق یعنی شاعری سے انسان کی جبلت ظاہر ہے۔ ماں کی گود سے اس کا آغاز sex ہے اور دنیا سے انسان کی رخصت تک عمر کے ہر دور میں [illegible] سلسلہ جاری رہتا ہے۔ [illegible] دنیا کا پہلا ادبی مرقع شاعری ہے اور شاید اس پہلے شعر میں کسی عورت کے وجود کا حوالہ [illegible] ہو گا جہاں [illegible] رکھا گیا ہو گا۔

عورت شعرائے قدیم و جدید کا ایک اہم موضوع رہی ہے۔ قلی قطب شاہ سے آج تک ہر عہد کی شاعری میں عورت ذات کے پرتو جھلکتے ہیں۔ بیسویں صدی اردو ادب کا [illegible] دور ہے۔ اس عہد نے اردو نظم کے سرمائے میں بھی قابل بہا اضافے کیے اور [illegible]

دونوں ساز ادبی ہستیوں کا تعارف کروایا ان ہستیوں میں میراجی اور راشد بھی شامل تھے۔ ان کے ہاں موضوعات کی فراوانی کے ساتھ ساتھ کسی آنچل کی رعنائی کی بجائے ان کی تخلیق کی بھی بنیاد میں شامل ہے۔

میراجی اور ن م راشد ہم عصر ہونے کے باوجود اپنے شعری موضوعات کے حوالے سے منفرد تخیل رکھتے ہیں۔ ایک کا مزاج خاص اندازِ تعقل ہے جب کہ دوسرا بھی روایت کے دھارے میں الجھا ہوا ہے۔ دونوں کے مابین یہ اختلاف جابجا نظر آتا ہے لیکن ایک موضوع میں یہ دونوں نے اپنے مخصوص انداز میں اظہارِ خیال کیا ہے وہ عورت ہے۔

جہاں تک عورت کے بطور موضوع میراجی کی شاعری میں در آنے کا سوال ہے تو وہ ایک عورت ہی تھی جس نے ثناء اللہ ڈار کو میراجی بنا دیا۔ پھر ساری زندگی میراجی "آپ اپنی مولی" کی تصویر بنے رہے۔ ایک ہی کالج میں پڑھنے والی بنگالی لڑکی میرا سین سے ایک رسمی ملاقات کے بعد میراجی کی جو دلی کیفیت ہوئی اس کے بارے میں انھوں نے خود تحریر کیا تھا:

"اس دن کے بعد مجھ پر جنون طاری ہو گیا۔ سوائے میرا سین کے خیال اور تصور کے میں اور کسی بات میں دلچسپی محسوس نہ کرنے لگا۔ میں نے اپنا نام ثناء اللہ ڈار کی بجائے میرا سین کے نام پر رکھ لیا۔"(۱)

میراجی عشق میں یک طرفہ ناکام رہے لیکن یک طرفہ محبت اور بے پناہ مطالعے نے میراجی کے شعری وجود کو ایک نئے اسلوب کا وارث بنا دیا۔ انھیں ہر شے میں میرا سین کی شبیہ اور زلف میرا سین کی زلف نظر آئی۔

میرا سین کے عشق میں ناکامی نے میراجی کو داخلیت پسند اور تصور پرست بنا دیا۔ انھوں نے اپنی دنیا الگ بسالی اور وقت کے دھاگوں میں الجھ کر رہ گئے اگرچہ وہ عملی زندگی میں ہونے کی کوشش بھی کی لیکن تصور کی دنیا سے آزاد نہ ہو سکے

Scanned by CamScanner

[illegible]

[illegible] Complex [illegible]

[illegible] Components [illegible] Complex [illegible]

[illegible] (۲)

[illegible]

[illegible] (۳)

[illegible]

Scanned by CamScanner

ہے۔ ان کو یہ احساس دلا دیا کہ عورت کا وجود ہی محبت کا مظہر ہے۔ عورت ایک وجود ہے جس سے محبت ہونے
والی ہے۔ ان کا یہ نقطۂ نظر ان کی شاعری میں جابجا نظر آتا ہے۔ جگر کی شاعری کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کی شاعری میں عورت کے وجود، حسن کے تصور اور عشق کے جذبات کی ترجمانی بھی
ملتی ہے۔ اس کو ایک شعر میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان کے لیے عورت کے تقاضے دو روپ تھے، بیوی یا محبوبہ" (۴)

درحقیقت یہ بھی ہے کہ جگر کی شاعری کے ہاں ماں، بہن اور بیٹی کے روپ بھی موجود ہیں۔ وہ عورت کو محض بیوی یا محبوبہ کے روپ میں نہیں دیکھتے بلکہ اس کے تمام رشتوں کا احترام کرتے ہیں۔ انہی رشتوں کے حوالے سے عورت کے وجود کے ہر پہلو کو نظر میں رکھتے ہیں۔ ان کی شاعری عورت کے وجود کی ترجمان ہے۔ اگر ان کی شاعری سے عورت کے حوالے سے مثالیں دی جائیں تو ان کی تعداد بہت زیادہ ہو جائے گی۔ جگر کی عورت کے ہر روپ میں محبت کے متلاشی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"محبت کیا ہے ——— ایک عمر یا ایک عمر؟
ماں کی محبت، بہن کی محبت، بیوی کی محبت، بیٹی کی محبت" (۵)

وہ جب بھی عورت کا ذکر کرتے ہیں تو محض ایک حوالے سے نہیں بلکہ عورت کے کئی روپ ان کی شاعری میں در آتے ہیں۔

"ملیں گی بھی بھلا سے کیا کر
اب دکھ درد ہوتے ہیں دل کے"

(سادان) (۶)

جگر کی کے کلام میں عورت کی محبت میں جو شوخی، نزاکت، شرارت، پاکیزگی اور لطافت پیدا ہوتی ہے وہ ان کے عہد کے کسی شاعر کے ہاں نظر نہیں آتی۔ مجبوری اور وفاداری کی روایت نے ان کے اندر ایک سوز کو جنم دیا جس میں کسی طرح حسن کو دیکھنے کے بجائے معصوم اداؤں والے محبوب کی تمنا کو جگہ دی ہے۔ ایسی ایک نظم میں لکھتے ہیں

"یہی چاہتا ہے کہ تم ایک تتلی سی لڑکی ہو اور ہم
تمہیں گود میں لے کے اپنی قبائیں
یونہی دیکھو، چلاؤ، ہنس دو، یونہی ہاتھ اٹھاؤ،
ہوا میں پلاؤ، پلا کر گراؤ"

(ایک تھی عورت کا لالچ)

میراجی ایک عام فرد کی طرح زندگی نہیں گزار سکے۔ اس محرومی نے انہیں اپنی ذات سے الگ سے بیزار کر دیا وہ دنیا کی نظر میں ایک تماشا بن کر رہ گئے لیکن میراجی عورت کے وجود کے قائل اور معترف رہے وہ عورت کو بقائے حیات اور تسلسل حیات کا ایک وسیلہ گردانتے ہیں۔ اپنے ایک مضمون بعنوان "وحشی" میں لکھتے ہیں:

"پہلی زندگی میں شاعری کرتے ہوئے ہم عورت کو غزل، نظم یا جو
بھی چاہیں کہہ لیں لیکن عملی زندگی میں تو عورت مرد کے گھر میں
ایک ستون کی حیثیت ہی رکھتی ہے ... اس کے ہونے سے بچے
پیدا ہوتے ہیں اور نہ ہونے سے نہیں۔" (۸)

میراجی کی زندگی میں عورت کے عدم وجود نے انہیں تخلیقی کمی یہ جیتا عورت کا ادراک دوری کا احساس ہے لیکن تصوراتی طور پر عورت ایک توانا حوالے کے طور پر میراجی کے وجود میں موجود رہی اگرچہ میراجی اپنے مضامین میں بھی عورت کے موضوع پر بات کرتے ہوئے ایک ایسی عورت کی تمنا کا اظہار کرتے ہیں جو ابھی ظہور پذیر نہیں ہوئی لیکن ان کے خواب عورت کے حسن کی تجلی ہی سے منور ہیں وہ اپنی شدید اضطرابی کیفیت کا علاج عورت کو ہی قرار دیتے ہیں

"جو دل میں سماتی ہے جو اضطراب
نہیں کوئی اس کا علاج

Scanned by CamScanner

(خود کشی)(۹)

مگر ایک عورت

عورت کے تصور سے تو وابستگی کرنے والے میراجی اپنی زندگی میں آنے والی اس پہلی عورت دلہن ہو لے اس نے انہیں ایک نئی منزل کا مسافر بنا دیا

"تم نے مجھے قوت دے دی ہے

تم نے مجھے موت دے دی ہے اس دنیا میں جینے کی"

(پہلی عورت)(۱۰)

میراجی کے کلام میں مشرقی عناصر بہت قوی ہیں۔ وہ عورت کو کلب ڈانسر یا شمع محفل کی صورت میں بیان نہیں کرتے بلکہ اگر ان کے کلام کا بغور مطالعہ کیا جائے تو عورت کا سب سے حسین روپ دلہن کی صورت میں نظر آتا ہے۔ تبھی وہ ایک شمع کی صورت محفلوں میں نظر دیکھتے ہیں وہ ایک خواب کی صورت میں آتی ہے ایسا خواب جو محروم تعبیر ہے

"کیوں کہاں ہم نے سنا ہے کہ دلہن کی آنکھیں،

آنکھوں کو رکھتیں جھکی جاتیں،

وہ کہتی ہے دلہن

میرے بھائی کو بنا چاہا ہے، کیوں یہ پوچھتا ہے؟

اب تو وہ چار ہی دن میں وہ تیرے گھر پہ ہوگی

کس کا گھر، کس کی دلہن، کس کی بہن۔ کون مجھے

میں کیسے بتاؤں، میں کہتا ہوں۔ میں جانتا ہوں"

(تلاوت رد)(۱۱)

میراجی عورت کو سراہتے ہوئے مشرق کے آئینے میں جس حسن دل فریب کا عکس ابھارتے ہیں وہ دراصل مشرقیت کا وجود ہے اس کا تعلق اسی مشرق سے ہے وہ دراصل سے نہیں آتا تھا اس کے مندمال میں کسی دوسرے کی کوئی جھلک پائی جاتی ہے۔ وہ ایسا شعر بنا

Scanned by CamScanner

وہ طلوع حسین ہے کہ جو

کبھی آپ شے، کبھی نین شیں، کبھی نغموں کے تانے پرو

کبھی سارا سندر ایک شے، جب ایک شے، جس اسے گرا (۱۳)

میراجی کے کلام میں موجود عورت ہر زاویے سے مشرقی عورت ہے جسے ایک خاص مذہبی عورت کہا جا سکتا ہے۔ یہ عورت ان کے ہاں اتنی رعنائیوں کے ساتھ موجود ہے کہ ان کی نظموں کے نام بھی عورت سے منسوب ہیں مثلاً دیوداسی اور پجارن، ایک عورت، تنہا عورت، رات کی دوسری عورت سے، جنگل میں شیطان کی محبوبہ کی تصویر، پہلی عورت، ایک عورت اور ایک گرہ، ایک خاموش عورت سے، وغیرہ وغیرہ۔

جہاں تک ن م راشد کی شاعری میں عورت کے ذکر کا تعلق ہے یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ انہوں نے ایک بھرپور اور کامیاب زندگی گزاری انہیں میراجی کی طرح غم روزگار [illegible] عورت کے وجود سے محرومی [illegible] ان کا ایک نئی [illegible] بیوی سے [illegible] آخری عمر تک [illegible] جب کہ دوسری شادی [illegible] میں تھوڑے بہت اختلافات کے [illegible]۔ راشد کے کلام میں عورت کا جو تصور ابھرتا ہے وہ میراجی سے مختلف ہے۔ راشد کی عملی زندگی میں وہ محرومی، درد و آلام اور عدم تکمیل مفقود ہے جس کا شکار میراجی رہے۔ راشد کو ایک نارمل زندگی ملی وہ اعلیٰ سرکاری عہدے پر فائز رہے۔ غم معاش ان کے قریب نہیں پھٹکا، معاشرے میں اعلیٰ مرتبہ حاصل رہا۔ بیرون ملک مقیم رہے۔ زندگی ان کے لیے ایک ٹھوس اور جاندار حقیقت تھی جس میں تصور کا شائبہ موجود نہ تھا۔

راشد کے ہاں عورت کا تصور میراجی سے مختلف ہے۔ میراجی کے ہاں تقاضا ہے جب کہ راشد کے ہاں "تسکین تقاضا" ہے۔ راشد عورت کی قربت کے ترسے ہوئے نہیں تھے۔ کیونکہ ان کے ہاں عورت کا جو جاگتا روپ ہے محض بیوی کا تصور نہیں۔ ن م راشد خود لکھتے ہیں

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

روح کو اس کی اسیر غم الفت نہ کروں

اس کو رسوا نہ کروں وقفِ مصیبت نہ کروں" (۱۹)

راشد عورت کے حسن و جمال کا اساطیری حوالوں سے ذکر کرتے ہیں تو خوابوں کا ایک رنگین مرقع تصویری پیکروں کے سامنے آ جاتا ہے۔ مثلاً

"دیکھتی ہے جب بھی آنکھیں اٹھا کر تو مجھے

قافلے دن کے گزرتے ہیں ترے سامنے

مصر و ہند و نجد و ایران کے اساطیر قدیم

کوئی شہزادہ تاج و تخت لاتا ہوا

دشت و صحرا میں کوئی آوارہ شہزادہ کہیں

مہ کوئی چاند ستاروں سے گزرتا ہوا

اپنی محبوبہ کی خاطر جان سے جاتا ہوا"

(طلسم جاوداں)(۱۷)

راشد کی زندگی محض دو دلوں کی زندگی نہیں تھی بلکہ اس میں وسعت پذیری کے عناصر نمایاں تھے۔ یہی وسعت اور آفاقیت ان کے کلام میں بھی موجود ہے وہ عورت کو محض کھلونا نہیں لیے ہر پہلو اور منظر کے ساتھ نمایاں کرتے ہیں۔ میراجی کے برعکس راشد کے ہاں عورت اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ راشد کے سامنے موجود ہے جس کا عکس راشد کی شاعری میں خاص اہمیت کا حامل ہے

"تیرے رنگیں رس بھرے ہونٹوں کا لمس

جس سے میرا جسم طوفانوں کی جولاں گاہ ہے

جس سے میری زندگی، میرا عمل گرداب ہے

میری ذات اور میرے شعر الہام ہیں"

(ہونٹوں کا لمس)(۱۸)

Scanned by CamScanner

راشد جب قوم میں وفا پرستی کا اعلان تو کرتے ہیں لیکن وفا پرستی ان کا شعار نہیں ہے وہ محبوب ان کی نظر میں "بے دلی ساز" سے عبارت ہے۔ راشد افلاطونی عشق کے قائل نہیں بلکہ ان کے نزدیک محبت قرب اور وصال کا نام ہے وہ محبوب کی سادہ و بے جسم عشق کو نہیں مانتے

"تمہیں میری سادہ و بے عشق کی بات

مری جان مجھے تیری ہوس آغوش کی لذت کے لیے" (۱۸)

راشد میراجی کی طرح داخلیت پسند نہیں ہیں بلکہ ان کے موضوعات شعر کو خارجی عوامل نے بھی متاثر کیا ہے وہ حسین فرنگی عورتوں سے عشق بھی کرتے ہیں اور نفرت بھی جب انہیں غلامی کی زنجیر میں مبتلا نظر آتی ہے تو وہ اپنی قوم سے کہتے ہیں

"تجھے معلوم ہے تو بھی ہے ہدف رشم کا

وہ حسین اور وہ لاابالی فرنگی عورتیں

تو نے جن کے حسیں رخساروں کی زینت کے لیے

سالہا بے وجہ و بے کار جلائے ہیں مرے دل

ان کے مردوں کے لیے بھی آج ایک لمحہ جاں

ہو سکے تو اپنے دل سے نکال" (۱۹)

اس نظم میں ہدف رشم کی اصطلاح قوم کے معنوں میں علامتی طور پر بیان کی گئی ہے۔ راشد کے ہاں عورت سے محبت بھی ان کی زندگی کی طرح نئی ہے، عورت ان کی محبوبہ ہے بلکہ جسم سے عشق ہے

"عشق میں ملاوٹ ہے یہ جذبہ دل کی، جذبۂ انتقام، عاشق میری۔ جسم" (۲۰)

راشد کے قوم میں عورت کے زیادہ تر روپ تعمیری ہیں جو زندگی سے بھرپور ہیں۔ ان کے ہاں عورت کی جو تصویر ابھرتی ہے وہ ایک نہایت حسین و جمیل عورت ہے جو کی آنکھیں ان کے باعث اس کی ساری تحسین بھی گئی تو وہ جیسے پاؤں کی عظیم معمول کی

معلوم ہوتے ہیں لیکن اب یہ بات ظاہر کی جاتی ہے کہ راشد کا تجزیہ اقدام بیدار ہو جاتا ہے

اس قدیم ویرانی کے شہر وہاں پانے والی

ایک دو عالم سے ہے گداگری ہے

وحشی محبت کا نام

مجھ سے ''ماوراء'' سے پوچھا ہے

اس سے دور ہے وہی کہ ہے ان کا نام (۲۱)

پھر اس کی طرح راشد کے ہاں محبت سے کی وہ اپنی وحشی کا ذکر کرتے ہیں مگر ایک وقت بعد وہ وطن کو چھوڑ گئے ہیں

مگر پھر بھی ہو جاتا ہے وہاں

میری ذات کی اس سے'' (ایران میں اجنبی) (۲۲)

راشد کی تصنیف ''لا = انسان'' میں عورت کا جو ویلن خوب صورت شکل ابھرتا ہے وہ ''جہاں زاد'' ہے۔ ''حسن کوزہ گر'' راشد کی اہم طویل نظم ہے جس میں حسن و عشق کی سچائی کی روایت ملتی ہے۔ اس نظم میں نسوانی محبت کی اک شکل اور وجود حزن کی شکل کیفیت میں سامنے آتی ہے کہ عورت حسن جہاں زاد کی ایک تمثیل اور باوقار علامت بن کر ابھرتی ہے۔ اس کا حسن اس کے پیچھے دھار سے کی علامت ہے۔ اس کا فراق حسن کے کی دیوانگی کا سبب ہے

''تو وہاں تھی نہیں تجھے یاد رہی کر

میں نے حسن کوزہ گر سے

تری قالب کی اک تاب آنکھوں

میں بھی ہے وہ تاکی

Scanned by CamScanner

[illegible]

[illegible]

[illegible] (۲۲)

[illegible]

[illegible]

[illegible] (۲۳)

راشد کی شاعری میں ''عورت'' کا پہلو [illegible]

[illegible]

راشد کی نظموں میں عورت بطور استعارہ بھی موجود ہے مثلاً ''حسن کوزہ گر'' [illegible]

[illegible]

میرا جی اور راشد دونوں کے ہاں عورت ایک محور اور اہم موضوع کے طور پر

موجود ہے۔ لیکن عورت کے [illegible]

Scanned by CamScanner

ہے وہ راشد کے کلام میں اتنی شدت سے موجود نہیں ہے۔ میراجی ہی "وجود" سے محروم
محروم رہے اسے موضوع بحث بنا کر اس کو ادا ان کے برعکس راشد کے ہاں احساس محرومی
نہیں ہے بلکہ وہ عورت کے وجود سے ایک ہی پہلو سے رغبت کا اظہار کرتے رہے جو جسم
عورت کے جمال کے کئی رنگ ان کے ہاں نمایاں ہیں۔ راشد کا یہ بصارت یا
vision میراجی کی نسبت زیادہ وسیع ہے اس کی بات ڈاکٹر وزیر آغا رقم طراز ہیں:

> "یہ بات بھی مدنظر رہنی چاہیے کہ میراجی ۳۸ برس کی عمر میں فوت
> ہو گئے تھے اور راشد ۶۵ برس تک زندہ رہے۔ اس لیے میراجی کے
> ہاں عمر کے آخری ایام میں جو گہرائی اور وسعت پیدا ہونے لگی تھی وہ
> پوری طرح وجود میں نہ آ سکی مگر راشد کو قدرت نے زیادہ دیر تک
> زندہ رکھا اور وہ خیال کی بلندیوں کو دریافت کرنے میں کامیاب ہو
> گئے۔" (۴۵)

میراجی کی عورت ایک خالص مشرقی عورت ہے جبکہ راشد کی عورتوں میں
ہندی، روسی، ایرانی اور یورپی عورتوں کے تذکرے ہیں۔ "ماورا" اور "ایران میں اجنبی" کی
نظموں میں عورتوں کا ذکر زیادہ ہے۔ جب کہ "لا = انسان" اور "گمان کا ممکن" میں عورت
کے وجود کا عنصر کم نظر آتا ہے۔ لیکن وہ منظر سے مکمل طور پر باہر بھی نہیں ہے۔ مثلاً
"تیل کی شادی" کی ذہین ناک عورت اور "حسن کوزہ گر" کی "جہاں زاد" راشد اور میراجی
دونوں شعراء کے نام ہیں ایک نے عورت کے تصور میں پناہ لی اور دوسرے نے عورت کے
حقیقی وجود سے پناہ لے کر درخواست کی کہ "اے میری ہم رقص مجھ کو تھام لے۔"

میراجی عہد شباب میں دنیا سے رخصت ہوئے اس لیے آخری عہد تک عورت
ان کے لیے ایک دلچسپ موضوع رہی جب کہ راشد کے ہاں آخر آخر عورت سے لاتعلقی
کا رویہ ملتا ہے۔ بلکہ عہد پیری میں ایک نوعمر عورت کا یہ طعنہ بھی وہ یاد رکھتے ہیں

Scanned by CamScanner

’’کسی ایک عورت کی سے یہ خوشبو آئی

تری عمر کا یہ تقاضا ہے

تو اپنے پھولوں کا شعور ہے

جس میں وہ پھولوں کی مہک رہ گئی ہو‘‘

(آفتاب [illegible] ص ۱۰۹)

راشد کے ہاں عورت کی خواہش و آرزوؤں کی انگڑائی کی جو تصویر ملتی ہے اس میں عورت [illegible] خوب صورت اور حسن و استعارات انھوں نے استعمال کیے ہیں وہ سب [illegible] ہیں

’’آرزوئیں تیرے سینے کے کہساروں میں

ظلم سہتے ہوئے حبشی کی طرح رینگتی ہیں‘‘ (۳۰)

راشد کے ہاں بھی فرد کی آرزو اور آسودگی کی کیفیت [illegible] ملتی ہے [illegible] واقعات کے بعد [illegible] سے [illegible] [illegible] اس کیفیت کے بارے میں ڈاکٹر آفتاب احمد لکھتے ہیں

’’راشد کی رومانی نظموں میں ایک ایسے انسان کی تصویر ابھرتی ہے

جو [illegible] سے گریزاں ہے [illegible] محبت کا [illegible] ہے [illegible]

[illegible] آسودگی‘‘ (۳۸)

میراجی اور راشد کے کلام میں عورت اور جنس کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے ڈاکٹر

رشید امجد لکھتے ہیں

’’جنس اور عورت کے بارے میں میراجی کا رویہ حقیقت کے

قریب [illegible] ہے [illegible] ایک حوالے سے [illegible] ہوگی

کہا جا سکتا ہے لیکن راشد کی بغاوت میں داخلی [illegible] شامل ہو کر

کی واقعیت [illegible] ایک روحانی کرب اور [illegible] کے [illegible]

میں جگا کر رہی ہے۔"

میراجی کے ہاں عورت محرومی کی واضح علامت ہے جب کہ راشد کے ہاں بے سودگی کی لذت علامت کے طور پر موجود ہے۔ ۱۹۵۰ء سے ان دونوں شاعروں کا کلام روز و زمان سے خالی نہیں ہے۔ تاہم یہ حقیقت واضح ہے کہ راشد سے جنسی شدت سے میراجی کے کلام میں جھلکتی ہے اسی شدت راشد کے ہاں موجود نہیں ہے۔ راشد کے احساس نے انھیں سیاسی آزادی کی طرف موڑ دیا تھا جب کہ میراجی کا ہاتھ اور زمان سے بے بس ہے اور زندگی کو "میرا جی" "میں دن میں" کی تلاش رہتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ حوالہ، رشید امجد، ڈاکٹر میراجی۔ شخصیت اور فن، صفحہ ۱۰۹، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی

لاہور ۱۹۹۵ء

۲۔ ایضاً، صفحہ ۱۱۵

۳۔ میراجی، کلیاتِ میراجی مرتبہ جمیل جالبی، ڈاکٹر، صفحہ ۸، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۶ء

۴۔ ... "میراجی۔ ذات کا طلسم" مشمولہ میراجی۔ ایک مطالعہ، صفحہ ۱۹۹،

سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۰ء

۵۔ میراجی، کتاب پریشاں، مشمولہ میراجی ایک مطالعہ صفحہ ۵۳۲، سنگ میل پبلی کیشنز

لاہور ۱۹۹۰ء

۶۔ میراجی، کلیاتِ میراجی صفحہ نمبر ۱۳۷

۷۔ میراجی، کلیاتِ میراجی صفحہ نمبر ۱۹۵

۸۔ میراجی، کلیاتِ میراجی صفحہ نمبر ۲۵۸

۹۔ میراجی، کلیاتِ میراجی صفحہ نمبر ۲۲۹

Scanned by CamScanner

۱۰۔ میراجی، کلیات میراجی صفحہ نمبر ۵۰۸
۱۱۔ میراجی، کلیات میراجی صفحہ نمبر ۱۳۹
۱۲۔ میراجی، کلیات میراجی صفحہ نمبر ۹۰
۱۳۔ سعید احمد، ن م راشد کے نسوانی کردار، مشمولہ "دریافت" صفحہ نمبر ۲۱۶ جرنل نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد ۲۰۰۲ء ص ۲۶۸
۱۴۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر ن م راشد، ایک مطالعہ، صفحہ ۴۹ مکتبہ اسلوب کراچی ۱۹۸۶ء
۱۵۔ ن م راشد "ماورا" مشمولہ کلیات راشد صفحہ ۱۱ ماورا (پیش لفظ)
۱۶۔ ن م راشد ماورا، کلیات راشد صفحہ ۴۲ تا ۴۳
۱۷۔ ن م راشد ماورا، کلیات راشد صفحہ ۴۲
۱۸۔ ن م راشد ماورا، کلیات راشد صفحہ ۱۰۳
۱۹۔ ن م راشد ماورا، کلیات راشد صفحہ ۹۸
۲۰۔ ن م راشد ماورا، کلیات راشد صفحہ ۱۰۹
۲۱۔ ن م راشد ایران میں اجنبی، کلیات راشد صفحہ ۲۳۳
۲۲۔ ن م راشد ایران میں اجنبی، کلیات راشد صفحہ ۲۵۵
۲۳۔ ن م راشد ایران میں اجنبی، کلیات راشد صفحہ ۲۹۰
۲۴۔ وزیر آغا، ڈاکٹر ن م راشد، مشمولہ ن م راشد ایک مطالعہ
۲۵۔ ایران میں اجنبی، کلیات راشد ۲۱۵
۲۶۔ ماورا، کلیات راشد صفحہ ۱۰۳
۲۷۔ آفتاب احمد، ڈاکٹر ن م راشد۔ شخص اور شاعر، صفحہ ۹۶ مکتبہ دانیال عبداللہ ہارون روڈ کراچی ۱۹۸۵ء
۲۸۔ رشید امجد، ڈاکٹر میراجی شخصیت اور فن، صفحہ ۲۹۱

Scanned by CamScanner

راجہ گدھ کے کرداروں کا نفسیاتی تجزیہ

(سماجی مطابقت کے حوالے سے)

The paper tells that the characters of this novel belong to everyday life. They also know how to adapt to the outside environment. They try to adjust according to the circumstances but something is lost during the process. They want to merge themselves in the others and so the others and so the others want merge in them. This flexibility can result into some negative effects or even ruin some others.

ہر شخص اپنے ماحول اور تجربے کے متعلق اس امر کی جانچ کرتا ہے کہ کسی نہ کسی قسم کا تسلسل شعور میں ہر وقت جاری رہتا ہے۔ شعور میں کسی بھی شے کے بارے میں خیالات بدلتے رہتے اور مٹ جاتے ہیں لیکن شخص کا شعور مجموعی طور پر مسلسل ہوتا ہے۔ یہ تسلسل مثبت بھی ہو سکتا ہے اور منفی بھی۔ مثبت تسلسل میں رکاوٹیں بے شمار ہوتی ہیں مگر منفی رجحان ماحول سے بغیر کسی رکاوٹ کے چلا جاتا ہے۔ دوسری طرف مثبت رجحان کے پنپنے کے لیے اپنے ماحول کو درست کرنا بے حد ضروری ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ایک شخص اپنے شعور میں آنے والے یا آنے والے متوازی خیالات کو کسی کو منتقل نہیں کر سکتا بلکہ دوسرا بھی اپنے لیے جب تک وہی مطابقت نہیں لائے گا۔ تب تک ویسے خیالات خاص طور پر مثبت

ہدایت کی طرف مائل ہونا مشکل ہی تھیں کیونکہ ان کے لیے سوائے واہموں کے سوا کچھ نہ تھا جب کہ دوسری طرف مطیعہ کو ہدایت پر لانا مشکل نہیں۔

کسی جاہلیت، عادت یا زمانے سے عادی تک ہو گئی ہے، ہدایت کی راہ میں مدت ہوتی ہے اور چونکہ شعور بھی پایا (جاتا ہے) اس لیے یہ کہنا ٹھیک ہے کہ جب جاہلیت ہوتی کب تک ہے؟ اس کی مثال یہ ہے کہ جو ٹی وی کے خراب ہونے پر ہم اسے ٹھیک کرتے ہیں تو وہ چلنے لگتا ہے اور اس میں آتا ہے تو اسے پہلے سے زیادہ بہتر طور پر چلتا ہوا پاتے ہیں۔ اسی طرح شعور میں بھی جو چیز سے مطابقت پیدا ہوتی تھی مگر ماحول سے الگ نہ تھی جیسے ہی ماحول میں بہتری ہو تو وہ شعور میں اس کی مطابقت شعور کے پیدا ہونے سے ہوتی ہے۔ یہ انسانی شخصیت میں ایک ایسی لچک (flexibility) پیدا کرتی ہے اور جب چاہے یہ لچک درست کی جائے تو پیدا ہونے والی شخصیت کی ہدایت کے بعد اس میں تبدیلی بھی آ جائے گی۔ یہاں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انسانی شعور میں آنے والی لچک سے مسلسل ہدایت کے طریقے سے شعور میں پہلے سے موجود ہوتی ہے اور انسانی شخصیت سے ہدایت کے تحت رونما ہوتی ہے۔

بالخصوص یہ کہنا کہ "مطیعہ" کے کردار کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ معاشرے میں موجود انسانی شخصیت مطابقت و موافقت نہ پیدا کرنے کی وجہ سے زیادہ بیمار ہوتی ہے۔ انسانی شخصیت میں پیدا ہونے والی پیچیدگیاں شدت بھی اختیار کرتی ہیں اور کبھی کبھی معاشرے کے ماحول کے کرداروں پر شدت و مطیعہ کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ جب وہ ماحول کے قصوں میں گم ہوتا ہے تو حالات سے متاثر ہوتا ہے اور بیمار ہو جاتے ہیں۔ ماحول کے عالم میں ایک عام انسان اپنے حالات میں خوف، غصہ، اداسی، بیماری بھی اور وہ حالات چاہے اور حالات

Scanned by CamScanner

کی زندگی میں حرام جب اور جس وقت اس پر حاوی ہوا اس کے دل و دماغ کی دنیا میں تہہ و بالا
نہیں کرتے بلکہ اس کے بعد ہی سے انسانی اس ... سے اس کا زوال شروع ہو جاتا ہے جو
بانو قدسیہ نے اپنے ناول کے کرداروں کے ذریعے پیش کیا ہے۔

''راجہ گدھ'' اردو میں ایک مختلف طرز کا ناول ہے اس میں حلال حرام کی اور
جنون و محبت میں گم کر دینے والی بات یہ ہے کہ بانو قدسیہ (مصنفہ) نے کس قدر کمال
کی وضاحت کرتے ہوئے انسان کو انسانی فطرت کے جانور ''گدھ'' سے مشابہت دی
ہے۔ ''راجہ گدھ'' کے کرداروں کا بغور تجزیہ کرنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ
جس سے روحانی عشق لا حاصل ... قیوم کی سیمی شاہ کی زندگی اور مایوسیوں کے
اندھیروں میں ڈوب جانے والا ناول ہے جس کی شروعات کی طرف مائل ہونے کا نتیجہ
ہیں۔ دیوانے پن کی تحقیق ہے اور تحقیق خود بخود انسانی پیچیدگیوں سے آگاہ کر
دیتی ہے۔ خصوصیت جو تحقیق کے وقت ابھر کر آتی ہے وہ وقت کے ساتھ ساتھ مستحق
ہوتی ہے کہ ہوس کی ناول اور اس کی ملاقات کے انداز میں کس اتنی ہے۔ [illegible]
... سے مزید ہوتی ہے اور یہ شعور کے دو گوشے جو زندگی کی بہ
زندگی سے جڑ جاتے ہیں۔ ... انسان کی اپنی شخصیت پر بے باک ہونے کے لیے
نشے بن جاتے ہیں اور ... ہو جاتے ہیں۔

تحقیق کرنے والے بعض ناقدین کے بارے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ
جب وہ ناول کی تحقیق کرتا ہے تو اسے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ یہ کردار کیوں
تخلیق کر رہا ہے اور کس لیے تخلیق کر رہا ہے اور سب سے بڑی بات کہ اس کی تخلیق
کا مقصد کیا ہے؟

ناول ''راجہ گدھ'' کے تمام کرداروں کا تجزیہ ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے
کیا جائے تو ناول نگار واضح کرنا چاہتی ہے کہ ہر کردار کے پیچھے ایک خاص مقصد اور ایک

Scanned by CamScanner

خاص پہلو کو ابھارا ہے۔ بانو قدسیہ کا کمال ہے کہ ناول کے تمام چھوٹے بڑے کرداروں سے
اسی جنسانی فطرت کا وہ ہر پہلو پیش کر دیا ہے۔ جو طرح طرح [illegible]
جو وراثت میں تو کہیں ثبت ہیں جو آگہی ہیں تو کہیں اصل
[illegible]
تخلیق کی تکمیل سے مطلقیت کی راہیں ہموار ہوتی چلی جاتی ہیں۔ ان سب کے پیچھے [illegible]
فطرت میں پائے جانے والا ایک خاص پہلو "ذات میں پیدا ہونے والی خلیج" کی [illegible]
اپنائیت ہے اور کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں نمایاں ہے۔ اس ناول کے کرداروں کا جائزہ لینے
کے بعد یہ بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ کئی انسانی وراثت کا ہر حال خاصہ ہے۔ [illegible]
پہلو اور دوسری طرف حق پہلو ہو جاتے آتا ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہونے کے
باوجود ان کمزوریوں میں بھی مبتلا ہے اور اسی احساس کی تسکین کیلئے معاشرے سے [illegible]
رہتا ہے۔ تمام احساسات جو "Intensity" کے بوجھ تلے دب کر لاشعور میں
چھپے ہوتے ہیں وہ کسی کے آزاد ہونے پر بیدار ہو جاتے ہیں اور پھر موافق ماحول کے ملتے
ہی لاشعور سے انسانی شعور کا حصہ بن جاتے ہیں اور بانو قدسیہ کا یہی کمال ہے کہ ان
کے انسانی نفسیات کو بڑے ادب سے کھول کر بیان کر دیا ہے کہ اگر ایک مڈل کلاس بھی
ہے تو اس کے کیا کیا مسئلے اور نفسیاتی الجھنیں ہیں اور اگر ایک اپر کلاس کا فائدہ ہے تو کئی
کئی مسائل سے دو چار ہوتا ہے۔ یہاں مصنفہ کا یہ کمال ہے کہ ایک پڑھے ہوئے انسان
کی نفسیات پیش کی کہ وہ کس طرح اپنی ہوس کا غلام ہو کر لاشعور میں چھپے وحشی حق کی خاطر
کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتا ہے اور یوں نفسیاتی خواہشات کی تکمیل و تسکین کے حیلے بہانے
ڈھونڈتے اس کا دلی غلام ہو جاتا ہے۔ یہاں آ کر ایک انسان اور گدھ میں مطابقت پیدا ہو
جاتی ہے کیونکہ ماحول موافق میسر آ چکا ہوتا ہے اور مطابقت و موافقت کا نتیجہ ذات کی
کھوکھلا پن پیدا کرنے کا موجب بن جاتے ہیں یوں یہ کھوکھلا پن حق کی موت بھی ہوتی ہے اور
نتیجہ گدھ جیسی رجحان کی تخلیق کے نتیجے کی پیداوار ہے۔

Scanned by CamScanner

"ریچھ گدھا" اصل میں ایک ایسے مرد کی کہانی ہے کہ جو ہمیں اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ خود اپنی زبان سے بیان کرتا چلا جاتا ہے۔ یوں کہیے تو وہ ناول کا ہیرو ہے مگر یہاں یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ وہ ہیرو سے کم ناول کی ضرورت ہے وہ یوں کہ مصنف کو مرد کی نفسیات کو بیان کرنے اور اسے ناول کے عنوان سے مطابقت دلانے کے لیے بہرحال ایک مرد نہ کردار کا سہارا درکار تھا کہ جس کے شعور میں چور دروازے بھی موجود ہوں۔ یہاں واضح ہوتا ہے کہ "گدھا" چوری کر کے کھانے کا عادی ہے اور مرد اور یہ واضح ہوا ہے کیونکہ خود بدل واضح ہوتا ہے۔ وہیں قوم کا کردار اس سے جب مطابقت رکھتا ہے تو انسان ہونے کے ناطے بھی موافق ماحول بھی تلاش لیتا ہے اور عاملہ اس میں گدھے سے بھی بڑھ کر برتری حاصل کر رہا ہے تب ہم "مطابقت و موافقت = چھپا رستہ" کے اس آئینے میں دیکھتے ہوئے انسان بھی اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے گدھے سے "ریچھ گدھا" بننے پر مجبور ہوتے ہیں۔

ایک بات کو تو ہمیں کافی اندازہ ہو جاتا ہے انسانی فطرت اور جانور کی نفسیات دونوں میں بھی مطابقت (Adapotability) ہے مگر اس میں موافقت (Adjustability) کب پیدا ہوتی ہے تو یہ انسان کو اپنے نفس کے غلام ہونے پر دو دو ہاتھ لگاتا ہے یوں اسے کے قریب مگر جب ہم "ریچھ" کی شخصیت کا جائزہ لیتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک عام سا مرد نہیں اس کی زندگی انتشار کا شکار ہے۔ دل ہی دل میں کڑھنے والا، حسد کی آگ میں جلنے والا اور دوسری کیفیات کو برداشت نہ کرنے والا شخص ہے۔ جو دل اس کی ذات کا حصہ ہے اور یہی بات گدھے سے اس کی مطابقت پیدا کرتی ہے موافق ماحول ملنے پر وہ چھوٹی بڑی شے (مرد) پر اکتفا کرتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ داخلیت اور خارجیت دونوں ایک دوسرے کو متاثر کرتی ہیں۔ خاص کر داخلی رویہ خارجی حقیقت کو بدل سکتا ہے۔ یہ بات بھی واضح ہوتی معلوم ہوتی ہے کہ جہاں انسان کی ذات کی نفی ہو وہ

Scanned by CamScanner

[illegible] مطابق [illegible] ماحولی حالات [illegible] میسر نہ آئیں تو اس کی پرواز میں بھی کوتاہی آتی

چلی جاتی ہے [illegible] اس میں کسی طرح کی رکاوٹیں پیدا ہونے لگتی ہیں اور وہ طرح طرح کے جذبات

کی [illegible] کا شکار ہو جاتا ہے۔ یوں اس امر کی تصدیق بھی ہوتی ہے کہ ہم انسان اپنے

[illegible] کے بیشتر حصے کے زیادہ تر خود ہی ذمہ دار ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر کمال جاوید کے

مطابق

"ہم اپنی [illegible] کا فیصلہ خود کرتے ہیں اور اس "بے چارگی" سے

[illegible] "بے بس" ہو جاتا ہے۔" (۲)

اس [illegible] کے کردار سے [illegible] ہوتی ہے کہ وہ اپنے [illegible] میں ہر طرح سے

[illegible] نظر آتا ہے اور اپنی ذات میں تخلیقی صلاحیت کو پنپنے کا خوب خوب موقع دیتا ہے۔

[illegible] میں [illegible] زندگی میں درپیش مختلف صورت حال کے تحت گزرتے

[illegible] کے ساتھ [illegible] تبدیلی آتی چلی جاتی ہیں۔ اس کے تصورات

میں [illegible] اس کے بچپن کا دوست [illegible]

[illegible] اس کی شخصیت سے مطابقت رکھتے ہیں اور یہاں

[illegible] موافق ماحول ملنے پر ساتھ ساتھ چلا

جاتا ہے۔ اس کی شخصیت میں زیادہ تر تخلیقی صلاحیت کا باعث بنتا ہے بہت کم [illegible]

صلاحیت کا [illegible] ہوتا ہے مگر [illegible] (جو [illegible] ہے) سے [illegible] تخلیق حاصل کرنا چاہتا

ہے تو [illegible] غالب آجاتا کہ اسے تو اس سے بے پناہ عشق ہے تخلیقی صلاحیت کی

طرف [illegible] ہوتا ہے۔

"اس وقت میں بھی [illegible] دل میں خیال

آیا کہ قلب کا [illegible] جسم سے [illegible] نہیں کرتا۔ قلب تک پہنچنے کے

لیے صرف [illegible] کی [illegible] کی ضرورت ہے

Scanned by CamScanner

جسم روحانی عمل کو ذہنی میں رقص کرتا ہے۔ میں نے بڑے تقدس
سے جی کے کتب پڑھ لیے اور اس میں بیٹھا کہ اب میں ان سے
کبھی نہیں ملوں گا۔" (۴)

یہاں اس میں سے کردار کی صفات بدل گئی ہیں۔ جنسی مرد کی بیوی جو فرد سے محبت سے عمل ہے اس اثبت یہ ہے کہ اس کے جذبے سے موافق ملاقات نہیں اور یہ بیان واضح یہ ہے کہ شخصیت میں پائی جانے والی ایک تھوڑی دیر کو ختم ہو گئی ہے اور کبھی سے جذبہ بھرے نفس کو آمادہ گناہ ہونے سے روک دیا ہے۔ اب اس کی ملاقات کی ترقی تھوڑی اصل بھی ہوئی ہے اور نفس بھی طرح آلودگی سے صاف ہو وہ بھی نہیں چاہ رہی یہاں وہ سچ آ جاتی ہے جہاں پر وہ اس کی زندگی میں ایک پچھتاوے کے لیے جنس بیدار کرنا شروع کر دی ہیں جو اسے قیمت سوچوں کے دائرے میں لا کھڑی۔ یہاں پر بات بھی سامنے آتی ہے کہ انسانی فطرت کی اصل میں اسی ہے کہ بعض ایک تو پڑ گیا نفس نہیں۔ بعض ایک رجحان کا وہ قائل نہیں ہوئی اس کی سوچیں بدلتی رہتی ہیں اور پھر عمر کا خوف ہے جو انسان ہر وقت اس کا ہے اور اسے گمراہ کر استعمال کرنے والے کبھی گناہ سے بچ کر شعوری عدالت میں برابر ہوتے ہیں مگر حقیقت کے اثرات قبول کرنے والوں میں روحانی تحریک اور اس میں جرم کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ بہر حال یہ ایک الگ ہی بحث ہے۔

اسی ناول کا ایک کردار " چاچا غلام رسول " کا کردار ایک عجیب حقیقت لیے ہوئے ہے چاچا غلام رسول کا تعارف ہی اس کی شخصیت میں پیدا ہونے والی تبدیلی کا پچھتاوے کا اعلان ہے کہ:

" چاچا غلام اشتہاری مجرم جیسا اشتہاری عاشق تھا۔ شروع شروع
میں پانچ سات سو لٹے چندا میں بھی لڑے کے ہوئے لیکن
دولت کی مشہوری سے بہت پہلے بات کھل گئی کہ سارا سودا گھاٹا

Scanned by CamScanner

ہے۔ آنگن میں تخت پر بیٹھا چاچا غلام رسول ... میں شہد کی مکھیاں
بھیگی ہوئی ہیں، اُن کو اُن کی اولاد کی یاد ستا رہی ہے۔ بار بار مونچھوں
کے بال نوچتے، جو کبھی ہو، رئیس خاندان میں موجود ہوتی ان سے بڑی
روٹی اور بھینس مانگ کر کھاتا پھر لال مرچ کی چٹنی میں سے کچھ کی
شور مچتی شوقین آواز آتا۔ وہ کبھی آنگن میں بیٹھا چاچا
کی طرف۔ چاچا بڑا سخی آدمی تھا اسے ہر کسی پر محبت کی چھاؤں
سب کی معلوم تھی کون سیدھا کس چیز کے ساتھ تھی اور بھینس ایسی
کون سی تھی، کون پاس بیٹھا ہوا تھا۔ کس معاملے نے بچے جوان
کے بچے سے دوستی کا رنگ ہے کون سی آرام گاہ گھر سے باہر کی
ہے۔ اپنے قصے سے وہ پیت پر تفصیلوں کے ساتھ بتاتے۔ اس
محلے کی عورتیں ان کے آس پاس بیٹھ جاتیں کرتے
تھے۔ وہ عورتوں کو محبت کرنے کے طریقے ایسے بتاتا تھا جیسے
بھینسوں اپنے بچوں کو دودھ پلایا کرتے ہیں۔" (۳)

اس سب تفصیل کے بعد قاری کو بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ چاچا غلام رسول کا کردار ان کی زندگی میں ہے جو ان کی شخصیت سے مطابقت رکھتے ہیں اور ان کی زندگی کے ہر پہلو تب تب جڑی ہے جب سب مرکزی کردار میں ہوتا ہے یہاں اپنے گاؤں کی وجہ سے کہانی میں ہے خوبصورت ہوا اور "گاؤں" کی یادوں کا ایک حصہ بھی ہے اور وہ [illegible]

ہو جائے تو وہ ممکن ہے کہ غرور و تکبر کا شکار ہو جائے۔

وہ ایک ایسا شخص جس کی زندگی میں کامیابی مشترط نہیں ہے اور جس کی سب قدر و منزلت کرتے ہیں وہ آخر تک اپنی قوتوں پر منحصر رہ کر ادا ہے۔ "پروفیسر سہیل" کے ہاں ایسا جذبہ نظر آتا ہے جو اس کی ذات کی پشت پناہی تھی۔ رقابت کے تحت کرتا ہے اور وہ ایک بحران میں مبتلا ہے اور اسے اپنی ذات کے سامنے کسی قسم کے جذبات و احساسات کی پرواہ نہیں ہے۔ یہ سب کچھ تک اس کی ذات کو تسکین دیتا ہے۔ جب تک اس کی ذات اس کی ذات میں "مطابقت کی طاقت" موجود ہوتی ہے مگر جو اس کی ذات اپنے ماحول سے مطابقت کرانے میں وہ اسے قبول کرنے کی تگ و دو کرتی ہے تو یہ اس کے شعور میں ہے وہ تصرف کی طرف رقابت اس موافق ماحول مہیا کرتا ہے اور یوں وہ اپنے اندر قیمت پیدا کرتا ہے۔ (ذات کا عرفان)

آفتاب "قیوم" کا دوست ہے مگر رقیب بھی ہے۔ یہاں گدھ والی صفت بھی کرتے آئے ہیں کہ گدھ مردار کی نسبت زندہ کو اپنا رقیب خیال کرتا ہے اور حسد محسوس کرے۔ گدھوں کی فطرت اس وقت بھی ہے کہ جب دوسرے جانوروں کی طرح وہ زندہ کو شکار کرنے کی جرات رکھتا ہے اور نہ ہی شوق بلکہ بزدلی رکھتا ہے۔ یوں آفتاب جس مردہ میں زندگی کی رمق پاتا ہے اسی زندہ کو شکار سے انکار کر لیتا ہے پھر قیوم کے لیے اسے مردار کی صورت میں چھوڑتا ہے۔ ایک اور حقیقت یہاں پر آشکار ہوتی ہے کہ قیوم کی ہے (گدھوں کی طرح یہ وہاں بھی ہے) آفتاب کی موجودگی میں وہ محبت کیوں نہیں کرتا؟ اس کی کئی وجوہات ہوں گی مگر اصل وجہ یہ کہ وہ آفتاب کے ساتھ زندہ ہے اور (گدھ کی فطرت لیے) قیوم زندہ کی طرف رجوع نہیں کر سکتا کہ یہ اس کی طبیعت سے مطابقت نہیں رکھتا۔ دوسرے ابھی اسے ماحول موافق نہیں ملا۔ جب آفتاب الگ ہوتا ہے تو قیوم کو فورا موافق ماحول میسر ہو جاتا ہے اور یوں بھی اور قیوم کی شخصیت میں ایک

Scanned by CamScanner

مشتری کی ایک بہت اہم پوزیشن ہے جو کسی بھی پیدائشی زائچے میں دیکھنے میں آتی ہے یعنی قمر
برج سرطان کے زائچوں میں
کا ہونا اس لیے ہے کہ دوسروں کی ذات میں بہت کھوئی ہوئی
قمر کے زائچوں میں ملاقات کی ایک بڑا سوال ہے یعنی قمر سے جو پہلے ہی ملاقات
ان کے ان کے قمر کے مطابق ہے۔ قمر کو اس کی خواہش اور ان کو پوچھنا ہو
جاتا ہے کہ سب کی قمر کا قبول کرنا آتی ہے کہ اب آفتاب کے بعد سی کی کمی پیش
مسلسل ہوتا ہے۔ یہ ان کے آفتاب سے جو ہے اور اپنی ذات کو قبول
چاہتی ہے اور وہ ذات کے عام حالات ہوتی ہے اور خوشی کے لیے فرد اختیار کرتی
طرف راغب کرنے میں عام عورت ہوتی ہے مگر دیکھنے کو وہ ذات سے عام کی عورت ہے
یہ اصل میں ان کی آواز ہے
اس کے خلاف سے ان کی آواز سے اس کی ملاقات ظاہر ہوتی ہے مگر اس کی ملاقات
ایک عام عورت سے ہے۔ آواز کی ملاقات ہی ہے جو سی اور آفتاب کی شخصیت
میں ملاقات پیدا کرتی ہے اور یہ مطابق ماحول ان کے جذبات کو دور ہے کے لیے موزوں
ہوتے ہیں۔ اب آفتاب اور سی کی خواہشات میں ایک بڑا ہوتی ہے تو پھر وہ ذات
زندگی ہوتے ہیں۔ جن میں بغیر کسی رسائی چھوٹ کر کا وہ اٹھاتے ہوئے
آفتاب کو رفتار سے دیکھا ہوتا ہے اور سی چونکہ عام عورت کی طرح جذبات میں
بہت سی حالت بہت واضح ہوتی ہے۔ یہاں انسانی ذات کا ایک اور پہلو حقیقی وہم کو
کے مطابق ہی عمل کرتا ہے ہیں کہ ماحول کے مطابق وہ موافق ہونے کی صورت
میں ہوتی ہے۔

عشق کا خواہ عشق میں جو کر دیکھنا۔ یہاں بھی ایک عورت کی حالت کی تصویر
ظاہر ہوتی ہے کہ عشق کی حقیقی تا میں گم کر دی ہے بجائے کہ رغبت کو اپنی وہ مطلوب
ہو کر گئی ہے۔ عشق کسی کی سے خود اور خطرناک کیفیت کہ رغبت ہوتی تو جو ہو گیا

Scanned by CamScanner

اوپر کی کسی بھی اجازت نہ دیتی۔ وہ عشق میں کامیاب ہوئی مگر معاشی قربت نہ ہو سکی اور
شعور پر منفی اثرات مرتب ہوتے چلے گئے۔ عشق چونکہ مطابقت و موافقت کے تقاضوں سے
گزرتا ہوا شخصیت میں لچک پیدا کر جاتا ہے مگر یہ عشق ہوا کہ اسے تصوف کی راہوں پر نہ
لے جا سکا اور وہ ایک کمزور کردار ثابت ہوئی یہاں یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ آ جاتی ہے کہ
شخصیت کی مطابقت اور ان کے لیے موافق رویہ شخصیت کو مزید ہموار کرنے یا بگاڑنے
میں کس قدر مددگار ہیں۔ پھر قوم کا کسی سے رجوع نہ کرنے کا وعدہ [illegible]
نہیں تھا اس کی ذات میں مطابقت و موافقت کا عمل دم توڑ چکا ہے۔ یہ اداسی کا یہی حال
تو میں موجود ایک مثبت رویہ ہے جو اشرف المخلوقات ہونے کی بنا پر بھی ہو سکتا ہے اور
لاشعور میں کہیں موجود بھی ہے۔ یہ لاشعور میں مخفی خواہشات عمل کر کے پیدا ہوتی ہیں
جب شعور میں سے یہ بگاڑ کی بجائے بہتر ہونے سے وابستہ ہیں اور انسان خود بھی راہ نجات
چاہتا ہے۔ یہی کردار اس کی شخصیت کے عین مطابق ہے کہ خوشی، بدحالی ہے اور بدحالی
بدحالی سے خوشی ایسے کے طور پر بھی نظر آتی ہے۔ آفتاب کے حوالے سے بھی۔

دوسری طرف "عابدہ" بھی صورت کا پیدا کردار نظر آتی ہے کہ جو قوم کی کلاس
اور ضرورت سے مطابقت رکھتی ہے جس اس کی طرح ادھوری ہے۔ ماحول بھی موافق تھا مگر اس
سے بچنے کے ماحول اور موافق فضا پیدا کر کے عابدہ کے کردار میں لچک آئی۔ اس نے حق
و صداقت کو اپنے شعوری فکر کے قول و عمل پر فوقیت دی اور یوں اپنے آپ کو مضبوط ثابت
کیا۔ یہاں یہ بات بھی عیاں ہے کہ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے یعنی جہاں داخلی رویہ
خارجی حقیقت کو بدل سکتا ہے وہیں خارجی حقیقت بھی داخلیت پر اثر انداز ہو کر باطن کو
مضبوط بناتی ہے۔ مثبت ہوتے ہیں اسی طرح وہ منفی حقیقتیں داخلیت پر اثر انداز ہو
کر کے انسانی شخصیت کو مسخ کر دیتی ہیں اور یہی صورت حال ہمیں "عابدہ" کے کردار میں
دیکھنے کو ملتی ہیں کہ وہ حال باطن اوجھل کرتے ہوئے ظاہر کو مرکز کرتا ہے۔

Scanned by CamScanner

بھی ہیں اور یہی اصل کی ہم آہنگی [illegible] ہے [illegible] دونوں کے مجموعے سے

اگر پیدا [illegible] ہو جائے تو وہ صحت میں ایک توازن پیدا کر دیتا ہے [illegible] دونوں کی

عورتوں میں [illegible] ظاہر کرتی ہے [illegible] زندگی [illegible] عدم موافقت کی صورت میں

پیدا ہوتا ہے۔ [illegible] اس سے [illegible] موافقت کی [illegible] زندگی کی [illegible] ہے۔

اسی طرح جسم اور دل میں بھی ایک خاص قسم کی موافقت ہے یعنی دل ہی

جسمانی [illegible] وحدت [illegible] ہے۔ یہ دل ہی ہے جو موافقت پیدا کرتا ہے اور موافقت کے

بغیر دل کے اندر [illegible] ہے۔

"جسم اور دل [illegible] ایک دوسرے سے [illegible] جسم [illegible]

جاتا ہے تو دل [illegible] ہے تو جسم کی [illegible]

[illegible] ان دونوں کو [illegible]" (۵)

یہ دونوں ایک دوسرے سے موافقت کی [illegible] ایک دوسرے کی [illegible] ہیں۔

موافقت کا یہ [illegible] ہے۔ حضرت آدم کو فرشتوں نے سجدہ کیا

[illegible] انسان اور انسانی

[illegible] موافقت [illegible] ہے اور یہ صفت

عورتوں میں بھی [illegible] ہے [illegible] عورت مرد [illegible] کے اس کی ذات کے

[illegible] ہوتی ہے۔

"جنسی [illegible] انسان کے اندر ایک [illegible] چھپا ہوا ہے جو

چاہتا ہے کہ زندگی میں [illegible] ایک ساتھی [illegible] اور ایک

[illegible] مل جائے۔ جس وقت اللہ نے حضرت

آدم میں اپنی روح پھونکی۔ اسی وقت سے یہ [illegible]

[illegible] اسی [illegible] آدم کی [illegible] کے [illegible] میں حضرت حوا

Scanned by CamScanner

وجود میں آ گیا۔ یہ وہ بات ہے کہ اس کے بعد حضرت آدم علیہ
کے بیچ عبد و رب میں چھوٹا سا رب بننے کی تمنا ان کے ساتھ ہی
زمین پر آئی۔"(۲)

پاؤ تو یہ کے ناول میں دونوں رویے عشق و شہوت نمو پا رہے ہیں اور عشق و محبت مفاہمت و مواقفت کی فضا میں خوب پنپتے ہیں اور ناول کے کرداروں کی اس صورت میں قوت و وحدت کھل کر عیاں ہوتی ہے کہ جنسی پہلو داریت کے نتیجے میں خود غرضی کا رویہ بھرپور ساتھ شہوت رویہ ہے جو تقاضائے نفس کا جذبہ لیے ہوئے ہے۔

''روشنی'' عورت کا ایسا کردار ہے کہ جس میں خود غرضی بھی ہے مگر ساتھ ہی ساتھ تقاضائے نفس کا جذبہ بھی کارفرما ہے کہ اسے جسمانی افلاس کا بھی احساس ہے جو اس میں پنپنے والی روح کے ادھورے انتقام کے علاوہ اپنے روحانی افلاس کو بھی کوئی سمجھتی ہے کہ بہر حال اسے روح کا ضمیر کا اطمینان بھی عزیز ہے۔ جسے جسمانی طور پہ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کا کردار اخلاقی افلاس کی بھی بھرپور عکاسی کرتا ہے کہ اس کی محبت وحدت بہرحال ''نظر'' ہے کہ قیوم اور اخلاقی افلاسیت کا پہلو اس میں یہی نظر آتا ہے کہ محبت اس سے حاصل کرنا اس کا حق ہے جو اس کے جسم سے محبت کرتا کہ اس کی روح میں بس گیا ہے اور قیوم کو اس کے من میں نہ رکھنا یہی محبت کا اصول ہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے وجود میں پنپنے والی روح کی تسکین بھی ضروری ہے۔ اس طرح سے اس کی شخصیت میں پائی جانے والی چپ شخصیت رجحان ثابت ہوا ہے وہ ایک اخلاقی درس لیے ہوئی ہے کہ ذات کے عرفان میں ہی وجود کو قائم رکھنے کا راز پنہاں ہے۔

آخر میں قیوم کا پروفیسر سہیل کے ساتھ تصوف کی راہوں پر نکل جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ بہرحال یہی انسانی ذات کی نجات کا ذریعہ بھی ہے۔ اصل میں ہم نفسیاتی الجھنوں کو خود پر حاوی کرکے زندگی میں ہاتھ پاؤں تو مار رہے ہیں مگر صورتِ حال کے پیچھے

Scanned by CamScanner

تو مطابقت و موافقت پیدا کرنے سے قاصر ہیں یوں شخصیت میں کسی قسم کی لچک باقی نہ
ہونے کے باعث انسانی سوچ مردہ ہو جاتی ہے پھر بھی فرد یا تو شعور کی سطح کو چھوڑ جاتا ہے
پھر انسانی ذات کو توڑ پھوڑ کر مستقل جنسی رجحانات کی طرف مائل رہتا ہے۔ "راجہ گدھ"
کے تمام کردار اسی صورت حال کو تلاش کرتے نظر آتے ہیں۔

بانو قدسیہ کے ناول کے کرداروں کا جائزہ لینے کے بعد یہ اندازہ بخوبی لگایا
جا سکتا ہے کہ ذات کا عرفان ہی اصل میں انسانی وجود کو قائم رکھنے اور اس کی زندگی میں ایک
مثبت تغیر لانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ ان کے ناول کے کرداروں (مرد و عورت) کا جائزہ
لینے کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ انسان دنیا میں بے شمار آلام و مصائب کا شکار ہو
جاتا ہے۔ خوف و ہراس میں مبتلا ہوتا ہے مگر پھر بھی انسان ہے اس لیے جب وہ اپنے
نفس سے آزاد ہوتا ہے اور ان تمام رویوں سے جنسی یا جبلت اور اپنی ذات کی مطابقت اور
توازن کی موافقت کے مطابق قبول کرتا ہے اور یوں نفس کا غلام ہو کر اپنی ذات میں
لچک پیدا کر لیتا ہے۔

انسان خارجیت کو اگر اپنی داخلیت پر حاوی نہ ہونے دے اور ذات کا عرفان
حاصل کرے تو بھی اس کے لیے ذریعہ نجات حاصل کرنے اور اپنے وجود کو ایک کائنات
بنانے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ انسانی ذات جب افراتفری، انتشار و زوال جیسے عوامل کا شکار ہوتی
ہے تو پھر وہ خارجی دنیا میں اپنے لیے مطابقت و موافقت تلاش کرتی ہے یا ان سب اشیاء
کا ادراک حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کے شعور کی سطح کو بدل کر شخصیت میں
مثبت لچک پیدا کریں۔

حاصل حسن و عشق بس ہے یہی
آدمی آدمی کو پہچانے

~~~~~~~~~~
~~~~~~~~~~

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

Scanned by CamScanner

عابدہ سیال

غلام جیلانی اصغر کی تخلیقی جہات

Ghulam Jilani Asghar is an exceptionally talented writer. Besides personal essays, poetry and essay writing, he also has a distinct style of book writing. The characteristics of his prose are the depiction of grave realities through hidden humour and satire. This article presents an analysis of his creative dimensions.

غلام جیلانی اصغر تخلیق کاروں کی اس نسل سے تعلق رکھتے ہیں جس نے قیام پاکستان سے پہلے کا ادبی ماحول سے بھرپور زمانہ بھی دیکھا اور قیام پاکستان کے بعد اردو ادب میں آنے والے نئے رویوں اور نئی حسیت سے بھی آشنا ہوئی۔ ابتدا شاعری ان کے لیے وقتی مشغلہ تھی لیکن بعد میں انھوں نے اسے باقاعدگی سے وسیلۂ اظہار بنایا۔ نثر کی طرف بھی ان کی توجہ شروع ہی سے تھی لیکن تحریر کا یہ سلسلہ مضامین وغیرہ لکھنے تک محدود تھا اور انشائیہ لکھنے کی طرف وہ کافی دیر سے آئے۔ لیکن اس میدان میں انھوں نے اپنی تخلیقی شخصیت کے ایسے جوہر دکھائے ہیں جن کی بنا پر ان کا نام ہمیشہ کے لیے اردو ادب میں زندہ رہے گا۔

غلام جیلانی اصغر کے انشائیے ان کی ادبی تخلیقات میں نمایاں تر مقام کے حامل ہیں۔ اپنے مزاج اور ساخت کے لحاظ سے یہ انشائیے ایسے ہیں جو کہ صحیح معنوں میں لائٹ ایسے (Light Essay) اور پرسنل ایسے (Personal Essay) کی تعریفوں پر پورا اترتے ہیں۔ ان کی ذات، شخصیت اور زندگی کے مختلف پہلو ان کی اس شگفتگی اور ظرافت

Scanned by CamScanner

کے لطیفے کے پردوں کے عقب سے جابجا اپنی جھلک دکھاتے ہیں۔ ان کی ظرافت قاری کے احساس کو لطافت سے مس کرتی ہے۔ بقول انور سدید: "کلام جیلانی اصغر کے انشائیوں کی ایک خصوصیت ایک طنز اور لطیف مزاح کی شگفتہ لہر ہے جو موضوع کو پھول کی طرح ترو تازہ بنا دیتی ہے۔ جیلانی صاحب زندگی کے خوش فکر ناظر ہیں۔"(۱۰) ان کے انشائیہ "انگوٹھا چوسنا" سے یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

"ہر آدمی جو بیٹھے بیٹھے اچانک اٹھ کھڑا ہوتا ہے یا چہل قدمی کرنے
لگتا ہے وہ اصل کہ ایک نشست سے ابھی پورے طور پر شرابور بھی
نہ ہوا ہوتا۔ اٹھنا اس کے لیے کار مشکل اور اسے اٹھانا کار محال ہوتا۔
غالب نے اس امر کو بڑی خوش اسلوبی اور چابکدستی سے اپنے مصرع میں
استعمال کیا ہے۔ بیٹھے ہیں رہگزر پہ ہم کوئی ہمیں اٹھائے کیوں۔
غالب تو یہ بات زندگی ہے کہ ایک بار مقبل آدمی طلعت سلطانی بیچ
ڈگر کے درمیان بیٹھ جائے لیکن یہ بات اور بھی شرمناک ہے کہ
کوئی غیر معقول آدمی اسے اٹھائے۔"(۱۱)

انگریزی ادب کے وسیع مطالعے نے جیلانی صاحب کو انشائیے کے گیٹ وے سے روشناس کرایا جو ہم انھوں نے انگریزی سے اپنے استفادے کو اپنی ہنرمندی سے اپنی گرفت میں استعمال کیا کہ ان کی تحریر میں نہ اجنبیت اور نامانوسیت کا احساس ہوتا ہے جو عموماً بدیسی زبان کے واسطے بعض لکھنے والوں کے ہاں پیدا ہو جاتی ہے اور نہ وہ اس عمل مشرقی مزاج کو ہاتھ سے جانے دیتے ہیں جو تحریر میں ایک لطیف ماحول اور ساتھ لے کر چلتا ہے۔ لفظوں کی کفایت میں معنی کی کثرت پیدا کرنا اور نرم اور شگفتہ انداز تحریر میں گہرائی اور وسعت نظر کو سمونا جیلانی صاحب کے انشائی اسلوب کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

Scanned by CamScanner

"انگریز کے زمانے میں وراثت کے تحفظ کے لیے ٹیسٹ کا رواج ہو رہا تھا۔ اور غیر وراثتی طلباء کے لیے کھیل کے اسکول۔ چنانچہ ابتدا ہی سے والدین کو فیصلہ کرنے میں آسانی ہوتی کہ بچہ پڑھے گا یا آگے بڑھے گا۔ میں خود (جس کے خون میں پانی اور آگ کی آمیزش بہت کم ہے) اس ابتدائی تقسیم کو صرف جائز ہی نہیں سمجھتا بلکہ زندہ پر تحول ثروت کے احیا کے لیے ضروری بھی سمجھتا ہوں۔"(۱)

نظموں میں جیلانی صاحب کا اسلوب اپنے وقتی تخلیقی جہتوں کی نسبت جداگانہ ہے۔ انھوں نے ذاتی حوالے نظموں کو اپنا ذریعہ اظہار بنایا۔ یوں لگتا ہے کہ اپنے تمام تخلیق کے ان گوشے میں آ کر اداسی اور تنہائی کی روشنی میں جھلکتی ان کی شخصیت پر سے سارے پردے ہٹ جاتے ہیں۔ شاید وہ یہیں وہ جو کر رہے کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہی وہ گوشہ ہے جو ان کی اصل شخصیت سے قریب تر ہے۔ آدمی دن بھر ہوتی مصروفیات کو چھوڑنے اور ہوتی رشتوں کو نبھانے میں لگا رہتا ہے جہاں ہر قدم پر کسی نہ کسی صورت میں اسے کہیں تھوڑا بہت زیادہ تکلف برتنا پڑتا ہے۔ لیکن شام کو اپنے ذاتی کمرے میں آ کر ان تکلفات کا بوجھ اتار کر وہ خود سے ہم کلام ہوتا ہے۔ یہاں نہ وہ اپنا غم چھپانے کی کوشش میں ہنسی تبسم کا سہارا لیتا ہے اور نہ تکلف کے پردے میں اپنی بے ساختہ آہوں اور کراہوں کو روکتا ہے۔ جیلانی صاحب کی نظمیں ان کا یہی ذاتی کمرہ ہیں۔ ان کی محرومیاں، ان کے دکھ، ان کی تشنگی، ناکامیاں، حسرتیں سب دکھائی دیتی ہیں۔

"پچھلے اس برس سے
اپنی آنکھ کے بندی خانے میں
خواب اور نیند کے بیچ بھیڑیے چھوڑ کے
قیدی ہو بیٹھا ہوں"

(بے خوابی)(۳)

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

یعنی خود ان کی شخصیت ہے۔" (۹)

اسلوب کے لحاظ سے جیلانی صاحب کی نظمیں سادہ ہیں۔ ان کی توجہ لفظ کی آرائش سے زیادہ معنی اور احساس کی ترسیل پر رہتی ہے۔ ان کی اکثر نظمیں گفتگو کا لہجہ لیے ہوئے ہیں، بے ساختگی اور دھیما پن جس کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ اس گفتگو میں مخاطب کبھی کوئی خارجی وجود ہے اور کبھی خود ان کی ذات۔

"میں نے سوچا بھی تھا یہ

آج کوئی فرازی فطرت نہ کرے

تجھ کو رسوائے محبت نہ کرے

آج پھر آنکھ ہے آداب وفا سے معذور

اشک پھر اٹکا ہے پلکوں پہ سراسیمہ

جیسے رونے کا کوئی اذن نہ ہو" (آنسو)(۶)

"میں ایک تنہا اداس پتا

ہوا کے رستے پہ زرد سا تھا

تمہاری خوشبو سے جی اٹھا ہوں" (احساس نو)(۷)

غلام جیلانی اصغر کی نظموں کی فکری بنیادیں سماجی رشتوں کی ٹوٹ پھوٹ سے پیدا ہونے والے احساسات کی پیچیدگیوں سے متعلق ہیں۔ وہ اردگرد کی چیزوں اور لوگوں سے اپنے تعلق کو نہ صرف گہرائی سے محسوس کرتے ہیں بلکہ اس کی تجزیے کی کوششیں بھی ان کے نظموں سے جھلکتی ہیں۔ شہر کے در و بام اور گلی کوچوں سے گزرتی ہوا سے لے کر دوستوں، رشتوں تک اور درختوں، پرندوں، پھولوں اور اپنی زمین سے لے کر اپنے محبوب انسانی وجود تک۔ ہر چیز کے ساتھ موجود تعلق کو انھوں نے جذباتی اور محسوساتی سطح کے ساتھ ساتھ تجزیاتی نگاہ سے بھی دیکھا ہے۔

Scanned by CamScanner

آج تک تم مری کوئی نہیں ہو پھر بھی

چاہنے والوں سے تم کیا چاہو گے

وہ دشمن میری ہے اس کو دشمنی ہے مجھ سے

اس سے عشق کرتا ہے، بے حساب کرتا ہے

گلی کے موڑ پہ سایہ بہت پیارا تھا

کہ وہ جو ہوا سے گھر بچاتا تھا

ہوا کو کیسے در سے گھر کو بچا تا

گلی گلی سے ہوا کو گزر کے جاتا تھا

یہ خلوص دوستوں سے انتخاب کرتا ہے

مجھ کو اپنے دشمنوں کا انتخاب کرتا ہے

بے مروت دوستوں سے ایک تعلق بھی بہت

دوستوں کی صحبت میں تلخی، بہت بھی ہوگی

اپنی غزلوں کے لیے بیدار صاحب نے عموماً رواں بحروں کا انتخاب کیا ہے اور نظموں کی طرح غزلوں میں بھی ان کے یہاں آرائش اور تکلف کا احساس نہیں ہوتا۔ ان کے زمانے کے غزل متنوع اسالیب کی حامل ہے۔ تاہم انھوں نے اپنی غزل میں اس اسلوب کو اپنایا جس میں شائستگی اور سلیقہ زیادہ اہم ہے۔ بقول پروفیسر بدر:

"کلام بیدار مختصر نے دور حاضر کی غزل کو ایک معتدل اسلوب عطا کیا ہے۔ انھوں نے بہت زیادہ نئی تشبیہیں اور استعارے وضع نہیں کیے لیکن وہ انھیں پرانے عہد سے رائج الفاظ کو سلیقے سے برتنے پر جو ترتیب دیے ہیں انھیں غیر مرئی طور پر ان الفاظ میں احساس کی ایک نئی تازگی ہوئی اور وہ اسے میں ہم دور کے قاری کو بھی محسوس ہوتی ہے۔" (۸)

Scanned by CamScanner

کیوں نہ آنکھوں میں تری یاد کا منظر بھر لوں
کوئی تو شہر کا پہلو بھی زمیں میں رکھ لوں

عجب کیف سا ترے شعور ذات میں تھا
کہ اپنے ساتھ بھی رہ کر خود اپنی بات نہ کی

میں کہ ہوں شہر میں دیوار بدر کی طرح
کچھ دیا جو بھی کسی شخص کے جی میں آیا

آنے والے خوش دلوں کا منظر دیکھتا ہوں میں
ڈوبتے سورج کے پیچھے اک نیا چہرہ بھی ہے

جیلانی صاحب کی تحریر میں بے تکلفی اور بے ساختگی کا عنصر سب سے زیادہ ان کے مکاتیب میں نمایاں ہوا ہے۔ ان کے مکتوب الیہم میں ان کے دوست بھی ہیں، عزیز بھی، بزرگ بھی اور رسالوں کے مدیر بھی۔ اپنی اسی فطری بے تکلفی کے باعث وہ بزرگ کو لکھتے ہوئے شرارت کا کوئی نہ کوئی ایسا پہلو نکال لیتے ہیں جس میں مخاطب سے ان کے تعلق کی حرارت بھی محروم نہیں ہوتی اور شگفتگی کا ایسا احساس بھی پیدا ہوتا ہے جو نہ صرف ان دوست کے ذہنوں کے لیے بلکہ دیگر پڑھنے والوں کے لیے بھی حظ اندوزی کا باعث ہوتا ہے۔ خورشید رضوی کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں

"سرگودھا میں رہنے کا ایک فائدہ ہوا ہے۔ آخرت کی زندگی میں اگر کسی خاص مصلحت کے تحت مجھے جنت میں نہ بھیجا جا سکا تو جہنم میں صرف حسب خواہش کی قرابت ہوگی، موسم کی شکایت نہیں ہوگی۔"(۱۱)

ان کے مکاتیب کا دوسرا رخ وہ ہے جہاں وہ مختلف ادبی اور علمی موضوعات پر اپنی تنقیدی آراء کا اظہار کرتے ہیں۔ یہاں ان کا لہجہ، انداز بیان اور طرز استدلال کا رنگ ہی مختلف ہے کہ "کہاں گزرتے ہیں یہ شخص دوسرا ہے کوئی"۔ "اوراق"، "تخلیق"، "تسطیر"، "سویرا" اور دیگر رسائل کو لکھے گئے ان کے خطوط تحریر کے ایک ایسے اسلوب کو سامنے

رہتے ہیں جو اپنے عہد میں ایک [illegible] ہیں [illegible]
صاحب کے قلم کی جولانیاں اور ان کا فکر و نظر [illegible]
"تحقیق" (لاہور) لکھے گئے اپنے ایک مقالہ میں انھوں نے بھارت میں اردو [illegible]
صورتحال پر یوں اظہار خیال کیا ہے

"بھارت میں اردو زبان اور اس کے رسم الخط کا مستقبل کیا ہوگا؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔ بھارت میں رسم الخط کا قانون ابھی طے [illegible] جب گاندھی جی نے ہندوستانی زبان کا [illegible] رسم الخط کی بحث کا فیصلہ صادر کیا تھا اور اسے مسلمان [illegible] نے [illegible] کے [illegible] تسلیم [illegible] رسم الخط [illegible] کی بقا کے اقتصادی اور سیاسی انتظام سے [illegible] ہے۔ جب تک [illegible] مسلمان سیاسی اور اقتصادی طور پر ایک غالب قوت کی حیثیت رکھتے تھے [illegible] رسم الخط میں [illegible] کی خوب [illegible] بلند تھی۔ یہ بات [illegible] نے اپنی کتاب "[illegible]" میں بڑی تفصیل سے لکھی ہے۔ لیکن جس دن [illegible] سے مسلمان سیاسی طور پر خارج ہوا تو اس کا رسم الخط بھی اس کے ساتھ [illegible] کی [illegible] سے غائب ہو گیا۔ ہندوستان میں مسلمان اپنے مخصوص کلچر کے ساتھ صرف اسی صورت میں زندہ رہ سکتا ہے جب کہ وہ اپنے آپ کو اقتصادی طور پر ایک ناقابل تسخیر قوت تسلیم کروا لے۔" (۴۲)

انشائیوں، شاعری اور مکاتیب کے علاوہ غلام جیلانی اصغر نے تحقیقی [illegible] موضوعات پر وقیع مقالات بھی سپرد قلم کیے ہیں۔ کتابوں پر تبصرے بھی لکھے ہیں [illegible] کے خاکے بھی لکھے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک [illegible]

Scanned by CamScanner

[illegible] ۱۹۸۵ء تا ۲۰۱۱ء اُن کی تخلیق کاری کی ان جہات کا ایک مختصر جائزہ پیش کرتی ہیں جو ان
کی اُردو سے محبت کی [illegible] ہیں۔ ان کی علمی اور ادبی خدمات کے پیش نظر ان جہات کے ساتھ ساتھ
ان کی ادبی شخصیت کے دیگر زاویے بھی تفصیلی تجزیے اور تحسین کے متقاضی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ غلام جیلانی اصغر، "[illegible]" (انشائیہ) مشمولہ "اوراق" انشائیہ نمبر،

۲۔ ایضاً: "[illegible]" ایضاً، ص ۳۹

۳۔ ایضاً: "بے خوابی" مشمولہ "ایک دن شام سے پہلے"، ص ۸۰

۴۔ ایضاً: "[illegible]" ایضاً، ص ۹۷

۵۔ ایضاً: "[illegible]" ایضاً، ص ۱۰۰، ۱۰۱

۶۔ ایضاً: "[illegible]" مشمولہ "خوش کلام ـ غلام جیلانی اصغر" مؤلف: پروین [illegible]، "[illegible]"

رنگ پبلشرز، راولپنڈی، ۲۰۰۹ء، ص ۴۷

۷۔ ایضاً: "[illegible]" ایضاً، ص ۴۳

۸۔ پروین [illegible]: "خوش کلام ـ غلام جیلانی اصغر"، ص ۵۴

۹۔ نصیر احمد ناصر، پیش لفظ "ایک دن شام سے پہلے" از غلام جیلانی اصغر، ص ۱

۱۰۔ انور سدید، ڈاکٹر: "اردو ادب کی مختصر تاریخ"، عزیز بک ڈپو، لاہور، طبع سوم

۱۹۹۸ء، ص ۵۹۲

۱۱۔ محولہ "خوش کلام ـ غلام جیلانی اصغر" مؤلف: پروین [illegible]، "[illegible]" رنگ پبلشرز،

راولپنڈی، ۲۰۰۹ء، ص ۱۴۸

۱۲۔ غلام جیلانی اصغر، [illegible] "[illegible]" ([illegible]) مشمولہ ماہنامہ "تخلیق" لاہور،

جلد ۲۳، شمارہ ۴، اپریل ۱۹۹۲ء

Scanned by CamScanner

ڈاکٹر ستیہ پال آنند

غمِ زمانہ بھی سہل گزرا

A brief reading of *Adeeb Suhail's Gham-e- Zamana Bhi Sahl Guzra*.The title can be roughly translated as "easily passed the time of anxiety of time". This translation if not enough to convey the full meanings of the book. An analysis of the poem has been attempted for the new readers

---

انگریزی اور دیگر یورپی زبانوں کے اہلِ قلم نے اپنی سوانح حیات منظوم کی ہے ان میں سے کچھ منظوم بھی ہیں۔ اردو میں فی زمانہ حمایت علی شاعر صاحب کی منظوم سوانح کا شاہکار خود ہی چھپا ہوا ہے اور اس کے کچھ حصص تنقید وغیرہ بھی رہے ہیں کہ ان کو سوانح تاریخ کے تناظر میں دیکھنے سے ایک غیر جانبدارانہ نقطۂ نظر کی ضرورت کی نشاندہی ہوتی تھی۔ چرچل نے دوسری جنگ عظیم کے بارے میں اپنی ضخیم کتاب لکھتے ہوئے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ جب کسی شخص کی ذاتی زندگی اس کے ملک کے بین الاقوامی حالات سے منسلک رہی ہو تو وہ حالاتِ حاضرہ کو ایک لاتعلق اسکالر کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا کیونکہ ان حالات کو دیکھنے اور جانچنے پرکھنے کے لیے کچھ وقت کا گزر جانا ایک بے حد ضروری شرط ہے۔ لیکن اگر وہ جلد بازی میں یہ کام کرتا ہے تو اپنی ذات اور ذات کے حوالے سے ترجیحات کو کائنات پر مسلط کرنے کے الزام سے بری نہیں ہو سکتا۔ حمایت علی شاعر صاحب اسی جلد بازی کا شکار ہوئے اور نتیجے کے طور پر ان کے منظوم سوانح

کے بارے میں Factually غلط ہیں۔ اس لحاظ سے ادیب سہیل کی منظوم سوانح "قلم زادہ بھی سہل گزرا" ایک مختلف النوع طویل نظم ہے اس میں تاریخ، حالات حاضرہ، ادب اور اس کے حوالے اردو اور اس کے مسائل، پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد مہاجرین پر بیتی گزری وغیرہ موضوعات آگئے ہیں یہ باتیں در آئے بھی ہیں تو کہیں بھی وہ ادیب سہیل کے ذاتی، فکری، ذوقی، سیاسی، سماجی زندگی کی وضاحت نہیں کرتے۔ بقول جمال رضوی، ادیب سہیل نے

> "بچپن زندگی سے لے کر جوانی تک اور پھر باقی زمانے کے بارے میں اپنے جذبات اور احساسات کو بیان کیا ہے" "قلم زادہ بھی سہل گزرا" کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ کسی نوجوان کی تحریر ہے۔ وہی امنگ وہی ترنگ، وہی جذبات و احساسات جو جوانی کا خاصہ ہوتے ہیں۔ ادیب سہیل کی اس تحریر میں جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ اس سے ان کے جذبات کی صداقت کا اندازہ ہوتا ہے۔"

یعنی یہ نظم "ذاتی" اور "وارداتی" ہے۔ اس میں ادیب سہیل اپنی "ذات" اور اس سے متعلق "واردات" سے ہٹ کر کچھ بھی بیان نہیں کرتے۔ ذات کے حوالے سے تو والدہ کا کردار اور اس نیک بخت خاتون کے ساتھ محبت کے نشیب و فراز سے گزرتے ہوئے قدم بہ قدم زندگی کا سفر ہے۔ جس واردات کے حوالے سے ان کی بچپن سے لڑکپن اور لڑکپن سے شروع جوانی تک کی تگ و دو، ایک دوسرے ملک میں ان کی ہجرت اور دوسرے ملک سے اسی کے ایک مختلف حصے میں منتقلی ہوئی ہے۔ انگریز نے اِدھر بھی جڑ پکڑے اور پھر انگریز کا یہ عمل وارداتی بھی ہے اور عارف کے حوالے سے ذاتی بھی ہے۔ یعنی "آپ بیتی" کہیں بھی پوری طرح "جگ بیتی" نہیں بنتی گھوم پھر کر دوبارہ آپ بیتی کی طرف

Scanned by CamScanner

رکھتی ہے۔

یہ ضروری ہے کہ [illegible] ذہن میں [illegible] کی طرف [illegible]

جائے۔ [illegible] میں [illegible] سے [illegible]

والے ادیب [illegible] کے [illegible]

کرتے ہیں۔

> [illegible]
>
> [illegible]
>
> کے [illegible] تھے [illegible]
>
> [illegible]
>
> [illegible] سے [illegible]
>
> [illegible] تھے [illegible] سے
>
> [illegible]

یہاں شعور اپنی زبان میں [illegible] اس زبان کے پیچھے [illegible]

ہے۔ لیکن پھر بھی اس وضاحت پر بات ختم نہیں ہوتی، [illegible] اس سے ادیب [illegible]

[illegible] ہے وہاں [illegible]

ہے۔ ایک بیوپاری [illegible] ایک کوٹھڑی میں رہتا تھا اور روٹی کا ٹکڑا ڈھونڈ کر اور پھر اس کو کھا کر

[illegible] اوقات کرتا تھا جب ادیب [illegible] کے ذہن میں ایک خاکہ بن کر ابھرتا ہے تو اس

کے قلم سے یہ خاکہ کیسے مرتب ہوتا ہے یہ پہلے سے تعلق رکھتا ہے۔

> وہ گھر کی دیواروں میں [illegible] سے ایک کھڑکی سی کھل رہی تھی اسی
>
> میں رہتا تھا ایک بیوپاری [illegible] دونوں میں تھی رفاقت [illegible]
>
> [illegible] روٹی کا ٹکڑا ڈھونڈتے تھے اور اس کی خاطر لڑ [illegible]

Scanned by CamScanner

خاک چھانتے تھے بے حسی سے پھر اس کی کرتے تھے وہ
بدلی رکھنی کی آدمی کے ہاتھوں میں بیچے گئے وہ بیچے ہوئے تھے
اس سے حاصل اگر زر معر ان سے ہو رہی تھی

یہی بات کوئی اس پر قاری کو خوب سمجھاتا ہے۔ جب ادیب کمل حادثہ کا ذکر کرتے ہیں۔ حادثہ اس وجہ خوب صورت نہیں ہے کہ اسے موڑ شامل کیا جا سکے۔ وہ اردو شاعری کی روز تو نے والی گھر یہ بھی نہیں ہے۔ اس کو پری کہانیوں کی ہیروئنوں سے بھی جوڑا نہیں جا سکتا۔ وہ تو ایک سیدھی سادی، لیکن وہ مند اور نرم خو خاتون ہے جو اگر کسی نظم کی ہیروئن بن بھی سکتی ہے تو وہ صرف ادیب کمل کی "نظم زندگی بھی بسر کر" ہی ہو سکتی ہے۔ پہلے حادثہ کو ذرا دیکھ لیتے ہیں۔ جو کچھ اس طرح ہے۔

گھر میں آ جاتا تھا کہ میں حادثہ کی خاطر کروں تو کیسے، قریب ہی
ایک گھر کے پیچھے تھا امرود کا خیال آیا کہیں سے امرود توڑ کر
لے کر دوں تو صبح کا ناشتہ ہو جائے سو میں نے امرود توڑ کر اس کی گود میں
ڈال دیا تھی گود میں وہ امرود دیکھ کر اور میں اسے چار سال ادھر
اپنے پاس خوابیدہ دیکھتا تھا، وہاں سے آگے بیمار تو بیماری کی
حالت میں آئی تھی کی حادثہ قریب اس کے رشتہ اس کی نظر
میں تھا چاکلیٹ کا پیکٹ خرید کر اس کو ایک پیکٹ دیا تو گویا کسی
طرح جیسے وہ جھوم اٹھی تھی۔

اور وہ تب ادیب کمل نے اپنے "مستقبل کے خواب میں" "چار سال ادھر اپنے پاس خوابیدہ"
دیکھا تھا اسے حقیقی محو خواب وادی کے پلنگ پر دیکھا۔

اور ایک شب جب کسی ضرورت سے گھر میں آیا تو حادثہ محو خواب
تھی اور اس کی بانہوں میں اس کی وادی بھی سو رہی تھی جب

Scanned by CamScanner

[illegible] اس کو سمجھنے کا [illegible] اس کے لطف [illegible]

اور چونکہ یہ سب کچھ اس [illegible] پا چکا تھا۔

اور پھر کئی برس گزرنے کے بعد جب [illegible]

ذہن میں [illegible] تو ایک کے بعد دوسرے واقعات سے [illegible]

[illegible] براؤننگ کی نظم One Word More سے [illegible]

زندگی بسر کر رہے ہیں

Grow old with me

The best is yet to be

The Last of life for which the First was made

اس عظیم اور قوت [illegible] انسان سے [illegible]

[illegible]

[illegible]

اس فلسفے سے ایک صحت مند فکر و حیات رکھتے ہیں۔

~~~~~~~~~~~~

Scanned by CamScanner
~~~~~~~~~~~~

جنت کی تلاش : ایک تاثراتی جائزہ

Jannat Ki Talash, a novel by Rahim Gul manages to assimilate some modern trends. Yet essentially it is a "tourist" novel as the characters move from picturesque scene to another, in different regions and continents. Not necessarily picaresque the novel claims a niche among Urdu novels of our time and has been examined with feeling.

ناول "جنت کی تلاش" درحقیقت سچائی کی تلاش کا ناول ہے جس کا اظہار امتل کے ذریعے ہوا ہے۔ ناول میں تین کردار وسیم، عاطف اور امتل ہیں مگر اہمیت امتل کی ہے جو بقول کچھ جس وزنی دلائل سے لدی پھندی گفتگو سے اپنے سامعین پر غالب آجاتی ہے۔ رحیم گل کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے مختلف الانواع موضوعات پر امتل کے توسط سے اپنے خیالات کا اظہار کروایا ہے جو دور میں زیر بحث رہتے ہیں۔ ناول میں واقعے کے بیانیہ زمان و مکان کی تبدیلی سے مطابقت حسن برقرار رہتا ہے جو کہ اس کی خوبی ہے۔

ناول میں مثبت و منفی خیالات کے حامل کردار پائے جاتے ہیں گو کہ ناول میں Action گل کے لحاظ سے خاصی دلچسپیوں کا حامل ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ دلچسپ بن جاتے ہیں۔ خود ہم انہیں اپنا ملجا و مسجود کر دیں۔ "جنت کی تلاش" میں امتل کو کردار ناول میں ولیوں کا مقام رکھنے کا وسیلہ ہے۔ عاطف اس کا ہمالی ہے جو اس کی تکلیف بھنکی

حقی خیالات و احساسات اور دماغ کی پیداوار سے عاری تو نہیں مگر ۔ یہ وہ تقاضا ہے کہ اس سے قبل کہ اس کا نتیجہ ہو یعنی اس کی شخصیت کو مسخر کر دے کوئی اسے بہا لے اور پھر بھی وہ سامنے آ جائے۔

یہ ناول اپنی ساخت میں "بیانیہ" ہے جس میں کردار مختلف مقامات کی سیر کرتے رہتے ہیں اور کہانی آگے بڑھتی رہتی ہے۔ کسی بھی مقام پر قاری کی دلچسپی کم نہیں ہوتی۔

واضح رہے کہ کسی بھی بیانیہ ناول میں اہم کرداروں کی دوسرے کرداروں سے ملاقاتیں ازبس ضروری ہوتی ہیں تاکہ ناول آگے بڑھتا رہے۔ ایسے کردار اس میں بھی موجود ہوتے ہیں جن کا [illegible] ہے اس بے وقوف احمق کے مدمقابل آ کر اس کے خیالات کو اپنے خیالات سے ٹکراتا ہے تاکہ اس کے دل پر ایک ڈنٹ (Dent) لگ جائے کہ وہ اپنی فکری پیداوار سے نجات حاصل کر لے۔ اس امر کو شروع ہی میں واضح کر دینا ضروری ہے کہ احمق کے خیالات مصنف کے ہی ہیں [illegible] گوگول کی تخلیقیت کا شاہکار ہیں۔ زندگی کے مختلف مرحلوں میں زندگی کے بارے میں نمودار ہونے والے فکری مسائل پر احمق کی رائے دوسروں سے مختلف ضرور ہے مگر اس میں سچائی کا عنصر پایا جاتا ہے۔ ناول شروع ہی کے ابواب میں قصہ بیان ہوا ہے کہ قاری کی گرفت سے آزاد ہو جاتا۔ یہاں نہ کردار کی صورت حال (Situation) دوسروں سے مختلف ہے اور احمق کے خیالات غیر محسوس طور پر بڑھتے رہتے ہیں آگے مرحلے میں [illegible] کردار انجام دیتے ہیں۔ ناول کی [illegible] میں نمودار ہوتا ہے۔ گو کہ دوسرے کردار بھی اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں لیکن احمق غالب آ جاتا ہے اور یہ ایک فکری ناول مکمل ہو جاتا ہے۔

اب ایک مسئلہ یہ ہے کہ ناول سے [illegible] رہے [illegible] ہے۔ مثلاً [illegible] کے طور پر احمق کے اس اقتباس پر غور کیجیے جو مدمقابل سے [illegible] کی صورت میں

Scanned by CamScanner

زندگی ایک امر ارتقا ہے۔ پچھلے لمحوں کی یاد دلانے والے لمحوں

کا نام [illegible] ہے [illegible] جو [illegible] کرتا رہا ہے وہ بھی حیات ہے۔

-- مذہب نے انسان میں جتنا تفرقہ ڈالا اتنا کسی اور نے

نہیں ڈالا۔ [illegible] جب سے [illegible] نے زندگی کا انتظام [illegible] کیا تو [illegible] کی

آزادی چھین لی۔

-- کون سی چال؟ ہندو کی چال، مسلمان کی چال، عیسائی کی چال

یا [illegible] کی چال۔

-- دراصل [illegible] ہی زندگی ہے۔ [illegible] کا بھی یہی مطلب

مکمل ہوں۔ زندگی کا [illegible] معمولی ہے۔

-- زندگی کی طرح موت بھی بے معنی ہے۔

-- کائنات [illegible] کو پیدا کرنے کا کیا مقصد ہے؟ [illegible] شامل

اور [illegible] کو پیدا کرنے کا کیا مقصد ہے؟ سکندر اعظم کو پیدا کرنے

کا کیا مقصد ہے؟ کسی بات میں بھی کوئی مقصد نہیں ہوتا [illegible]

صاحب۔ سکندر اعظم کو دنیا کو فتح کرنے کا کیا مقصد تھا؟ کیا یہ

مقصد تھا کہ فاتح اعظم [illegible] کے ایک [illegible] سے ہار جائے گا؟

-- میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ دنیا آج سے دس ہزار سال پہلے

بھی یہی تھی۔ اب بھی یہی ہے اور ایک لاکھ سال کے بعد بھی یہ

یہی ہوگی۔

-- آپ کی طرح [illegible] لوگ مجھے اچھے ضرور لگتے ہیں مگر ان سے

مرعوب نہیں ہوتی۔ میں ایک ایسی [illegible] ہوں جس کا ایک [illegible]

Scanned by CamScanner

اسی حق سے [illegible]

" محض یہ بات تھی کہ ایک دوسرے کو اپنا لگے [illegible] ہے

" [illegible] ہے۔ روٹی کا بھی عورت کا بھی۔ [illegible]
[illegible] ہے۔ [illegible] ہے۔ [illegible] میں [illegible]
عورت غریب ہوتی ہے۔ اس کی ایک ایک رگ ایک ایک [illegible]
ایک ایک ادا میں [illegible] ہے جب کوئی [illegible] نہیں [illegible]
[illegible] سے [illegible] کی [illegible] میں [illegible] کرنے چاہتی ہے
[illegible] اس معاشرے میں [illegible] ہے۔ [illegible]
ہے کہ [illegible] اب میں بچے سے [illegible] ہے"

" [illegible] صاحب ہم [illegible] سے [illegible] ہیں۔ [illegible]
[illegible] ہیں۔ [illegible] عورت بہت [illegible] ہے۔ ہم [illegible]
[illegible] ہیں۔

" [illegible] ہے [illegible]
[illegible] ہے۔ [illegible] ہے۔ [illegible]
[illegible] ہے۔ [illegible] ہیں۔ [illegible]
[illegible] سے [illegible] ہے [illegible]
سے [illegible] ہے
[illegible] ہے۔ [illegible]
[illegible]

" [illegible]
[illegible] ہے"

"سب ذرے ایک جیسے ہوتے ہیں، نقطۂ نظر سے پیدا کرنے والے
اور سچائی کا دعویٰ کرنے والے سب ایک ہی جیسے ہوتے ہیں۔
دراصل ایک جیسا ہونا ہی ان کی سچائی ہوتی ہے۔ سب ذرے ہی
سچائی میں ہوتے ہیں۔

"بوہم صاحب! آپ نے بھی وہی بات کہی ہے جو کرشنا نے کہی تھی مگر وہ
آپ سے زیادہ واضح تھا۔ اس نے زندگی بھر یہی بات دہرائی تھی۔
(دراصل بوہم نے ذرات ہوتے ہوئے بھی ان کو سمجھا تھا)

"عمر نے فیصلہ کیا کہ وہ یا تو جب ... سے سچائی کا بھی
اس کا فیصلہ تھا، شیطان کا فیصلہ تھا۔ (اصل یہ تھا وہ اس وقت جانتی
ہے جب بوہم کہتا ہے کہ زندگی میں کوئی وہ آزادی ان سے کچھ اس
سے فیصلہ کرتا ہے۔)

اصل سچائی کے بارے میں مختلف ہے۔ وہ زندگی کو تمام معنوں میں جیتی ہے
جہاں اب تک ایک کے سوالوں سے عبارت ہوتا ہے۔ وہ کہ انعقاد ہے لیکن اس کا مخصوص
ذہن (Mindset) اسے سچائی سے قریب نہیں آنے دیتا جب کہ بوہم کا خیال یہ ہے

"سچائی ہر صورت میں زندہ رہتی ہے۔ کبھی سقراط کے نام سے کبھی
حسین کے روپ میں، کبھی منصور حلاج کے انداز میں۔ یہ وہ لوگ تھے
جنہوں نے بزدلی کے ہاتھوں گھٹنے نہیں ٹیکے مگر دنیا ان کی معترف ہے۔"

بوہم کے خیال کے مطابق اصل روحِ انسانی کی پہچان کے لئے ہر انسان کی اپنی
زندگی اور انسان کی محدود صلاحیتوں کے مفہوم کو پہچاننے میں کامیابی حاصل کر سکتی تھی۔ اس
مضمون کے آغاز میں بتایا گیا ہے کہ یہ ایک سیاسی ناول ہے جس میں اصل بوہم اور
اصل کا ماحول مختلف مقامات مثلاً کلکتہ، پاکستان، امریکہ، لاہور، ہالینڈ، لندن،

[illegible]

[illegible] Chose Activate [illegible]

[illegible]

اس کے بعد [illegible] نے بتایا کہ [illegible]

[illegible] وہ کہنے لگی

"ڈاکٹر صاحب! میں بیان نہیں کر سکتی۔ وہ کیسی ساعتیں تھیں جب میں نے بچی کی نال اس کی کوکھ سے کاٹ کر الگ کر دیا تھا۔ ننھی سی جان نے اسی کوکھ میں سے اس ننھی سی جان کو خون پلا پلا کر زندگی بحال کی تھی اور جب کوکھ سے اس کا رشتہ ٹوٹ گیا تھا تو اس کی ننھی ننھی آنکھوں میں درد کے آنسو پھوٹ پڑے تھے۔ انسان کو پیدا کرنے اور اسے زندہ رکھنے کی یہ کتنی عظیم تحریک تھی۔ یہی وہ الہامی ساعتیں تھیں جب خدا بہت قریب آ گیا تھا۔ میں اسے دیکھ نہیں سکتی تھی مگر اسے محسوس کر سکتی تھی۔"

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

اس تجربے کی رو سے ناول کی قلب ماہیت سے قبل تک کے [illegible] ناول
رہتے تھے جن کی خوبی ناول تھی۔ ان کے خیالات خوشنما صورت کی [illegible]
ان کے اندر [illegible] ہو چکے تھے اور اب ان کے تجربے نے ناول کی [illegible]
ہو گئے۔ ناول کو ازسرنو یہی ثابت کرتا ہے۔

[illegible] ان تجربے کی اصابت سے انکار بھی کر سکتے ہیں۔ مگر
[illegible] ہو سکتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ انسان ایک ناقابل تبدیل مخلوق ہے۔ [illegible]
[illegible] کوئی کتاب [illegible] انسان کو [illegible] سکتا ہے [illegible]
ہے [illegible] حقیقت یہ ہے کہ [illegible] انسانی نفسیات ہے [illegible]
[illegible] ناول کی [illegible]
[illegible] سے [illegible] ہے۔

اب [illegible] یہ ہوتا ہے کہ بیسویں صدی کے ابتدائی عشرے میں اس ناول [illegible]
[illegible] ناول [illegible] ہے۔ [illegible] کردار [illegible] کی قوت سے [illegible]
[illegible] گزرتے ہوئے [illegible] تک پہنچ جاتے ہیں جن میں سے ایک اہم کردار [illegible]
[illegible] کی [illegible] ہے۔ [illegible]
[illegible] "[illegible]" [illegible] "[illegible]"
[illegible] نسوانی کردار ابتدا سے انتہا تک ایک خاص قسم کی [illegible]
[illegible] ہیں۔ [illegible] "جنت کی حوالی" کے نسوانی کردار کا مسئلہ یہ ہے کہ
[illegible] صورت [illegible] ناول میں ایک لڑکے یا [illegible] لڑکی [illegible]
[illegible] بلکہ وہ [illegible] مطلق سے [illegible] نظر آتا ہے۔ [illegible]
[illegible] ناول میں [illegible]
[illegible] ہے۔ اس [illegible] سے ۱۹۹۱ء میں منظر عام پر آنے والے اس ناول
[illegible] ناول [illegible] کے ساتھ ساتھ [illegible] ہے۔

انور نسیم کی کہانیاں

Anwar Naseem is that rare commodity - a proud Pakistani. He is a scientist and is proud of his work in biological sciences. He is quoted as saying: Whenever people talk yeast my name will be mentioned. He is also a creative writer and has produced a book of short stories. The article attempts an analysis of his creative literary work involving deep thought on social topics and a sense of nostalgia.

انور نسیم صاحب سے میری پہلی ملاقات کوئی [illegible] برس پہلے اوساکا میں ہوئی تھی جہاں وہ ایک سائنس کانفرنس میں شرکت کے لیے تشریف لائے تھے۔ اوساکا آنے کا مقصد ان سے ملنے سے زیادہ تھا اور اس کی وجہ [illegible] ان کے لیے وہ محبت تھی جو [illegible] میں [illegible] تھی۔ ہم دونوں اوساکا کے ایک ریستوران میں ایک شام اکٹھے بیٹھے تھے۔ میں [illegible] تھا کہ وہ سائنس داں ہیں اور اردو سے محبت ان کے دل [illegible] [illegible] [illegible] سے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]۔ [illegible] [illegible] [illegible]

ادھورا اپنی [illegible] ہے [illegible]

[illegible]

[illegible] ہے۔

اب سے چند برس پہلے لکھی گئی کہانیوں کا [illegible] موصول ہوا تھا جس کے مطابق [illegible] کہانیوں کی [illegible] کوئی کہانی کسی نہ کسی طرح [illegible] آغاز کرتی ہے اور [illegible] ہے۔ زندگی کی ایک [illegible] سے [illegible] شروع کرتی ہے [illegible] ہوتی ہے [illegible] بھی ہو سکتی ہے۔ زندگی کی کہانی لکھنے والے ادیب میں سے واقعات اور [illegible] مخصوص [illegible] میں کہانی ایک تحریک ہوتی ہے اور انتشار کے ساتھ اس [illegible] کی شکست ہو جاتی ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں [illegible] چھوڑ جاتی ہے [illegible] تک اس [illegible] سے [illegible] رہتے ہیں اور کہانی [illegible] کے [illegible] رہتے ہیں۔

اس [illegible] کے کسی ایک کہانی سے حاصل [illegible] کیا جا سکتا ہے۔ "[illegible]" [illegible] ہے۔ یہ وجود کے [illegible] کی کہانی ہے۔ اس کہانی کی [illegible] ساتھ ہے [illegible] شخصیت میں [illegible] وجود کے ساتھ آگے بڑھتی ہے۔ [illegible] جدوجہد جاری رہتی ہے مگر [illegible] اس وقت ساتھ چھوڑ جاتا ہے جب [illegible] نظر آتا ہے۔ [illegible] میں موجود شخصیت [illegible] شکست کھا جاتا ہے۔ جس سے [illegible] وجود کے زوال کی [illegible] ہو جاتی ہے [illegible] سے گزرتی ہوئی [illegible] مسئلہ ہو جاتا ہے۔ شخصیت [illegible] ہے اور انجام کار وجود کی شکست [illegible] کے ساتھ [illegible] کے سامنے [illegible] ہے۔ مستقبل کی ایک [illegible] آپ [illegible] زندگی کے لیے

Scanned by CamScanner

کے باعث ساجدہ اس شخص کو قبول کر لے گی اور وہ بھول جاتا ہے کہ کسی میں اس کا پیار پانا
کو قبول کرنا بھی نہ ہو سکا تھا۔ یہ انسانی زندگی کی حقارت کو ظاہر کرتا ہے۔ ہم لوگوں اور
آدرشوں کی شکست انسان کو کیا بنا کر مفاہمت کے راستے پر ڈال دیتی ہے۔ ساجدہ کے لیے
اب یہی راستہ باقی رہ گیا تھا۔ اس کہانی کے ایک ایک سطر پر کہانی کار کی ہمدردی کا عنصر نظر
آتی ہے۔ بالخصوص ساجدہ کے کردار کے ارتقائی مراحل میں جو اس کی جذباتی کیفیت سے عیاں
ہوتی ہے۔ وہ بہت موثر ہے۔ اس کہانی کو پڑھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر قاسمی نے اس کے
بعد یہی کہانیاں اور کہانیاں کیوں نہ لکھیں۔ شاید ساجدہ کی ذہانت میں ان کی بے وقت
مصروفیات کے باعث یہ شخص نہیں ہو سکا ہے۔

اسی قسم کی کہانیوں میں گھر کے چیز سے لگاؤ اور یہ احساس کہ وہ ان کے پاس
نہیں ہو سکی ہے۔ ان کی اکثر کہانیوں میں جو گھر کا اظہار ہے۔ میں اس بارے میں
ذرا وضاحت کے ساتھ کچھ باتیں کہوں گا۔

دنیا میں کوئی انسان کبھی ادھورا نہیں رہ سکتا وہ اس کا گھر ہے۔ گھر کہیں بھی ہو
کوئی بہت خوب صورت یا کوئی بہت ہی معمولی مقام ہو۔ گھر کا تعلق مقام کی خوب صورتی
سے نہیں اس لیے کہ گھر خوب صورت ہو یہ بھی ضروری نہیں۔ گھر تو وہاں ہوتا ہے جو گھر ہے۔
جہاں انسان کا بچپن گزرتا ہے۔ جہاں وہ بچپن کی منزلوں میں داخل ہوتا ہے وہ کسی بھی
جگہ سے دور گھر سے دور یا بہت دور بھی چلا جائے گھر کی یاد اسے ضرور آئے گی۔ یہ عمل
انسان کے ذہن سے کبھی بھی ختم نہیں ہو سکتا۔ یہ عمل بڑھاپے تک کی دہلیز پر بھی
جس پاتا ہے اور بھی زیادہ اس کا تک گئی یہ معلوم ہے کہ میں گھر سے کی طرح گھر چلتا ہے اور
ابھرا ہوتا ہے اور گھر کی یادوں کی بارش اسے تیزی سے شرابور کر دیتی ہے۔

مغربی ادب میں جو پہلا عظیم ناول ہمیں ملتا ہے ہومر (Homer) کی اوڈیسی
(Odyssey) میں ملتا ہے۔ یونان کے اس عظیم رزمیہ میں اوڈیسیس (Odysseus)

ناسٹلجیا کی علامت ہے۔ ٹروجن (Trojan) کی جنگ کے اختتام پر وہ اپنے وطن کو واپس جانے کا متمنی تھا جہاں اس کی محبوب بیوی پنی لوپ اس کا بے تابی سے انتظار کر رہی تھی وہ اتھاکا (Ithaca) کی طرف آنے والے جہازوں کو دیکھتی رہتی تھی مگر یولی سیس تمام تر خواہش کے باوجود وطن کو واپس نہ لوٹ سکا۔ اگرچہ وطن کا ناسٹلجیا اسے بے چین کرتا رہا مگر وہ تجسس کا اسیر ہو گیا اور یوں وہ اس کے جزیرے میں محبوس ہو کر کیلپسو (Calypso) کی شاداب گاہ کی سرگرمیوں میں وہ برس ہا برس سے گم رہا۔ مگر پھر ایک وقت آیا جب وہ اس جزیرے کے سحر سے آزاد ہو کر اتھاکا (Ithaca) کی طرف رخصت ہو گیا۔ کیلپسو کا جزیرہ ہومر کی داستان ہی کا عکس نہیں، یہ آج کے جدید دور کی ایک علامت ہے۔ تیسری دنیا کے کتنے ہی ملکوں کے لوگ تعلیم، ترقی، اچھی زندگی اور اعلیٰ معاشی مواقع کی تلاش میں نکلتے ہیں۔ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ وہ ٹروجن (Trojan) کی جنگ تو جیت چکے ہیں مگر بعد ازاں کیلپسو (Calypso) کے جزیرے جیسے شاداب جگہیں، مغرب ان کو اسیر کر لیتے ہیں مگر ان کا داخلی وجود اپنے معمولی گھروں کے ناسٹلجیا سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ وہ کسی نہ کسی صورت میں ان کو اپنی جڑوں کی طرف کھینچ رہتا ہے۔ ہماری جدید اردو شاعری میں ناسٹلجیا کی بہت اچھی مثالیں۔ میرا جی کے ہاں بھی مل سکتی ہیں

سمت کر کے یہ نقطہ نہیں تھی ذہن میں وہ
وہ دیکھا آنکھوں اس وقت کہیں دل کو بھاتا تھا
وہ اک سمت اب دور کے لوگ ہیں اور ان کی باتیں ہیں
کوئی دل سے پھسل جاتی کوئی سینے میں چبھ جاتی
انہی باتوں کی لہروں پر بہا جاتا ہے یہ بجرا
جسے ساحل نہیں ملتا

Scanned by CamScanner

سب کو کس لیے غلط نہیں تھی زمیں کی وہ

وہ کیسی مسکراہٹ تھی بہن کی مسکراہٹ تھی، میرا بھائی بھی ہنستا تھا

وہ ہنستا تھا، بہن ہنستی ہے اپنے دل میں کہتی ہے

یہ کیسی بات بھائی نے کی، دیکھو وہ ماں اور ابا کو ہنسی آ گئی

مگر یوں وقت بیتا ہے تماشا بن گیا ساحل

مجھے ساحل نہیں ملتا

بہت مختصر سب کی ہنسی جاتی ہے اور میں بھی

ہر اک کو دیکھتا ہوں مسکراتا ہے کہ ہنستا ہے

کوئی ہنستا نظر آئے کوئی روتا نظر آئے

میں سب کو دیکھتا ہوں، دیکھ کر خاموش رہتا ہوں

مجھے ساحل نہیں ملتا

(مجھے گھر یاد آتا ہے)

اب آئیے انور نسیم کی کہانیوں کی طرف کہ جہاں ہمیں کینیڈا کے بہت سے رنگ اور بہت سے منظر ملتے ہیں۔ بار بار یوں لگتا ہے کہ وہ اپنی جڑوں کی طرف بے اختیار ہو کر کھنچے چلے جا رہے ہیں۔ ایک نامعلوم سی کسک ہے جو ان کی کہانیوں میں برابر محسوس ہوتی رہتی ہے۔ یہ وہ کسک ہے جو لاکھوں تارکین وطن، کینیڈا کے گھر میں محصور ہونے کے باوجود محسوس کرتے رہتے ہیں۔ انور نسیم کے ہاں اس طرز احساس کی کچھ مثالیں دیکھیے:

"نہ جانے اسے کیوں اچانک خیال آیا کہ اب سے کئی سال پہلے
اس کے چھوٹے سے گاؤں میں ماسی بھاگ بھری کو ہر وقت اپنے بیٹے
اعظم کے سوال کی مانند تھیں جو شاید ایک دو پیسے تھی، کی ادائیگی کے
لیے کتنی محنت کرنا پڑتی تھی۔ دنیا کے اس وقت کیوں یہ گھر سے

Scanned by CamScanner

ہوئے ان گنت مسائل کتنے رنگا رنگ اور مختلف ہیں۔"

"مگر بہت پہلے تو جب وہ [illegible] ہوٹل چل کر آتی رہی ہے [illegible] پوچھتا تھا اس [illegible] کی لاہور شہر جانے کا [illegible] تو بات ہی کچھ اور تھی۔ سٹیشن ماسٹر صاحب اور [illegible] صاحب [illegible] ہوٹل والا [illegible] سب ہوتے اور اپنے تمام [illegible] سیٹ پر [illegible] مشغول تھا۔ سیاست کی [illegible] ہوتے۔ [illegible] بیٹا لاہور جا رہے ہو [illegible] گاؤں کے بزرگ کی خیریت دریافت کرتے۔ [illegible] گاؤں [illegible] سے کچھ لے کر [illegible] کے لیے گاؤں [illegible] گاؤں سے [illegible] گئے۔ اپنے دوستوں کے ساتھ اور جب یوں لگتا تھا کہ اگر اپنی [illegible] بھی طرح سے [illegible] کی طرف [illegible] [illegible] سے [illegible] نہیں [illegible] تو [illegible] سے [illegible] گی۔ جب بھی کسی اس سے کوتاہی ہوتی تو اس کو [illegible] [illegible] وہ [illegible] بھی عجیب تھے۔"

"اب سے بہت سال پہلے بھی تو گرمیوں کی چھٹیاں ہوتی تھیں جب وہ سکول سے واپس اپنے گاؤں جاتا تھا تو راستے میں اپنے دوست [illegible] کے گھر پر رکتا تھا اور پھر ریت کے ٹیلوں سے گزرتے ہوئے ایک [illegible] کے پیالے میں [illegible] گاؤں کے کنویں کا پانی [illegible] میں ایک بار وہ لوگ [illegible] [illegible] کو ساتھ [illegible] ہے۔ [illegible] کے عکس کے ساتھ۔"

بھیڑ میں ماضی لوٹتی کے عکس سب منظر پاگل اچانک رواں ہو جاتے ہیں۔
ماضی کا ایک بڑا سا لمحہ وہ، انتقام در لاشعور شدہ ہو رہا ہے، ایک عمر، یہ روشنی پیدا کرتا ہے۔
یہ انتقال لاشعور کا عجیب عمل ہے۔ کسی بھی اچانک مناسبت سے ماضی کی کوئی بھولی بسری تصویر ہمارے سامنے آ جاتی ہے۔ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوتا ہے کہ ہم کو سوچنے سوچنے کی مہلت نہیں مل پاتی۔ ہم ان لمحوں کے ظہور سے خود کو بڑا چھوٹا محسوس کرنے لگتے ہیں۔ خورشید کے ہاں ایک ایسی ہی تخلیقی واردات میں اختر الایمان کی نظم کا ایک ٹکڑا نہ جانے کہاں سے ظہور پذیر ہو جاتا ہے

"اس نے کاغذ پر چھپی ہوئی اپنی itinerary کو سنبھالا، یہ کیا خوب تھی کہ یہ نام تفصیلات سے محروم، وہ پھر اپنے ہوٹل واپسی کے لیے ٹیکسی میں سوار ہو گیا۔ شہر میں وہی رونق، وہی چہل پہل تھی۔ سامنے لنکن آرٹ سنٹر کی عمارت تھی۔ ڈراموں کی نئی سیریز شروع ہو رہی ہے۔ لیڈی ولیس چیک کرانی چاہیے بعد میں فرصت ہی نہیں ملے۔ وہ چپ چاپ ایک کونے میں خاموشی سے بیٹھ گیا۔ مسافر پھر اپنے سامان کا ذکر کر رہے تھے۔ مگر اچانک سے یوں لگا کہ یہ سب شاید بے کار کی باتیں ہیں۔ اختر الایمان کی نظم اسے بے حد پسند تھی۔ وہ اکثر پڑھتا ہے اس شہر میں یہ نظم کہاں سے یاد آ گئی۔"

جس طرح اختر الایمان کی نظم میں لڑکا ہم زاد بن کر ان کے ساتھ ساتھ پھرتا تھا خورشید کی کہانیوں میں بھی ان کے ماضی کا لڑکا ذہن پر ہم زاد کے روپ میں ہم راہ چلتا ہے۔ ساتھ ساتھ ان پر ساتھ ساتھ رہتا ہے یہ لڑکا ان کا چھپا ہے شعور لاشعوری طور پر پیدا کرتے جاتے ہیں۔ آئیے ذرا یہ دیکھیے کہ اختر الایمان کے ہاں یہ لڑکا کس شکل میں نظر آتا ہے

ہوا میں تیرتا خوابوں میں بادل کی طرح اڑتا
پرندوں کی طرح شاخوں میں چھپ کر جھولتا مڑتا

Scanned by CamScanner

مجھے اک لڑکے سے [illegible] پائی

مجھے اک لڑکا آوارہ منش آزاد سیلانی

[illegible] ہے یوں لگتا ہے جیسے [illegible]

[illegible]

[illegible] کی طرح [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کی کیفیت میں [illegible] اس کے دل و دماغ کے لیے سوال [illegible] ہے اس لیے وہ اسے جدا نہیں کر سکتے۔ کہانیوں کی [illegible] سے بھی لگتا ہوا نظر آتا ہے۔

[illegible] کرتے وہ غزل [illegible] سے بھی گزر جاتے ہیں۔ [illegible] کی کیفیت ان کو اپنے حال سے بہت دور لے جاتی ہے [illegible] سے گزرتے ہیں۔ اس انداز کی کیفیت کا ایک تجربہ

" [illegible] کرنے کے لیے وہ غزل ختم ہونے کا منتظر تھا۔ اچانک

[illegible] جانے کیوں اس کے منہ سے بے اختیار نکلا " "

[illegible] اسے یہ بھی احساس نہ ہوا کہ اس کا پہلو

ساتھی اس کے بالکل پاس کھڑا ہے۔ اس کی آواز سن کر اس کے

ساتھی نے کہا۔

" Pordon What did you say"

" [illegible] "

" Nothing Sorry"

Scanned by CamScanner

یونہی میں اپنے آپ سے بات کر رہا تھا اور پھر کئی سال بعد بھی "
کبھی کبھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ کیا ہوا تھا کہ "I said nothing"

انور سجاد کی کہانیوں میں ڈاکٹر کے خاموش ہونے کے باعث بعض مقامات پر ذات اور عورت کے واسطے خود کلامی کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ خاموشی کی دبیز تہوں سے دبی ہوئی ذات سچ کی تلاش میں خود کو پانے پر بھی مجبور ہو جاتی ہے کہ اکیلے ہونے کا احساس پڑھ رہا ہے۔ یہ اپنی ذات کے اندر اترنے، بھاگنے اور وہاں سے برآمد ہونے کی کیفیات واضح ہے۔

"دنیا بھر کے سارے رشتوں سے منقطع اور گریزاں، بے حد قریبی ہو، اپنی ذات سے، اپنے آپ سے۔ خالق حقیقی سے بھی جدا سے ہو کے وہ وزن کر جس نے اپنا جواب پا کر اسے اس لمحے زمین پر پھر رہا ہے کہ اسے یوں لگا کہ اپنے آپ سے بے حد قریب ہے۔ ایک گہری سوچ، جان لیوا قسم کی خاموشی۔ یہ کائنات، یہ سیارے، یہ دنیا، یہ سب چیزیں اس سے الگ تھلگ بکھری ہوئی پڑی ہیں۔ یہ لمحہ ایک ایسا لمحہ تھا جیسے وہ اپنے آپ سے مخاطب ہو۔ خود سے پوچھ رہا ہو۔ تم یہاں پر کھڑے ہو کر کیا کر رہے ہو، کسے ڈھونڈ رہے ہو۔ آدمی کی اس عالم کی بالکل حالت سے سچ — اس خاموشی جیسے زندگی کی بڑے چلتے ہوئے ساعت ہو گئی ہو اور وہ خود کسی بے جان تصویر کی طرح اپنے ماحول میں فریم میں مقید کھلی آنکھوں سے خلاؤں میں گھور رہا ہو۔ اس کا کہنا چاہا جو آواز میں اپنا نام لے کر خود کو پکار رہا ہے۔ بولنے مسلسل کر رہی تھی۔ بڑی آہستگی سے اس نے اپنے ہونٹ سے تھوڑی سی بات بنا دی۔"

Scanned by CamScanner

اردو زبان کے حوالے سے تین اہم کتابیں

Urdu has been fortunate the way it has been served by some sincere and selfless souls furing its formative years. They contributed wholeheartedly in its growth and development. Among them we find one man Syed Roohul Amin who bore the standard and produced three books in this context. i. Urdu hai jis ka naam, ii. Urdu aik naam mohabbat ka and iii. Urdu as medium of instruction. These have been discussed here.

اردو زبان کو اپنے آغاز ہی سے ایسے بے لوث اور صاحب اخلاص لوگ میسر آتے رہے ہیں جنھوں نے اس کی نگہداشت، پرداخت اور وسعت و ترقی کے لیے خود کو قربان سے صرف کیا اور اسے سنوارنے اور نکھارنے کے لیے اپنی بساط سے بڑھ کر سعی کی۔ اردو کے ان خدمت گزاروں میں بڑے بڑے نام شامل ہیں جن کا احوال اہلِ دل جانتے ہیں۔ انہی صاحبان فکر و نظر کی مساعی جمیلہ کا فیضان ہے کہ آج اردو زبان دنیا کی عظیم و قابل ذکر زبانوں میں ایک نمایاں مقام رکھتی ہے اور اسے نیچا دکھانے والوں کی تمام کوششوں کے باوجود یہ ترقی کی راہ پر گامزن اور اپنے اہداف کی طرف سرگرم سفر ہے۔ ہر طرح کا علمی و ادبی سرمایہ اب اس زبان میں موجود ہے اور اہل فن ہر نوع کی اصناف میں

Scanned by CamScanner

[illegible]

Scanned by CamScanner

اردو کے لیے اس قدر تشویش ناک ہے کہ اگر اس کا نوٹس نہ لیا گیا تو مستقبل میں اردو زبان کی بقا کا مسئلہ پیدا ہو جائے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ملک میں اس کے بولنے پر بھی پابندی عائد کر دی جائے۔

یہ معاملہ ایسا ہے کہ اسے محض سرسری طور پر دیکھ کر ایک طرف نہیں ڈالا جا سکتا۔ اردو زبان ہماری قومی ثقافت اور پاکستانیت کی علامت ہے۔ اگر ہم اسے دوسرے یا تیسرے درجے کی زبان بنانے پر تلے بیٹھے ہیں تو نہ صرف اپنی قومی ثقافت سے ہاتھ دھونے کا خطرہ مول لے رہے ہیں بلکہ "پہلے پاکستان" کا نعرہ لگا کر خود کو فریب دینے کی کوشش بھی کر رہے ہیں۔ ہمارے ارباب حکومت کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اگر پہلے پاکستان ہے تو پھر پہلے اردو زبان بھی ہے۔ پاکستان ہماری شناخت ہے تو اردو زبان پاکستان کی شناخت ہے۔ اس سے بے اعتنائی کرکے اور انگریزی کو اپنے سر پر سوار کرکے ہم کہاں کے پاکستانی ہیں اور ہماری شناخت کیا ہے؟

حال ہی میں ایک صاحب دل نوجوان اور اردو زبان سے محبت کرنے والے قلم کار سید امین الامین نے اس مسئلے کی گھمبیرتا میں اپنی آواز بلند کی ہے کہ وہ جہاں زبان اردو کی اس روایت کو نئے سرے سے زندہ کریں گے جو اہل اردو کی خوابیدگی کے سبب معمول وقفہ ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے انہوں نے تحریک نفاذ اردو پاکستان کے نام سے اردو زبان کو اس کا اصل اور جائز مقام دلانے کے لیے اپنی جدوجہد کا آغاز کیا ہے۔ سید امین الامین ایک متحرک اور فعال نوجوان ہیں۔ اردو زبان سے محبت اور والہانہ وابستگی اور مقصد کی لگن انہیں گجرات سے اٹھا کر لاہور، کراچی اور ملتان جیسے بڑے ادبی مراکز تک لے آئی۔ جہاں انہوں نے ادیبوں، دانشوروں اور اہل قلم سے رابطہ کرکے ان کے سامنے اردو کا مقدمہ پیش کیا اور تعاون کے خواستگار ہوئے۔ مقام شکر ہے کہ اردو زبان و ادب کے اکابرین نے انہیں مایوس نہیں کیا۔ وہ نہ صرف ان سے تعاون پر آمادہ ہوئے

بلکہ ان کی بہت حوصلہ افزائی بھی کی۔

سید روح الامین دو سال قبل اس اہم کام کا آغاز کر چکے تھے جب اردو کے حوالے سے ان کی پہلی کتاب "اردو ہے جس کا نام" منظر عام پر آئی۔ جس میں انہوں نے بانی پاکستان حضرت قائداعظم کا یہ اقتباس درج کیا ہے:

"میں آپ کو صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ پورے ملک کی صرف ایک ہی زبان ہو سکتی ہے۔ چنانچہ یہ زبان اردو کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتی۔" (ڈھاکہ میں خطاب ۲۱ مارچ ۱۹۴۸ء)

اس کتاب میں اردو زبان کی تاریخی و تہذیبی اہمیت، بحیثیت قومی و سرکاری زبان، پاکستانی تہذیب و ثقافت کی ترجمان، تخلیق اور بطور ذریعہ تعلیم اس کے کردار کے حوالے سے ۵۰ اہم اہل قلم کے اردو زبان پر مضامین جمع کیے گئے ہیں۔ کتاب میں شامل تمام مضامین کا مرکزی محور یہ نکتہ ہے کہ پاکستان کی بقا اور سلامتی اردو زبان سے وابستہ ہے لہٰذا یہاں اردو کے علاوہ کوئی دوسری زبان قبول نہیں کی جا سکتی۔ نامور محقق، نقاد اور مقتدرہ قومی زبان کے سابق صدر نشین ڈاکٹر وحید قریشی اس کتاب کو سید روح الامین کی حب الوطنی اور علم دوستی کا واضح ثبوت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آئین پاکستان میں ۱۹۸۸ء میں اردو کو نافذ العمل ہونا تھا۔ ابھی تک اس شق پر عمل نہیں ہوا۔ اس آئینی خلاف ورزی کا کوئی نہ کوئی علاج ہونا چاہیے۔ موجودہ حکومت سے ہم توقع رکھتے ہیں کہ وہ آئین کی پاسداری کرتے ہوئے اردو کو اس کا جائز مقام دلانے میں مناسب اقدامات کرے۔"

مقتدرہ قومی زبان کے موجودہ صدر نشین پروفیسر فتح محمد ملک اس کتاب کے بارے میں رقم طراز ہیں:

Scanned by CamScanner

"اردو ہم پاکستانیوں کے لئے صرف اتحاد و اتفاق اور رابطہ عوام ہی
کی زبان نہیں ہے بلکہ ہماری قومی ملی امنگوں کی ترجمان اور ہماری
تہذیب اور تاریخ کی امین ہے جو عہد اور نسل در نسل ترسیل کا موثر وسیلہ
بھی ہے ... سینکڑوں محاورے اور ضرب الامثال اردو زبان کے
ساتھ ساتھ ہماری قومی تاریخ کے ان مٹ واقعات کو بھی نسل در نسل
زندگی بخشتے چلے آ رہے ہیں۔"

پروفیسر فتح ملک اپنی اس تحریر میں سید روح الامین کو قوم پرست دانشور کا نام دیتے ہوئے ان کی اس کتاب کو زبان و ادب کے ساتھ ساتھ قومی تاریخ و تہذیب کی خدمت قرار دیتے ہیں۔

"اردو ہے جس کا نام" کو مرتب کرتے ہوئے سید روح الامین اردو زبان کے بے وقعتی کے احساس سے مغلوب نظر آتے ہیں۔ وہ بڑے دکھ سے یہ بات کہتے ہیں کہ:

"وطن عزیز کو وجود میں آتے ہوئے نصف صدی سے زائد کا عرصہ
گزر چکا ہے لیکن ہم ابھی تک اپنی قومی زبان اردو کو فروغ نہیں
دے سکے۔ بلکہ ایک غیر ملکی زبان کے سحر میں گرفتار ہیں۔ ہمارے
دل میں اپنی کسی روایت سے وابستگی اور اپنی میراث کے کسی حصہ
سے لگاؤ کا شائبہ بھی نہیں رہا۔ ہمارے اس احساس کمتری کا حال یہ
ہے کہ ہمارے مکانوں، گلیوں، راستوں، اداروں، دکانوں حتیٰ کہ
روزمرہ کے استعمال کی اشیاء تک کے نام غیر ملکی ہیں۔ ہم نے بانی
پاکستان حضرت قائد اعظم محمد علی جناح کے دیگر فرامین کی طرح اس
فرمان کو بھی طاق نسیاں پر رکھ دیا ہے کہ: "میں آپ کو صاف صاف
بتادوں کہ پاکستان کی سرکاری زبان اردو ہوگی اور کوئی دوسری

Scanned by CamScanner

ہیں۔ یہ ناول آپ کو ضرور پڑھنا چاہئے۔ یہ دور حقیقت پاکستان کا

ناول ہے۔

اس کتاب کے آخر میں یہ روحانی انکشاف ہے کہ ہم مغربوں کو [illegible]
[illegible] ثقافت کو قائم رکھنا چاہتے ہیں اور دنیا کی زندہ اور باشعور قوموں
[illegible] کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں دنیا کی دوسری باشعور قوموں کی طرح اپنی
[illegible] اپنی قومی زبان اردو کو گلے لگانا ہوگا کیونکہ اسی میں ہماری
بقا اور ترقی ہے۔

اردو زبان سے اپنے اخلاص اور محبت کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے [illegible]
[illegible] اپنی دوسری کتاب [illegible] میں بھی [illegible]
اس کتاب میں بھی انہوں نے [illegible] کے ساتھ اردو زبان سے بے اعتنائی
کے نتیجے میں تہذیب و ثقافت کے زوال کا ذکر کیا ہے

"آج ہم ایک ایسی غیر ملکی زبان کو [illegible] کر اپنی ثقافت کو اپنے ہی ہاتھوں
سے مٹا رہے ہیں۔ وہ ثقافت جس کی گود میں ہماری قومیت کی تعمیر
ہوئی تھی۔ وقت تو یہ ہے کہ اپنی ثقافت کو مٹتے ہوئے
دیکھ کر بھی نہ ہماری آنکھوں میں آنسو ہیں، نہ دلوں میں
درد۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مغربی تہذیب اور انگریزی کی اندھا دھند
تقلید کی وجہ سے ہمارے دل زنگ آلود ہو گئے ہیں کہ ہم اپنا
بھلا برا تمیز کرنے کی قوت سے محروم ہو چکے ہیں۔"

اس کتاب میں [illegible] کے چند [illegible] نے [illegible] ڈاکٹر فرمان فتح پوری
[illegible] ڈاکٹر فرمان فتح پوری [illegible]
[illegible] کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"سید روح الامین صاحب اردو زبان و ادب کی اعلیٰ و ارفع خدمت کے لیے مبارک باد کے مستحق ہیں۔ وہ اس سے قبل بھی [illegible] اردو کی ترقی و ترویج اور مسائل کے حوالوں سے [illegible] بہت ہی اہم مسائل سے پردہ اٹھا چکے ہیں۔ میں ان کی اس جذبے اور خدمت کو قدر اور رشک کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور اردو والوں سے بھی گزارش کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب کے مندرجات میں [illegible] نظر اور خصوصاً صاحب قلم کی دل سوزی [illegible] کو پیش نظر رکھیں اور اپنی قومی زبان کی اہمیت کو پہچانیں۔"

ڈاکٹر محمد صدیقی اس کتاب کی تحسین ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"اس مجموعہ مضامین میں جس کی تدوین بہت محنت سے کی گئی ہے اور جس کا نام بھی اردو [illegible] ایک نام محبت کا" رکھا گیا ہے، اردو اور انگریزی کے تعلق سے اور سرکاری زبان کی حیثیت سے اردو کے نفاذ سے متعلق بہت جامع اور ٹھوس تحریریں شامل ہیں۔ ان کا لب لباب یہ ہے کہ اردو زبان کے رائج ہوتے ہوئے اس زبان سے صرف نظر کرنا صرف ایک ادبی ہی نہیں بلکہ بہت بڑا قومی نقصان ہے۔"

حال ہی میں سید روح الامین کی تیسری کتاب "اردو بطور ذریعہ تعلیم" منظر عام پر آئی ہے۔ اس کتاب میں مولوی عبدالحق، ڈاکٹر صلاح الدین، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر محمد صادق، ڈاکٹر [illegible] رحمان، پروفیسر [illegible]، پروفیسر [illegible]، ڈاکٹر سلیم اختر، ڈاکٹر [illegible] اور دیگر اہل قلم اور دانشوروں کے تحقیقی مضامین شامل کیے گئے ہیں۔ ان سب مضامین کا بنیادی نقطہ یہی ہے کہ اردو زبان ہر اعتبار سے اس لائق ہے کہ اس میں سائنسی مضامین [illegible]

مہارتوں کی تدریس ہو سکتی ہے۔ مثلاً کتاب کے پیش لفظ میں وائس چانسلر [illegible] لکھتے ہیں

"وہ قومیں جو تعلیم کے لیے کسی غیر ملکی زبان کو ذریعہ تعلیم استعمال کرتی ہیں ہمیشہ گھاٹے میں رہتی ہیں۔ آپ ساری دنیا کے کسی ایک ملک کا نام نہیں لے سکتے جہاں ذریعہ تعلیم کوئی غیر زبان ہو اور وہاں شرح خواندگی سو فیصد ہو۔ اس طرح آپ کسی ایک ملک کا نام بھی نہیں بتا سکتے جہاں ذریعہ تعلیم کوئی غیر زبان ہو اور وہ ملک حقیقی معنوں میں ترقی کر کے دنیا کے صف اول کے ممالک میں شامل ہو گیا ہو۔"

ڈاکٹر محمد علی صدیقی اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کے سلسلے میں ایک اور اہم پہلو پر غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں۔

"اگر اردو کو ذریعہ تعلیم بنانا مقصود ہے تو خلوص دل و دماغ سے غور کیا جائے کہ کیا ہمارے ملک میں اردو کی معیاری تدریس ہو رہی ہے؟ کیا مستقبل قریب میں اس تدریس کے لیے درکار Skills مہیا کرنے کے لیے ہماری قوم سنجیدہ ہے؟ میرا خیال ہے کہ اردو کو سرکاری زبان بنانے کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ خود اردو زبان کو ایک ترقی یافتہ اور متمول زبان بنانے کے لیے درکار کوششیں اور مالی وسائل مہیا کرنا اور سب سے زیادہ وہ اساتذہ جو نسل کے پہلے کے اساتذہ کی طرح اردو پر دسترس رکھتے ہوں اور اردو کے ساتھ اردو میں کمال استعداد کے لیے درکار فارسی زبان پر قدرت رکھتے ہوں۔"

یہ پہلو ایسا ہے جس کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ ہمیں اس وقت اردو زبان [illegible]

Scanned by CamScanner

[illegible] اور [illegible] کے لیے [illegible] ہیں جو علم کی [illegible] نہیں اور
[illegible] اور [illegible] لوگ [illegible] کے [illegible] نہیں اور اس
کی [illegible] ہے۔

اس کتاب میں [illegible] مضمون کا مطالعہ ہے کہ اس میں جو لکھنے والے کے
[illegible] ہیں۔ [illegible] کے مضمون سے یہ اقتباس دیکھیے:

"مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ ہم جب کسی
پاکستانی سے اردو میں بات کرتے ہیں تو وہ جواب انگریزی میں
دیتے ہیں۔ یہ افسوسناک ہے کہ جو لوگ اپنی قومی زبان کے استعمال
سے شرماتے ہیں ان میں قومی غیرت کا احساس نہیں۔ وہ اپنے قائد اعظم
کی توہین کرتے ہیں۔ وہ اپنے اسلاف کی اور خاص کر ان بزرگوں
کی توہین کرتے ہیں جنہوں نے اپنی جانیں، اخلاق اور [illegible]
مسائل سے اس زبان کو عروج تک پہنچایا۔ وہ ساری قوم کی توہین
کرتے ہیں۔"

ڈاکٹر [illegible] کے مضمون سے درج ذیل اقتباس ملاحظہ ہو:

"جو قومیں اپنی زبان سے کام نہیں لیتیں وہ کبھی بھی کارنامے
سر انجام نہیں دے سکتیں [illegible] نقل کرنے
والوں میں کبھی حس پیدا نہیں ہوتی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ حس کو
زندگی نہیں ملتی۔ تمام ایسے ممالک جہاں اپنی زبان کو کم استعمال
نہیں کیا جاتا [illegible] کی ایسی حالت پائی جاتی ہے کہ دماغ بھی ترقی
نہیں کرتے بلکہ دماغوں کی ترقی بند ہو جاتی ہے۔ وہ ایسے درختوں
کی طرح ہوتے ہیں کہ جنہیں نہ دھوپ ملے نہ ہوا جو ٹھٹھر کر رہ

Scanned by CamScanner

جاتے تھے۔

چودھری اسد اللہ اپنے مضمون ''اردو میں سائنسی علوم کی تعلیم'' میں لکھتے ہیں

''اردو زبان میں کافی وسعت اور لچک ہے یہاں تک کہ اس میں

سائنسی لکھنے کے بعد میں وثوق سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس زبان میں

ہر علم اور ہر موضوع ادا کرنے کی صلاحیت ہے اور اظہار کی وسعت ہے۔

جو لوگ اردو پر اعتراض کرتے ہیں اور اسے کم مایہ خیال کرتے

ہیں، انھوں نے کبھی اردو میں لکھنے کی تکلیف گوارا نہیں کی۔ وہ اور

انگریزی زبان کے چکر میں اس طرح گرفتار ہیں کہ ان کو اپنی

سے ولی پوری زبان اور لوگوں کے لیے ناممکن ہو گیا ہے۔''

ڈاکٹر محمد اکرم نے مضمون کی یہ سطور درج کی ہیں

''پھر بھی یہ دوسروں کے حساب کو بھی کبھی زبان میں پڑھنے والے

سے آپ پوچھتے ہیں کہ کس طرح ان کی پیدائش کرتے ہیں

اسے یہ معلوم کرنا کوئی فائدہ سے نہیں تو یہ عقل کے مطابق

کے دوران صرف انگریزی پڑھنے والے طالب علم ہوتا ہے کہ

اردو زبان کو تحقیق اور تعلیم اور ترقی کا ذریعہ ہے۔ آپ اردو میڈیم

غریب طبقے کے بچوں کے لیے اور انگلش میڈیم امرا اور خواص کے

بچوں کے لیے مخصوص ہو کر رہ گئے۔ یہ جس طبقاتی دوئی کو جنم

دیتا ہے وہ وحشت ناک ہے تبھی اردو حساب گھر رہا ہے۔''

ڈاکٹر انور احمد اپنے مضمون میں رقم طراز ہیں

''میں جو اردو کی ترقی پر حکومتوں سے مایوس ہوں اس میں ایک

بات یہ بھی ہے کہ ہم نے انگریزی میڈیم میں اردو کے طالب

طلبوں کو اردو پڑھانے اور اس بات کو مکمل وضاحت سے کرنے میں صرف ہے کہ آپ کس طرح اپنی قوم کے احساس پر فخر کرتے ہیں اور اس سلسلے میں اپنی زبان کو سب سے اہم ذریعہ اظہار خیال کرتے ہیں۔ اپنی دانست میں میں امید پرست بھی ہوں مگر اس مضمون میں میرا لب و لہجہ یاسیت بھرا ہے کیونکہ مجھے اب امید نہیں کہ اصلی قدروں کے لیے پاکستان میں اردو ذریعہ تعلیم بن سکے گی۔"

ڈاکٹر تنویر احمد کی یاسیت بے سبب نہیں ہے۔ ہم نے اس مضمون کے آغاز میں جس صورت حال کی طرف اشارہ کیا تھا اس کا درد ناک پہلو یہی ہے۔ اردو سے محبت کرنے والا ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر اس [illegible] ہوتے ہوئے دیکھ رہا ہے اور اپنی بساط کے مطابق اسے محسوس کر رہا ہے۔ سید [illegible] نے اس خطرے کو جس آن دیکھا ہے وہ لکھتے ہیں کہ اس میں ان کے جذبے کی صحت اور احساس کی آگہی پھر زیادہ روشن ہے۔ انہوں نے اردو کے حق میں اوپر تلے تین کتابیں لکھ کر اردو تحریک نفاذ اردو پاکستان کا اول اول کر جس کام کا آغاز کیا ہے۔ اس کے لیے بہت پہلے مولوی عبدالحق، ڈاکٹر صلاح الدین احمد اور ڈاکٹر سید عبداللہ جیسے لوگ اپنا خون جگر صرف کر چکے ہیں۔ سید [illegible] نے ان اکابرین کی اس عظیم روایت کو آگے بڑھانے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اللہ انہیں ہمت اور استقامت بخشے اور ان رکاوٹوں اور شدائد کا مقابلہ کرنے کی ہمت بخشے جو کوہ ہمالیہ کی طرح ان کے راستے میں کھڑے ہیں۔

Scanned by CamScanner

نام میں کیا رکھا ہے

Naam Mein Kia Rakha Hay - This is the title of Salim Agha's *Inshaias* or light essays. Salim Agha provides a study of giving light touch some of the serious topics of our world. It is a challenging task and the article attempts an analysis how the writer approaches his themes and does justice to his work.

"صحرا پکارا" دراصل آغا کا ایک خوب صورت انشائیہ ہے جو ان کے دوسرے انشائی مجموعہ "چاند سے باتیں" مطبوعہ ۱۹۹۰ء میں شامل ہے۔ اس انشائیے کے آغاز میں آغا صاحب لکھتے ہیں "گاؤں میں ایک طویل عرصے کے بعد واپس آیا تو مجھ کو یہ لگا کہ ہر چیز مجھ سے چھٹ گئی ہو اپنی قوم کی زبان اور بچے لے ہوئے ساحل کے ساتھ لگتے ہیں کہ ان کی اداسی نے مجھ کو گھیر لیا ہے۔" سلیم آغا اردو کے سامنے آئے۔ سلیم آغا قزلباش کی حیثیت سے اردو ادب میں ایک ممتاز و منفرد مقام رکھتا ہے وہ ایک وقت محقق، نقاد، شاعر، افسانہ نویس، انشائیہ نگار اور مترجم ہے۔ وہ ڈاکٹر وزیر آغا کی طرح صاحب طرز ادیب ہیں۔ ان کے افسانوں کے دو مجموعے "آنکھ کی تتلی" اور "صبح ہونے تک" ۱۹۹۲ء اور ۱۹۹۵ء میں بالترتیب شائع ہوئے اور انشائیوں کے دو مجموعے "سرگوشیاں" اور "آدمی اور آدمی" ۱۹۹۰ء اور ۱۹۹۸ء میں بالترتیب زیور طبع سے آراستہ ہوئے۔ (۲۸) "اردو افسانے کے رجحانات" ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا۔ اس موضوع پر انھیں پنجاب یونیورسٹی

سے واقفیت کی سند اعتبار عطا ہوئی۔ انھوں نے مغرب کے چند منتخب انشائیوں کے نہایت خوب صورت اردو ترجمے کیے جو "مغرب کے انشائیے" کے نام سے ۱۹۸۹ء میں اشاعت پذیر ہوئے۔ نثری نظموں کے دو مجموعے "زخموں کے پھول" ۱۹۹۸ء میں اور "[illegible]" ۲۰۰۰ء میں منصۂ شہود پر آئے۔ وہ بڑی دلچسپی کے ساتھ جہانِ علم و ادب کی منازل طے کرتے چلے جا رہے ہیں۔ "نام میں کیا رکھا ہے" ان کے خوب صورت انشائیوں کا تیسرا دلچسپ مجموعہ ہے جو ۲۰۰۰ء میں سالِ نو کے ساتھ آسمانِ ادب پر طلوع ہوا۔ اس کتاب کو انھوں نے اردو کے نئے انشائیے کے پیش رو ڈاکٹر رشید امجد کے نام معنون کر کے انشائیہ نگاری اور ادب دوستی کا ثبوت دیا۔

اس مجموعے کا دیباچہ معروف انشائیہ نگار منور عثمانی نے تحریر کیا ہے۔ دیباچہ نگار انگریزی ادبیات میں سلیم آغا کے اسلوب پر روشنی ڈالتے ہوئے وہ کہتے ہیں "سلیم آغا اپنے خیالات، جذبات، احساسات اور مشاہدات کے اظہار کے لیے بے حد سادہ لیکن دلچسپ اسلوب اختیار کرتے ہیں۔ کسی قسم کی ادبی آرائش، لسانی و اسلوبی جملہ تراشی، عالمانہ رعب داب اور معنوی ادعائیت ان کی تحریر میں کہیں نہیں" ان کے اسلوب پر گفتگو کرتے ہوئے شمیم احمد قلم طراز ہیں۔ "سادگی ان کے انشائیے کی خاص پہچان ہے۔ وہ ایک ہی جملے میں بڑی سے بڑی بات کہہ جاتے ہیں اور قاری کو انگشت بدنداں چھوڑ کر بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔" ڈاکٹر رشید امجد نے اس کتاب پر بڑا فکر انگیز فلیپ لکھا ہے۔ انشائیہ کے حوالے سے میں اور سلیم آغا قزلباش کی دلچسپ فکر پر روشنی ڈالتے ہوئے وہ کہتے ہیں: "انشائیہ آج کا سب سے زیادہ موثر ذریعہ اظہار ہے، بلکہ یہ کہا جائے کہ انشائیہ مستقبل میں اظہار کا سب سے اہم ذریعہ ہوگا تو کچھ غلط بھی نہیں ہوگا۔ سلیم آغا قزلباش کے انشائیے میں سوچ اور فکر کے نئے افق طلوع ہوتے ہیں۔ ایسے انشائیہ نگار کے ہاں" ذہن کا متحرک ہونا ضروری ہے اور یہ کہ اس کی شخصیت میں وسعت، گہرائی اور دانائی

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

[illegible] ہیں۔

[illegible]

[illegible] (Mark Twain) کے انشائیے "مردود

نسل انسانی" (Damned Human Race) کی یاد دلاتا ہے۔ مارک ٹوین نے اس

انشائیے میں [illegible] کرتے ہوئے انسان کو گھٹیا جانور سے بھی

[illegible] قرار دیا ہے۔ اس نے انسان کی اس فطرت کو بے نقاب کیا ہے جس میں

[illegible] چوری، غارت گری، ہوس اقتدار، ہوس زر اور جنس

[illegible] نمایاں ہوتے ہیں۔ اس انشائیے میں مارک ٹوین نے [illegible]

(Cynical) [illegible] انسان کی اعلیٰ اقدار سے مکمل طور پر چشم پوشی کی ہے۔

[illegible] میں [illegible] نے بھی انسان اور [illegible] کے قدیم رشتے کے حوالے

[illegible] حالات میں انھیں بڑی فن کاری کے ساتھ واضح

[illegible] مارک ٹوین کے ہاں ہے۔ [illegible]

[illegible] کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے۔ جو زمین میں مل جانے کا [illegible]
انسان زیر زمین رنگیں ماحول میں رہنا پسند کرتا ہے۔ علم آگاہ نے بڑی جرأت مندی سے
چھپے ہوئے انسان کے اخلاقی شعور کی نشاندہی کی ہے۔ "آنسو بہانا" میں انہوں نے
آنسوؤں کی اس کیفیت کو بیان کیا ہے جو [illegible] آتی ہے۔ اب لوگ وقت بے وقت آنسو بہاتے
ہیں۔ یہ آنسو مگرمچھ کے بھی ہو سکتے ہیں اور حقیقی بھی۔ یہ آنسو لوگوں کی جیب سے رقم
نکالنے کے لیے بھی ہو سکتے ہیں اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے بھی۔ [illegible]
[illegible] کے ساتھ انسان کے آنسو بہانے کے رنگ و ڈھنگ کو
زیر بحث لاتے ہیں۔ "گردن" میں گردن سے متعلق مختلف محاوروں اور علامتوں کو مزاحیہ
انداز سے پیش کیا ہے۔

"گردن بوجھ اٹھانے یا جھکانے کے کام آتی ہے۔ مگر کچھ لوگوں کی گردن اس حد تک اکڑ جاتی ہے کہ فقط گردن توڑ بخار ہی اسے ڈھیلی کر سکتا ہے۔"

"عاشقوں کی ساری تاریخ بھی دراصل گردن زدنی کی تاریخ قرار دیے جانے کے لائق ہے۔"

"[illegible] چاہے وہ [illegible] میں ہوں یا پائندہ آہنگ کے ساتھ دراصل ایک دوسرے کی گردن توڑنے کی دبی ہوئی خواہش ہی کو ظاہر کرتے ہیں۔"

"مگر یہ بات بڑی عجیب لگتی ہے کہ عورت صرف شب عروسی ہی میں لجاجت سے گردن جھکاتی ہے اور پھر عمر بھر شوہر کی گردن جھکائے رکھتی ہے۔"

علاوہ ازیں انہوں نے گردن اور گردن زدنی سے لے کر گردن اٹھا کر یا جھکا کر چلنے کے

Scanned by CamScanner

[illegible] ہے۔

[illegible] میں سلیم آغا کی [illegible] چاندنی کے عروج و [illegible] سے
[illegible] "غسل اور غسل خانے" میں انہوں نے غسل اور غسل
[illegible] کی جمالیات کا اہم
[illegible] صورت حال ہے۔ غسل کرنے کا
[illegible] غسل خانے میں ہمہ تن مصروف
[illegible] ہے" غسل اور غسل خانے دیکھے
[illegible] علامت ہیں اور انسان کے اندر توانائی اور تخلیقی
[illegible] انسان کے اس پہلو [illegible] انہوں نے تہذیب اور
[illegible] کے ساتھ نمایاں کیا ہے۔" ہجوم میں کیا
[illegible] "خوف کے پتے" میں خوف کے نفسیاتی عوامل کو
[illegible] میں شریف آدمی کی حالت زار کا نقشہ کھینچا ہے۔" کہانی"
[illegible] زندگی کے بہت سے تضادات ہمارے سامنے لائے
[illegible] میں انہوں نے کہانی کے حوالے سے لوگوں کی بالعموم اور خواتین
[illegible] بیان کیا ہے اور کہانی کو مختلف فیصلوں کے حوالے
[illegible] "کہانی کے سات رنگ" میں تو انہوں نے [illegible] کہانی کی بڑی
[illegible] کہانی سے لے کر [illegible] کی کہانی تک کا بڑی باریک بینی
[illegible] وہ جس موضوع کو چھوتے ہیں" خیالات لطیف کی
[illegible] گلکاریاں [illegible] نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ "سلیم آغا قزلباش
[illegible] کہانیوں کے قافلہ سالار ہیں۔"

سجاد شیخ کا ترجمہ
استاد یوسف ظفر (۱۹۱۹ء-۱۹۷۲ء) کی شاعری کا

The small article attempts at explaning the function of translation as an educational activity: transferring the literary content of one language into another. The poet whose poetry has been translated is also briefly discussed.

تعلیم کی بنیادی اور مستند تعریف یوں کی گئی ہے کہ یہ ایک عمل ہے جس کے ذریعے ایک قبیلہ اپنے علم، عقائد اور روایات آنے والی نسل تک منتقل کرتا ہے۔ بعینہٖ ادب میں ترجمہ کرنا بھی ایک بنیادی عمل ہے۔ جس کے ذریعے ایک زبان اور ثقافت کے حامل شخص اپنے ادب، علم، شعور اور ثقافت کے حامل لوگوں تک پہنچاتا ہے۔

اسی لیے بیسویں صدی کے عظیم اور فلسفہ دان برٹرینڈ رسل نے جا بجا ان مسلمان صاحب علم لوگوں کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ جن کے تراجم کے ذریعے قدیم یونانی فلسفہ عربی زبان کی وساطت سے مغرب تک پہنچا۔ یہ یورپ والوں کے لیے ایک بڑا سرمایہ ثابت ہوا کہ علم ہو گیا۔ زمین جسے چپٹا قرار دے دیا گیا تھا گول ہو گئی اور سورج جو چاروں طرف گھومتا تھا اپنی جگہ قائم ہو گیا اور زمین اس کے گرد چکر لگانے لگی۔ لوگوں کے ذہن کھل گئے۔ اس روایات اور عقائد کے در وا ہو گئے۔

Scanned by CamScanner

[illegible]

... لکھا ہے غالب سے اکبر، محبت کا اور عقیدت کا۔ پھر یہ بھی دیکھنا کہ ... ہوتا ہے۔ غالب کو انگریزی میں ترجمہ کرنے کا۔ یہ سب ممکن ہے اگر ... شاعر ہے اور ان کا ترجمہ کیسے کریں گے۔ جب ... تو کہیں گے کہ مترجم کا کمال یہ ہے کہ اگر شاعری ... انگریزی ہوتی تو وہ اس طرح کہتا۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ غالب کی مادری زبان ... اس نے اس میں اپنا کمال دکھایا لیکن رالف رسل صاحب کی زبان انگریزی ... وہ یہاں مشکل میں پھنس گے۔

تو جناب اگر ہم غالب کے ساتھ گستاخی نہیں کر سکتے تو قرآن و حدیث کے ... کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لیکن معاملہ زبان کا ہے زبان کا خیال رکھنا ... ضروری ہے۔ سورہ رحمان کی ابتدا میں یہ آیت ہے۔

Scanned by CamScanner

"كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ"

جناب شاہ عبدالقادر دہلوی نے اس کا ترجمہ کیا۔

"ہر دن اسے ایک دھندا ہے۔"

اور جب لفظ دھندا کو دیکھا تو آنے والے مترجمین نے کہا۔

"وہ ہر وقت مصروف رہتا ہے"

اور پھر جناب مارماڈیوک پکتھال نے انگریزی میں ترجمہ یوں کیا۔

Every day he exerciseth (universal) power

علامہ اقبال نے اس آیت کو اپنے خاص انداز میں بیان کیا۔ فرماتے ہیں۔

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید　　کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

مولانا شاہ رفیع الدین محدث دہلوی نے عربی کے لفظ شان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ترجمہ کیا کہ

"ہر روز وہ بیچ ایک شان کے ہے"

حالانکہ اس ترجمے میں تصرف کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ لفظ شان میں مصروفیت کے کچھ معنی ہیں مگر شان کے اصل معنی تو ایک خاص کیفیت کے ہیں۔

جناب شبیر احمد عثمانی نے بھی لفظ شان کو اسی شکل میں ترجیح دی ہے۔

ترجمے کے عمل کو اور اس کی مشکلات کو سمجھنے کے لیے ایک آیت کی مثال ہی کافی ہے۔

ہماری آج کی کتاب جناب یوسف ظفر کی شاعری کا انتخاب ہے جس کا ترجمہ انگریزی زبان میں جناب ... نے کیا ہے۔ عجیب، سادہ و رنگین ہے داستان ظفر۔ خیال آتا ہے کہ یوسف ظفر اپنی دیگر مصروفیات کے ساتھ اپنی زندگی کی داستان بھی لکھ جاتے تو ہم ... خاص ... معمولی ... سے ... اور ... کی ... ریڈیو پاکستان کی ملازمت۔ کسی کو اندازہ بھی ...

Scanned by CamScanner

کر روشناس کرانے والا ادیب کن کٹھن مراحل سے گزر کر یہاں تک پہنچا۔ میں انہیں اس زمانے سے جانتا تھا جب ان کے دوست احباب، افسر اور واقف سب انہیں استاد یوسف ظفر کہتے تھے۔ ۱۹۸۰ء کے آغاز میں وہ میری والدہ کی تعزیت کے لیے میرے غریب خانے میں تشریف لائے۔ وہاں سے لے کر یادِ وطن کی باتیں کرتے رہے۔ کشمیر کے بارے میں معلوم نہیں تھا کہ وہ اور ان کے قریب ترین دوست محمود ہاشمی کا واقعی پرداشت کرنے کی خواہش میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ ہم انہیں ایک نہایت مخلص اور محقق ادیب کی حیثیت سے جانتے تھے۔ جس کی شہرت یہ تھی کہ وہ تن تنہا قلم کا ہتھیار سنبھالے تحریک چلا رہا ہے۔ اس یقین کے ساتھ کہ کشمیر بہت جلد بھارتی قبضے سے آزاد ہو جائے گا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم ان شاعرانہ حیثیت سے مکمل طور پر واقف نہیں تھے۔

جناب ... ایک مرتبہ پھر یاد آنے لگے ہیں۔ اس سے پہلے انہوں نے جناب محمود ہاشمی کے کلام کا انتخاب اپنے ترتیب کے لیے کیا اور اس عمل کے دوران ایک ایسے ادیب سے واقف کروایا جو ہماری نظروں سے اوجھل رہا۔

استاد یوسف ظفر شاعر ہونے کے علاوہ شعر شناس شخصیت تھے۔ فراق گورکھپوری نے بھی اپنے کلام کے انتخاب کے لیے انہیں کہا اور جب یوسف ظفر نے کچھ اشعار کو قابلِ تحسین کہا تو فراق نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور یوسف ظفر نے جب اپنے دیباچے میں فراق کو ... سے بڑا شاعر قرار دیا تو وہ پھر بھی خاموش رہے۔ مترجم، ڈرامہ نگار اور شاعر یوسف ظفر ایک مخصوص حلقہ احباب میں شامل تھے۔ جس میں باقی صدیقی، قیوم نظر، ممتاز مفتی، تابش صدیقی اور ضیا جالندھری، نصرت جیسے لوگ تھے۔ اگر حلقہ اربابِ ذوق ایک تحریک تھی تو وہ اس کے محرک تھے۔ کسی بھی سیاسی یا نظریاتی پابندیوں سے آزاد یوسف ظفر زندگی کے آخری ادوار میں مذہب کی طرف راغب ہو گئے تھے اور پھر تصوف کی جانب مائل ہو گئے۔ بزرگ صوفیا کی خدمت میں رہتے اور مزاروں پر حاضری دیتے۔ عشق

[illegible] تصوف اور [illegible] ان کی شاعری کا خاص موضوع تھے [illegible]

[illegible]

جس کو اپنا درد و غم ہے اس کو ماں سے پیار نہیں ہے

ماں تم میں ہے زندہ پیارے ماں کے زندہ ارمانو!

اس کا دودھ تمہارا خون ہے اس کا پیار تمہاری جان ہے

کسی کا غم جب اپناؤ

کسی کے آنسو اپنے گالوں پہ پاؤ تم

تو یہ جانو ماں زندہ ہے ہاں زندہ ہے

He who loves his own sorrow, loves not his mother

your mother lives and pulsates in you

O'you living aspirations of your mother!

Her milk runs in your blood, her love is your life!

When you own someone's grief,

When you find some one's tears on your cheeks,

Then know your mother is alive!

Yes she is alive!

Scanned by CamScanner

خواہ وہ کسی دور کا ہو۔ سب اہم صفحات کی کتاب ہی اس طرح کے رواں دواں ترجمے
سے بھری ہوئی ہے۔ یہی روانی اور بہاؤ ہی تو ہے جو ترجموں کی کڑیوں میں خوبی پیدا کرتی
ہے کہ بجائے اصل سادہ اور سیدھا ترجمہ ہے جو اس میں کوئی خاص بات نہیں ہے حالانکہ یہ
پہلی نظر میں انہی کے مترادف ہے۔ ساری کتاب کا عنصر ایسا ہی ہے۔ مثال کے
طور پر ملاحظہ فرمائیے۔

اے دل اے دل

یہ دنیا ہے
اس میں لاکھوں تجھ سے بہتر
ٹوٹے دل لاکھوں کے سینوں میں چھپ کر
دھڑ دھڑ کرتے ہیں

O! Heart! my Heart!

This is a wide world

Where millions of hearts

Are better than you

Hearts more grievously injured

but hiding themselves

in millions of chests

They keep beating faster and faster.

اس ترجمے کو دیکھئے کہ ترجمہ کی درستگی اور صحیح مفہوم کی ادائیگی ہی سب سے اہم ہوتی ہے۔
وہ یہ لکھتے ہیں کہ کئی الفاظ اردو میں ایسے ہیں جن کے متبادل انگریزی میں موجود ہی
نہیں ہیں۔ غزل کی بات ہو رہی تھی تو کہنے لگے "یاد میں گریباں دری کرنا"

Scanned by CamScanner

اسی لیے انہوں نے موجودہ کتاب میں [illegible]

[illegible] کے اردو لفظ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ مثلاً "[illegible]" کو [illegible]

[illegible] with Flowers کیا ہے۔ یہاں لفظ Galaxy [illegible]

[illegible] کر رہی ہے۔ [illegible] کی طرف اشارہ کرتے۔ [illegible]

[illegible] آسان ہے۔ کام کرنا بہت مشکل ہے۔ علم کے میدان میں پاکستان [illegible]

[illegible] ہے۔ اس کی منزل نہیں تھی۔ [illegible]

[illegible] آپ کی ملاقات ہوئی [illegible] فرماتے ہیں۔ [illegible]

[illegible] ہوگی ہے [illegible] ہوگی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے [illegible]

[illegible] Workshop ہے۔ اقبال کا [illegible]

[illegible] کام کرتے ہے" اور اگر ہم [illegible]

[illegible] ہے [illegible] پاکستان [illegible] میں آجائے [illegible]

[illegible] کمال کی منزل کی جانب رواں دواں ہوں گے۔

ایک عام آدمی کا خواب

This article is about Rasheed Amjad's collection of short stories with the title "Aik Aam Admi Ka Khab" - The dream of an ordinary person. It is an interior travelogue, searching for the main journey of a character's mind. This leads to the study of the writers's techniques in short story writing.

"ایک عام آدمی کا خواب" میں شامل بیشتر افسانوں کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ افسانے ذہن کے سفر، خواب، تصور، مرگ، حق اور زوال جیسے معاملات کو مرشد کے کرداری حوالے سے واحد متکلم میں اجاگر کرتے ہیں۔ افسانوں کا واحد متکلم زندگی کی تمام کے تجربے میں سے گزرتا ہے اور تمام میں اندھیرے سے اور اجالے کا ٹکراؤ ایک تیسرے زاویے کو ابھارتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں زندگی اور موت کا درمیانی فاصلہ گھٹ جاتا ہے۔ یہ عرفان کا استعارہ بھی ہے اور روحانی انکشافات کا اظہار بھی۔ مرشد دراصل کردار کا inner self ہے کہ اس کے ذریعے مختلف مقامات پر جلوہ گر EXI ہے۔ ان افسانوں کا کردار ایک

ادا سہہ رہا کررہا ہے۔ ایک طرف زندگی اسے اپنی طرف کھینچ رہی ہے اور دوسری طرف موت کو وہ خدا کی صورت اپنی جانب بلا رہی ہے۔ واحد متکلم ان دونوں کی کھینچا تانی میں ڈانواں ڈول ہو رہا ہے۔ زندگی میں اس کی دلچسپی بتدریج معدوم ہوتی جا رہی ہے مگر موت کو بھی وہ پیچھے سے دھکانے کے لیے تیار نہیں ہے۔

افسانوں میں بیوی کا کردار ایک طرح سے زندگی کی کشش اور اس سے جڑے مسائل، تقاضوں، مطالبات اور فرائض کو دوسرا رخ ہے۔ جبکہ مرشد کا کردار نجات، مکتی اور "بڑی بہن" میں لو واضح کرنے کا دوسرا نام ہے۔

"میں اور میرے کردار" میں جو گفتگو کی گئی ہے وہ مصنف کے فن افسانہ نگاری کو سمجھنے میں بڑی معاونت کرتی ہے۔ اس کا مطالعہ کر کے بہت لطف محسوس ہوتا ہے۔

محمد حمید شاہد

فیض کی شاعری اور نیا عصری ہنگامہ

Faiz Ahmad Faiz (1914 -1984) one of the foremost Urdu poets was born in an educated family of Sialkot (Pakistan). He studied philosophy and English literature. For writing poetry that always challenges the ruling class and feudal values, like a rebellious writers Faiz had to go to jail. He was inspired by the Marxist ideology. The article aims to study his poetry in the changed scenario and to identify the areas of relevancy of his poetry under current circumstances. It discuss also that how the poetry of Faiz exhibits a strong sense of commitment to lower-class people even now a days when world is going to be changed sharply. At the end it has been concluded that the poetry of Faiz always maintains a unique beauty nourished by the long, rich tradition of Urdu literature.

یہ ان دنوں کا قصہ ہے کہ گذشتہ صدی اپنی آخری سانسوں پر تھی اور لوگ اسے،
مابعد جدیدیت کے نام سے موسوم کرنے لگے تھے۔ اور اب جب کہ اس صدی

Scanned by CamScanner

کے ابتدائی سال ہم پر بیت رہے ہیں کہنے والے صاف صاف کہنے لگے ہیں کہ معاصر یہ انسان اور انسانی اقدار کی سربلندی کا نہیں، یہ تو وحشت کا زمانہ ہے۔

وحشت کے اس زمانی عرصے میں ہمارے یقین اور ایمان کا سب کچھ وسوسوں کی چھچھوندر لگ گئی ہے۔

ایسے اندھا کر دینے والے زمانے میں یقین کی دولت سے مالا مال اپنے خونِ دل میں انگلیاں ڈبو کر شعر لکھنے والے فیض کو ہم یاد کرتے ہیں اور سے یاد کرتے ہیں تو دل امنگوں اور جذبوں سے کناروں تک بھر جاتا ہے۔

پہلے تو یہ بات کچھ کم اہم ہو گی کہ فیض اس عہد میں کہ جب افکارِ عالیہ کے ہم پر کھلنے والے افکارِ عالیہ سے آج کے انسانی ذہن کو اوراک ناکارہ کیا جا رہا ہے اور عالیہ کے لیے سے ناطہ توڑ کر اور مظلوم وحشت کو دعوت دی جا رہی ہے، ہم ایک شاعر کو یاد کر رہے ہیں۔

اس حوالے سے دیکھیں تو یہ اس کو بچانے کی کوشش بھی ہے۔

ایک ایسی کوشش جس کی بازار کی منڈی میں کوئی قیمت نہیں ہے۔

آج کل تو وحشت وحشت کھیلنے کا زمانہ چل رہا ہے کہ اس کی آڑ میں تو تو منڈیاں حاصل ہو رہی ہیں یوں وحشت منڈی کی چیز ہو کر بہت اہم ہو گئی ہے۔ یہاں دوسروں کے قومی وسائل اور قدرتی دولت کے سرچشموں پر دھونس دھاندلی اور طاقت سے قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ جہاں حملہ کرنا اور افواج بھیجنا ہو وہ موقف کرنا پڑتا ہے وہاں روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے دل خوش کن نعرے کی سنہری زنجیر آدمی کے گلے میں ڈالی جا رہی ہے اور صاحب ایک زمانہ آ گیا ہے کہ جس میں اپنی تہذیبی اقدار کا سوال قدامت پسندی اور کی مرد و فخر اور تعصب کی بات کرنا ثقافتی کی برکات کا انکار اور بے وقت کی راگنی ہو گیا ہے۔ ایسے میں فیض کو یاد کرنا اور اس کی اس شاعری کو یاد کرنا جو سامراج پر کاری ضرب

Scanned by CamScanner

حاوی ہے۔ کسی کی بھی پرواہ کیے بغیر، وہ حق و سچ کی بات کرتے ہیں۔ وہ عہد کے ...
کی بجائے فیض نے اس سچ کے بچانے کی کوشش ہی ماری ہو گی ہے کہ

متاعِ لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے
کہ خونِ دل میں ڈبو لی ہیں انگلیاں میں نے

ہے وقت کے تناظر میں فیض کی شاعری کا مطالعہ کریں تو ہمیں ایک عجیب بات نظر آتی ہے۔ یعنی ایک طرف جبر، جہالت، روشن خیالی اور تحصیل اختیار پابندی کے بارے میں لکھے گئے ہیں۔ پھر دوسری طرف فیض کی شاعری ہے جس میں وہ زندگی پر حیات کی حرارت کی بات کرتے ہیں۔ ایک طرف ستم گر کے زور سے اپنے محبوب کی ہر آواز کو دبا رہے ہیں، زبان اور قلم پر بھی قدغن لگی ہے اور دوسری طرف فیض کا نعرہ ہے

بول کہ لب آزاد ہیں تیرے
بول زباں اب تک تیری ہے
دیکھ کہ آہن گر کی دکاں میں
تند ہیں شعلے سرخ ہے آہن
کھلنے لگے قفلوں کے دہانے
پھیلا ہر اک زنجیر کا دامن
بول یہ تھوڑا وقت بہت ہے
جسم و زباں کی موت سے پہلے
بول کہ سچ زندہ ہے اب تک
بول جو کچھ کہنا ہے کہہ لے

فیض کا مطالبہ یہ تھا کہ ان کے ہاں جسم کی موت اور زبان کی موت دو الگ
الگ چیزیں تھیں جب کہ ان کے عہد کے جبر و طاقت کا مطالبہ یہ ہے کہ ان کے لیے

زبان کی موت مرنے سے کوئی حادثہ نہیں ہے۔ اور اس پر ایک اور ساتھ یہ کہا جاتا ہے
ایسے میں ہمیں سمجھایا جاتا ہے کہ زبانیں اہم ہوتی ہیں نہ ان کے بولنے والے۔ کیونکہ
صرف منڈی کی زبان اور منڈی کے آدمی کا چلن ہوگا۔ ہمیں یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ جو
ہم فرد کی بات کرتا ہو کسی نظام حیات سے وابستہ ہوتا ہے لایعنی اور فرسودہ ہو چکی ہے۔
ایسے میں فیض کو پڑھنا اور اس انسان کی بات سوچنا جو ہے اور منڈی کے اس دور
میں کوالٹی کے مرکز سے دھکیل کر حاشیے پر پھینک دیا گیا ہے اور ان اقدار کی بات سوچنا
میں آدمی کا آدمی سے رشتہ اہم ہو جاتا ہے۔ آدمی جو فرد بھی ہے اور اجتماع سے جڑی
انسانیت کی تشکیل دیتا ہے۔ فیض کی شاعری ہمیں اسی انسانیت پر حملہ آور ہونے والے
سامراج کے خلاف بغاوت پر اکساتی ہے۔ یہ شاعری بتاتی ہے کہ سامراجیت جو اب
شاید کسی اور شکل سے بچنے کی تگ و دو میں لگے ہو سب انسانیت کے جگر میں پیوست ہو
گئے ہیں۔ ہم زندہ معاشروں کو یہ چیلنج دیتا ہے کہ انہوں نے ان تیروں کو اپنے جگر سے
نوچ کر پھینک دیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ فیض اپنے دھیمے مزاج اور خود ضبطی کو چلن بنا لینے کی وجہ سے
ترقی پسندوں سے بہت مختلف ہو گئے تھے جو اپنے بلند آہنگ شاعری سے فلک میں شگاف
ڈالنے اور اپنی نعروں سے اس آسمان میں شگاف ڈالنے کے جتن کرتے کرتے ہار
گئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فیض کا رومانی رویہ عزیز رہا مگر اس سے کون منکر ہو سکتا ہے
کہ وہ اپنی شاعری میں مسلسل زندگی کی تلخ حقیقتوں کی طرف لپکتے رہے ہیں اور اسی لپک کو
فلک کو اپنے تخلیقی وجود کا حصہ بناتے رہے ہیں۔ اسی علاقے سے انہوں نے اپنی شاعری
کے لیے بنیادی قرینے اخذ کیے اور وہ ایسے قرینے ہیں کہ ہم جیسے فیض کے ہاں
آواز الگ سے شناخت کرنے والے بھی ان کی شاعری کے گھاٹوں میں شامل ہو گئے
ہیں۔ فیض نے آہنگ کے دباؤ میں جہاد کو انقلاب کا مترادف کیا تھا اور کسی نے …

کیا ہے کہ انقلاب سے مطلب ہے کہ [illegible] تھے۔ ایک نئی [illegible] سے ہوتے ہوں

یہ ایک انقلابی شاعری کہ جس کی شاعری [illegible] ہے [illegible]

یہ حقیقی کی طرف اٹھنے کا حوصلہ دیتا ہے

رات [illegible] دل [illegible] دل اٹکا ہوا

[illegible] نہیں [illegible] آئی [illegible] ہوا

(۲)

شب کے ظلمت سے [illegible] پانی کی [illegible]

چاند نکلا [illegible] آنے لگے چاندنی سے [illegible]

چاند کے ہاتھ سے تاروں سے کنول [illegible]

[illegible]

رات [illegible] صبح [illegible] لگے [illegible] ہے

یہیں تک پہنچ کر رات فیض کی شاعری کا ایک مرکزی استعارے کی صورت ظاہر ہوتی

ہے جس سے متعلق وہ صبح اور طلوعِ سحر کے گزرتے رہتے ہیں۔

رات باقی تھی ابھی جب سرِ بالیں آ کر

چاند نے مجھ سے کہا، جاگ سحر آئی ہے

جاگ اس شب جو مئے خواب ترا حصہ تھی

جام کے لب سے تہِ جام اتر آئی ہے

بات تو فیض کی شاعری کی جمالیاتی لطافت کی بات کر رہا تھا اور اسی باب میں کہنے یہ کہا ہے کہ فیض نے اپنی تہذیبی روایت سے ملنے والی زبان اور تشبیہوں کو نئی معنویت کی [illegible] کی کرامت عطا کی تھی۔ میں مانتا ہوں کہ کسی بھی فرد کی شاعری میں مطالعات [illegible] ہے۔ فیض کے ہاتھ ہی اس جانب تخلیقی لسانی کر کے آتے ہیں مگر [illegible]

Scanned by CamScanner

کہا جا سکتا ہے کہ فیض نے اپنے عہد کی [illegible] سے [illegible] ہوئے مضامین [illegible] استعمال [illegible] کو [illegible] رکھ کر [illegible] مختلف بنا دیا تھا کہ پڑھنے والے کے [illegible] ہو جاتے ہیں۔ فیض کے اسی ہنر کا [illegible] ہے کہ [illegible] کے [illegible] سے [illegible] ہو جاتے ہیں اور اسے انقلابی بنا دیتے ہیں۔ یہاں [illegible] بھی [illegible] کہ انقلاب کی علامت [illegible] ہو جاتی ہے۔ ایک طرف [illegible] کی علامت بنا [illegible] اور [illegible] کی [illegible] ہونے [illegible] عسکری نظام سے [illegible] کی [illegible] انقلاب ہو گئے تو دوسری طرف فیض نے [illegible] کرتے ہوئے [illegible] سے [illegible] چلے آتے ہیں۔

نہ سوالِ وصل، نہ عرضِ غم، نہ حکایتیں نہ شکایتیں

ترے عہد میں دلِ زار کے سبھی اختیار چلے گئے

فیض کی شاعری کا [illegible] یہ بھی ہے کہ اسے پڑھتے ہوئے ایک عجیب طرح کا [illegible] ہوتی ہے۔ [illegible] ہوتے ہیں [illegible] سے [illegible] ہیں۔ اس کی [illegible] میں کوئی بھی [illegible] کا [illegible] نہیں ہوتی۔ [illegible] کا نشان ہو جاتی ہے۔ اسی شاعری [illegible] ہے کہ [illegible] کو [illegible] محبوب کے [illegible] کا [illegible] ہو جاتا ہے اور [illegible] جیسے [illegible] کا [illegible] ہوتی ہے۔ میں نے کہا تھا کہ فیض کی شاعری میں غم [illegible]، [illegible]، جسم و جاں، [illegible]، فراق جیسے [illegible] آتے ہیں [illegible] بھی [illegible] کہ فیض کا سوزِ دروں اور حزن کی [illegible] ایک [illegible] اور [illegible] سے [illegible] کا حصہ ہوتے ہیں [illegible] فیض [illegible]

ملتی ہے۔ یہاں ایک بات وہ اگر یہ اضافہ کرنا مقصود ہے کہ اس تخلیقی قرینے سے فیض کی شاعری میں ایک تہذیبی زندگی کے عہد کو بھی ایک جمالیاتی رخ کے طور متعارف کرایا ہے۔

فیض کے ہاں موضوع ختم ہو جانے والی زندگی کی ایک شام ہو یا زندگی کی ایک صبح، مجھے کسی نہ کسی حوالے سے آج کے عہد سے جڑی ہوئی لگتی ہے۔ ہم سب دیکھ رہے ہیں کہ زینہ زینہ شام اتر چکی ہے۔ ہمارے روشن تہذیبی وجود کو لمحہ لمحہ قدم بڑھاتے ہوئی رات نگل لینے کے جتن کر رہی ہے۔ ہمارا تہذیبی وجود کیا خود انسانیت کو معدومی کی حیثیت کے پرچھائیں گھیر رہی ہے۔ تہذیبی ٹکراؤ کا فلسفہ بات کہا جا رہا ہے اور تہذیبی تصادم کی تعبیر کا ڈھول خوب خوب بجایا جا رہا ہے۔ ایسے میں فیض کی شاعری کے ساتھ جڑ کر ایک وعدہ سے یہ رات کی بھی مرگ کے دوسرے کنارے پر موجود اس روشن صبح کی امید سے جڑتا ہے جسے بہرحال ایک نہ ایک روز انسانیت کے بخت کا مقدر ہونا ہے۔

فیض احمد فیض اپنی زندگی میں ہی ان شاعروں میں پہچانے جاتے تھے جو اپنے عہد و عصر بلکہ پہلے سے بہتر مستقبل پر یقین رکھتے تھے تاہم وہ ان شاعروں سے الگ پہچانے جانے لگے تھے جن کے ہاں آج، اور حقیقت سامنے کی چیز ہیں۔ فیض کا قرینہ یہ رہا ہے کہ وہ سامنے کے بہت روایتی مزاج کے منظر ناموں سے ہٹ کر اور اپنے جذبوں کی نرم روی اور مسلسل آگہی سے یوں برت لیا کرتے تھے کہ مصرعے کی تاثیر بدل جاتی تھی۔ یہی سبب ہے کہ عمر، رات، ظلمت، سویرا، مہتاب، ستارے، دار اور افلاک جیسے عام سے الفاظ کا استعمال فیض کی شاعری میں عام نہیں رہتا، اپنی الگ جمالیاتی قدر بنا لینے کی وجہ سے بہت اہم ہو جاتا ہے۔ یہی لطیف جمالیاتی قدر، انسانی قدر سے جڑت اور انسانیت کش سامراج سے شعور کی نفرت اردو شاعری کے باب میں فیض کی عطا ہے اور یہ ایسی عطا ہے جس پر ہم بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔

تحریر: قیصر شاہ

سید ضیاء جعفری: سرحد میں اردو ادب کا نقش گر

Syed Zia Jafri was an eminent poet of Urdu and Persian poetry. An introduction of his personality and works is given in this article. He was an expert of Urdu "Rubai" (quartet), that is why in "Adbiyat-e-Sarhad", Farigh Bukhari give him the title of "Khayyam-ul-Hind". A brief critical review of his two works of Urdu and Persian is given in this article.

صوبہ سرحد کا جغرافیائی حوالہ [illegible] اور [illegible] روایات رہی ہیں
تہذیب و ثقافت ہے۔ یہ فن جب میدان کارزار میں رنگ بدلتا ہے تو تاریخ کے دھارے
آپ ہی آپ مڑنے لگتے ہیں۔ جب اس کا رخ گیسوؤں کی حلقوں کو بڑھتا ہے تو [illegible]
اور [illegible] حیات کی [illegible] جاتی ہیں اور جب اس کا اجلا چہرہ ادب کی جانب
مڑتا ہے تو سید ضیاء جعفری جیسے فنکاروں کی تخلیق ظہور پذیر ہوتی ہے۔ سید ضیاء جعفری اپنے
[illegible] حیات کی [illegible] اگرچہ [illegible] سے دور دور ہے لیکن ادب [illegible] کی
[illegible] جو تاریخ ادب میں [illegible] تھیں۔ فارغ بخاری، رضا ہمدانی، احمد فراز،
[illegible] خاطر غزنوی، محسن احسان، [illegible] گیلانی، [illegible] اور [illegible] خان جیسے [illegible]
[illegible] کے ساتھ [illegible] کر دیا۔ ان کے ادبی مقام و مرتبے میں [illegible] کلام [illegible]
ہے۔ وہ [illegible] ایک [illegible] شاعری نے [illegible] ایک [illegible] ادب [illegible] اضافہ

[illegible]

"[illegible] سرحد [illegible] ادبی [illegible]

[illegible]

[illegible] ادبی دنیا میں

[illegible]

[illegible]" (۱)

[illegible] ضیا جعفری [illegible] میں پیدا ہوئے۔

[illegible] ضیا کے والد

[illegible] ضیا کی ولادت [illegible] ابتدائی تعلیم

[illegible] جماعت میں تھے کہ پہلی

[illegible] کے باعث جلد ہی انہوں نے

[illegible] شعر و ادب کے لیے وقف ہو گئے۔ ان

[illegible] ادبی [illegible] ہو گئے۔ یہ ان کی

[illegible] ضیا نے اپنے دوست [illegible] خان قمر اور

[illegible] "ادارہ ادبیہ" [illegible]۔ سرحد کی ادبی تاریخ میں

[illegible] ضیا کی سرپرستی میں اردو ادب کی ترقی

[illegible] کے مطابق

"ادارہ ادبیہ کو سرحد کی ادبی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔
ترقی پسند ادب کی طرف سب سے پہلا قدم اسی ادارے
نے اٹھایا۔" (۲)

ادارہ ادبیہ ضیا جعفری کی ادبی افکار [illegible] اور تازہ فکری کا نشان بن کر

بعد "بزم ترقی" طویل عرصے تک ایک [illegible] [illegible] ادبی ماحول کو [illegible]
[illegible] دوسرے اس میں کئی نئی انجمن کے قیام کے حوالے سے بھی [illegible]
موجود ہے [illegible] یہ ہے کہ جب [illegible] بیٹھے تو ہم لوگوں نے انجمن کی "بزم [illegible]"
[illegible] کے [illegible] کی طرف بڑھتے کی [illegible] "بزم ترقی" کی طرف سے [illegible]
حوالے سے [illegible] ضیا جعفری نے "ادارہ ادب" کے پلیٹ فارم سے "بزم ترقی" کے [illegible]
[illegible] صرف ادبی [illegible] کام [illegible] [illegible] ادبی [illegible]
ساتھ ہی ہے۔

یوں تو [illegible] ضیا جعفری کا [illegible] ہے کہ "ادارہ ادب" کے [illegible] ادب کی [illegible] ادبی فضا میں ایک نئے پن کا احساس ابھر [illegible]
ڈاکٹر [illegible]

"بزم ترقی سے [illegible] ادارہ ادب کی بنیاد رکھنے والوں میں ضیا جعفری کے بعد [illegible] ادارہ ادب کے نائب صدر اور صدر منتخب ہوئے۔ [illegible] قمر [illegible] تھے۔ دوسرے نوجوان بھی ادارہ ادب میں شامل ہو گئے اور اس طرح یہ ادبی ادارہ نئے خون کی آمیزش سے نئے افکار و خیالات لے کر سامنے آیا۔" (۳)

سید ضیا جعفری نے سرحد میں انجمن ترقی اردو کی بنیاد بھی رکھی۔ اگرچہ ان کی مادری زبان فارسی تھی۔ لیکن اردو سے گہری وابستگی تھی۔ انہوں نے [illegible] روایت [illegible]۔ وہ مخلص ادیب بھی [illegible] تھے۔ شاعری کے ساتھ ساتھ نثری اصناف کی بھی انہوں نے حوصلہ افزائی کی اور نئے لکھنے والوں کی سرپرستی میں کوئی کسر روا نہ رکھی۔ ڈرامہ، افسانہ، تنقید اور [illegible] نظم [illegible] سرحد میں فروغ ان کی علمی فروغ پسندی ہی کا مرہون منت ہے۔ [illegible]
ڈاکٹر [illegible]

"جس کسی نے بھی کچھ سیکھنے کی غرض سے ان کی طرف رجوع کیا۔
اس کو پر خلوص اور دلنواز مشوروں سے نوازا۔"(۴)

اور صادق زیدی کے لفظوں میں

"انہوں نے پشاور جیسے خطے میں نصف صدی تک علم و ادب کی شمع
کو روشن رکھا ہے۔ جس کی بدولت آج سینکڑوں کی تعداد میں
ادیبوں اور شاعر حضرات نے قلم پکڑنا سیکھا ہے۔"(۵)

ضیا جعفری کے دو شعری مجموعے شائع ہوئے (۱) صبوحی (۲) چمن چمن "صبوحی" رباعیات اور قطعات پر مشتمل ہے اور چمن چمن میں فارسی غزلیات ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا بہت سا کلام ابھی غیر مطبوعہ ہے اور غالب تعداد میں کلام ایسا ہے جو مختلف رسائل و جرائد میں بکھرا پڑا ہے۔ انہوں نے بکثرت تنقیدی مقالات لکھے جن میں سے بیشتر ریڈیو پشاور سے نشر ہوئے۔ جو ہم منظوم حالت میں دستیاب نہیں۔ پشتو اور فارسی زبان و ادب کے حوالے سے بھی ان کی تحریریں ہیں جن پر سب ریڈیو کی مزید تحقیق کا منتظر ہے۔

صبوحی:

"صبوحی" ضیا جعفری کی شاعری کا پہلا کمال ہے یہ ان کی اردو فارسی رباعیات و قطعات کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب ضیا نے اپنے مرشد سید نذر علی الدین کے نام کی ہے۔ "صبوحی" کے تین دیباچے ہیں۔ پہلا دیباچہ فارغ بخاری نے لکھا ہے۔ دوسرا سید ضیا جعفری نے خود بعنوان "تحقیق" اور تیسرا ڈاکٹر نذیر مرزا برلاس نے لکھا ہے۔ صبوحی کے پہلے حصے میں رباعیات کا عنوان "ساغر و مینا" اور ردیف "ساقی" ہے۔ رباعیات کے دوسرے حصے کا عنوان "کیف و مستی" اور ردیف "مستی" ہے۔

رباعی کے حوالے سے یہ تصریح اہم ہے کہ اس کی بحر مخصوص ہے۔ مگر بحر ہزج کے مزاحف اوزان کے حساب سے بھی رباعی لکھی جا سکتی ہے۔ ضیاء نے زیادہ تر اسی کو اختیار کیا ہے۔

Scanned by CamScanner

[illegible] رباعیاں ایسی ہیں جو بحر ہزج سے مختلف اوزان میں ہیں۔ شعری مجموعوں نے

[illegible] اوزان رباعی کے لیے زیادہ پسند کیا ہے۔ ضیاء کے ہاں بھی پہلے

[illegible] بطور مثال رباعی کے اوزان ذیل میں درج ہیں۔

[illegible] مفعولن، مفعول، مفاعیل، فعول

[illegible] مفعول، مفاعیل، مفاعیل، فعول

[illegible]

[illegible] بحر اخرب کے اوزان بحر اخرم کے اوزان سے الگ تو ہیں

[illegible] میں نے بھی زیادہ تر رباعیاں بحر اخرب کے اوزان

میں کہی ہیں۔ (۹۲)

یہ تو رباعی کے عروض کی موزونیت اور محمد ضیاء اپنی موسیقیت پسندی کی بدولت "محمد" میں ایک ایسی لہر اور موسیقی ایک ایسا تاثر ہے کہ جس کی مثال معاصر اردو شاعری میں ملنا مشکل ہے۔ ان کی رباعیات [illegible] جذب و مستی کے ساتھ آخری جذبے کے ساتھ یہ رباعیاں اردو رباعی گوئی کے حوالے سے [illegible] ہے۔ شاید اسی لیے قارئ بخاری نے ضیاء کو "[illegible]" [illegible] کے القابات کے ساتھ یاد کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں

> "اگر موجودہ دور کے طول و عرض میں نگاہ دوڑائی جائے تو ضیاء کے پائے کا رباعی گو شاید ہمیں کوئی دوسرا نظر نہیں آتا اس لیے اگر ہم انہیں قیوم الہند کہیں تو اس میں کوئی مبالغہ آرائی نہیں ہوگی۔ (۹۳)

ضیاء کی رباعیات زندگی کے روحانی پہلوؤں اور جذب و کیف کی سرمستیوں سے عبارت ہیں۔ ان کے ہاں [illegible] ہے مگر قنوطیت نہیں۔ قنوطیت عدم یقین سے پیدا ہوتی ہے عدم یقین [illegible] خیالات کے انداز میں پروان چڑھتی ہے۔

اس کے بعد جس دیا تو گالی ہے، ایمان ہے، اس کی آ... کو کامل ... وجود

ہے۔ خدا کے حوالے سے ... کی ... کامل ... اور جسمانی ...

ہے۔ اس کی ... اور ... کرنے کے ... میں ...

... کی ... کے ... ہے۔ ... میں اس کی ... ان کی تخلیق

... ہے ... کا عالم ... آپ

... میں ...

ہے جام ... وہ تمام اے ساقی
... میں ... کوئی جام اے ساقی
... کی ... آنکھوں میں ...
... میں ... جام اے ساقی

ہے شکر ... ساقی
... ہو گئی خالی ساقی
اے ... بجھانے والے
اے کوثر و تسنیم کے والی ساقی (۸)

تبسم ... نے اپنے وجدان اور خود سپردگی کو طریقت کے حوالے سے دیکھا دکھایا ہے۔ ان کی شاعری کے تمام استعارے اور علامتیں ... سے تخلیق پاتے ہیں۔ چونکہ ان کے ہاں ... عشق و محبت کا دوسرا نام ہے۔ اس لیے وہ ... کی کیفیات کو ظاہر کے استعاروں میں ... اور ... کے ساتھ بیان کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ اس کے ... کے ساتھ مظاہر فطرت بھی ان کی مدد کرتے ہیں اور حسن ظاہر کے جسمانی ... بھی۔ تاہم ان کا مذہب نہایت نمایاں اور واضح طور پر ... ہے۔ خدا اور رسول

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

حوالہ جات

۱۔ قاسم یعقوب، دیباچہ "مسیحا" ، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۹

۲۔ قاسم یعقوب، "روایت مرحلہ" ، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۲۲۹

۳۔ تحقیق اصناف، ڈاکٹر سید ضیا الحسن، اول، ۲۰۰۹ء، ص ۲۰

۲۰۰۵ء، ص ۱۸۰

۴۔ ایضاً، ص ۱۹

۵۔ صادق رابطہ، روزنامہ "مشرق"، ۱۹ مارچ ۲۰۰۵ء

۶۔ ضیاالحسن، سید، دیباچہ "مسیحا"، ص ۱۲

۷۔ قاسم یعقوب، دیباچہ "مسیحا"، ص ۸

۸۔ ضیاالحسن، سید، "مسیحا"، ص ۳۵

۹۔ ایضاً، ص ۴۳

۱۰۔ ایضاً، ص ۴۴

۱۱۔ قاسم یعقوب، "روایت مرحلہ"، ص ۲۲۹

Scanned by CamScanner

حافظ نعیم مظہر

ناول "معتوب" کا فنی و فکری جائزہ

The title "Matoob" can be translated the one who is chastised or the one who is punished unduly severely. The protagonist, the author himself was the main character and described his own tribulations. In this way he has been able to highlight the callous an authoritative attitude of those who were in a positionto inflict untold misery on the helpless victim. The personal and individual approach of the author is authentic and demands appreciation.

ڈاکٹر اعجاز راہی کا ناول "معتوب" اردو کے تمام ناولوں سے مختلف ہے اسے پڑھتے وقت ناول کی بجائے شاعری کا ذائقہ محسوس ہوتا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم ناول نہیں بلکہ نثری نظم پڑھ رہے ہیں اور جس طرح نثری نظم پڑھنے والوں کی اکثریت کو محسوس ہوتا ہے کہ ہم زیر مطالعہ نظم کو اتنا سمجھ نہیں رہے ہیں جتنا کہ اس سے لطف اندوز ہو رہے ہیں اسی طرح اعجاز راہی کا ناول معتوب بھی ہمیں حقیقت میں فہم و ادراک سے زیادہ لطف کا احساس فراہم کرتا ہے شاید یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اعجاز راہی کا یہ ناول واقعات کی بجائے احساسات کی زبان میں لکھا گیا ہے۔

کسی نے ناول کو مذہب حقائق کی تعبیر و تفسیر سمجھا کسی نے حیات انسانی کے

Scanned by CamScanner

[illegible]

[illegible]

[illegible]

Scanned by CamScanner

اعجاز راہی کی شاعری اور دوسری نثر کی کتابیں شائع ہو چکی ہیں اگر ان کو

کے حوالے سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک حساس انسان دوست اور ترقی پسند

سوچ رکھنے والے شاعر ہیں۔

اعجاز راہی ۱۹۷۷ء کے مارشل لا سے پہلے PIA میں ایک اسسٹنٹ انجینئر کے

عہدہ پر کام کرتے تھے لیکن ضیاء دور میں بہت لوگوں کی طرح حکومت کا خلاف پارٹی قرار دے کر ملازمت سے

نکال دیے گئے۔ اعجاز راہی بھی ان میں سے ایک تھے۔

اعجاز راہی نے ضیاء دور کی عکاسی یوں کی ہے

"وہ شہر کے چاروں طرف دیکھتا ہے جو اس کے ہاتھ میں دکھائی
دیتی ہے وہ تو موسم کی حوالی میں ہے کہ اس پر بیٹھے اور گھومنے
کو رستے میں ذہن ہے کہ سوا کوئی دوسرا دکھائی نہیں دیتا وہ
سوچتا ہے کہ وہ کسے نہ بیٹھا دوسرے کونوں کو کیسے اور کیسے دی
بیچارہ ہوگا۔"(۱)

مصنف نے اس اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ ادیب نے ضیاء دور کو بھی کس طرح محسوس کیا: وہ ایک آدمی سے روزی چھیننا اس کا حق تھا اور اس دور کی حکومت نے لوگوں پر ظلم کر رکھے تھے اور اس طرح اعجاز راہی کو بھی آمدنی کا ذریعہ ختم ہو گیا اور مصنف بھی دوسرے لوگوں کی طرح اس دور کی ٹھوکریں کھاتا رہا۔

مارشل لا کا دور اعجاز راہی کے لیے دوزخ میں عذاب جیسے ہوتے گزر رہا تھا۔ ایک خوشحال گھرانہ مسلسل فاقوں کی زد میں تھا۔ زندگی کی بنیادی سہولتوں تک سے محروم ہو چکا تھا۔ اعجاز راہی نے نہ چاہتے ہوئے بھی ایسے کام کیے۔ جن سے بچنا ان کی ساری عمر کی کوشش تھی۔ مگر بچوں کی خاطر انہوں نے یہ سب کر کے گزارا چلایا اور گھر کی کوشش کی۔ اس طرح کی وجہ وہ زندگی سے تنگ بھی آ چکا تھا وہ

Scanned by CamScanner

تھا جو
دونوں پر زندگی کا دائرہ محدود تر ہو گیا۔ ایک کمرہ اور اندھیری گلی میں سانسوں کی غیر مسلسل کڑیوں کو ترتیب دیتے رہتے۔ وہ باتیں کرنے لگے۔ باتیں کرتے اس میں وقت بیت جاتا۔ کبھی کبھی اس کا جی چاہتا کہ وہ سیلاب بن جائے اور ایک ریلے میں سب کو بہا کر پامال کر دے۔" (۲)

ڈاکٹر اعجاز راہی نے جہاں زندگی کی تلخیوں کو جھیلا ہے اگر اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ زمانے کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتا۔ لیکن اعجاز راہی نے حقوقِ انسانی کے حصول اور سچائی کی خاطر ہمیشہ جدوجہد کی اور انھوں نے عوام کو حق کا راستہ دکھانے کی بھرپور کوشش کی۔ اس ضمن میں وہ خود کہتے ہیں

"اسے وہ دن بھی یاد تھا جب جوان قامت ہوا۔ چاروں طرف پھیلی تیز ہواؤں نے اس کے جسم کی دیواروں کو ہلا دیا تھا مگر اس کے اندر کے مضبوط ستون نے اس کے وجود کی عمارت کو ذرا بھی ڈولنے نہیں دیا۔" (۳)

فوجی آمریت کے دور میں تمام لوگ ہی ڈرے ہوئے تھے اور ان کے ساتھ ساتھ شاعروں نے بھی ہونٹوں پر چپ سادھ لی تھی۔ اعجاز راہی نے اس وقت کے حالات سے ایک شہر کا نقشہ اس افسانے میں کھینچا ہے

"پھر کب شہر کو نظر لگ گئی تھی۔ یا شہر والوں کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ ایک چپ تھی کہ شہر کو کھائے جا رہی تھی۔ ایک خوف تھا کہ ہر آنگن میں گہرا ہو گیا تھا ۔۔۔ چمگادڑوں کی طرح سڑکوں اور گلیوں میں بھی ویرانیاں گشت کرتیں۔ رات آنکھوں میں اور دن سوچ میں گزر جاتے۔ اس ہو کے عالم میں بھی اگر کوئی آواز سنائی دیتی تو وہ چونک

ناول (۲۰۰۳ء)

اظہار اولاد کا ناول "معتوب" میں تحریر کیا گیا ہے یہ کہانی کی تکنیک اپنے

حسین کے ذریعے بیان کی گئی ہے۔ خدیجہ مستور کا ناول "آنگن" جس طرح عالیہ کے

کردار کے گرد گھومتا ہے اسی طرح "معتوب" بھی حسین کے گرد گھومتا ہے۔ مصنف حسین کی

زبانی ہی سے تو حسین کا کردار خود اظہار اولاد کی تصویر ہے۔ انہوں نے کہانی میں

مشاہدہ اور مطالعہ کو خوب نبھایا ہے۔ "معتوب" اپنی کہانی کے لحاظ سے ایک منفرد ناول

ہے۔ اس ناول کو پڑھنے پر ایک عجیب سی تشنگی محسوس ہوتی ہے۔ ناول نگار مرحوم

ہے کہ اظہار اولاد بیان کرتے کرتے بہت سے واقعات اور بہت سی باتیں بھی اختصار

کی وجہ سے بیچ کے بے ترتیبی کا شکار کر گئے ہیں۔ کہیں کہیں وہ مجھے ایسے ہی لگے

کہ جیسے کہ وہ پڑھنے والوں سے واقف ہوں پر وقت نہ ہونے کی وجہ سے بات

اول بات کو پوری طرح بیان نہ کر سکے۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی

قلم بہت خوب صورت انداز میں گھمائے ہیں اور ان سے جڑے ہوئے واقعات کو

کتاب کو ترتیب دیا ہے۔

"معتوب" میں ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۸۸ء تک کے دور میں پیش آنے

والے واقعات کو ناول کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ ایک ایسے دور کی کہانی

ہے جس میں مذہب کے نام پر انسانی خواہشات اور ارمانوں کا قتل عام کیا گیا۔ عورتوں

کے بنیادی حقوق سے محروم کر دیا گیا۔ شیعہ سنی فسادات کا ذکر بھی اظہار اولاد نے کیا ہے

انہوں نے ایک علامت کے طور پر کچھ الفاظ استعمال کر کے بات کو مختصر کر دیا ہے۔

پاکستان میں فرقہ وارانہ فسادات پر نظر ڈالیں تو پتا چلتا ہے کہ شیعہ سنی فسادات

ضیاء کے دور کی پیداوار ہے۔ "معتوب" میں حسین کے کردار کے ذریعے انہوں نے

ان فسادات کو واضح کیا۔

Scanned by CamScanner

"تم میرے خلاف ہو رہے ہو"

یہ اس نے اندر کھڑے ہو کر پوچھا تھا۔

"ہاں میرے خلاف"

"نہیں، ہاں تمہارے خلاف"

"میں سمجھ گئی"

"تم اس جہاں سے ہر کسی شیطانی بات کرنا چاہتے ہو" (۵)

اس دور کی وحشت چھپانے کے لیے حریت، قانون اور کوڑوں کا سہارا لیا گیا اور بہت سے لوگ سہم گئے۔ مگر آمریت کے خلاف نفرت ان کے دلوں میں اور شدید ہو گئی۔ [illegible] کے خلاف نفرت سے بھی اب ان کو نہیں بچا سکتے تھے۔ لوگ اب اسلام کے [illegible] سے خلاف ہے کو بھی نہیں تھے۔ خواتین کا طبقہ اس دور میں بھی ظلم کا شکار ہوا۔ [illegible] اور دوسرے قوانین کے ذریعے خواتین پر ظلم کے پہاڑ گرائے گئے۔

اس دور میں ایک اور بہت بڑا ظلم ہوا کہ ہر وہ انسان جو آزادی کا حامی تھا۔ [illegible] آمریت کا دشمن تھا، اسلام کے حقوق کا خصوصی نشانہ بنا۔ ایسے لوگوں کو [illegible] گیا۔ جیلوں میں ڈالا گیا۔ کوڑے مارے گئے اور نہ جانے کس کس [illegible] سے گزرنا پڑا۔ [illegible] کے حوالے سے [illegible] خود لکھتے ہیں

"[illegible] سے [illegible] ایک لڑکے کو دیوار کے ساتھ بٹھا دیا گیا۔ ساتھ کے کمرے سے آتی آوازیں اس کے اعصاب شکستہ اور روح گھائل کر رہی تھیں۔ [illegible] کی رسی میں جکڑا گیا۔ جس کا ایک سرا دیوار کے ساتھ بندھا ہوا تھا اور دوسرا ایک لڑکے کے ساتھ۔ ایک نے [illegible] اٹھایا اور رسی کو ڈھیل دینے لگا۔ نوجوان [illegible] سے گرا۔ پھر سارا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے دھندلا

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

ہوتی ہے مگر وقت اور حالات اس کے خلاف ہیں۔ حسین بعض اوقات خدا سے بات چیت
کرتا ہے اور بعض اوقات خدا و کائنات کے اسرار پر اپنے خیالات واضح کرتا ہے۔ آخر کار وہ خدا
کو بھی بھلا بیٹھتا ہے۔ ناول پڑھتے وقت ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے خدا کو بھی حالات اور
وقت نے ملک بدر کر دیا ہے۔ دوسرا کردار شمع کا ہے۔ شمع بھی حسین سے ہمدردی
رکھتی ہے۔ اس کی معاشی پریشانیوں کے حل کے لیے کوشش کرتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ
ساتھ اس میں خدا کے حوالے سے عورتوں کا روایتی جذبہ بھی کارفرما ہے۔ باقی کردار
پورے ناول میں سے دوران سفر پیش آنے والے واقعات اور ان کے اثرات پر ہم حسین کے کردار
کے حوالے سے بات کریں گے۔

حسین کا شمار ہمارے معاشرے کے ان لوگوں میں ہوتا ہے جو شدید معاشی
پریشانیوں کا شکار رہتے ہیں۔ حسین کے ساتھ ساتھ اس کے گھر والے بھی اسی عذاب
کا شکار ہیں۔ حسین اپنی معاشی پریشانیوں کے حل کے لیے جب معاشرے کے دوسرے
افراد سے ملتا ہے تو اس کے سامنے زندگی کا دوسرا رخ آتا ہے۔

"حسین مختلف دفتروں کے چکر کاٹتے کاٹتے زندگی سے بے زار
کا شکار ہو چکا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کے لیے تمام دروازے کھل جائیں۔
مگر وہ حسین کے لیے بند ہو گئے اور بھی ہو گئے اب اس کی حالت
یہ تھی کبھی کبھی اسے یوں لگتا جیسے وہ کسی دوسرے
سیارے کا آدمی ہے جس کے گرد کچھ لوگ جمع ہو گئے، کچھ حیرت
سے تکتے کچھ ہمدردی جتاتے، کچھ ہنسے گئے مگر ان میں اس کا
کوئی بھی رابطہ نہ تھا۔ وہ سوچتا اور تھک جاتا۔" (۸)

یہی پریشانیاں اسے ایک خواب کی صورت میں بھی نظر آتی ہیں جس میں ایک کتا
اس کی روٹی اس کے ہاتھ سے چھین لیتا ہے اور اسی طرح کے لوگ بھی اسے معاشرے

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

درد کے بادل ، آنچل ، ص [illegible] (۱۱)

[illegible] ۱۹۸۸ء کے واقعہ [illegible] کے [illegible] سے [illegible]

[illegible] کے [illegible] پاکستان کے [illegible] [illegible]

[illegible] کے لیے [illegible] [illegible]

[illegible] سے [illegible] کیا ہے۔

"[illegible] سے [illegible] ہے۔ [illegible] سے [illegible] ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کے [illegible]

[illegible] ہیں

"[illegible] " [illegible]

"[illegible] " (۲۰)

[illegible] کے ناول "مسجوب" کے کردار گھر سے [illegible] ہے جس کردار

[illegible] ہمارے معاشرے کے وہ حساس لوگ ہیں جو ظلم و زیادتی کو ہرگز

برداشت نہیں کر پاتے بلکہ ہر ظلم و زیادتی کے خلاف احتجاج کرتے ہیں یہ وہ حساس

لوگ [illegible] کے [illegible] بلکہ جو خیالات ان کے ذہن میں ہیں وہ ان

کا اظہار کرتے ہیں۔ انھیں یقین ہے کہ ظلم کی اندھیری رات کی صبح ضرور روشن اور

اجلی ہوگی۔

اس ناول کا [illegible] یہ ہے کہ زندگی کی تاریک راہوں میں صبح نو کے لیے

جدوجہد ضروری ہے۔ اس جدوجہد کے [illegible] کو کوئی نہ کوئی [illegible]

Scanned by CamScanner

زل سوال حاصل کرنا ممکن نہیں رکھتی۔ بلکہ اس راہ میں جان کی قربانی بھی کوئی بڑی بات نہیں
کی جاتی۔ اگر اس راہ میں کوئی چیز کم ہے تو وہ مایوسی ہے۔ محض زندگی کے صرف روشن
پہلو پر نظر رکھنی چاہیے کیونکہ انسان اگر تاریک پہلو پر نظر رکھے گا تو خوف اور ڈر اس کو
پست ہمت کر دے گا اور وہ منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکے گا۔ آمریت کے خلاف جدوجہد
کرنے والوں کو کامل یقین ہوتا ہے کہ ایک دن خلقِ خدا ضرور ساتھ دے گی۔ کیونکہ ظلم
جب حد سے بڑھ جاتا ہے تو مٹ جاتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ "مکتوب" اعجاز رضوی ڈاکٹر، دوست پبلی کیشنز اسلام آباد، ص ۴۳، ۵۵
۲۔ اعجاز رضوی ڈاکٹر: "مکتوب"، ص ۱۲۵
۳۔ اعجاز رضوی ڈاکٹر: "مکتوب"، ص ۴۳
۴۔ اعجاز رضوی ڈاکٹر: "مکتوب"، ص ۸۵
۵۔ اعجاز رضوی ڈاکٹر: "مکتوب"، ص ۸۵
۶۔ اعجاز رضوی ڈاکٹر: "مکتوب"، ص ۲۷۔۲۸
۷۔ اعجاز رضوی ڈاکٹر: "مکتوب"، ص ۹۵
۸۔ اعجاز رضوی ڈاکٹر: "مکتوب"، ص ۴۳
۹۔ اعجاز رضوی ڈاکٹر: "مکتوب"، ص ۷۷۔۷۸
۱۰۔ اعجاز رضوی ڈاکٹر: "مکتوب"، ص ۷۸
۱۱۔ اعجاز رضوی ڈاکٹر: "مکتوب"، ص ۱۰۱
۱۲۔ اعجاز رضوی ڈاکٹر: "مکتوب"، ص ۱۵۱

Scanned by CamScanner

ڈاکٹر ضیاء الحق

حقوق العباد (Rights of others)

This article deals with the social problems in human society. Since, human society is lacking in this domain, it is need of the present era that this burning issue may be highlighted in the perspective of Islam. The article covers major relationships of human beings within the society. Rights of others which are almost duties ordained by Almighty Allah, are presented systematically.

شریعت کی رو سے انسان پر چار قسم کے حقوق عائد ہوتے ہیں ایک اللہ تعالیٰ کے حقوق، دوسرے خود اس کے نفس کے حقوق، تیسرے بندوں کے حقوق اور چوتھے ان چیزوں کے حقوق جن کو اللہ تعالیٰ نے اس کے اختیار میں دیا ہے تاکہ وہ ان سے کام لے اور فائدہ اٹھائے۔ ان چاروں حقوق کو سمجھنا اور ٹھیک ٹھیک ادا کرنا ایک سچے مسلمان کا فرض ہے۔ زیر نظر مضمون میں صرف بندوں کے حقوق (حقوق العباد) کو شریعت کی روشنی میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کیونکہ ہمارے پاکستانی معاشرے میں خصوصاً اور انسانی معاشرے میں عموماً حقوق العباد میں بہت زیادہ کوتاہی برتی جا رہی ہے جس کی وجہ سے انسانی معاشرہ کئی طرح کی مشکلات سے دوچار ہے۔

Scanned by CamScanner

مفہوم

حقوق العباد سے مراد بندوں کے حقوق ہیں۔ حقوق العباد دو عربی لفظ ہیں۔ حقوق حق کی اور عباد عبد کی جمع ہے(۱)۔ معاشرے میں ایک انسان کے دوسرے انسان پر جو حقوق ہوتے ہیں انکا ادا کرنا ضروری ہے اور اسلام نے ان حقوق کے ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ معاشرے میں بندوں کے ایک دوسرے پر حقوق کو قرآن و حدیث کی اصطلاح میں حقوق العباد کہا جاتا ہے۔

معاشرہ

انسانی معاشرے کا بنیادی ادارہ خاندان (Family) ہے۔ خاندان ایک مرد اور ایک عورت سے شوہر اور بیوی بننے سے تشکیل پاتا ہے۔ شوہر اور بیوی کا تعلق ایک ازدواجی تعلق ہے اور محض ایک معاہدہ ہی نہیں۔ اس ازدواجی تعلق میں شوہر کی حیثیت ایک حاکم کی ہوتی ہے جو گھر میں نظم و ضبط قائم رکھے(۲)۔ مگر اسکے معنی یہ نہیں ہیں کہ شوہر ایک جابر اور قاہر بن جائے اور بیوی کو ایک بے بس لونڈی کی حیثیت سے اسکے حوالے کر دیا جائے۔ اسلام نے شوہر اور بیوی کے تعلقات کی اصل روح آپس کی محبت اور رحمت بتائی ہے۔ اور بیوی کا فرض اگر شوہر کی اطاعت ہے تو شوہر کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ اپنے اختیارات سے بے جا کام نہ لے، بیوی کے ساتھ پیار محبت اور وفاداری اس کا بنیادی فرض ہے۔ شوہر اور بیوی کے ملاپ سے اولاد وجود میں آتی ہے۔ شوہر، بیوی اور اولاد کے مجموعے کو خاندان (Family) کہا جاتا ہے۔ خاندان کے محدود دائرے سے باہر قریب ترین رشتہ داری کی ہے۔ رشتہ داری کا دائرہ وسیع ہوتا ہے اس میں وہ سب لوگ شامل ہو جاتے ہیں جو ماں اور باپ کے تعلق سے، بھائی اور بہن کے تعلق سے، یا بیٹے اور بیٹی کے تعلق سے یا سسرالی تعلق سے ایک دوسرے کے رشتہ دار (Relatives) بن جاتے

ہیں۔ رشتہ داری کے تعلق کے بعد دوسرا قریب ترین تعلق ہمسائیگی (Neighbourhood) کا ہے۔ اسلام میں ہمسائیگی کا مفہوم وسیع ہے اس میں پڑوسی کے علاوہ اہل محلہ، اہل شہر اور وہ لوگ بھی ہمسائیگی میں شامل ہیں جن کے پاس بیٹھنے یا ساتھ چلنے کا اتفاق ہو (۵)۔

ان چھوٹے دائروں سے نکال کر اسلام انسانی نگاہ کو ایک بڑے دائرے کی طرف پھیرنا چاہتا ہے جو دنیا کے تمام انسانوں پر حاوی ہے۔ وہ تمام دنیا کے انسانوں سے کہتا ہے کہ تم سب ایک ماں اور ایک باپ کی اولاد ہو (۶) تم انسان ہونے کے ناطے ایک دوسرے کے بھائی ہو اور اس حیثیت سے برابر ہو۔ ابتدا میں تم ایک مدت تک ایک ہی امت تھے۔ تمہارا دین ایک تھا۔ تمہاری زبان ایک تھی۔ تمہارے درمیان کوئی اختلاف نہ تھا مگر جوں جوں تمہاری تعداد بڑھتی گئی تم زمین پر پھیلتے گئے۔ جغرافیائی تبدیلیوں نے تمہارے رنگ اور خدوخال بدل دیئے۔ تمہارے رہن سہن کے طریقے الگ ہو گئے۔ تمہاری زبانیں اور لباس الگ ہو گئے۔ اور تم مختلف نسلوں، قوموں اور قبیلوں میں تقسیم ہو گئے (۷)۔ یوں اسلام نے انسان کو ایک عالمگیر برادری (Universal Brotherhood) کا ایک درس دیا۔ اسلام ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جو نسل، رنگ اور زبان کی حد بندیوں اور جغرافیائی سرحدوں کو توڑ کر روئے زمین کے تمام خطوں میں پھیلا ہوا ہو اور اس کی بنیاد انسانوں کی ایک عالمگیر برادری پر قائم ہو (۸)۔

اہمیت

انسان دیگر مخلوقات سے مختلف ہے وہ دوسرے انسان سے مل کر رہنا پسند کرتا ہے۔ مل جل کر رہنے سے ایک عالمگیر انسانی معاشرہ تشکیل پاتا ہے جس میں ایک دوسرے کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے (۹)۔ اس لئے اسلام نے بندوں کے ایک دوسرے پر حقوق کا تعین کیا اور تلقین کی کہ ان حقوق کو پہچانو اور اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے حکم کے مطابق پورا کرو۔ لیکن انسانی معاشرے میں بسنے والے بندوں کے تعلقات ایک دوسرے کے ساتھ ایک ہی

Scanned by CamScanner

وابستہ رہتی ہیں۔ خاوند، بیوی، بچے، رشتہ دار، پڑوسی، مہمان، اجنبی اور مسافر، خادم
یتیم، بیوہ، معذور اور ایک عام انسان کے ساتھ تعلق کی نوعیت مختلف ہوتی ہے
اس لئے ان کے حقوق بھی مختلف ہیں۔ اسلام نے ان سب کے حقوق کو نہایت خوش اسلوبی
سے ادا کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ انسانی معاشرے میں سکون پیدا ہو۔ ان حقوق میں
کوتاہی کرنے سے سختی سے منع کیا کیونکہ اس کوتاہی کا نتیجہ انسانی معاشرے میں بے چینی، غم،
ناخوشی اور ایک دوسرے سے نفرت اور دشمنی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس لئے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بندوں کے حقوق ادا کرنے میں عجلت کا حکم دیا اور اس سلسلے میں
کسی قسم کی ٹال مٹول سے منع فرمایا۔ عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے
مزدور کو مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دینے کا حکم دیا ہے(۱۰)۔ آپ
ﷺ نے اپنی وفات سے چند دن پہلے خلاف معمول ایک لمبی تقریر فرمائی۔ آخر میں
آپ ﷺ نے فرمایا

میں اللہ تعالیٰ کے یہاں اپنا صحیفہ زندگی صاف ستھرا لے کر جانا چاہتا ہوں اگر کسی
کا قرض مجھ پر ہو یا میں ادا کرنا بھول گیا ہوں یا غیر ارادی طور پر کسی شخص کو مجھ
سے مالی یا جسمانی تکلیف پہنچی ہو تو وہ مجھ سے اس کا بدلہ لے لے یا مجھے معاف کر
دے۔ آپ ﷺ نے تقریر ختم کر کے انتظار فرمایا مگر کوئی جواب نہ ملا۔ اب ظہر کی نماز کا
وقت ہو چکا تھا۔ آپ ﷺ نے جماعت کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کی۔ نماز ظہر کے بعد آپ
ﷺ دوبارہ منبر پر آئے اور وہی سوال پھر دہرایا کہ میرے ذمہ کسی کا قرض ہو یا مجھ سے کسی
کی زیادتی ہوئی ہو تو وہ اپنا بدلہ لے لے۔ اب ایک شخص اٹھا اور اس نے کہا کہ اے اللہ تعالیٰ
کے رسول! آپ ﷺ کے ذمہ میرا پانچ درہم کا قرض ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حکم
دیا اور اسے پانچ درہم اسی وقت مسجد میں ادا کر دیے گئے(۱۱)۔

والدین کے حقوق

رشتوں میں سے ہمارا سب سے قریبی تعلق اپنے ماں باپ سے ہے۔ وہ ہماری پیدائش سے لے کر جوان ہونے تک تکلیفیں اٹھاتے ہیں اور ہماری پرورش اور تربیت میں ہر قسم کی مشکلات برداشت کرتے ہیں۔ اس لیے ان کے اولاد پر بہت حقوق ہیں وہ ہماری توجہ کا خاص مرکز ہیں ان کے حقوق میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہونی چاہیے۔ ذرا سی بھی کوتاہی ہونے سے آخرت میں وبال جان بن سکتی ہے (۱۲)۔

قرآن اور حدیث میں والدین کے حقوق کو پورا کرنے کی تاکید سے حکم دیا گیا ہے۔ ان کی ہر جائز ضرورت پوری کرنی چاہیے اور ان میں سستی نہ کی جائے۔

والدین کی عزت و احترام ہر مذہب و ملت میں مسلم ہے۔ ہمیں اسلام نے بھی والدین کا احترام کرنے کا خصوصی حکم دیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے تاکید سے ارشاد فرمایا

﴿وبالوالدین احسانا﴾ (۱۳) (اور والدین سے اچھا سلوک کرو)

ویسے تو والدین کا احترام ہر وقت ضروری ہے لیکن جب وہ بوڑھے ہو جائیں تو جسمانی کمزوری کی وجہ سے ان کے عام مزاج میں تبدیلی آجاتی ہے وہ ذرا ذرا سی بات پر ناراض ہو جاتے ہیں ان کے مزاج میں چڑچڑا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ اولاد کو بڑھاپے میں والدین کے ساتھ زیادہ صبر و تحمل دکھانا چاہیے ان سے اچھا برتاؤ کیا جائے ، انہیں جھڑکا نہ جائے ان سے نرم گفتگو کی جائے ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

﴿اما یبلغن عندک الکبر احدھما او کلاھما فلا تقل لھما اف ولا تنھرھما وقل لھما قولا کریما﴾ (۱۴)

ترجمہ: اگر تمہارے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائے تو ان کو اف بھی نہ کہو اور ان کو نہ جھڑکو اور ان سے نرم گفتگو کرو۔

Scanned by CamScanner

والدین کا یہ بھی حق ہے کہ والدین کے مرنے کے بعد اولاد ان کے لیے
دعائے مغفرت کرے اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے رحمت طلب کرتی رہے۔ اللہ تعالیٰ کا
ارشاد ہے

﴿وقل رب ارحمهما كما ربياني صغيرا﴾ (۱۵)

ترجمہ: اور کہو کہ اے میرے رب ان دونوں پر رحمت فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے چھوٹی
عمر میں پالا۔

آپ ﷺ نے مختلف احادیث میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کا سختی سے حکم دیا ہے۔ ایک
مرتبہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

(وہ شخص ہلاک ہو جائے جس کی زندگی میں والدین یا ان میں سے کوئی ایک
بوڑھا ہو جائے اور وہ شخص ان کی خدمت کر کے جنت میں داخل نہ ہو سکے (۱۶)۔ آپ ﷺ
نے والدین کی خدمت کو جہاد میں شریک ہونے سے افضل بتایا (۱۷)۔ ایک دفعہ ایک شخص
آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہا میں شادی شدہ ہوں میرے بچے ہیں اور میرے پاس مال
بھی ہے میرا والد زندہ ہے اور اسے میرے مال میں سے امداد چاہیے آپ ﷺ بتائیے
کہ اس صورت حال میں والد کی امداد کرنا میرے لیے ضروری ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا
(تو اور تیرا مال تیرے باپ کے لیے ہیں، اس کی امداد کرو یہ تمہارا فرض ہے)(۱۸)۔
والدین کی عزت اور خدمت اولاد کا فرض ہے، ان کی جانی اور مالی مدد میں کوتاہی کرنا
بہت بڑا گناہ ہے جو ماں باپ کی عزت اور خدمت کرتا ہے وہ دنیا و آخرت میں کامیاب
ہوتا ہے اور جس سے ماں باپ ناراض ہوں اسے دنیا و آخرت میں سوائے رسوائی اور ذلت
کے کچھ نہیں ملتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

﴿اللہ تعالیٰ کی رضا والدین کی رضا میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی والدین کی
ناراضی میں ہے۔﴾ (۱۹)۔

Scanned by CamScanner

جس طرح والدین کے اولاد پر حقوق ہیں اسی طرح اولاد کے بھی ماں باپ پر حقوق ہیں والدین کو اولاد کے حقوق پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے(۳۰)۔ والدین کو چاہیے کہ اولاد کی اپنی استطاعت کے مطابق اچھی طرح بہ آسانی پرورش کریں۔ ان کی خوراک لباس اور رہائش وغیرہ کا پورا پورا خیال رکھیں۔ اسی طرح ان کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کریں۔ اپنی مالی استطاعت کے مطابق اچھے سکول میں داخل کرائیں۔ ان کی اچھی صحبت کا خیال رکھیں۔ انہیں بری صحبت سے بچائیں، وقت ضائع کرنے سے منع کریں۔ انہیں اچھی تعلیم دلائیں تاکہ وہ ملک کی ... ان کی دنیاوی امور میں تعلیم و تربیت کا بھی پورا پورا خیال رکھیں تاکہ اولاد بڑے ہو کر اچھے انسان، وفادار شہری اور مثالی مسلمان بن سکیں۔

والدین کو چاہیے کہ اولاد سے محبت کریں۔ ان کے ساتھ محبت اور تعلیم و تربیت کے معاملہ میں کسی قسم کا کوئی فرق نہ کریں۔ سب کے ساتھ اچھا سلوک کریں تاکہ اولاد میں احساس کمتری پیدا نہ ہو اور وہ والدین کی طرف سے کسی فرق کو محسوس نہ کریں۔ اولاد میں بیٹی شفقت کی زیادہ مستحق ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ حسن سلوک اور شفقت میں خاص خیال رکھنا چاہیے۔ آپ ﷺ نے والدین کو بیٹی کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی بہت تاکید کی ہے۔ آپ ﷺ اپنی بیٹیوں کی اولاد سے بھی بہت محبت کرتے تھے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بیٹی امامہ رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بیٹوں حسن اور حسین رضی اللہ عنہما سے آپ ﷺ بہت پیار کرتے تھے(۳۱)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں

ایک دفعہ ایک عورت اپنی دو بیٹیوں کے ہمراہ میرے پاس آئی۔ میں نے اس عورت کو کھانے کے لیے ایک کھجور دی اس نے کھجور کو تقسیم کر کے دونوں بیٹیوں کو دے دی اور خود نہ کھائی۔ جب آپ ﷺ گھر تشریف لائے تو میں نے آپ ﷺ کو یہ واقعہ سنایا۔ آپ ﷺ نے واقعہ سن کر فرمایا

Scanned by CamScanner

بیوی کے حقوق ادا کرے، شوہر کو چاہیے کہ وہ اس کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرے
اور اس کی ضروریات کا خیال رکھے (۲۲)۔

اساتذہ کے حقوق

اساتذہ کے اسلام میں بہت حقوق ہیں۔ استاد کا درجہ باپ کے برابر بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ آپ ﷺ نے استاد کے مقام کو بیان کرتے ہوئے فرمایا

حقیقی باپ وہ ہے جو تجھے زیور تعلیم سے آراستہ کرتا ہے (۲۳)۔ استاد کی عزت و احترام فرض ہے۔ اس کی نصیحت کو سنا جائے اور اس کی ہدایات پر عمل کیا جائے۔ دین اسلام میں ایک ایک لفظ سکھانے والے کو استاد کہا گیا ہے (۲۴)۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے

مجھے آپ لوگوں کی طرف استاد بنا کر بھیجا گیا ہے (۲۵)۔

صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کی محفل میں نہایت ادب اور احترام سے بیٹھتے تھے۔ آپ ﷺ کی باتیں نہایت غور سے سنتے تھے۔ آپ ﷺ کے سامنے بلند آواز سے بات نہیں کرتے تھے۔ اور ادب سے دوزانو ہو کر آپ ﷺ کا احترام کرتے تھے (۲۶)۔

زندگی میں صرف وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو اپنے اساتذہ کا احترام کرتے ہیں۔ ان کی نصیحتوں اور ہدایات کو غور سے سنتے ہیں اور عملی زندگی میں ان پر سختی سے عمل پیرا ہوتے ہیں۔

پڑوسیوں کے حقوق

رشتہ داری کے تعلق کے بعد دوسرا قریب ترین تعلق ہمسائیگی کا ہے۔ ہمسایوں کے اسلام میں بہت حقوق ہیں۔ قرآن کریم کی رو سے ہمسایوں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک رشتہ دار ہمسایہ، دوسرا اجنبی ہمسایہ اور تیسرا وہ عارضی ہمسایہ جس کے پاس کچھ دیر ساتھ بیٹھنے کا انسان کو اتفاق ہو (۲۷)۔ چاہے آپ کا رشتہ دار ہو یا عام آدمی ہو

مسلمان ہو یا غیر مسلم ہو (۲۸)۔ وہ سب اسلامی اخلاق کی رو سے ہمدردی اور نیک سلوک کے
مستحق ہیں۔ اس صورت میں ان کے حقوق کا خیال رکھنا اور بھی لازم ہے۔ آپ ﷺ نے
ارشاد فرمایا

مجھے ہمسائے کے حقوق کی اتنی تاکید کی گئی ہے کہ میں خیال کرنے لگا کہ شاید
اسے وراثت میں حصہ دار بنا دیا جائے گا (۲۹)۔

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

تم میں بہترین انسان وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا ہو (۳۰)۔ آپ ﷺ
نے فرمایا

وہ شخص مومن نہیں ہے جس کا ہمسایہ اس کی شرارتوں سے امن میں نہ ہو (۳۱)۔

آپ ﷺ نے ہر بات میں پڑوسی کا خیال رکھنے کی ہدایت کی ہے۔ کوئی ایسی بات نہ کی جائے جس سے پڑوسی کو تکلیف ہو یا اس کی دل آزاری ہو۔ آپ ﷺ نے غیر مسلم پڑوسی کے بھی وہی حقوق بتائے ہیں جو ایک مسلمان پڑوسی کے ہیں۔ آپ ﷺ مدینہ منورہ میں اپنے یہودی پڑوسیوں کا بہت خیال رکھتے تھے (۳۲)۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ ایک عورت بہت نمازیں پڑھتی ہے اکثر روزے رکھتی ہے خوب خیرات کرتی ہے مگر اپنی بد زبانی سے اپنے پڑوسی عاجز ہیں آپ ﷺ نے فرمایا وہ عورت دوزخی ہے لوگوں نے عرض کیا کہ ایک دوسری عورت ہے جس میں عبادت کی یہ خوبیاں تو نہیں ہیں مگر وہ اپنے پڑوسیوں سے حسن سلوک کرتی ہیں ان کا بہت خیال رکھتی ہے اور ان کو کسی قسم کی تکلیف نہیں دیتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ جنتی ہے (۳۳)۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنے بچوں کے لئے اگر پھل وغیرہ لاؤ تو ان کے گھر بھی بھیج دو یا گھر سے باہر نہ لے جاؤ کہ غریب ہمسائے کا دل نہ دکھے (۳۴)۔ اسلام ان سب لوگوں کو ایک دوسرے کے بھائی بناتا ہے۔ آپس میں ہمدردی اور نیک برتاؤ رکھتے دیکھنا چاہتا ہے

Scanned by CamScanner

چاہیے۔ کسی کی دل آزاری نہ کریں، خوش خلقی اور رواداری سے پیش آئیں، ایک دوسرے سے ملیں، بیمار کی عیادت کریں، کوئی مر جائے تو اس کے جنازہ میں شریک ہوں اور اس کے رشتہ داروں سے تعزیت کریں۔ قریبی عزیزوں اور معذور لوگوں کی عزت نفس کا خیال رکھتے ہوئے ان کی مدد کریں۔ یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کریں، بھوکوں کو کھانا کھلائیں، ننگوں کو کپڑے پہنائیں، بے روزگاروں کے لیے حلال روزگار میں مدد کریں۔ اور جو کوئی بھی مصیبت میں ہو اس کی اپنی استطاعت کے مطابق مدد کریں (۳۸)۔ اسلام نے باہمی انسانی برادری کے حقوق کا خیال رکھنے کے لیے ضروری اصول مقرر کیے ہیں جن کی بنیادوں میں ایک پرسکون انسانی معاشرہ وجود میں آ سکتا ہے جہاں ہر ایک کی عزت، جان اور مال کی حفاظت ہوگی اور اگر برائیوں کا سدباب نہ ہو سکے تو کم از کم ان میں کمی ہو سکتی ہے۔

اصول

۱۔ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور برائی کے کاموں میں کسی سے بھی تعاون نہ کرو (۳۹)۔

۲۔ کسی سے تمہاری دوستی اور دشمنی صرف اور صرف انسانی معاشرے کی اصلاح کے لیے ہونی چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو سکون، خوشحالی اور امن میسر ہو اور اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہو جائے (۴۰)۔

۳۔ معاشرے میں ہر ایک کا فرض ہے کہ بھلائی اور نیکی کو پھیلائے اور برائی اور بدی کو روکے (۴۱)۔

۴۔ بندوں سے تعلق میں بدگمانی نہ رکھو، ایک دوسرے کے معاملات کا تجسس نہ کرو، ایک کے خلاف دوسرے کو نہ اکساؤ، آپس کے حسد اور بغض سے بچو، اور ایک باہمی انسانی برادری میں بھائی بھائی بن کر رہو (۴۲)۔

۵۔ کسی ظالم کی ظلم میں اعانت نہ کرو بلکہ مظلوم کی دادرسی کے لیے ظالم کے ہاتھ روکنے کی اپنی استطاعت کے مطابق کوشش کرو (۴۳)۔

Scanned by CamScanner

۶۔ [illegible] میں بھی اپنے رشتہ داروں، دوستوں، تعلق داروں اور قوم کی حمایت نہ کریں(۳۴)۔

۷۔ [illegible] لوگوں کے لئے وہی چیز پسند کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو(۳۵)۔

۸۔ [illegible] ایک دوسرے سے علوم و فنون سیکھیں اور اس سے مہارت حاصل کریں(۳۶)۔ [illegible] ایک دوسرے کی نقالی نہ کریں کیونکہ یہ نقالی کی بدترین قسم ہے اور اپنی [illegible] کا خاتمہ [illegible] ہے اور اس کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ نقالی کرنے والی قوم کی [illegible] ہوتی ہے۔

۹۔ [illegible] ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات میں تعصب اور تنگ نظری سے پرہیز کریں، [illegible] اور ایک دوسرے کے مذہب کی توہین نہ کریں(۳۷)۔

۱۰۔ [illegible] قبیلہ، وطنی، لسانی برادری میں وہ ماحول کا زوال اور کریں تعصب، تنگ نظری، بد خلقی اور ظلم مسلمان کی شان نہیں ہے۔ مسلمان دنیا میں اس [illegible] حسن اخلاق، شرافت اور نیکی کا بہترین نمونہ ہے اور اپنے [illegible] کے حصول سے قبیلہ، وطنی، برادری کے حالات کی تعمیر کرے(۳۸)۔

۱۱۔ [illegible] اپنے حقوق اور فرائض کو پہچانے، حقوق کے حصول کے لئے جدوجہد کرو اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرو کیونکہ تمہارے فرائض دوسرے انسان کے حقوق ہیں۔

۱۲۔ اپنی ذات کے لئے جائز ضروریات کو حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہو یہ تمہارا فرض ہے لیکن دنیا میں صرف اپنے لئے نہ جیو اور نفس کی نہ ختم ہونے والی خواہشات کی تکمیل کے لئے اپنے آپ کو نہ وقف کرو، اپنی جائز ضروریات کو حاصل کرنے کے ساتھ خواہشات نفس کی تکمیل میں اپنی کوشش صرف کرنے کی بجائے اس کوشش کو دیگر انسانوں کی ضروریات اور ان کی جائز ضروریات پورا کرنے میں صرف کرو تاکہ آپ

Scanned by CamScanner

حواشی/حوالہ جات

۱) مولانا عبدالحفیظ بلیاوی: مصباح اللغات، ایچ ایم سعید کمپنی، ص ۵۲۸،۱۳۹

۲) مفہوم از آیات القرآنیہ والاحادیث الشریفہ۔

۳) النساء: ۳۴

۴) الروم: ۲۱

۵) النساء: ۳۴، مودودی (سید مودودی) ابوالاعلیٰ: تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۳۵۴، ادارہ ترجمان القرآن۔

۶) النساء: ۱، الحجرات: ۱۳

۷) الحجرات: ۱۳

۸) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی: دینیات، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ص ۱۵۵

۹) عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون: مقدمہ، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، ص ۳۱۶

۱۰) ابو عبداللہ محمد بن یزید: سنن ابن ماجہ، بحوالہ: اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
(محمد عبدالحی، ڈاکٹر) ص ۳۹۵۔
مکتبہ الایمان لاہور۔ مولانا جلیل احسن ندوی: راہ عمل، ص ۱۱۷

۱۱) علی بن ابی بکر: ہیثمی: مجمع الزوائد، بحوالہ اسوۂ رسول اکرم ﷺ، ص ۷۰
(اس حدیث میں پانچ کی جگہ تین درہم کا ذکر ہے)

۱۲) مفہوم از آیات والاحادیث الشریفہ۔ مزید دیکھیے امام غزالی: احیاء علوم الدین،
مکتبہ رحمانیہ لاہور، ص ۳۵۵۔

۱۳) سورۃ بنی اسرائیل: ۲۳۔

۱۴) الاسراء: ۲۳

۱۵) ایضاً: ۲۳

Scanned by CamScanner

۱۶) مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم (بحوالہ معارف الحدیث ج ۲، ص ۲۷۳)، دارالاشاعت کراچی
۱۷) سلیمان بن ابو داؤد، سنن ابی داؤد (بحوالہ معارف الحدیث ج ۲، ص ۲۷۳)، بیہقی
ایضاً، امام غزالی، احیاء علوم الدین (ترجمہ) مکتبہ رحمانیہ لاہور، ص ۲۵۹
۱۸) ابن ماجہ، ابو داؤد، بحوالہ اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ص ۳۲۵، طبع مذکور
۱۹) ترمذی، ابواب الفتن، بحوالہ معارف الحدیث ص ۲۷۳، اسوۂ رسول اکرم ﷺ
ص ۳۰۳
۲۰) عبداللہ یوسف علی، معانی قرآن، ترجمہ اردو، الفیصل اسلامک پبلشرز۔
۲۱) امام غزالی، احیاء علوم الدین (مترجم) مکتبہ رحمانیہ لاہور، ص ۳۵۷
خالد علوی، انسان کامل، الفیصل ناشران، لاہور، ص ۵۵۳-۵۵۵
۲۲) مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، بحوالہ معارف الحدیث، طبع مذکور، ص ۱۷۷۔
۲۳) محمود احمد غازی، تفہیم اسلامیات (اردو) برائے انٹرمیڈیٹ، قریشی پبلشرز
لاہور، ص ۱۵۰۔
۲۴) سورۃ البقرۃ ۲: ۱۵۱۔
۲۵) عبد الرحمن بن الفضل بن بہرام الدارمی، مسند، بحوالہ تفہیم اسلامیات برائے
انٹرمیڈیٹ، قریشی برادرز پبلشرز لاہور، ص ۱۵۱
۲۶) احیاء علوم الدین، ص ۹۳۳
۲۷) النساء ۴: ۳۶ (احمد بن عمرو البزار، مسند، بحوالہ معارف الحدیث، ص ۳۱)
۲۸) احمد بن عمرو البزار، مسند، بحوالہ معارف الحدیث، ص ۳۱
۲۹) بخاری و مسلم، بحوالہ معارف الحدیث، طبع مذکور، ص ۵۰۶، ج ۲
۳۰) احمد بن حنبل، مسند (الفتح الربانی) مع شرح، دار احیاء التراث العربی، بیروت
لبنان، ص ۱۲۵، ج ۱۹۔

(۲۰ مسلم بحوالہ مذکورہ ص ۲۰۹، ج ۲

(۲۱ ترمذی بحوالہ معارف الحدیث ص ۳۱۱، ج ۲

(۲۲ مشکوٰۃ بحوالہ راہ عمل ص ۱۹۷

(۲۳ مسند الحدیث کنز العمال بحوالہ معارف ص ۳۱۰۔

(۲۴ [illegible] ۲۰

(۲۵ بخاری و مسلم بحوالہ معارف الحدیث ص ۲۹۳

(۲۶ معارف الحدیث ص ۲۹۳

(۲۷ مفہوم از احادیث الواردہ فی کتب الشیعۃ/ ایضاً المائدہ ۲

(۲۸ المائدہ ۲

(۲۹ بخاری، راہ عمل ص ۳۱

(۳۰ التوبہ ۷۱

(۳۱ سیرت مجتبیٰ احسن ندوی، راہ عمل ص ۱۹۱۔

(۳۲ ایضاً ۱۹۳

(۳۳ مشکوٰۃ بحوالہ راہ عمل ص ۳۱۵

(۳۴ بخاری مسلم، راہ عمل ص ۱۹۲

(۳۵ کتاب الصلاۃ، فتاویٰ اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء، الریاض،
ص ۲۴۹، ج ۱۰، فتویٰ نمبر ۵۸۵

(۳۶ الانعام ۱۰۸

(۳۷ مفہوم از احادیث الحدیث دیکھیے حافظ محمد طاہر محمود اشرفی، رواداری،
ص ۱۱۸-۱۲۰، مطبوعہ ۲۰۰۰

(۳۸ مفہوم از آیات و احادیث الواردہ فی کتب اہل السنۃ والشیعۃ

۴۹) المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی، الاحادیث الشریفہ۔

۵۰) مشکوۃ المصابیح، عبدالغفار حسن، محمد بن علی، انتخاب حدیث، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ

لاہور، ص ۱۳۰۔۱۳۵

۵۱) مشکوۃ المصابیح، عبدالغفار حسن، محمد بن علی، انتخاب حدیث، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ

لاہور، ص ۱۳۵، ۱۳۶

مصادر و مراجع

۱۔ القرآن الکریم

۲۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، سنن

۳۔ بلیاوی (مولانا) عبدالحفیظ، مصباح اللغات

۴۔ ابن حنبل، احمد، مسند

۵۔ ابن خلدون، عبدالرحمن بن محمد، مقدمہ

۶۔ ابن ماجہ، ابو عبداللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ

۷۔ الترمذی، سنن

۸۔ مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح

۹۔ ہیثمی، علی بن ابی بکر، سیرت رسول اکرم ﷺ

۱۰۔ السہیلی، عبدالرحمن بن الخطیب، الروض الانف

۱۱۔ علوان، عبداللہ ناصح، تربیۃ الاولاد

۱۲۔ محمد یوسف، عبدالغفار حسن، انتخاب حدیث

۱۳۔ النووی، یحییٰ بن شرف، شرح صحیح مسلم

۱۴۔ مودودی (سید) ابو الاعلیٰ، تفہیم القرآن، دیباچہ

۱۵۔ نعمانی (علامہ) شبلی، رسائل، لاہور

دبستان حنفی: ایک تعارف

Imam Abu Hanifa (Noman bin Thabit) who was born in Kufa was one among the greatest jurists of Islam. He made it possible for the layman to understand Islam and to follow it. That is why one of the characteristics of his Fiqh is simplicity. Noman bin Thabit met many companions of the Holy Prophet ﷺ and hence got the title of Tabie (تابعی). His Fiqh got a widespread recognition when one of his students got the post of Chief Justice in the days of Haroon-ur-Rashid (The Caliph). Imam Abu Yousaf bin Yaqoob bin Ibrahim Ansari officially disseminated his Fiqh. This article represents a brief introduction and characteristics of his School of Fiqh.

فقہ عراق میں کوفہ کو مرکزی حیثیت حاصل رہی کہ یہاں پر عظیم فقہاء و محدثین کی آمد و رفت رہی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو معلم اور قاضی بنا کر کوفہ بھیجا۔ آپ صحابی تھے اور صحبت یافتہ تھے۔ آپ کے بعد فقہاء کا مرکز کوفہ رہا۔ جس میں آپ کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگردوں کا مرکزی کردار رہا۔ ان میں حضرت علقمہ، مسروق ہمدانی، قاضی شریح، ابراہیم، عامر شعبی اور حماد بن ابی سلیمان مشہور ہیں۔

Scanned by CamScanner

دبستانِ حنفی: ایک تعارف

Imam Abu Hanifa (Noman bin Thabit) who was born in Kuofa was one among the greatest jurists of Islam. He made it possible for the layman to understand Islam and to follow it. That is why one of the characteristics of his Fiqh is simplicity. Noman bin Thabit met many companions of the Holy Prophet ﷺ and hence got the title of Tabie (تابعی). His Fiqh got a widespread recognition when one of his students got the post of Chief Justice in the days of Haroon-ur-Rashid (The Caliph). Imam Abu Yousaf bin Yaqoob bin Ibrahim Ansari officially disseminated his Fiqh. This article represents a brief introduction and characteristics of his School of Fiqh.

ملک عراق میں کوفہ کو مرکزی حیثیت حاصل رہی کہ یہاں پر عظیم فقہاء اور محدثین کی آمد و رفت رہی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو معلم اور قاضی بنا کر کوفے بھیجا آپ صحابی تھے اور محدث و فقیہ بھی۔ آپ کے بعد فقہاء کا مرکز کوفہ بنا رہا۔ جس میں آپ کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد کا مرکزی کردار رہا۔ جن میں علقمہ، مسروق ہمدانی، قاضی شریح، ابراہیم، عامر شعبی اور حماد بن ابی سلیمان مشہور ہیں۔

Scanned by CamScanner

دو سلسلوں کی بھی اوائل سے ہی شروع ہوا۔" ان سے پہلے امام ابو حنیفہ ہیں

نعمان بن ثابت آپ کا نام، ابو حنیفہ کنیت اور امام اعظم لقب تھا۔ آپ فارسی النسل تھے۔(۱) آپ کی پیدائش 80ھ بمطابق 699ء کوفہ میں ہوئی۔ آپ نے اپنی علمی زندگی کی ابتدا علم کلام کے مطالعے سے کی پھر آپ نے فقہ اپنے استاد حماد بن ابی سلیمان سے پڑھی۔ آپ نے ابراہیم نخعی کے جانشین امام حماد کی شاگردی بھی اختیار کی۔ اور ان کے علاوہ بھی کئی اصحاب علم سے استفادہ کیا۔ ان میں امام محمد باقرؒ، امام جعفر صادقؒ، جابر بن عبداللہ، عطاء بن ابی رباح، نافع، ابن شہاب زہری، قتادہ البصری اور عبداللہ بن دینار وغیرہ کے نام مشہور ہیں۔ ابو حفص کبیر کی روایت کے مطابق آپ کے شیوخ کی تعداد چار ہزار تک پہنچتی ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کو تابعی ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔" آپ نے صحابہ کرام میں سے حضرت انسؓ، حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ اور حضرت عبداللہ بن حارثؓ کو دیکھا تھا۔(۲) آپ کا آبائی پیشہ کپڑے کی تجارت تھا۔ ابتدا میں آپ نے بھی یہی پیشہ اختیار کیا۔ بعد میں آپ کو تحصیل علم کا شوق ہوا تو تجارت سے یکسو ہو کر دنیائے علم میں کھو گئے۔ علم کلام اور وسیع تجارت نے آپ میں عقل و رائے سے استصواب کرنے اور شریعت کو عملی زندگی میں جاری کرنے اور مسائل جدیدہ میں قیاس و استحسان سے کام لینے کی صلاحیت پیدا کر دی تھی اسی لئے "آپ کے مذہب کا نام مذہب اہل الرائے مشہور ہو گیا۔(۳) آپ فرماتے ہیں۔ "ہمارا یہ علم رائے ہے اور یہی ہمارے نزدیک سب سے بہتر ہے۔ ہاں جو شخص اس کے سوا کسی اور رائے کو بہتر سمجھے تو اس کیلئے اپنی رائے اور ہمارے لئے ہماری رائے۔(۴) اور فرمایا

جب کوئی مسئلہ نہ کتاب اللہ میں ملے نہ سنت رسول ﷺ میں تو میں اقوال صحابہ پر غور کرتا ہوں اور اقوال صحابہ کے ہوتے کسی قول کو اقوال سے نہیں نکلتا۔ ابراہیم شعبی، ...

بھی یہ معلوم ہے کہ حدیث کی کثیر تعداد سے بھی اپنے زمانے میں استفادہ کیا۔ لیکن جس طرح ان
حضرات نے حدیث کو رد نہیں کیا اسی طرح یہ بھی نہیں کر سکتے (۸)

امام ابو حنیفہؒ قرآن و حدیث میں جو کچھ پاتے تھے اس کے مطابق فیصلہ دیا کرتے
تھے۔ جب کوئی قول صحابہ کا ہوتا تو اسے اختیار کرتے تھے۔ حدیث کے معاملے میں
وہ بہت محتاط تھے اور صرف ان احادیث کو قبول کرتے تھے جن کے راویوں کا عمل واجب ہے
جن سے ثابت ہو کہ وہ حجت تسلیم کرتے (۸)۔ خبر واحد کو وہ اس وقت قبول کرتے جب
وہ کسی عمومی مسئلہ میں حاصل نہ ہو۔ آپ اس روایت کو تسلیم نہیں کرتے تھے جس کا
تعلق عام ضرورت سے ہو (۹)۔ اگر دو روایات بظاہر مختلف ہوں ایک تقاضا کی بنا
پر کی ترجیح ہو تو ان کو اس روایت کے مقابلے میں ترجیح دیتے تھے۔ اگر
صحابہ میں باہم اختلاف ہو اور مصالحت کا کوئی پہلو نظر آئے تو ان میں سے اس کو اختیار
کرتے تھے جو ہو یا جس کے راوی فقیہ و عادل اور علم میں فائق
ہوں۔ آپ خبر واحد اور قرآن کو قیاس پر ترجیح دیتے ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کتاب و سنت کے بعد اجماع صحابہ کو اہمیت حاصل ہے
اگر صحابہ کرام میں اختلاف ہو تو آپ اس قول کو قبول کرتے ہیں جو کتاب و سنت کے
قریب ہو (۱۰)۔ جو عمل صحابہ اور تابعین میں متواتر چلا آیا ہو اسے امام ابو حنیفہؒ حجت تسلیم
کرتے ہیں۔ آپ ظاہری طور سے ہر دور میں اجماع کے قائل ہیں (۱۱)۔ آپ قیاس کے
استعمال میں بہت محتاط تھے۔ آپ نے نہ صرف پیش آمدہ مسائل کے حل ڈھونڈے ہیں بلکہ
ایسے مسائل میں بھی غور و خوض کیا اس لئے آپ کے ہاں قیاسی فتووں کی ایک بڑی تعداد
موجود ہے۔ آپ نے قیاس کو ایک فن کی صورت دی اور قواعد و اصول کر قیاس اسی صورت میں
جائز ہے جب اس کے سوا کوئی دلیل نہ ہو۔ آپ نے "استحسان" کو بھی اپنایا۔ استحسان قیاس
کو چھوڑ کر اصول و کلیہ کی رو سے خاص فیصلہ دینے کا نام ہے۔

Scanned by CamScanner

میں کمال کی وجہ سے امام ابو حنیفہ کو لقب امام اعظم ہو گیا۔ آپ کے متعلق امام مالک نے یوں فرمایا: "اب کسی مسئلے میں دونوں جانب اختلاف ہو تو ہم اسے امام ابو حنیفہ کے سامنے پیش کرتے۔ آپ اس کی جلدی جواب دیتے جیسے اپنی آستین سے نکال رہے ہوں (۱۲)"

خلافت امویہ میں عراق کے حاکم" ابن ہبیرہ" نے آپ کو منصب قضا (جج) پیش کیا تو آپ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس وجہ سے آپ کو زدوکوب بھی کیا گیا (۱۳)۔ پھر خلافت عباسیہ کے دوران خلیفہ ابو جعفر نے آپ کو بغداد میں بلا کر قاضی کا منصب پیش کیا مگر آپ نے حسب سابق انکار کر دیا اس پر آپ کو قید کی سزا دی گئی (۱۴) اور وہیں آپ نے 150ھ بمطابق 767ء میں وفات پائی۔

آپ کا جنازہ جیل سے نکلا تو اس جنازہ کی رونق اور تجلیات سے متاثر ہو کر دس ہزار عیسائی مسلمان ہو گئے۔ اور چھ دفعہ آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ پہلی دفعہ کے شرکاء کی تعداد پچاس ہزار تھی اور دفن ہونے تک لوگ قبر پر دعا کیلئے آتے رہے۔ آپ کو بغداد میں دفن کیا گیا۔

امام ابو حنیفہ انتخاب احادیث میں بہت محتاط تھے اور صرف وہی احادیث قبول کرتے تھے جو ثقہ راویوں سے مروی ہوں باوجود اس کے آپ کے ساتھیوں اور شاگردوں نے پندرہ مسانید (یعنی ایسی احادیث کے پندرہ مجموعے جن کے راویوں کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ تک جاتا ہے) آپ سے روایت کی ہیں (۱۵)۔ ان سب کو قاضی القضاۃ ابو المؤید محمد بن محمود خوارزمی نے ایک جلد میں جس کا نام "جامع المسانید" ہے جمع کیا ہے۔ اسی وجہ سے ابن خلدون نے جو بیان کیا ہے کہ ابو حنیفہ سے تقریباً سترہ حدیثیں روایت کی گئی ہیں اسے قرین صحت اور قابل قبول نہیں سمجھا جاتا۔ (۱۶)

امام ابو حنیفہ نے درس و تدریس کے دوران کم و بیش "چالیس شاگردوں کی ایک کمیٹی تشکیل دی جس کے ارکان قرأت، لغت عرب، تفسیر، کلام حدیث اور آثار صحابہ

Scanned by CamScanner

واقفین کے ماہر تھے۔ اس کمیٹی کے ارکان ہر مسئلہ پر آپس میں بحث کرتے، بعض مسائل پر
ایک ایک ماہ تک بحث جاری رہتی تھی۔ جب کسی مسئلہ پر متفقہ فیصلہ ہو جاتا تو اسے احاطہ تحریر
میں لایا جاتا۔(۱۸) تدوین فقہ کا یہ طریقہ آپ کی زندگی کے آخر تک قائم رہا۔ اس طریقہ
سے فقہ کا جو ذخیرہ قلم بند ہوا وہ آج دنیا میں ناپید ہے اس کا سبب یہ ہے کہ آپ کے نامور
شاگردوں اور پیروکاروں نے اپنے اپنے طور پر نئے مجموعے قلم بند کر لئے۔ ان میں اس ذخیرہ
کے مقابلے میں زیادہ وضاحت اور طوالت تھی سے آگے اصل نسخہ کی ضرورت نہ رہی اسلئے
اس کا وجود ختم ہو گیا۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے اقوال فقہیہ آپ کے شاگردوں کے ذریعے منتقل ہو کر ہم
تک پہنچے۔ آپ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ مشہور چار ہیں۔ ابو یوسف، زفر بن ہذیل
بن قیس، محمد بن حسن شیبانی اور حسن بن زیاد لولوی اور انہی چاروں کے ذریعے حنفی مذہب
دنیا میں پھیلا۔ خصوصاً ابو یوسف اور محمدؒ کے ذریعے جو امامین اور صاحبین کے نام سے مشہور
ہیں۔ امام اعظم اور ان کے شاگردوں نے اپنے استاد عبداللہ بن مسعود کی وصیت پر
پورا عمل کیا اور آپ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا تھا کہ "تم لوگ علم کے مرتبے
اور رفعت سے نہ بڑھو"(۱۹)۔

امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری (113ھ-182ھ) بغداد کی
منصب قضا پر مقرر ہوئے۔ بعد" آپ ہارون رشید کے عہد خلافت میں قاضی القضاۃ بنے
اور خلافت کے باقی حصوں میں قاضیوں کا تقرر اور معزولی بھی آپ کے سپرد ہوئی۔(۱۹)،
ان کے ذریعے امام اعظم کے مسلک کی کامل طور پر اشاعت کرنے کا پورا پورا موقع ملا۔ علاوہ
ازیں آپ نے ان فتووں کا اضافہ کیا جو معاملات پیش آنے کے سبب سے ضروری ہو گئے تھے۔
اور ان احکام کا بھی اضافہ کیا جو آپ کے نزدیک ایسی احادیث صحیحہ سے ماخوذ تھے۔ جنہیں
آپ نے رجال حدیث سے حاصل کیا تھا۔ ابو یوسف انہی وجوہات سے مشہور تھے

Scanned by CamScanner

اپنے استاد امام ابو حنیفہ سے اختلاف کیا۔

امام ابو یوسف کے مشہور اقوال فقہ حنفی کی کتابوں میں اور امام شافعی کی "کتاب الام" کے آخری حصے میں مذکور ہیں (۴۰)۔ امام ابو یوسف کی ایک کتاب مسائل خراج میں بھی ہے۔ وہ ایک گراں قدر رسالہ ہے جسے آپ نے ہارون رشید کو لکھ کر بھیجا تھا اور اس میں محصولات اور حکومت کے امور مالیات پر انتہائی حاصل بحث کی گئی ہے جو ان کے وسیع تجربہ اور عمیق تحقیق پر دلالت کرتی ہے۔ (۴۱)

مذہب حنفی کی تدوین میں امام محمد بن حسن شیبانی (132ھ۔ 189ھ) کا بھی بہت زیادہ کام ہے۔ انہوں نے بھی عراق کے مدرسے سے علوم حاصل کیے اور آپ مدینے گئے اور وہاں اہل حدیث سے اور وہیں امام مالک سے علم پڑھا۔" آپ مذہب حنفی کی معتبر کتابوں کی تدوین اور اختراع مسائل میں مشہور ہیں۔ خصوصاً مسائل وراثت وغیرہ میں۔ نیز آپ حقیقی مسائل کا تجزیہ کرنے اور پیچیدہ [illegible] اور فرضی مسائل کے اختراع کرنے میں بھی مشہور ہیں۔ (۴۲)

امام محمد کی تدوین شدہ کتب دو اقسام پر مشتمل ہیں۔

ا۔ وہ قسم جنہیں ثقہ راویوں نے امام محمد سے روایت کیا اور ان کا نام "کتب ظاہر الروایہ" یا مسائل اصول ہے۔

ب۔ وہ قسم جو ثقہ راویوں سے روایت نہیں کی گئیں۔ ان کا نام کتب یا مسائل النوادر ہے۔

کتب ظاہر الروایہ چھ ہیں: المبسوط، الجامع الکبیر، الجامع الصغیر، کتاب السیر الکبیر، کتاب السیر الصغیر، اور زیادات (۴۳) اور یہ چھ کتب ابو الفضل مروزی نے اپنی تصنیف کتاب الکافی میں جمع کر دی ہیں۔ (۴۴) علامہ محمد بن احمد سرخسی نے پانچویں صدی ہجری کے آخر میں "کتاب المبسوط" میں تیس اجزاء میں "کافی" کی شرح لکھی ہے اور مجتہدین (?) اور اصحاب کی تدوین کرنے والوں نے اکثر مسائل "کتب ظاہر الروایہ" ہی سے

اور یہ ہیں (۲۵) اور ''کتاب النوادر'' جسے کتاب الامالی محمد بھی کہا جاتا ہے ''کیسانیات''
جسے شعیب کیسانی نے روایت کیا ہے۔

کتاب الرقیات جس میں وہ مسائل درج ہیں جو امام محمد کو اس وقت پیش آئے جب آپ کو ہارون رشید نے شہر رقہ کا قاضی مقرر کیا تھا (۲۶)۔ ہارونیات، جرجانیات، کتاب الکیسانی فی الحیل، زیادۃ الزیادات اور کتاب نوادر محمد بروایت ابن رستم۔

مسائل نوادر میں وہ کتابیں بھی شمار کی جاتی ہیں۔ جو اس مذہب کے ائمہ سے روایت کی گئی ہیں جیسے امام ابو حنیفہ کی ''کتاب المجرد'' جس کی روایت آپ کے شاگرد حسن بن زیاد لؤلؤی نے کی ''کتاب الرد علی اہل المدینہ'' اور کتاب الامالی، محمد بن حسن کی تصنیف ہیں۔

کتب ظاہر الروایہ اور النوادر کے بعد فتاویٰ اور مسائل کی وہ کتابیں ہیں جن میں وہ مسائل ہیں جن میں متاخرین نے جب سلف کی روایت نہ پائی تو خود اجتہاد کیا ہے ''کتاب النوازل'' مؤلفہ ابو اللیث سمرقندی وغیرہ (۲۷)۔

امام ابو حنیفہ کے اور بھی شاگرد تھے جن میں مشہور یہ ہیں۔ ہلال الرائی (متوفی 234ھ) اور ابو بکر خصاف کے نام سے مشہور ہیں (متوفی 261ھ) جو کتاب الحیل اور کتاب الوقف وغیرہ کے مؤلف ہیں اور ابو جعفر طحاوی (متوفی 321ھ) جنہوں نے کتاب ''مختصر فی الفقہ وغیرہ'' لکھی۔

ان شاگردوں کے بعد فقہاء کا ایک طبقہ آیا جو مذہب حنفی کے مقلد تھے ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ ابو الحسن کرخی (متوفی 340ھ) مؤلف ''مختصر الکرخی'' شمس الائمہ سرخسی مؤلف ''المبسوط''، علی بن محمد بزدوی (متوفی 482ھ) مؤلف ''کتاب الاصول'' ابو بکر کاسانی (متوفی 547ھ) مؤلف ''بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع'' اور برہان الدین علی مرغینانی (متوفی 593ھ) مؤلف ''کتاب الہدایہ شرح بدایۃ المبتدی'' وغیرہم

Scanned by CamScanner

ہدایہ کی چار جلدیں ہیں۔ یہ مذہب حنفی کی کتب معتبرہ میں سب سے زیادہ معتبر

کتاب ہے۔ اس کی شرحیں اور حواشی بھی بہت ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں: "العنایہ"

بابرتی کی "کفایہ" کرلانی کی، "وقایہ" برہان الشریعت کی "وقایہ" کا خلاصہ "نقایہ" صدر

الشریعت کا، "نہایہ" سغناقی کی، "غایۃ البیان" اتقانی کی، "معراج الدرایہ" قوام

الدین کاکی کی، "عنایہ" بابرتی کی، "بنایہ" عینی کی اور "فتح القدیر" کمال الدین ابن ہمام کی۔

اس کے بعد تقلید کا زمانہ آیا۔ اس وقت ایسے فقہاء پیدا ہوئے جنہوں نے اجتہاد موقوف کر کے تقلید پر اکتفا کیا (۲۸)۔ انہوں نے مختصر متن لکھے، اور پھر ان متنوں کی شرحیں لکھی گئیں اور پھر ان شرحوں کی اور شرحیں تیار ہوئیں۔ ان شرحوں پر حواشی اور تعلیقے لکھے گئے۔ فتاویٰ جمع کیے گئے۔ جس کی وجہ سے واقعات کی کثرت ہوئی (۲۹)۔ فقہاء نے متنوں کے مطالب کو ان شرحوں کے مسائل سے مقدم سمجھا اور اسی طرح شرحوں کے مسائل کو فتاویٰ سے زیادہ معتبر جانا (۳۰)۔

کتب مذہب میں سے متاخرین کے نزدیک حسب ذیل کتابیں زیادہ معتبر ہیں:

"کتاب المختصر" مؤلفہ احمد بن محمد قدوری (متوفی 428ھ)، چار کتابیں جو چار متون کہلاتے ہیں، وہ یہ ہیں: "وقایۃ" مختصر الہدایہ، مؤلفہ تاج الشریعت محمود محبوبی "مختار" اور اس کی شرح "الاختیار" مؤلفہ عبداللہ موصلی (متوفی 683ھ) "مجمع البحرین" مؤلفہ ابن الساعاتی (متوفی 694ھ)، "کنز الدقائق" مؤلفہ حافظ الدین نسفی (متوفی 715ھ)

"کنز الدقائق" تمام متنوں میں سب سے زیادہ مشہور ہے اور اس کی شرحیں اور حواشی بہت ہیں، جن میں سے زیادہ اہم یہ ہیں: "تبیین الحقائق" مؤلفہ زیلعی، "رمز الحقائق" مؤلفہ عینی، "بحر الرائق" مؤلفہ زین العابدین بن نجیم "تکملہ بحر الرائق" مؤلفہ طوری، "نہر الفائق" مؤلفہ عمر بن نجیم، "منحۃ الخالق" مؤلفہ ابن عابدین اور "کشف الحقائق" مؤلفہ افغانی وغیرہ وغیرہ۔

Scanned by CamScanner

کتب حنفیہ "فتاویٰ" میں حسب ذیل مشہور ہیں "فتاویٰ ولوالجیہ" مؤلفہ عبدالرشید ولوالجی (متوفی 545ھ) "فتاویٰ خانیہ" مؤلفہ قاضی خان حسن بن منصور (متوفی 592ھ) "فتاویٰ ظہیریہ" مؤلفہ ظہیر الدین محمد بخاری (متوفی 619ھ)، "فتاویٰ طرسوسیہ" معروف بہ "انفع الوسائل الی تحریر المسائل" مؤلفہ ابراہیم بن علی طرسوسی (متوفی 758ھ) "فتاویٰ بزازیہ" مؤلفہ حافظ الدین محمد معروف ابن بزاز (متوفی 827ھ) "فتاویٰ خیریہ" مؤلفہ خیر الدین فاروقی رملی (متوفی 1081ھ) "فتاویٰ انقرویہ" مؤلفہ محمد آفندی انقروی (متوفی 1098ھ)۔ "فتاویٰ تمہیدیہ" اور "فتاویٰ حامدیہ" مؤلفہ حامد آفندی بن علی قونوی۔ اس کا خلاصہ "تنقیح الحامدیہ" مؤلفہ محمد امین ابن عابدین (متوفی 1252ھ) اور "فتاویٰ مہدیہ فی الوقائع المصریہ" مؤلفہ محمد عباس مہدی مفتی مصر۔

کتب مذکورہ بالا کے علاوہ متاخرین علمائے حنفیہ کی حسب ذیل کتب بھی مشہور ہیں "جامع الفصولین" مؤلفہ ابن قاضی سماونہ (متوفی 818ھ) "درر الحکام شرح غرر الاحکام" مؤلفہ ابن ملا خسرو (متوفی 885ھ) اس کا حاشیہ "غنیۃ ذوی الاحکام" مؤلفہ شرنبلالی (متوفی 1069ھ) "ملتقی الابحر" مؤلفہ حلبی (متوفی 956ھ) اس کی شرح "مجمع الانہر" مؤلفہ داماد آفندی (متوفی 1078ھ) اس کی دوسری شرح "مجمع الانہر" مؤلفہ داماد آفندی (متوفی 1089ھ) اس کی دوسری شرح "الدر المنتقی" مؤلفہ محمد علاء الدین حصکفی (متوفی 1088ھ)۔ "تنویر الابصار" مؤلفہ تمرتاشی اور اس کی شرح "الدر المختار" مؤلفہ حصکفی۔ "ردالمحتار علی الدر المختار" مؤلفہ محمد امین بن عابدین اور اس کا تکملہ "قرۃ عیون الاخیار" جو ان کے بیٹے محمد علاء الدین کی تالیف ہے۔

فقہ حنفی کی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

1۔ یہ فقہ انسانی عقل و فکر سے قریب تر ہے۔

2۔ خلفائے عباسیہ نے فقہ حنفی کو قبول کیا اور اسے سرکاری طور پر نافذ کیا جس سے

Scanned by CamScanner

یہ مذہب مقبول عام ہوگیا(۳۱)۔

۳۔ اس میں پیچیدگیاں نہیں یہ اپنی سادگی کی بنا پر مقبول عام ہوئی۔

۴۔ اس فقہ میں بے پناہ تحریری ذخیرہ موجود ہے۔

۵۔ یہ فقہ متوازن ہے جس میں اعتدال کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

۶۔ اس میں احکام اور استنباط کا مدار الفاظ سے زیادہ کتاب و سنت اور اجماع کی روح اور مقاصد پر ہے۔ اسی طرح یہ فطرت انسانی سے ہم آہنگ ہے(۳۲)۔

۷۔ یہ شخصی آزادی کی طرف زیادہ راغب ہے۔

۸۔ یہ فقہ کسی ایک شخص کی مرتب کردہ نہیں بلکہ اسے چالیس فقہاء کی کمیٹی نے فقہی اصول و قواعد کی روشنی میں مرتب کیا(۳۳)۔

۹۔ اس کے مسائل و احکام مصادر پر مبنی اور درایت و روایت کے ساتھ اصول درایت کے عین مطابق ہیں۔

۱۰۔ فقہ حنفی آسان اور سہل العمل ہے۔

۱۱۔ اس میں معاملات کے حصہ میں وسعت اور استحکام، جو تہذیب و تمدن کیلئے بہت ضروری ہے، دوسری تمام فقہوں سے زیادہ ہے(۳۴)۔

۱۲۔ فقہ حنفی نے غیر مسلم رعایا کو اتنے حقوق دیئے، جس سے نظم مملکت میں بڑی آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔

۱۳۔ احکام منصوصہ میں امام ابو حنیفہ کا پہلو مدلل ہوتا ہے۔

یہ دور تدوین کا سنہری دور کہلاتا ہے۔ جلیل القدر فقہاء اسی دور میں پیدا ہوئے اور امت نے ان فقہاء کی سیادت کو تسلیم کیا اور ان کی مدون فقہ کی پیروی شروع کردی۔ قاضی ان کی فقہ کے مطابق فیصلے کرنے لگے۔ اس دور کے مصادر قرآن، سنت، اجماع، قیاس، استصلاح، استحسان، معروف اور استدلال تھے۔

Scanned by CamScanner

عہد اول ہی سے عباسی دور اور عثمانی دور ... کیونکہ خلفائے عباسیہ نے محکمہ عدل و قضاء
میں اسی مذہب کو ترجیح دی تھی۔ اور اہل عراق بھی اسی کے ہی مقلد تھے۔ اس کے علاوہ سلطنت
عثمانیہ کا سرکاری مذہب بھی یہی تھا۔ جو ممالک سلطنت عثمانیہ کے زیر حکومت رہے۔ جیسے مصر،
شام، عراق، ان کا مسلک بھی محکمہ عدل و قضا میں یہی چلا آتا ہے۔ حکومت تیونس کا
مذہب بھی یہی ہے۔ برصغیر پاک و ہند کے ماورائے ممالک مثلاً شام و البانیہ کے باشندوں کا مذہب بھی
سرکاری عبادات میں یہی ہے اور مسلمانان پاکستان بھی مسائل عبادات میں اسی کے ہی
مقلد ہیں۔ اسی طرح اہل افغانستان و ترکستان اور مسلمانان ہند و چین کے ہاں بھی یہی
مسلک غالب ہے اور اسی فقہ کے مقلدین ان دوسرے ممالک میں بھی کثرت سے پائے
جاتے ہیں۔ روئے زمین کے تمام مسلمانوں کا تقریباً دو تہائی ہیں۔

حواشی

1۔ الفوائد البہیہ، محمد لکھنوی، مطبوعہ مصر، 1324ھ، ص 249۔
2۔ الانتقاء، ابن عبدالبر، قاہرہ، 1350ھ، ص 148۔
3۔ تاریخ التشریع الاسلامی، محمد خضری، قاہرہ، 1934ء، ص 68
4۔ الملل والنحل، علامہ شہرستانی، قاہرہ، ج 2، ص 45
5۔ الانتقاء، ابن عبدالبر، ص 144
6۔ تاریخ بغداد، احمد بن علی خطیب بغدادی، ج 13، ص 326
7۔ سیر اعلام النبلاء، ذہبی شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد، بیروت، 1401ھ، ج 6، ص 395
8۔ اصول الفقہ الاسلامی، ڈاکٹر عبدالعزیز ...، مصر، 1418ھ، ج 1، ص 123
9۔ اصول الجصاص، جصاص، ابوبکر احمد بن علی، بیروت، لبنان، ج 2، ص 139

Scanned by CamScanner

۱۰۔ المحرر فی اصول الفقہ، سرخسی، ابوبکر محمد بن احمد، بیروت لبنان، 1417ھ، ج 1، ص 237

۱۱۔ التوضیح، عبید اللہ بن مسعود حنفی، آرام باغ کراچی، 1400ھ، ج 2، ص 424

۱۲۔ میزان الاصول، سمرقندی، علاء الدین ابوبکر محمد بن احمد حنفی، قاہرہ، 1418ھ، ص 453

۱۳۔ المیزان الکبریٰ، شعرانی، عبد الوہاب بن احمد بن علی، دار الفکر بیروت، ج 1، ص 82

۱۴۔ ابو حنیفہ، حیاتہ وعصرہ، آراؤہ وفقہہ، ابو زہرہ، محمد، دار الفکر العربی قاہرہ، ص 93

۱۵۔ طبقات الفقہاء، شیرازی، ابو اسحاق ابراہیم بن علی، بیروت لبنان، 1401ھ، ص 135

۱۶۔ مقدمہ ابن خلدون، ابن خلدون، عبد الرحمن، بیروت لبنان، 1413ھ، ص 144

۱۷۔ اخبار ابی حنیفہ واصحابہ، ابو عبد اللہ حسین، بیروت لبنان،

۱۸۔ کشف الاسرار، عبد العزیز بخاری، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان، 1418ھ، ج 3، ص 386

۱۹۔ تذکرۃ الحفاظ، ابو عبد اللہ محمد بن احمد ذہبی، دار الفکر العربی، قاہرہ، ج 1، ص 78

۲۰۔ دراسات فی الحدیث النبوی، محمد مصطفیٰ، قاہرہ، 1403ھ، ص 124

۲۱۔ وفیات الاعیان، ابن خلکان، ابو العباس احمد بن محمد، بیروت، 1398ھ، ج 1، ص 212

۲۲۔ طبقات الفقہاء، شیرازی، ص 138

۲۳۔ تاریخ بغداد، الخطیب، ص 330

۲۴۔ التوضیح، عبید اللہ بن مسعود، ص 429

۲۵۔ صفۃ الصفوۃ، ابن جوزی، ابو الفرج عبد الرحمن بن علی، دار الفکر بیروت، 1412ھ، ج 3، ص 35

۲۶۔ المذاہب الاسلامیہ، محمد ابو زہرہ، مصر، ص 262

Scanned by CamScanner

[illegible] 1388ھ، [illegible] 321

[illegible] 2 [illegible] 692

[illegible] 1417ھ، ص 323

[illegible] 1390ھ، ص 137

[illegible]

1413ھ، ص 137

[illegible] 267

[illegible] 87

[illegible] 142

مصادر و مراجع

۱۔ [illegible]

۲۔ [illegible] بیروت لبنان

۳۔ [illegible] بیروت لبنان۔

۴۔ [illegible] مصر۔

۵۔ [illegible] 1403ھ۔

۶۔ [illegible] 1400ھ۔

۷۔ [illegible] بیروت، 1417ھ

۸۔ [illegible] 1388ھ۔

۹۔ [illegible] 1324ھ۔

۱۰۔ [illegible] بیروت لبنان، 1417ھ

۱۱۔ [illegible] مصر

Scanned by CamScanner

۱۲۔ المعارف، ابو محمد عبداللہ بن مسلم، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان، 1380ھ۔

۱۳۔ الملل والنحل، علامہ شہرستانی، مطبعۃ [illegible]، مصر۔

۱۴۔ [illegible]، ابو محمد عبدالوہاب بن احمد بن علی، دار الفکر، بیروت لبنان۔

۱۵۔ [illegible]، [illegible]، دار الفکر العربی قاہرہ مصر، 1350ھ۔

۱۶۔ تاریخ الفلسفۃ فی الاسلام، محمد [illegible]، مکتبہ [illegible]، قاہرہ، 1934ء۔

۱۷۔ تاریخ بغداد، احمد بن علی خطیب، احیاء التراث الاسلامی، موصل عراق۔

۱۸۔ تاریخ مولد العلماء ووفیاتہم، ربعی، ابو سلیمان محمد بن عبداللہ، دار العاصمہ، ریاض، 1401ھ۔

۱۹۔ تذکرۃ الحفاظ، ابو عبداللہ محمد بن احمد ذہبی، دار الفکر العربی قاہرہ۔

۲۰۔ ترتیب المدارک، ابو الفضل عیاض بن موسیٰ، منشورات دار الآفاق الجدیدہ، بیروت لبنان۔

۲۱۔ سیر اعلام النبلاء، ذہبی، شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد، دار الفکر المعاصر، بیروت لبنان، 1401ھ۔

۲۲۔ صفۃ الصفوۃ، ابن جوزی، ابو الفرج عبدالرحمٰن بن علی، دار الفکر، بیروت لبنان، 1412ھ۔

۲۳۔ طبقات الفقہاء، شیرازی، ابو اسحاق ابراہیم بن علی، مؤسسۃ التاریخ العربی، بیروت لبنان، 1401ھ۔

۲۴۔ کشف الاسرار، عبدالعزیز بخاری، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان، 1418ھ۔

۲۵۔ مقدمہ ابن خلدون، ابن خلدون، عبدالرحمٰن، دار الفکر، بیروت لبنان، 1413ھ۔

۲۶۔ میزان الاصول، سمرقندی، علاء الدین ابو بکر محمد بن احمد، حنفی، مکتبہ الکلیات الازہریہ، قاہرہ، 1418ھ۔

۲۷۔ وفیات الاعیان، ابن خلکان، ابو العباس احمد بن محمد، دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان، 1388ھ۔

Scanned by CamScanner

قرآنی محاورات اور اردو زبان

Idioms owe their existence to a particular environment and culture and their use creates a liveliness in the language. Here certain idioms have been studied which have been translated from the Holy Quran and have been used in Urdu language with equal facility and effect.

محاورات کا درست اور برمحل استعمال کسی بھی زبان کو حسین، دلکش اور جمیل بنا دیتا ہے۔ اس طرز ادا وابستگی سے قاری اور سامع محظوظ ہوتے ہیں۔ اس سے ان کے ذہن پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ درست محاورات کا استعمال تحریر و تقریر میں حقیقتاً انشا پردازی اور زباندانی کی ایک ممتاز صفت ہے۔ کوئی بھی صاحب علم اس کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کرسکتا۔

غور طلب بات یہ ہے کہ کسی بھی زبان کے محاورے اس زبان کے قواعد و ضوابط سے وابستہ ہوتے ہیں اور سوالی انداز سے یہ استعمال ہوتے ہیں۔ عربی زبان میں محاورات کی تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عربی طرز میں بغیر کسی تبدیلی کے محاورات لکھے ملتے ہیں۔ ایسے ہی اردو زبان میں موجود ہے۔

کسی بھی ملک یا علاقے کی آب و ہوا، جغرافیائی طرز زندگی اور وہاں موجود انسانوں کے مزاج کی بنا پر زبان میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ ایک نسل کے انسان دوسری نسل کے انسانوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ اسی لیے ان کی زبان میں

Scanned by CamScanner

اس ساخت اور مفہوم و معانی کی ادائیگی میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

اسی بنیادی اختلاف کی وجہ سے مختلف زبانوں کے حروف تہجی ادائیگی یا مخارج کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں جیسا کہ عربی زبان اردو کے مقابلے میں بعض حروف "پ۔ ٹ۔ ڈ۔ ڑ۔ ژ۔ گ۔ چ۔ ھ" کی قرات کی متحمل نہیں ہو گی۔ کیونکہ عربی زبان حروف تہجی میں مخارج کی وجہ سے ایک منفرد زبان ہے۔ مثال کے طور پر "ث۔ ح۔ خ۔ ذ۔ ص۔ ض۔ ط۔ ظ۔ ع۔ غ۔ ق۔ ل۔ ا" جیسے حروف کے مخارج عربی زبان کو دوسری زبانوں سے ممتاز کرتے ہیں بلکہ ان میں سے بعض حروف دوسری زبانوں میں اپنے مخارج کو کھو دیتے ہیں۔ انگریزی زبان میں "ث" کی آواز "TH" سے نکلتی ہے۔ "چ" کی آواز "CH" سے نکلتی ہے۔

CH Charge Chaste

بعض اوقات یہی "CH" "ش" کی آواز دیتا ہے مثال کے طور پر

CH Chauffeur.

اسی طرح "خ" کی آواز "KH" سے آتی ہے۔

KH Khan khadder khadi

اور "غ" کی آواز "GH" سے آتی ہے۔

GH Ghost

اور "ش" کی آواز بعض اوقات "SH" اور کبھی "SHE" اور کبھی "Tion" سے آتی ہے۔

Nation Transmission

اردو زبان کے حروف تہجی سے پتا چلتا ہے کہ اس میں کثرت سے زبان کے الفاظ مستعمل ہوتے ہیں اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ اردو شاعری کا عروضی اسلوب بھی مشتمل ہے۔ عروضی اوزان و صوتی حسن کے ساتھ استعمال کرنے اور انہیں معانی کی ترسیل کا وسیلہ بنانے

نئی زمین کم و بیش ہر شاعر کے ہاں ملتی ہے۔ یہ بات اتنی عام ہے کہ اس کے لیے مثالیں دینا طوالت اور محاورات کا باعث ہوگا۔ تاہم چند ایک اشعار ملاحظہ ہوں۔

۱۔ گھر کرنا ۔۔۔ مقیم ارادہ کرنا۔

چپکے سے وہ پاس تم کو آن کر
گھر کسی کو اٹھ مرے تو ہو جاؤ

۲۔ کوزے میں دریا بند کرنا طویل داستان کو مختصر بیان کرنا۔

اشعار میں دو دو سے معانی ہیں جب پیچ
دریا کو ہے کوزے میں جس طرح کوئی بند

۳۔ تین اور پانچ کرنا ۔۔۔ میں چوٹ لگانا۔

دو سے بچے میں وہ آتو آتش ہے ذاتی
ہر بات دیکھے تو تین اور پانچ ہو جائے

۴۔ قیل و قال ۔۔۔ بحث مباحثہ

دل شوق میں قیل و قال کافی
بھی قال سے ہو کر بھی نظر سے کے

اردو زبان کی قدر و قیمت اس امر سے عروج پر جا پہنچتی ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ و محاورات اس زبان میں اس طرح سموئے گئے ہیں کہ ان میں عربیت کا شائبہ بھی نظر نہیں آتا۔

زبان کی خصوصیت اور امتیاز کو سمجھنے کے لیے اس کے محاورات کا جائزہ لینا لازم ہے۔ اس جائزے سے یہ پتا چلتا ہے کہ مختلف زبانوں میں محاوروں کی اہمیت و افادیت کا اندازہ کرنا ہے۔ اس سلسلے میں ایک مثال پیش ہے

ب۔ اردو زبان: "اول خویش بعد درویش"

عربی زبان: الاقرب فالاقرب

انگریزی زبان: Charity begins at home

ج۔ اردو زبان میں: اشرفیاں لٹیں کوئلوں پر مہر۔

عربی زبان میں: [illegible]

انگریزی میں: Penny wise pound foolish

د۔ اردو زبان میں: جس کی لاٹھی اس کی بھینس

عربی زبان میں: الحکم لمن غلب

انگریزی زبان میں: Might is right

ہ۔ اردو زبان میں: آپ مرے جگ پرلو

عربی زبان میں: من مات فقد قامت قیامتہ

انگریزی زبان میں: Death's day is a doom's day

و۔ اردو زبان میں: کہیں ہتھیلی پر سرسوں جمتی ہے۔

عربی زبان میں: [illegible]

انگریزی زبان میں: Rome was not built in a day

ز۔ اردو زبان میں: دام بنائے کام

عربی زبان میں: [illegible]

انگریزی زبان میں: Money makes the mare gold.

اب ایک جائزہ قرآنی محاورے اور اردو محاوروں کا۔

ا۔ فی القرآن: قرآن حکیم میں آتا ہے۔

"[illegible]"

Scanned by CamScanner

ترجمہ: منکروں کی نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

اردو زبان میں یہ محاورہ اس طرح استعمال کیا جاتا ہے۔

"آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔"

قرآن کریم میں ہے "ثم لتبلغوا اشدکم" (حج ع ۱)

ترجمہ: تاکہ تم اپنی بھری جوانی تک پہنچ جاؤ۔

اردو میں استعمال کیا جاتا ہے۔ "بھری جوانی"

قرآن پاک میں ہے۔ "فاصبحت کالصریم" (ق ع ۱)

ترجمہ: وہ اجڑی رہ گئی جیسے کاٹ دی گئی ہو

اردو میں ہے کسی معاملے کے متعلق اجاڑ دینا۔

قرآن مجید میں ہے۔ "فبعدا للقوم الظالمین" (مومنون ع ۳)

ترجمہ: سو خدا کی مار ظالم لوگوں پر۔

اردو میں "خدا کی مار"

قرآن پاک میں ارشاد ہے "فلیمدد بسبب الی السماء" (حج ع ۲)

ترجمہ: "تو اس کو چاہیے کہ ایک رسی آسمان تک تان لے۔"

اردو زبان میں ہے۔ "آسمان تک رسی تانا"

قرآن مجید میں آیا ہے "اف لکم" (انبیاء ع ۵)

ترجمہ: تف ہے تم پر

اردو میں استعمال ہوتا ہے تف ہے تم پر

قرآن حکیم میں ہے "وتاللہ لاکیدن اصنامکم" (انبیاء ع ۵)

ترجمہ: خدا کی قسم میں تمہارے ان بتوں کی گت بناؤں گا۔"

اردو میں استعمال ہوتا ہے کہ "گت بنانا"

Scanned by CamScanner

۹۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوا ہے: "فتبهتهم" (الانبیاء، ع ۳)

ترجمہ: پس بھونچکا کر دے گی ان کو۔

جب کہ اردو میں ہے وہ بھونچکا رہ گیا۔

۱۰۔ قرآن پاک میں آیا ہے: ولا تمدن عینیک (طٰہٰ، ع ۸)

ترجمہ: اے پیغمبر! آپ آنکھ اٹھا کر نہ دیکھیے۔

اردو میں استعمال کرتے ہیں کہ "آپ ہرگز آنکھ اٹھا کر نہ دیکھیے"

۱۱۔ قرآن حکیم میں ہے: فتشقیٰ (طٰہٰ، ع ۷)

ترجمہ: اے آدم! شیطان تمہارا دشمن ہے پھر ایسا نہ ہو کہ تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔

جب کہ اردو میں استعمال ہوتا ہے۔ مصیبت میں پڑ جانا

۱۲۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے: "بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغه" (الانبیاء، ع ۲)

ترجمہ: بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں پس اس کا سر توڑ دیتا ہے۔

اردو میں ہے سر توڑ دینا، بھیجا نکال دینا۔

۱۳۔ قرآن پاک میں ہے: "لقد جئت شیئا فریا" (مریم، ع ۲)

ترجمہ: قوم نے مریمؑ سے کہا تو نے بڑے غضب کا کام کیا۔

اردو میں استعمال ہوتا ہے کہ تم نے بڑے غضب کا کام کیا۔

۱۴۔ قرآن میں ہے: "رجما بالغیب" (کہف، ع ۳)

بے تحقیق بات ہانک رہے ہیں۔

اردو میں ہم استعمال کرتے ہیں کہ وہ بے پر کی ہانک رہے ہیں۔

۱۵۔ قرآن پاک میں ارشاد آیا ہے: "فاصبح یقلب کفیه" (کہف، ع ۵)

ترجمہ: وہ ہاتھ ملتا رہ گیا۔

جب کہ اردو زبان میں بولا جاتا ہے وہ ہاتھ ملتا رہ گیا۔

Scanned by CamScanner

۱۰۔ قرآن مجید میں آیا ہے کہ "ومن یحلل علیہ غضبی فقد ہوی" (طٰہٰ ع ۴)

ترجمہ: اور جس پر میرا غضب اترا تحقیق وہ ہلاک ہو گیا گر رہا ہو۔

اردو زبان میں محاورہ اس طرح پیدا کیا ہے کہ غضب اترنا اور ہلاک ہو گیا گر رہا ہوتا۔

۱۱۔ قرآن حکیم میں اس طرح وارد ہوا ہے "واحیط بثمرہ" (کہف ع ۵)

ترجمہ: اس کے سامان محصول کو آفت نے آ گھیرا ہے۔

اردو زبان میں استعمال کیا جاتا ہے کہ اس کی دولت آفت میں گھر گئی۔

۱۲۔ قرآن مجید میں آیا ہے "اعرض ونا بجانبہ" (اسرائیل ع ۹)

ترجمہ: نعمت دیں کہ انسان منہ موڑ لیتا اور کروٹ پھیر لیتا ہے۔

اردو زبان میں کہا جاتا ہے کہ کسی شخص سے منہ موڑنا۔

۱۳۔ قرآن پاک میں ہے "واتخذوا آیاتی ورسلی ھزوا" (کہف ع ۱۲)

ترجمہ: کفار نے میری آیتوں اور رسولوں کو مذاق بنایا۔

اردو میں استعمال ہوتا ہے کہ اس نے دل لگی یا مذاق بنا رکھا ہے میری باتوں کو۔

۱۴۔ قرآن پاک میں آیا ہے "حتی جعلناھم حصیدا خامدین" (انبیاء ع ۲)

ترجمہ: یہاں تک کہ وہ ہم نے ان کو کٹی ہوئی کھیتی بجھی ہوئی آگ"

اردو زبان میں استعمال ہوتا ہے۔ کہ کٹی ہوئی کھیتی بجھی ہوئی آگ۔

۱۵۔ قرآن پاک میں ہے "اضغاث احلام" (یوسف ع ۵)

ترجمہ: پریشان خیالات

اردو زبان میں یہ بات عام ہے۔ پریشان خیالات

یہ ایک مختصر جائزہ ہے جس سے اردو عربی محاورات سے آگاہی حاصل ہوتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ عربی اور صوفی محاوروں سے بھی مختلف زاویے سامنے آتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

مراجع

۱۔ قرآن مجید

۲۔ الادب [illegible] شوقی ضیف

۳۔ [illegible] المعرب [illegible]، فیروز سنز لمیٹڈ

۴۔ فیروز اللغات اردو جامع، فیروز سنز لمیٹڈ

۵۔ فیروز اللغات عربی اردو، فیروز سنز لمیٹڈ

۶۔ AL-MAWRID

A Modern English Arabic Dictionary by Munir Baalbaki, Dar-El-Ilm- Lil Malayen

۷۔ The Hans Wehr Dictionary of moman written Arabic.

Edited by J M. Cowan. 3rd edition

۸۔ المنجد فی اللغة والادب والعلوم، المطبعة الکاثولیکیة، بیروت

اسلام کا تصور شاعری

In the pre-Islamic era the Arab poets were known for their powers f description and a languagge to match their skill. It was bolstered by their creative and critical consciousness. Yet their content and the topics were not in accordance with Islamic values. Thus such poetry was considered wayward and without direction. In contrast the poets were encouraged during the Islamic era to be realistic and to acquire higher values of moral and social ethics. These are the topics of the article.

شعر لفظ "شعور" سے مشتق ہے اور اس کے لغوی معنی "جاننے" کے ہیں۔
اصطلاح میں شعر ایسا موزوں کلام ہے جو مقررہ اوزان اور بحور میں لکھا جاتا ہے۔ گویا شعر
لفظی اور معنوی طور پر موزوں کلام کا نام ہے۔ دور جاہلیت میں عرب کے لوگ کلام و بیان
اور شعر و شاعری میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ عربی زبان پر عبور اور اس کی فصاحت و بلاغت پر
دسترس کے باعث وہ خود پر ناز کیا کرتے تھے اور باقی قوموں کو "عجمی" یعنی "گونگے"
کہا کرتے تھے۔ مگر ان کی غالب شاعری میں اخلاقی گراوٹ بدرجہ اتم پائی جاتی تھی جو بے
خرافات، فحش خیالات کی بھرمار اور نفسانی خواہشات کی بھرمار تھی۔ اس دور کے شعراء میں

Scanned by CamScanner

حضرت حسان نے فوراً یہ شعر پڑھا

ان الجفنات الغر یلمعن فی الضحیٰ

واسیافنا یقطرن من نجدۃ دما

ترجمہ: "ہمارے پاس بڑے بڑے شفاف برتن ہیں جو چاشت کے وقت چمکتے ہیں اور ہماری تلواریں بلندی سے خون ٹپکاتی ہیں۔"

گویا اس شعر میں انہوں نے اپنے قبیلے کی جود و سخا اور شجاعت کا بیان کیا ہے۔ زمانے میں مروج تھا کہ اپنی قوم و قبیلے کی بڑائی اور حسب و نسب پر فخر کیا جائے۔ ... میں اور ان کی حیثیت پاتے تھے۔ یہ شعر سن کر نابغہ نے کہا: "یہ شعر ... بلندی سے گر گیا" پھر اس نے ان مقامات کی نشاندہی کی۔

۱۔ "جفنات" کا لفظ دس سے کم پر بولا جاتا ہے۔ اس کے بجائے مناسب لفظ "جفان" تھا۔

۲۔ "غر" کے معنی "پیشانی کی سفیدی" کے ہیں۔ اس کی جگہ لفظ "بیض" ہوتا تو زیادہ بہتر تھا۔

۳۔ "یلمعن" عارضی چمک کو کہا جاتا ہے۔ یہاں "یشرقن" لایا جاتا تو بہت مناسب رہتا۔

۴۔ "الضحیٰ" کی نسبت "الدجیٰ" زیادہ موزوں تھا، کیونکہ روشنی سیاہی میں زیادہ اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔

۵۔ "اسیاف" کا اطلاق جمع قلت پر ہوتا ہے۔ اس کے بجائے "سیوف" استعمال کرنا چاہیے تھا۔

۶۔ "یقطرن" میں وہ خوبی نہیں پائی جاتی جو "یسلن" میں ہے۔ لہٰذا "یقطرن" کے بجائے "یسلن" زیادہ مناسب تھا۔

۷۔ "دم" کی جگہ "دماء" ہونا چاہیے تھا، اس لیے کہ اس میں کثرت کے معنی پائے جاتے ہیں۔

گویا یوں شعر کو موزوں حالت میں اس طرح ہونا چاہیے تھا۔

لنا الجفان البیض یشرقن فی الدجیٰ

وسیوفنا یسلن من نجدۃ دماء

Scanned by CamScanner

حضرت حسانؓ نے شعراء کے یہ اعتراضات سنے اور انہیں جائز اور مقدم جانتے ہوئے

خاموش رہے۔

اوپر والا اقتباس جہاں عربوں کی شاعری کے بلند پایہ ذوق کی ترجمانی ہے وہاں یہ بھی ظاہر کرتی ہے کہ ظہور اسلام سے قبل شاعری کس قدر اخلاقی اقدار سے محروم تھی اور شاعری کے معیار میں ذاتی تعریف و توصیف سے مملو تھے۔ پھر اسلام کی آمد کے بعد جہاں زندگی کے دوسرے شعبوں میں جہاں انقلاب برپا ہوا وہاں شاعری پر بھی اسلام نے اپنے دوررس اثرات مرتب کیے۔ اسلام نے عربوں کے ذہنوں میں جو شعلہ تھا قائم کیا جس کی بدولت ان کی سوچوں میں پاکیزگی پیدا ہوئی اور روحانی احساسات کو فروغ حاصل ہوا۔ اسلام نے عربوں کی ذہنی تربیت سازی کی۔ اسلامی تعلیمات کے ماخذ میں قرآن مجید اور نبی اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ شامل ہے۔ قرآن مجید نے شعر و شاعری کے حوالے اپنی تعلیمات پیش کی ہیں۔ قرآن حکیم میں جو شعراء کی جیت اگر نہ ایسے الفاظ میں واضح کیا گیا بلکہ انہیں بے کار، خود غرض کی تعریف، بیہودگی میں بھٹکنے والے ہے اور وہ قول و فعل میں مطابقت نہ رکھنے والے اور گمراہ کرنے والے کہا گیا ہے۔ ان تمام بیانات کی دلیل سورۃ شعراء کی آیت نمبر ۲۲۴ ہے جس میں خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

ترجمہ: ""کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ شاعر ایک ایک وادی میں سرگرداں پھرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔""

یہ مندرجہ بالا آیت ان شعراء کا احاطہ کرتی ہے جو مدح و ذم میں اصول و ضوابط کی بجائے ذاتی پسند و ناپسند کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان میں غلو سے بھی کام لیتے ہیں اور وہ جو کہ شاعرانہ تخیلات میں بھی بھٹکتے پھرتے ہیں بے اصول مدح و ذم کرتے ہیں۔ وہ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ وہ ایمان کے نور سے محروم ہوتے ہیں نیز ان کے قول و فعل میں تضاد پایا جاتا ہے۔

Scanned by CamScanner

یہاں قرآن نے شعراء کو مستثنیٰ قرار دیا جو قرآنی نظریات کے تحت شاعری کرتے ہیں۔ سورۃ شعراء کی ۲۲۷ویں آیت میں مذکور ہے۔

ترجمہ: ”سوائے ان شعراء کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور کثرت سے خدا کو یاد کیا۔“

اس آیت میں مراد ایسے شعراء کی ہے جو صاحب ایمان، پاکردار اور باعمل ہوں وہ ایسے اشعار نہیں کہتے جو انہیں ذکر الٰہی سے غافل کر دیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور نبی کریم حضور رسول ﷺ کی نعت، اصحاب کرام، اولیاء امت کی مدح، محبت، وعظ و نصیحت اور زہد و ادب ان کے اشعار کا خاصہ ہوتا ہے۔ ان کی شاعری صداقت اور حقائق پر مبنی ہوتی ہے۔ ایسی شاعری سے نیکی اور بھلائی کے جذبات ابھرتے ہیں۔ یہ لوگ ملی جذبے سے سرشار ہوتے ہیں اور اپنی شاعری میں ایک مقصد رکھتے ہیں۔

قرآن کی تعلیمات نے شعراء کے کردار و رویے متعین کر دیے۔ شعر و شاعری والے حریص و منافقت سے تحریرات کی۔ پاک ﷺ کے اسوہ اور ان کی احادیث سے ملتے ہیں۔ نبی پاک ﷺ کے کردار و عادات کے متعلق حضرت عائشہ سے یہ قول مروی ہے

”آپ ﷺ کی عادت قرآن تھی“

یعنی آپ ﷺ نے کبھی کوئی بات یا عمل ایسا نہیں کیا جو قرآنی تعلیمات سے متصادم ہو۔ آپ ﷺ نے اپنی تبلیغ کے دوران قرآنی احکامات کو عام کرنے کی بھرپور جدوجہد کی۔ تب خدائے بزرگ و برتر کے نازل کیے ہوئے وحی کلام کی بے نظیر فصاحت و بلاغت، حسن بیان، ندرت الفاظ، ربط و تسلسل اور معنوی گہرائی کے سبب مرعوب و مبہوت ہو کر عرب قبائل نے حضور ﷺ کو شاعر کہہ دیا اور قرآن مجید کی آیات کو شاعری قرار دینے کی سعی مذموم کی۔ ان کا یہ طرز عمل اس دور کے شاعرانہ معاملات کا مظہر تھا لیکن رب العزت نے واشگاف لفظوں میں قرآن مجید میں اس باطل نظریے کی تردید فرمائی۔ سورۃ یٰس آیات نمبر ۶۹ اور ۷۰ میں خدا تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا ہے۔ ترجمہ: ”ہم نے اپنے پیغمبر کو شعر کہنا کوئی

Scanned by CamScanner

نہیں سکھایا۔ نہ یہ آپ ﷺ کے شایان شان ہے۔ یہ قرآن تو ذکر (یاددہانی) اور مبین
(کھول کر بیان) اور واضح حقیقتوں کا پرچار/اعلان ہے تاکہ ہمارا رسول زندگی سے بھرپور
والے لوگوں کو ہوشیار اور حقیقت کو چھپانے والے کافروں پر اتمام حجت کرے۔"

اس قرآنی دلیل کے بعد عرب کے شعراء نے اپنے گروہ کی نظریات میں ترمیم
کی۔ اس کی مثال اس طرح سے ہے۔ جب سورۃ کوثر نازل ہوئی جو کہ قرآن مجید کی سب
سے مختصر ترین سورت ہے تو حضرت علیؓ نے اسے خانہ کعبہ پر آویزاں کر دیا۔ عرب کے
ایک بڑے شاعر نے اسے پڑھ کر بے ساختہ کہا "ما هذا كلام البشر" ترجمہ "یہ کسی انسان
کا کلام نہیں"

یوں اس شاعر نے شہادت دی کہ قرآن انسان یعنی نبی کریم ﷺ کا وضع کردہ نہیں اور
نہ ہی شاعری ہے۔

آپ نے زندگی کے ہر شعبے میں قرآنی تعلیمات کے حامل نظریات قائم کیے
ہیں۔ چنانچہ شاعری میں بھی واضح نظریہ آپ ﷺ کی ذات مبارکہ سے ملتا ہے۔ اور آپ
حدیث مبارکہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ترجمہ: شعر کلام کی ایک قسم ہے اگر اس میں بیان کردہ مضمون اچھا ہے تو شعر بھی اچھا ہے
اور اگر اس کے بُرا مضمون ہے تو بُرا کہا جائے گا۔"

اسی طرح حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے آباؤ اجداد کی روایت کو آگے بڑھاتے
ہوئے ایک حدیث بیان کرتے ہیں۔

"بے شک بعض تقریریں / بیان جادو ہوتے ہیں اور بے شک بعض علوم
جہالت لیے ہوتے ہیں اور بے شک بعض اشعار حکمت سے لبریز
ہوتے ہیں اور بے شک بعض باتیں بوجھل ہوتی ہیں۔"

مندرجہ بالا احادیث شاعری کے بارے اسلامی نقطہ نظر بیان کر رہی ہیں۔ سب سے

Scanned by CamScanner

پڑھتے تو آپ ﷺ نے کئی مرتبہ ان اشعار کی تعریف کی اور ان کو پسند فرمایا اور ان کو دعا دی۔
کلام ہے۔ حدیث کے الفاظ میں بعض اشعار کے اندر حکمت اور دانائی ہوتی ہے
فرمایا ہے اور آپ ﷺ نے ایک شاعر کے اشعار سن کر ان کی تعریف کی اور انعام دیا
بخشا ہے۔

یہ شاعری کا وہ پہلو ہے جس کو کلام اللہ نے قابل مذمت ٹھہرایا ہے۔ اس کے برعکس اچھی
شاعری میں محاسن ہیں اور قابل تعریف ہیں۔ جس شاعری کا وہ رنگ جس میں فحش گوئی،
مبالغہ آرائی، بیہودہ گوئی اور عشق بازی کی ترغیب ہو مذموم ہے۔ اسی طرح وہ
شاعری جس میں جھوٹ، بے حیائی کی آمیزش ہو اور حقائق حال کے خلاف ہو برا ہے۔
بلکہ ایسی باتوں سے مزین کلام جو صداقت و حکمت سے خالی ہو ناپسندیدہ ہے۔ آپ ﷺ
نے خود ایسے اشعار سنے جن میں شاعروں کی گفتگو میں کمال گہرائی اور باتوں کی معقولیت
پائی جاتی تھی اور آپ نے ان کو پسند کیا اور ان پر داد دی۔ کتاب شمائل ترمذی
جو حضور ﷺ کی زندگی پر ایک کتاب ہے اس میں یہ حدیث مرقوم ہے۔

ترجمہ: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نہ تو خود فحش گو
تھے نہ بدکلامی کی بات فرماتے تھے نہ بازاروں میں جا کر اخلاق
سے گری گفتگو کرتے تھے۔"

اسی طرح بخاری و مسلم شریف کی ایک حدیث میں مخرب اخلاق شاعری کے بارے
میں مضمون بیان کیا گیا ہے۔

ترجمہ: پیٹ کا قے اور پیپ میں گندگی سے بھری ہو تو لکھنے والے کو چاہیے کہ اس کے لکھے سے
بہتر ہے کہ اشعار سے بھرا ہو اور گندگی سے بھر جائے۔"

امراؤالقیس عرب کا بہت بڑا شاعر تھا مگر اس کی شاعری میں مخرب الاخلاق باتوں کی
بہتات تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا

Scanned by CamScanner

حضور ﷺ کی شان میں قصیدے لکھے۔ ان کے کلام میں اعتدال اور لطافت کی آمیزش کی گئی ہے۔ بعد اسلام سے پیدا ہونے والی تحقیق اور فکر کی مزاج سے مناسبت اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ حضور کے عہد میں شاعروں نے ان صفتوں کو اپنی نظم میں یوں مخاطب کیا۔ اس کا ترجمہ یوں ہے:

- تم نے اس ذات کی ہجو کی جس سے تمہاری برابری ممکن نہیں ہے۔ تم دونوں میں شر اور بھلائی ہو، وہ خیر خالص ہے۔ کیوں نہ تم اس پر قربان ہو جاؤ۔
- تم نے ایک برکت والی نیک فطرت اور سچی و پاکیزہ شخصیت کی توہین کی وہ امانت دار ہے جس کی طبیعت میں وفا ہے۔
- اور اگر تم میں سے کوئی اللہ کے رسول ﷺ کی ہجو کرتا ہے یا ان کی تعریف کرتا ہے اور مدد کرتا ہے، میرے نزدیک سب برابر ہیں۔
- کیونکہ میرا باپ میری ماں اور میری عزت یہ تمام محمد ﷺ کی عزت کے تحفظ کے لیے ڈھال ہے۔

قرآن کریم کی آیات اور سیرت طیبہ کے مطالعے سے روشن ہوا کہ اسلام کا تصور شاعری یہ ہے کہ وہ کسی قسم کے کلام و بیان کی مذمت نہیں کرتا ہے اور نہ کسی شاعری پر قدغن لگاتا ہے۔ چنانچہ جب آپ ﷺ نے اسلام کی تبلیغ شروع کی تو کفر و ضلالت کی پرچھائیاں ختم ہونے لگیں اور رشد و ہدایت کی کرنوں نے سارے عالم کو منور کر دیا۔ آپ ﷺ نے قرآنی تعلیمات کو عام کرنے کی جدوجہد کی تو اس کے اثرات زندگی کے ہر شعبے پر مرتب ہوئے۔ چنانچہ شعرائے کرام بھی اس بدلتے ہوئے ماحول اور حالات سے متاثر ہوئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے افکار و خیالات میں قرآن حکیم اور رسول ﷺ کے اقوال و افعال کی جھلک نظر آنے لگی۔ شاعر بہت حساس طبع واقع ہوا ہے۔ وہ جو کچھ اپنے گرد و پیش میں دیکھتا ہے اس کو من و عن بیان کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس وقت کی عربی شاعری بھی ظہور اسلام کے بعد بدلتے ہوئے ماحول اور معاشرے کی عکاس تھی جیسے جیسے اسلام کی روشنی عالم میں پھیلتی گئی شعراء کے خیالات میں تغیر آتا گیا۔ رسول اقدس ﷺ کی کل

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

إن الرسول لنور يستضاء به

مهند من سيوف الهند مسلول

"رسول اللہ ﷺ [illegible] ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے [illegible]

[illegible]"

اس موقع پر حضور ﷺ نے [illegible] "[illegible]" [illegible]

[illegible]

[illegible]

حضور ﷺ کی [illegible] حضور ﷺ کی [illegible]

[illegible] آپ ﷺ کی [illegible]

[illegible] آپ ﷺ [illegible]

[illegible]

ﷺ کا [illegible] آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے

[illegible] عربی شعر و ادب اور

اسلامی فکر و نظر [illegible] شعر [illegible]

[illegible] صورت [illegible]

رسول پاک ﷺ کی دی ہوئی اصلاح کے بعد [illegible] اسی لیے

حضور ﷺ [illegible] آپ ﷺ نے حضرت کعب ؓ کو اپنی ردائے

مبارک عطا فرمائی۔

چنانچہ اللہ کے پاک رسول ﷺ نے [illegible] شاعری کا رخ [illegible]

قوت سے [illegible] صداقت، حقیقت نگاری اور [illegible] امور و معاملات کی طرف

موڑ دیا [illegible] مقصد [illegible] تفاخر [illegible] سے ہٹا کر

[illegible] نظریہ اور تحریک کی مقصدیت عطا کی۔ آپ ﷺ اپنے درباری شعراء حضرت حسان

عبداللہ بن رواحہؓ اور حضرت کعب بن زہیرؓ کو خصوصی ابتدائی مقام و طریق

بن ولید نے شعری مصائب سے بچنے کی تاکید و ہدایت فرماتے رہتے تھے۔ نبی ﷺ

کی تعلیمات کی اثر پذیری ملاحظہ ہو کہ لبید بن ربیعہ نے دولت ایمان میسر آنے کے بعد

شاعری کو ترک کر دیا تھا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں ترک شعر کی

وجہ پوچھی تو جواب دیا "میرے لیے قرآن کافی ہے۔"

حضرت حسانؓ اور حضرت کعب بن زہیرؓ کے بعد شعراء میں ممتاز مقام "امام

بوصیری" کو ملا جنہوں نے اپنے "قصیدہ بردہ" کے باعث یہ عظمت پائی۔ اس قصیدے میں

سے ایک شعر پیش خدمت ہے۔

ترجمہ: "ظلمت میں نے اس ذات اقدس کے طریقہ مسنونہ کی پیروی نہ کی جو اندھیری

راتوں کو زندہ رکھتے تھے یعنی عبادت کے لیے کھڑے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ

کے دونوں قدم مبارک متورم ہو جاتے تھے۔"

اسی مضمون کو ایک حدیث مبارکہ (متفق علیہ) میں بیان کیا جا چکا ہے۔

ترجمہ: "حضرت مغیرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ رات بھر عبادت الٰہی میں کھڑے

رہتے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے قدم مبارک متورم ہو جاتے۔"

یہاں مجموعی طور پر شعر و شاعری کے اس پہلو پر بحث مقصود ہے جو قرآن و حدیث سے

اخذ کیا ہے۔ اس پہلو کے مطابق نبی ﷺ کی حیات مبارکہ کے بعد زمانے میں

آنے والے شعراء نے خصوصاً نعتیہ شاعری کی۔ ان شعراء کی پوری ایک کھیپ ہے جو ہم

اجمالاً چند کے صرف ناموں پر اکتفا کیا جاتا ہے جنہوں نے عربی، اردو اور فارسی کی زبانوں

میں اشعار قلمبند کیے۔ ان میں خواجہ فرید الدین عطار، شیخ سعدی، مولانا کے دور میں شاہ غلام

محی الدین دکنی (انہوں نے نظم میں قرآن مجید کی پوری تفسیر لکھی اور اردو شاعری میں یہ

عظیم کارنامہ انجام دیا) سلطان محمد قلی قطب شاہ، مولانا ظفر علی، ہاشمی، ولی دکنی کا رسالہ

نقوش رسول نمبر میں صلوٰۃ پر ڈاکٹر شاکر قاسمی نے نور الحسن ہاشمی صاحب کا ولی دکنی

Scanned by CamScanner

... تبصرہ و تحقیق کیا ہے جو انہوں نے مقدمہ کلیاتِ ولی میں درج کیا۔ [illegible]
معلومات میں وسعت اور گہرائی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کلام میں آیاتِ قرآنی اور احادیث
کی طرح تلمیح بہت ہیں۔ مذہبی علوم اور تصوف کی اصطلاحوں کا استعمال [illegible]
مرزا رفیع سودا، مومن خان مومن، [illegible] دہلوی اور [illegible] وغیرہ۔

محسن کاکوروی کے دور کا شاعر ہیں انہوں نے جو کچھ لکھا وہ نعت میں لکھا۔ [illegible]
انہوں نے اپنی تمام تر زندگی نعت کے لیے وقف کر دی اور تمام عمر رسول ﷺ کی مدح میں
صرف کی۔ آپ ﷺ نے معراج کا واقعہ اور معجزات کے بیان میں کیا خوب قرآن و سنت
کو [illegible] ذیل میں ایک مثال دی جا سکتی ہے۔

[illegible] ہوا ہے کہ ہوا جاتا ہے
وہ [illegible] جاتا نہیں اب کے سراپا [illegible]

یہی مضمون قرآن مجید کی سورۃ الانبیاء رکوع نمبر ۵ میں بیان ہوا ہے۔

ترجمہ: "ہم نے کہا اے آگ تو ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا ابراہیم کے حق میں۔"

بیسویں صدی میں مولانا الطاف حسین حالی کا نام بطور [illegible] لیا جا سکتا ہے۔ جن کی
شاعری قرآن و سنت کی تفسیر تھی۔ ذیل میں مسدس سے لیا گیا بند پیش ہے۔

یکایک ہوئی غیرتِ حق کو حرکت
بڑھا جانبِ بو قبیس ابرِ رحمت
ادا خاکِ بطحا نے کی وہ ودیعت
چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت
ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل اور نویدِ مسیحا

اس بند کا واقعہ کنز العمال میں مرقوم یہ حدیث ہے۔

ترجمہ" حضرت خالد بن معدان سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں

حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ کی بشارت ہوں، میری والدہ نے دیکھا جس وقت میں ان کے بطن مبارک میں آیا کہ ان سے ایک نور نکلا جس سے بصریٰ جو سرزمین شام میں واقع ہے روشن ہو گیا۔"

دسویں صدی میں قرآن و سنت کی تعلیمات کو شعروں کے ذریعے پیدا کرنے والے بہت سے معتبر شعراء میں علامہ محمد اقبال کا ہے جو آپ ﷺ کے عاشقوں میں شمار ہوتے تھے۔ علامہ اقبال اپنے شعروں میں ایک واضح مقصد رکھتے تھے جس کا انہوں نے خود اظہار کیا ہے۔ وہ سید سلیمان ندوی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں: "فن شاعری سے مجھے کبھی دلچسپی نہیں رہی۔ ہاں بعض مقاصد خاص رکھتا ہوں جن کے بیان کے لیے اس ملک کے حالات و روایات کی رو سے میں نے نظم کا طریقہ اختیار کر لیا ہے۔" علامہ کے کلام کا مطالعہ کرنے والوں کے ہاں یہ مقصد بہت عیاں ہوتی ہے۔

دینی شعور کے اسرار سے قرآن مجید کی جو آگہی ہے وہ تاریخ اہم ہے جس کی تفصیل وہ خود پیغام بہت اہم ہوتی ہے وہ نظم میں ہے وہ رنگ اور مثال ایک اور شعر ہے۔

پیوند ازل راست رہی در صوفی میں
پیمانہ ہے عمل کا بلی شراب الست

اس شعر میں الست اشارہ ہے سورۃ اعراف کی اس آیت کی جانب جس میں خدا فرماتا ہے۔
ترجمہ: "اور جب نکالی تیرے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد اور اقرار کرایا ان سے ان کی جانوں پر۔ کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب؟ بولے۔ ہاں ہے۔ ہم اقرار کرتے ہیں۔"

حمد یا نعتیہ اشعار کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔
ترجمہ: "بے شک بعض اشعار حکمت سے لبریز ہوتے ہیں۔"

اس حدیث سے خوب عیاں ہوتا ہے کہ اسلام کا تصور شاعری کیا ہے۔ اس تصور کو پیش نظر رکھتے ہوئے نئی زمانہ صورت حال پر نظر ڈالیں تو یہ بات سامنے آتی

ہے کہ شعراء کی اکثریت ایسی ہے کہ جن کے ہاں شاعری سے مقصدیت کا فقدان ہے
شاعری کے ساتھ موسیقی کی آمیزش نے کلام کا اثر دو چند کر دیا ہے۔ یہاں بھی شاعری
ایسی ہو رہی ہے کہ جس کے عام لوگوں اور معاشرے پر گہرے اثرات مرتب ہوتے
ہیں۔ اور حاضر کی شاعری میں اکثریت سطحی جذبات، گھٹیا احساسات، عریانیت اور بے
ہودہ خیالات کی آمیزش ہوتی ہے جس کا لازمی نتیجہ نوجوان نسل میں بے حیائی اور بے دینی
کے فروغ کا موجب بن رہا ہے۔ کیونکہ عامیانہ شاعری نے ان کے کردار پر عجیب اثرات
ڈالے ہیں اور ان کے اندر شکست و ریخت، رہن سہن اور چال چلن میں نمایاں تبدیلی
وقوع پذیر ہوئی ہے جس میں بنیادی عنصر تہذیب و شائستگی کا فقدان ہے۔ سطحی جذبات کی
شاعری نوجوانوں کے دل و دماغ پر حاوی ہے اور وہ حسن و عشق کے گھٹیا جذبات کا شکار
ہیں۔ ان کے دل میں اپنے ملک و قوم کی پہچان، اپنے اسلاف کے کارناموں کے حوالے
اور اپنی دھرتی کے تحفظ کا احساس معدوم ہو کر رہ گیا ہے۔ کیونکہ ایسے شعراء معدودے چند
ہیں جو کہ با مقصد اور حکمت و نصیحت سے بھرپور اشعار سے نوجوان نسل کی احسن طریقہ پر
تربیت کر سکیں۔

یوں شاعری کی اثر پذیری سے مفر ممکن نہیں اور عامیانہ و گھٹیا شاعری فوری طور
اپنے اثرات مرتب کرتی ہے۔ کیونکہ انسانی فطرت میں دنیا کی رنگینیوں، دلچسپیوں اور
آسائش و زیبائش کی طرف کھنچنے کے جذبات بھی دین و مذہب کے جذبات کی نسبت زیادہ پائے
جاتے ہیں اور ان تمام خصوصیات سے متصف شاعری انسان کے دل و دماغ پر فوری قبضہ
جما لیتی ہے۔ لہٰذا شعراء کو شاعری کرتے ہوئے اسلام کا تصورِ شاعری ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔

Scanned by CamScanner

○

مری رحمت کو سایہ سب زمانوں کی ضرورت ہے
کڑی دھوپ ہے اور سائبانوں کی ضرورت ہے

ہجوم نسل انسانی فقط ہانکتی اب بھی
مگر اس قافلے کو ساربانوں کی ضرورت ہے

بلندی ایشیا میں بیٹھ کر محسوس کرتا ہوں
وہ تقلید کی اب سارے جہانوں کی ضرورت ہے

جو داتا تھا جس نے بخشا اسود و احمر
وہی دین الفت سب زمانوں کی ضرورت ہے

وہ جو لکھی گئیں نوک سناں سے بدر و خیبر میں
مرے بچوں کو پھر ان داستانوں کی ضرورت ہے

مری تاریخ کیوں جغرافیے میں قید رہتی ہے
مجھے سارے زمانوں، مکانوں کی ضرورت ہے

ہمیں بیدل بنایا اپنے احساس تحفظ نے
ہمیں اب کوثری پکے مکانوں کی ضرورت ہے

○

دل نے جب سے وہ منور سے ضیا پائی ہے
چاندنی میرے رگ و پے میں سمٹ آئی ہے

روشنی دھوپ کی، رنگ تری ذات سے ہیں
ذرہ ذرہ ترے انوار کا شیدائی ہے

جان و دل اس سے معطر ہوئے کیا کیا اپنے
تیری خوشبو کو جو احساس صبا لائی ہے

کتنی بے مہر ہوئے شدت حالات لیکن
دل میں کس کی تجلی سے یہ رعنائی ہے

اب کہاں ٹھہریں نظر میں یہ حسیں دن کی
صرف یہ کہو صحرا کو جو کر آئی ہے

مدحت ذات محمدؐ ہے وظیفہ اپنا
میری ہستی میں اسی ورد سے یکتائی ہے

خوف محشر ہے نہ لالچ ہے اسے جنت کا
یہ مظفر تیرا ہے بس تیرا تمنائی ہے

چرائی روشنی

چرائی روشنی کو اپنے گھر لا دو کبھی!

رات آئی کبھی تو

جب روشنی کی لو مدھم تھی

آنکھوں سے خواب بھی ٹوٹ گئے تھے

رکھی ہی آنکھوں کو

جب ستارے غائب تھے

تم ہو

آپ کبھی تو آ کر دیکھو

آنکھوں سے لفظوں میں نہ ہو کر

آنکھ سے گرتوں کی صورت

راستے پہ اندھیرا کی

دور ہر طرف

پاؤں رکھیں دور تک

اس چراغ کی روشنی میں

مشعلیں بن کر جلے

تو رات کو بھی دیکھا

بالآخر بن گیا ہے؟؟

کاغذ

کسی بھی سمت جاؤ
فاصلوں کو پار کرنے کا
کوئی رستہ نہیں ہے!
کہ ہر اک سمت میں
فاصلے پھیلاؤ کے
تختے بچھے ہیں!
مگر یہ بھی تو دیکھو
قرب اور دوری
جہاں اک دوسرے کے
گلے مل رہے ہیں
وہاں صرف ہے اک ہیولیٰ بنی ہے
وہ صورت کہ جس کے اندر
عالم اصغر بھی ہے اور عالم اکبر بھی ہے
دونوں جیسے سمٹے ہوئے ہیں!
عجب قصہ ہے
یوں لگتا ہے باہر اور اندر
ایک ہی کاغذ کے دو اطراف ہیں!!

Scanned by CamScanner

رفیقِ ہستی

رفیقِ ہستی ہے
مختصر ہے
ہم کئی برسوں سے ایک آنگن میں ہی رہے ہیں
نہ پہلے ہم دونوں کے لبوں پہ تھا حرفِ شکوہ

نہ اب ہے
جیسے کہ اس روش پہ عنایت سے رواں دواں ہیں
وہ ایک لمحہ کہ اک قرینے کی تھی مرتب
اور اب یہ عالم ہے اپنی مجبوری کے باوصف
نظر میں رہ کر نظر سے اوجھل ہے
یہ فرزانگی اس کے پیکر میں آ گئی ہے
میں جس کو اب سارا دیکھنا چاہتا ہوں

وہ ہے تصور کی
دل میں کھٹکی سی دبا
اور یوں سے اپنے تمام پیکر سے ہٹاتی ہے
اور ایک ایک کر کے اپنے تمام سے ادھڑتی ہے
کبھی کوئی سادگی میں گم ہے نظروں سے
کبھی پرواز کی ایک داستان ولی بولی ہے
حواس کو سلسلہ ہے جاری
کبھی وہ سے لمحوں سے مجھ سے یہ پوچھتی ہے

کس شرارت سے آپ نے تو کہیں چھپایا ---- یاد ہے میرا؟!
میں جب ہر شام اپنے دفتر سے لوٹتا ہوں
تو خیر مقدم کو ہر طرف بے ترتیب چیزوں کا ڈھیر ملتا ہے
مجھے ہے اب اس کا شوق سا
کبھی کبھی اس کی جستجو کا بہ پاس خاطر
میں ساتھ دے کر

میں اس کو کہتا ہوں
"تمھاری دانست میں جو چیزیں نظر سے اوجھل ہے
کبھی کہیں تو نظر میں آ جائے گا
یہاں سے کہیں نہ جائے گا
اسی سے جو ہے گزارا کر
تم اپنے خاطر کو جمع رکھو"

میں سوچتا ہوں
لیکن ابھی
یہ گھر بھی جو منتظم ہے
اسے یہ کیا روگ لگ گیا ہے؟
جو اک قرینہ تھی
موتیوں کی حسین مالا کی نظم جیسی تھی
دانے دانے بکھر گئی ہے
اور گھر سے باہر تو زندگی بھی بکھرتی ہے
بکھرتی اور بٹتی ہے
میں اس کو گھر اور سودا دیکھتا ہوں

Scanned by CamScanner

حمیرا سعید ارشد

میلی روشنی

(ترائیلے)

میں نے جو اداسی اوڑھی ہوئی تھی
شام کے چاروں اطراف سے آئے
دن نے کمرے میں سجائے رکھے
اور جو تھے وہی تنہائی ۔ اوڑھی تھی

میلی میلی تھی وہ میلی روشنی
میرے کمرے میں جو پھیلی تھی کبھی
شب اندھیرے میں جو پھیلی تھی کبھی
نا امیدی کی تھی میلی روشنی

اب جو چاہا کر سب تنہائی سے دور کی
میری میلی روشنی کو پی گئے
ساری اچھی زندگی کو پی گئے
اور روشنی کر گئے چاروں طرف

اب کہاں سے چاہوں ماضی کی روشنی
زندگی کو زندگی کی ہے تلاش

Scanned by CamScanner

حیران لڑکی

تو سیوڑا ان بچوں سے صدیوں کی
پہ کھلا شعر کا پتہ
ان بچوں سے مرجھائی ہوئی سی کی
حیران لڑکی
ٹھہر جا ــــ
صدیوں سے دل کے قریب
دو گھڑی
یہاں رہو؟

Scanned by CamScanner

سعادت سعید

طلوع

زمانے کے فسوں کی شیشہ گری ہے
ہزاروں کٹھن زرد رُت کے سامنے ہیں
مگر اپنے ہونے کے لہو رنگ پیڑوں سے
کوئی بھی واقف نہیں ہے
جو دیکھو تو یوں ہو

بڑی اجڑی ہے، بڑی اجڑی ہے!
انھیں ان کے لوگوں سے بیدار کر دیں
کہ وہ اپنے اطوار کی گتھی راتوں کو
کسی کی صدا کے ہاتھوں میں بکھیر دیں
جہانوں کے دیدہ لمحوں پہ مرقوم حرفِ ملامت پڑھیں!
کبھی تو یہ سوچیں کہ
سورج کے گلرنگ تن سامنے پھیلتے
کہ ان میں چھپے ہیں لہو رنگ جذبے
محبت کی میراث ہرگز نہیں ہیں
انھیں اپنے اطراف جذبوں کا مفہوم پا کر
درخشاں اجالوں کی یہ کھڑکیاں کھولنی ہیں
محبت بھرے سنگموں کی عبادت گہوں میں

Scanned by CamScanner

کسی دیوتا کی کہانی کا عنوان لکھ کر
بکھرے رستے ہواؤں کو بتاتا ہے
اجڑی ہوئی محفلوں کو بساتا ہے

دیکھو تو یہ تو
ہزاروں شجر زرد آ کے سامنے ہیں
کوئی پا بہ زنجیر ہے پھر بھی منزل کی جانب رواں ہے
کوئی خواب آنکھیں فضاؤں کی خوشبو سمیٹے
درختوں سے یہ پوچھتا ہے
"تمہاری ہری ٹہنیاں زرد موسم سے
خائف ہیں کیوں؟"
ان درختوں کے پتے ہواؤں سے اٹھکھیلیاں کرتے کہتے ہیں
"تو موسم ہی سہما ہوا ہے"
ہواؤں کی تیزی سے پتے بھی گرتے ہیں اور ٹہنیاں بھی
مگر جڑ کا رویہ ہی مستقل ہے

شجر زرد آ کے گیت گانے لگے ہیں
"ہمیں کاٹ ڈالو رے ہمیں کاٹ ڈالو
زمانے کی چالوں سے ڈرنا نہیں
یہاں تم کو بے موت مرنا نہیں"

Scanned by CamScanner

یہ لمحہ ہر اک موڑ پہ ہے

"کوئی وارثِ شبِ ظلمت نہیں ہے

لہو سارے چہروں سے دھلنے لگا ہے

نئی زندگی میں نشاط آفریں روشنی ہو چکی ہے

سیاہی اجالے کی آغوش میں سو چکی ہے!"

گئے زرد آنکھوں میں سے امن کا جگمگاتا جہاں نقش ہے

جلیل عالی

مارکیٹ اکانومی

میں ہی میں ہر سو ہر
مجھ سے کس کو مفر
مجھ سے چھو کر دیکھیں یہ سب کس کا ہنر
کون ٹھہرے مرے سامنے کارگر
میری ٹکر پہ کب
میرے اپنے ہی سب
چاٹتی ہوں میں سب
کیسے دھوکا دیا ہے کسی کی زبان
کس کا تہذیب، کس کا علم، کس کا وطن
کس کا مذہب
کس کا دین، کس کا رب

تھکن

کہاں کھو گئے ہیں اب
وہ آدھی پھول راتوں کی گھڑی
جھاڑیوں میں راستہ گم کرتا
کس قدر آسان کر دی تھی تیری بات کی خوشبو
وہ خوشبو روتی جس کے ہونٹ سے ہنستی راستہ لے کر تی
کئی صدیوں سے جاگتی چلی جاتی تھی
ہوا نے کنارے سے سفر کے ستارے تک
بہاری آنکھوں پر وہ دعا کو سنبھالے
راستے کی مرادوں کو دعا قربت میں
خود آسان کرنے کی تکمیل تک
کہ جیون کو پہاڑوں سا سفر کر لیا ——
میں آدھی پھول چاہتی ہست کو پیغام لگانے کی
تھکن میں مست و شاداں تھا
کہ ٹوٹنے سا تو بہ شب ہے
شاید سلسلے سے خیالی میں
مرے سانسوں کے پیچھے وجود
شمس بجھا کر

Scanned by CamScanner

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ڈاکٹر نذیر تبسم

بالاکوٹ، ۸/اکتوبر ۲۰۰۵ء

زندگی لوگوں کی بستی تھی ، ملبہ ہو گئی آج
دریا، جھرنے ، جھیلیں ، پربت ، مہکے گاؤں
آنکھوں میں تیرتے رہتے ، اس کی دھوپ اور چھاؤں

کتنی ویرانی ہے ، کیا موسم ، نظارے تھے
اب فطرت نے اپنے ہاتھ ، خال سنوارے تھے
ان کی قربت میں مرتے لوگوں نے بھی دن
روشنی اور خوشبو کے مہکتے گھر پہ اتارے تھے

اس بستی سے وابستہ ہیں میرے کتنے لمحے
میں نے بھی اک بار یہاں کچھ روز گزارے تھے

Scanned by CamScanner

آتے دنوں کے لیے ایک نظم

لکھوں ایک نظم
جس میں پھول کھلتے ہوں
لکھوں ایک نظم
جس میں ان دنوں کی تمنا کے ستارے جھلملاتے ہوں
جنھیں آنا ہے
وہ لمحوں کی گنتی سے گزر کر وقت کو تسخیر کرتا ہے
لکھوں ایک نظم
جس میں روشنی ہو
وہ لمحے جس میں، جو تمھاری آنکھ کی خوشی سے نکلیں
وہ جو بخشیں ستاروں اور امیدوں کو
ندامت کو سپر جیسی جو پہچان دیں
جو دل، نگاہوں کو
تمھاری آنکھ کی خوشی
مرے خلوت میں اور سے پہروں کو، آنکھوں کا نور بن جائے
لکھوں ایک نظم
جو آواز کی دھڑکن کو ناگہاں لوٹے
اور اس کی زمزموں کو عالم آشکار کرے

لکھوں اک نظم

جو تصویر ہو آنے والوں کی۔۔۔

چمکتا ہو تمہارا شاداب چہرہ

جبیں میں نور، آنکھوں میں چمک، ہونٹوں پہ میٹھی مسکراہٹ

جیسے آتا ہو

اور دل پہ دستک بار بار کرتی ہو

ابو صالح صدیقی

تجی داشی

کبھی وہ نظر ہو اٹھی
تو ہاں ہم بھی ہوتے
کبھی یہ چاہت ہو کوئی
تو سوال ہم بھی ہوتے

کبھی دل پہ چوٹ
تو شاید ہم بھی ہوتے
کبھی نظر ہوتے ہیں
تو سوال ہم بھی ہوتے

نہیں وہ تک نہیں ہے
کسی چہ ملی کا منظر
نہیں کوئی بھی جس میں
یہ جس سے وہ منظر

نہیں کوئی جو رکھ
کوئی حال بھی نہیں ہے
یہ حال یہ ملی ہے
کہ ملال بھی نہیں ہے

محبت

پہلے سوچوں تو آدمی اچھا نہیں
اور کروں اظہار تو کچھ نہیں
میرے سامنے وہ آپ کا اچھا نہیں

یہ محبت دونوں کی بے وفائی ہے
جو تجھ سے ملنے کا سب جانتی ہے تو
جو تیرے دل کی بات میں رہ جاتی ہے تو
وہ خوشی تو کبھی ہوتی ہے
چاہت دیکھ لو ہے کبھی ہے آواز ہے
یہ دوا ہے تو کا احساس ہے
خاموشی اس کی صدا!
خاموشی ہی راز ہے!
یہ جواب ہوتی نہیں
اس کی زبان ہوتی نہیں
یہ دل کا ہے جس میں کچھ ہے تو
یہ دل کا ہے اسے پتا نہیں

Scanned by CamScanner

اس کے دم سے ہے وجودِ کائنات
اس کے ہونے سے بقائے ارضِ حیات
یہ نہ ہو تو آدمی حیوان ہے!
یہی اک انسان کی پہچان ہے!
قلبِ نازک میں پنپ سکتی ہے یہ
اپنے غیروں کو بنا سکتی ہے یہ

دل میں الفت کی جگا سکتی ہے یہ
آگ سینے میں لگا سکتی ہے یہ
بے پناہ اپنا اثر رکھتی ہے یہ
اک قیامت کی نظر رکھتی ہے یہ
اس کی فطرت میں بلا کا جوش ہے
یہ محبت، رحمت اور آغوش ہے
پھر بھی یہ تنہا ہے
پھر بھی یہ خاموش ہے
یہ عیاں ہوتی نہیں
اس کی زباں ہوتی نہیں

یہ وہ شے ہے جس کی [illegible] ہے؟؟
یہ وہ شے ہے اسے [illegible] نہیں

Scanned by CamScanner

قاصدِ امن

مشرق کی جانب
دور افق کی زرد فضا میں
سورج کی نوزائیدہ شعاعیں
زرد لبادے اتار رہی تھیں
نرگس خواب آلودہ آنکھیں
آہستہ سے کھول رہا تھا
اک ننھا پودا
ہلکے ہلکے ڈول رہا تھا
چڑیا گھر سے
دور کہیں
لرزاں لرزاں
انجانے سے خوف کے مارے
دھرتی کی سرسبز ردا میں
چھپنے کو بے تاب کھڑا تھا
ایک کبوتر
سبز ملبوس دیا کے اوپر
نرم شگوفوں کے جھرمٹ میں
سرخ و سفید و سنہری اپنے
بالوں کو سہلاتا تھا
گاہ گاہ اپنے گرد و نواح میں

Scanned by CamScanner

زمیں بھر کے بچوں کی خاطر
جیسے ہے سحر سے پہلے
رستے کے حالات کو جیسے
جب نہ ہو کوئی روشن
خون کا دریا
آنے سے پہلے جھلک کر
ٹوٹ گئے تھے
منصور کے دو ٹوٹے آرے
پاگل ہو ہو میں کا قصہ
کب وہاں وہ دنوں سے
باغوں سے بچھڑوں سے
قربانی وحشیوں سے بچا کر
تم دیکھو ہوا سے لو کر
امن کی خاطر
سے کے ایک دوام محبت
غرب کی جانب
لو سوتی
رستے کو بہت آگے بھی ہے
دل میں لگن ایک لگن ہے
امن کے چاہنے والوں کا
ان تک پہنچا دو پیغام
امن کے گیت جو دل کی لگن
گاتے ہیں گیت راتے

Scanned by CamScanner

نا انسان

ہر طرف سے اُمڈتے یہ لاکھوں بدن
کالے چوغوں میں ملبوس، ڈھکے ہوئے سر تا پیر سے لیے
ہاتھ یوں اٹھتے ہیں
کہ جیسے فلک نوچ لیں گے ابھی
اپنی خونیں ردا، خواہشوں سے
ساعت کو کوکب ستاں پہ اٹھائے ہوئے
زندگی کا جزیرہ بھی روندتے
اس طرح چیختے ہیں
جیسے صدیوں سے کنڈلی کی خشک گالیاں دے رہے ہوں زمیں کو
خوف سے زرد
کتنی وحشت میں تھرتھرائے ہوئے ہر قدم
اجلی صبحوں پہ چھینٹے اڑاتے ہوئے
سانولی شام کی اوڑھنی کھینچ کر
اپنے بچوں کو یہ جرم بتاتے ہوئے
کون ہیں یہ؟
کہاں سے اُمڈ آئے ہیں!!

مجھے اب تمھاری ضرورت پڑی ہے

کہاں ہو

مرے پاس آؤ

مری آنکھ پر ہاتھ رکھ کر

مجھے خواب کو حقیقت سے باہر نکالو

مری بے دلی کو اپنے ہاتھوں پہ رنگی لکیروں میں

گھلا کر بکھر جانے دو

مرے ہاتھ کی طرف بے کار اوقات کا ڈھیر ہوتا چلا ہے

مگر دور کی سمت تتلیاں خوں میں موجزن ہیں

کہاں ہو

مجھے اب تمھاری ضرورت پڑی ہے

میں جینے کی خواہش میں مرنے کو تیار ہوں

فیصلہ کرنے کی مجھ میں ہمت نہیں ہے

میں کس تجربے کی مدد لوں

یہاں فکر کے سامنے اپنے ہی قد سے بڑے ہیں

لیے ہاتھوں پہ خود سے بے قابو ہو کر چلے جا رہے ہیں

مرے لفظوں میں حرکت کی ہموار لہریں نہیں ہیں

میں اپنی ہی تہذیب کے قلعے میں بند ہوں

دن کا سورج مرے واسطے روشنی پھینکتا ہے

مگر آنکھ کی دوری میں کچھ دیکھنے سے محروم ہے

ذرا ہاتھ کھینچ کر میرے اطراف سے کوئی رشتہ بناؤ

مرے ہاتھ میں ہاتھ دے کر

تمھارا بھلا ہو

Scanned by CamScanner

خودنوشت لکھ رہا ہوں

دن مہینے سال کے
کچھ مختصر اوراق کی ترتیب میں الجھا ہوا
میں زندگی کے منکشف ہوتے ہوئے رازوں کے لمبے حاشیے پر
ابتدا انجام کے لمحوں کی بابت سوچتا ہوں
کتنے پوشیدہ دروازوں سے گزر کے آ گیا ہوں
راز جن کے بھید میں الجھا ہوا تھا
کس قدر مجھ پہ عیاں ہیں؟
سال خوردہ الجھنوں کی دھجیاں ان کاغذوں کو چاٹتی ہیں
لفظ کی گرد سے اُگی قطروں میں گھرا   کیا سوچتا ہوں
بچپنے کی سرحدوں سے دور   جوانیوں کی کسی رہگذر پہ چل پڑا ہوں
مختصر صفحات کے بکھراؤ پر
ان رازوں میں ابھی تک کیا نہاں ہے   کیا عیاں ہے
روز و شب کے کاغذوں پہ لفظ لفظ سوچتا ہوں
میں عبارت کے کسی آفت رساں
گوشے میں خاموشی کی آوازوں کے اندر چل رہا ہوں
لفظ در لفظ جی رہا ہوں
حرف در حرف مر رہا ہوں
خودنوشت لکھ رہا ہوں!

Scanned by CamScanner

تحسین زہرا

فاصلے

فاصلے دے کے ، مرا ہاتھ چھڑایا تم نے
درد کو وقت کے دامن میں چھپایا تھا
دل سرکش کو قرینے سے بہلایا تھا
سب ہی نکلے یہ بھرم ، ایک بھرم باقی ہے
سب ہے دل کے مگر ایک بھرم باقی ہے
کھو کے پانے کا بھرم ہم کو بہت آتا ہے
پا کے کھونے کا بھرم یہ بھی سکھا دو تم ہی
بے نیازی کی ادا ہم کو سکھا دو تم ہی
فاصلے ------------------------

Scanned by CamScanner

زبانِ خلق

کبھی اردو کبھی انگلش میں دعا لکھتے رہے ان کو
زباں کوئی تو وہ سمجھیں
کہ جس میں حالِ دل اپنا
انہیں لکھیں تو وہ جانیں
پھر اس کے بعد اپنے واسطے
باقی زبانیں ترک کر ڈالیں
فقط اس کو زبانِ خلق کر ڈالیں

Scanned by CamScanner

ذات کا حصہ

میری یادوں کی گٹھڑی میں بہت سی ان کہی باتیں
بہت قصے، بہت سی داستانیں ہیں
جنہیں میں پیچھے پیچھے دھیرے دھیرے
کھولتی اور بند کرتی ہوں
بہت دن سے بچھڑوں کو
بہت سے پیچھے لوگوں کو
کبھی چپکے سے آنچل میں چھپا کر کھولتی اور بند کرتی ہوں
تو اس یادوں کی گٹھڑی سے
بہت ہوتے، بہت سے پھول
کبھی رستے میں وہ اس طرح سے کھل جاتے ہیں
کہ میں بکھری ہوئی یادوں کو
یونہی چنتے چنتے کھو سی جاتی ہوں
کہ وہ سب ہی تو میری ذات کا حصہ تھے
نہیں ۔۔۔۔!
اب تو میرے وجود میں ان کی یاد باقی ہے
تبھی میں اپنی سانسوں میں سمو کر
پھر سے ان یادوں کی گٹھڑی کو
کسی کونے میں رکھ کر بھول جاتی ہوں

Scanned by CamScanner

ثمرہ عظیم

زندگی اُسے ڈھونڈے!!

وقت کے سمندر میں سازشوں کے بھنور میں
بے حساب لوگوں میں کالی گھور راتوں میں
زندگی اسے ڈھونڈے بندگی اسے ڈھونڈے
جس کی گفتگو میں دم ہو، دماغ میں لہو ہو جیسے
دل پہ ہاتھ جو رکھ دے آرزو تمام کر دے
زندگی اسے ڈھونڈے بندگی اسے ڈھونڈے
جس کی بات میں رس ہو، دوستی بھری ہے بس ہو
چاندنی کی کشتی کا کنارہ ہو، دوست جو ہمارا ہو
زندگی اسے ڈھونڈے بندگی اسے ڈھونڈے
دل کے اس سرائے میں جو رکے وہ مسافر ہو
رات اک اندھیری میں زندگی امر ہو جائے
اور پھر سحر نہ ہو
زندگی اسے ڈھونڈے بندگی اسے ڈھونڈے
دل کی یہ ملاقاتیں سو ان کی باتیں
جیون کی یہ خاموشی گفتگو میں ڈھل جائے
زندگی اسے ڈھونڈے بندگی اسے ڈھونڈے

Scanned by CamScanner

ڈ ساجد الکاظمی

ورق

ورق ہوں نا
تو صاف کاغذ
نہ کچھ لکھا ہے
نہ کچھ مٹا ہے
جو لکھنا چاہوں تو لکھ نہ پاؤں
جو کہنا چاہوں تو کہہ نہ پاؤں
نہ جانے کس نے زبان کاٹی
نہ جانے کس نے یہ خط کھینچا
مگر ہوا کیا ہے
جو دیکھے وہ تو
بس آنکھ رو دے
اور دل بھی رو دے

Scanned by CamScanner

تیری یادوں کے ہمراہ

[illegible]

[illegible]

میں آنکھیں موند کے بیٹھ رہی

تب دھیرے دھیرے نگاہوں نے دل سے
تیرے رنگ وعدے لے کر تیرا سراپا تراش لیا
کانوں نے جب تجھے سننا چاہا
یادوں نے کانوں میں تیرے گیت رکھ دیے
روح نے تیرے رنگ ہاتھوں سے چھو لیا
تیرے لمس کا احساس چاہا تو
پھر یوں ہوا کہ
تیری خوشبو کی ہواؤں کے ساتھ
میں خوشبو بن کے چاروں طرف پھیلتی رہی ۔۔۔!

زاہد انصاری

فرق

جاتے ہوئے
اس کی بھیگی آنکھوں نے
وعدہ لیا تھا کہ
میری آنکھیں صرف اس کے خواب دیکھیں گی
آتے ہوئے
میری آنکھوں میں ابھی اس کے خواب سجے ہیں
جبکہ اس کی بھیگی آنکھیں
اپنے بچے میں گم ہیں

Scanned by CamScanner

— جبین اسلم

سنہری پری

اے سنہری پری لے کے خوابوں میں چل
ان فضاؤں سے دور ان سراؤں میں چل

ہر گھڑی جس جگہ یوں سہانی لگے
زندگی تجھ بھری اک کہانی لگے

رنگ سارے جہاں امید کے ترجماں
جیسے بکھرے فلک پہ کوئی کہکشاں

دیکھ کر جن کو من میں گھر جاگ اٹھے
ظلمتِ شب جنہیں دیکھ کر بھاگ اٹھے

ساری خوشیوں کو بھر لوں میں آغوش میں
اور جھوموں ہر اک شے کے جوش میں

یہ تمنا، کہ اب ہم کو گوارا نہیں
ان شب و روز میں اب گزارا نہیں

Scanned by CamScanner

اک ٹوٹا سپنا

میں نے کہا

مجھ سے جیتے جی تم سے تو قطعِ تعلق نہیں ہو گا

تم ایک بار اپنی زبان سے انکار تو کرتی

دل میں کبھی محبت کا اقرار تو کرتی

میری اس دوستی کا اعتبار تو کرتی

تم تو مجھ سے نہیں جدا تھے نا

اور میری آنکھوں میں ہی ٹوٹ گیا وہ سپنا

تم

تو انکار کرے گی، اقرار کرے گی

اک دن آئے گا جب تو مجھ سے پیار کرے گی

اب یہ ٹوٹا سپنا مجھ کو

رات کو نیند ہی سونے دے گا

نہ کسی اور کا ہونے دے گا

اب تنہائی میں ایک ہے ساتھی اپنا

میں ہوں اور میرا ٹوٹا سپنا ......!

نظم

گئے دنوں کی یاد آئے تو مت رونا

بچھڑنا زمانے کی ریت ہے

تم دور رہ کر ہماری یاد آئے تو آنکھیں نم کیا کرتے ہو

یہ سب ہماری چاہت کا اثر ہو

تمہارے لیے دنیا سے دنیا کی طرح تم کو دیا ہے

لکھا ہے

تمہیں کیا کہتا ہوں کہ

لیے تم مت رونا

اب چلے آؤ

تم ہمیں پہلے کی طرح ہی منتظر پاؤ گے

اپنی راہوں میں ہماری نگاہیں بچھی پاؤ گے

بس تم چلے آؤ

گئے دنوں کی یاد آئے تو مت رونا

Scanned by CamScanner

ذات تجلی

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

Scanned by CamScanner

ثمینہ کشمیری

ایکسٹیسی (Ecstacy)

وہ کیسی رات تھی
جب آسمان کی سمت چلتے ہوئے تمہارے ہاتھ
ستاروں کو چھو رہے تھے
اور تمہاری نظر کے جال میں
ہیرے رنگ ریز ہوتے جا رہے تھے

وہ کیسی گھڑی تھی
جب میں تمہاری خواہش کی تکمیل کو
ایک سرائے میں رکا ہوا تھا
اور وہ کیسی ساعت تھی
جب تیرگی کی زمین کو
ہم سیراب کر رہے تھے

وہ رات کیسی تھی
جب ہم نے بہت سی موم بتیاں روشن کر کے
اپنی آنکھوں پر کس کے پٹیاں باندھ لی تھیں
پھر ہم ایک دوسرے کو اندھا دھند تلاش کرنے لگے تھے

Scanned by CamScanner

اس رات ہم اس کی گھاٹی پہ
تمہاری چھاتیوں کی ڈھلوانوں پہ
زندگی کے ابد زاد رقص
ہمارے بدن لرز رہے تھے
اور ہم کئی صدیوں کے لیے
اپنا آپ بھول گئے تھے

Scanned by CamScanner

اے کاسنی پوشاک والے محبوب!

اے کاسنی پوشاک والے محبوب!
خزاں کی ان راتوں میں تو کہاں سے آیا ہے
میری تنہائی کو بھید بھرے سے آباد ہوا ہے
اور میرے سبز رنگ آسمان پر
تیرے دونوں چاند بھرے سے چمک اٹھا ہے
زمین سے میرے پیچھے کوئی ہوا ایک رنگ
میرے سینے کی طرح کہیں پر گر رہا ہے
اور تیری دیکھی خوشبو
میرے سینے میں لگے پاؤں چلی آتی ہے

اے کاسنی پوشاک والے محبوب!
تیری آنکھوں پہ چمکتا ہوا ایک گیت
تیرے ہونٹوں کی ہلکی پہ رنگ ہوا کا گر رہا ہے
اور تیری آنکھوں پہ جھکتی ہوئی یہ رات
گلابوں کے رنگوں کی طرح لال ہو رہی ہے

میری تنہائی کے نیچے میں

Scanned by CamScanner

ایک دور ایک محبت محفوظ رہے تجھ

اور میری خواہش ہے کہ سدا جوان رہو

ایک دور ایک موسم بہاروں کا رہے تجھ

اسے ڈاکٹر کی پوشاک، اے محبوب

تو اس کی ان تھوڑا دو دن تھی

تو کہاں سے آ گیا ہے

Scanned by CamScanner

جھیل

یہاں سے تھوڑی دور ہے
کسی صاف کی منزل
دیکھتا ہوں روزانہ
صبح اٹھ کر
پیڑوں پہ چہل قدمی کرتے ہوئے
کوؤں کے غول
اور شہر کی طرف آتے ہیں
اور وہ جھیل کر
کن رستے اس مکان تک آ جاتی ہے
یہاں میں مقیم ہوں
اور گھیر لیتی ہے مجھے اپنی وسعت میں
کسی نے گود میں کسی بچے کی طرح

رفتہ رفتہ
میں نے پانیوں پہ چلنا بھی سیکھ لیا ہے
میں اب
اس کے بہاؤ اور پیچ و خم
اپنے گھر دروازے پہ پاؤں رکھتا ہوں

Scanned by CamScanner

تو اسے گدگدی ہوتی ہے

تھرتھرانے لگتا ہے اس کا پانی

اور کھلکھلانے لگتی ہے اس کی خاموشی

اور اب تو

مجھے اپنی قبر میں

آبی جانوروں کی سرسراہٹ سی محسوس ہوتی ہے

یوں لگتا ہے جیسے

میں خود جھیل بن گیا ہوں

Scanned by CamScanner

لاکلامی میں کلام

تم نہیں دیکھ سکتے
لیکن میں دیکھ سکتا ہوں

نیند کا سایہ
اور دھوپ کی پرچھائیں
اور قدیم پتھروں
اور درختوں کی چھال سے
برآمد ہوتی روشنی
اور میں سن سکتا ہوں
ہوا کی سرگوشیاں
اور دروازے کھلنے کی آواز
اور آ جا سکتا ہوں

ان راستوں پر
جو تمہارے وجود کے عکس میں
تمہیں دکھائی نہیں دیتے
تم نہیں جانتے
لیکن میں جانتا ہوں

کہ جب
کسی گزرے ہوئے خواب میں
واپس جانے کا وقت قریب ہو
تو قطبی صداؤں میں
بے آوازی تیز ہو جاتی ہے

میں اپنے آپ میں آ نکلا ہوں

چھتوں میں ریت اڑ رہی ہے
ہونٹوں کی رحل سے ورقے گر گئے ہیں
کوئی منظر نہیں
جو دلوں سے چاند اتارے!
یہ کون ہیں جو ستاروں میں رات بکھیر کر
زمین کو پامال کر رہے ہیں؟

کیا میں رات کا عادی ہو جاؤں گا
یا اپنے آپ کو بھاگ کی طرح محسوس کروں گا
میں گردش میں اچھی طرح جاگ رہا ہوں
اور اپنے انتظار میں وقت بدل رہا ہوں
مجھے دیکھنا زیادہ اچھا لگتا ہے
دیکھے رہنا اچھا نہیں لگتا!

میں اپنے آپ میں آ نکلا ہوں
ظلم میں نکلا دل، متحرک ہو جاتا ہے
میں دیواروں سے لڑ کر، دروں تک آتا ہوں

Scanned by CamScanner

ہر دل کی دھڑکن میں سماتا ہوں،

کلی سے کھلتے ہوئے پھول کے لب ہوتے ہیں

مجھ میں دو پہلو ادا ہوتے ہیں!

زمین کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آسمانوں کا راستہ روک رہا ہوں

میں ٹھہرے ہوئے پاتال میں اندھیرے کی طرح ہوں

زمانے کے منظروں میں، ہواؤں اور صداؤں کو نکھار کروں گا

ٹوٹی بھولی زندگی کو سمندر سے بھر دوں گا

عجلت میں ایک نظم

رات کے اندر میں رہتی ہوں
اور دن تمہاری چوکھٹ کا چوکیدار ہے
سانس لینے کی مشق ادھوری ہے
اور رات جاگنے کی مشق پوری
آرزو بھکاری بچے کے
کشکول میں رکھا وہ سکہ ہے
جسے بجاتے بجاتے جب وہ ہانپ جاتا ہے
تو پوری شدت سے اسے دوبارہ بجانا شروع کر دیتا ہے
کہ اس کے پاس
وقت کو قتل کرنے
اور روزی کے فریب میں
خود کو مصروف رکھنے کا
اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں
مجھے خوشی درکار ہے
تھوڑی اپنے لیے
اور تھوڑی اپنے اندر
گھٹ گھٹ کر پلنے والی اس آرزو کے لیے

Scanned by CamScanner

جو بجھے شہر کی گلیوں میں
بے موسم لیے پھرتی ہے
میرے موسم کو اس جوالی نے
اپنے پاس رہن رکھ لیے ہیں
اور بچھوڑا میرے گلے کا ہار کر دیا ہے
جسے میں بوجھ کی طرح سا لیے پھرتی ہوں
راستہ رات کی کوکھ سے جنما ہے
اور رات میری کوکھ سے
جس کے اندر
روشنی کے سائے رہتے ہیں
ان سایوں کے قد سے اپنا قد ناپنے کی کوشش
بھی فضول ہے اور خواہش بھی
بونے تو بونے ہیں
وہ شاید قد ہونے کی جرأت سے بھی
تو خود کو دیکھیں
سزا کے مرحلے
پاؤں کے گھاؤں سے
روح کی تھکاوٹوں تک
ایک ہی رنگ کی بے رنگی ہیں
جس میں تن اوڑھا جا سکتا ہے نہ من
آنسو بہائے جا سکتے ہیں

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

بچھو کی حکایت

یہ اس کو گھر ہی سے تعاقب کرتی آئی تھی۔

وہ پچھلے ... کی طرف سے اندر جا رہی تھی۔ ان دنوں اس کا میاں بھی وہیں تھا۔ اسے فون پر ملاقات ... اور روانگی کا وقت بتا دیا گیا تھا مگر گزشتہ رات کی جاگ ... اور، رات ... سے سونے اور جلد جاگنے کی وجہ سے نیند نے اسے دبوچ کر رکھا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس نے شاید غلطی سے ... پہلے کی کوئی دوا کھا لی تھی۔ چنانچہ نیند نے اسے بچھو ... میں بھی ... کی کوشش کی مگر اس ... کے سبب کر گئی۔ وہ ادھر سو لی تو وہ جانتے ... نے ... اس پر ... تو وہ پڑا تھا۔ پھر جب جہاز میں جانے کا اعلان ہوا تو وہ اس کے ساتھ ہی ... کے صوفے سے اٹھی اور جہاز کی سیڑھیاں چڑھ کر ساتھ ساتھ ہو لی۔ ... سیڑھیاں بھی خواب میں چڑھی اور خواب ہی میں اپنی سیٹ تلاش کر رہی تھی۔ ... جب اس کی آنکھ کھل جانے کی تو وہ اپنے بستر پر لیٹی ہوگی۔ ... سے ... اس نے سوچا۔ ... سے تو ... اور سیٹ مل گئی اور پھر جہاز کو اس کا کتنی شدت سے انتظار ہوگا۔

ان دنوں ... گرمی پڑ رہی تھی مگر لاؤنج کی طرح جہاز کے اندر کا موسم بھی خوشگوار تھا۔ سیٹ پر بیٹھتے ہی اسے لگا جیسے وہ نیند ہی اندر اتارنے لے رہی ہے۔ اور حالانکہ ابھی جہاز کے اڑنے میں کچھ دیر تھی مگر اس نے فوراً ہی ... نکال کر ... وہ سو جائے تو جہاز کے ... آنے کے وقت کھانے سے گریز ... جائے۔ خوش قسمتی سے سیٹ بھی اس کی خواہش کے مطابق کھڑکی کے ساتھ مل گئی تھی۔ مگر ساتھ والی دونوں سیٹوں پر دو حضرات بیٹھے تھے۔

Scanned by CamScanner

"ٹھیک ہے [illegible] اس بار بھی انگریزی میں گفتگو شروع کی۔

"کیا آپ ہر ملک جاتی ہیں؟"

"نہیں، میرا کام [illegible] ہے۔ میں ایک [illegible] ہوں۔ ایک این جی او کے ساتھ [illegible] ہوں جو خواتین کی بہبود کا کام کرتی ہے۔ خصوصاً ان علاقوں میں جہاں خواتین کی [illegible] یہاں کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔ اس لیے [illegible]"

"اوہ اچھا۔"

"میں [illegible] کی [illegible] سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"یہ تو بہت [illegible] کی بات ہے۔ [illegible]"

"اوہ! آپ [illegible] ہیں؟" [illegible] خوشی ہوئی۔"

"ٹھیک ہو جائے گی۔"

"[illegible] کا موضوع ہے؟"

"Scorpions"

"یہ تو بہت اہم موضوع ہے۔ [illegible] سے۔"

"کیا آپ ان کے بارے میں کچھ جانتی ہیں؟"

"صرف [illegible] ایک بار اس کے زہر کا [illegible] ہوا تھا۔"

"کیا آپ تفصیل بتانا پسند کریں گی؟"

"کیوں نہیں۔" اس نے [illegible] کے [illegible] متعلق [illegible] کے بارے انگریزی میں کہنا شروع کیا۔

"میں شاید [illegible] پچھلے درجے میں پڑھتی تھی۔ جب موسم گرما کی چھٹیوں میں [illegible] کے لیے اپنی خالہ کے ہاں گئی ہوئی تھی۔ وہ اندرون شہر میں ایک پرانے [illegible] ایک گھر میں رہتی تھیں۔ وہاں دن کو بھی اندھیرا رہتا تھا۔ ایک روز جب خالہ کہیں گئی

ہوئی تھی۔ پھر ایک دن اس نے مجھے واپس لیا۔ وہ دوا اس قدر شدید تھی کہ میں ہفتے بھر بے ہوش رہی اور
بے ہوشی کے دوران بے حد تکلیف میں رہی۔ آنکھ کھلی تو ہسپتال کے بیڈ پر پڑی تھی۔ مجھے ہوش آ چکا تھا
اور میرے اطراف میں ڈاکٹرز، نرسیں اور میرے والدین کھڑے تھے۔ میں نے اپنے آپ کو
بہت کمزور پایا۔ امی ابو دونوں شدت سے پریشان دکھائی دے رہے تھے۔ میں بھی انہیں دیکھ کر رونے لگی۔
پھر وہ مجھے ہسپتال سے واپس اپنے گھر لے گئے۔ وہ دواؤں اور انجکشنز سے میں ٹھیک تو
ہوئی مگر اس کے اثرات اب تک باقی ہیں۔ اتنے دنوں بعد بھی کبھی کبھی ایسا لگتا
ہے جیسے کوئی میرے جسم کے کسی حصے پر ہاتھ لے کر چھو رہا ہو۔ احساس ہوتے ہی کانپ اٹھتی ہوں اور وہ حصہ
میں سے متعلق تکلیف کا احساس ہونے لگتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے اس کے کاٹنے کا درد اگرچہ شدید ہوتا ہے مگر میں محسوس نہیں کرتی۔
اور جب کبھی ایسا ہوتا ہے تو وقت رک جاتا ہے اور جسم کا متعلقہ حصہ سن ہو جاتا ہے۔"

"آپ ہوش میں ہی اس کو چھو رہی ہو؟"

"ہاں اور آپ کو یقین نہیں آئے گا کہ ایک مرتبہ ہوائی جہاز سے سفر کرتے
ہوئے مجھے کسی چیز نے پیچھے سے کاٹ لیا۔"

"ہوائی جہاز میں؟"

"جی ہاں۔ میں ایک امریکی ائیر لائن سے لندن سے نیویارک جا رہی تھی۔
جہاز میں بیٹھے ہوئے میری دائیں پنڈلی پر کھجلی سی ہوئی۔ پھر وہ سوئی چبھنے جیسی ہو گئی اور ایک خاص جگہ
پر کسی چیز کے کاٹنے کا احساس ہوا۔ وہ سب میں نے محسوس کیا اور ایک چھوٹا سا نشان پڑ گیا۔ اس
وقت تک میں اسے پہچانتی نہ تھی۔ میں نے ائیر ہوسٹس کو بلا کر دکھایا۔ یہ کیا ہے کہ
یہ وہ جگہ ہے جو کاٹنے سے زخمی ہو گئی۔ جہاز میں خاص طور پر کوئی نظر نہیں آیا تھا۔"

"کیسے ممکن ہے؟"

"پھر اس رات میں بھی شدید درد ہوا تھا اور پھر دن بھی اسی طرح پر بھی اس کا ...

جو ہوا تو اب میں کیچڑ کے خلاف دعویٰ بھی کر سکتا تھا مگر میں نے اس کی وضاحت

وضاحت قبول کر لی۔ اس کا کہنا تھا کہ اس سے اس کے متعلق سے…

مجھے معلوم ہے کسی مسافر کے سامان کو پکڑا اس میں جیب کترا ہو گا۔''

''پھر تو بہت دن پیدا ہی تھی اور اب تک اس کے خوف میں مبتلا ہو…

''یہ تو آپ کن بچھوؤں کی بات کر رہی ہیں وہ تو ایک…

ہے۔ پیچھے سے دشمن کے ساتھ ہے کہ وہ کسی بڑائی کا…

ہے۔ یہ ایک وحشی عادت کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے اور…

اکثر نہیں ہوتا۔ کیوں کہ ایک دفعہ کا زہر خالی ہو جائے تو اسے…

دیں اور بعض اوقات کئی دن لگ سکتے ہیں اس لیے وہ اسے بچا کر…

احتیاط اور کفایت سے استعمال کرتا ہے۔''

''میرے تو دماغ میں اس کا ایسا ڈر بیٹھا ہوا ہے کہ میں بھی…

چاہتی ہوں۔''

''ہاں بعض اوقات کسی عمر کے واقعات کا اثر زندگی بھر رہتا ہے اور بعض

اوقات کا خوف تو انسان کی نفسیات کا حصہ بن جاتا ہے۔''

''میرے ساتھ بھی شاید ایسا ہی ہوا۔ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق مجھے زندگی بھر

دوا کھانی ہے کیونکہ مجھے اس سے الرجی ہے۔''

''آپ احتیاط تو ضرور اختیار کریں لیکن شاید آپ کے خوف کا سبب اتنا

ہی نفسیاتی ہے۔''

''شاید آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ میں اکثر ڈراؤنے خواب دیکھتی رہتی ہوں۔ اب

بھی حیرت ہے… ساری رات بچھوؤں میں گھری رہتی ہوں۔''

''شاید آپ کوئی مذاق کی بات کر رہی ہیں۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔ میں…

[illegible] واپس [illegible] باتیں [illegible] ہیں؟"

"[illegible]"

"میں پہلی بار [illegible] کی طرف سے ملک کے مختلف علاقوں کا دورہ کر رہی ہوں۔ میں اس علاقے میں بھی گئی ہوں [illegible] پہاڑی اور صحرائی علاقوں میں تو [illegible] کوئی گھر [illegible] خالی ہو۔ عام طور پر یہ [illegible] کی روشنی میں پہنچے [illegible] سورج غروب ہونے [illegible] اپنے [illegible] گھروں سے باہر نکل آتے ہیں [illegible] مار ڈالتے ہیں۔ کیا آپ نے [illegible] زیادہ کیوں ہیں؟"

"صرف آپ کے یہاں نہیں دنیا بھر میں انسانی آبادی کے ساتھ ساتھ ان کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ مگر ان سے جانی نقصان شاید ہی کہیں ہوتا ہو۔"

"یہاں میں اکثر مجھ سے پوچھا جاتا ہے کہ یہ زیادہ تر بچوں، عورتوں اور [illegible] لوگوں کو ہی کیوں [illegible] ہیں۔ [illegible] کوئی شخص اندھیرے میں لکڑیاں اٹھانے [illegible] کوئی شخص چارپائی سے اتر کر [illegible] لگتا ہے [illegible] ہے۔ [illegible] والی عورتیں [illegible] والی [illegible] ہیں [illegible] کیا آپ بتا سکتے ہیں ایسا کیوں ہے؟"

"اس لیے کہ ہاتھ سے کام کرنے والوں کو ہی ان سے واسطہ پڑتا ہے۔ جو شخص [illegible] میں ہاتھ [illegible] اندھیرے سے [illegible] کیا نقصان پہنچ سکتا ہے؟"

"مجھے کوئی [illegible] نہیں [illegible] میں نے بہت سے لوگوں کے انٹرویو لیے

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

پورا علاج ہو تو کوئی انسان قدم رکھ سکے اور وہ بھی ناپاک۔ تم لوگ دنیا کو بے وقوف بنا سکتے ہو مجھے نہیں۔ مگر یہ بتاؤ جب تم وہاں آرام سے گئے تو تم سے کیا بات؟"

"جی...... مگر آپ تو مرتد"

"وہ بھی تم لوگ ایسے ہی محسوس کرو گے جیسے چاہو۔ پھر تم میرے لیے کیا جانو گے۔"

"ارے وہ دو کے موٹر بھی نے آپ کے خلاف تم کوئی دن گزر رہے۔ میں ایک روشن کا ہوں۔ جب وہ پہلے بھی شدہ ہوا اس کی اولاد ہوا کوئی کام نہیں۔"

"ویسے تو تم لوگ اپنے انجینئروں پر جو شک ہمارے ساتھ کرتے ہو اس کے حوالے میں یہ بات کی نہیں مگر پھر بھی"

"مگر ان لوگوں سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں ایک طالب علم ہوں۔ ایک ریسرچ سکالر"

"کس چیز پر ریسرچ کر رہے ہو؟"

"بچھو پر"

"حیرت ہے کہ تم اتنی دور بچھوؤں پر تحقیق کرنے آئے کیا اُدھر نہیں ہوتے؟"

"ہوتے ہیں۔ مجھے دنیا بھر کی ہر نسل اور نوع پر تحقیق کرنی ہے۔ میں نے اس سلسلے میں بہت سے ممالک کا دورہ کیا ہے اور ابھی انڈیا، افریقہ اور بعض دوسرے ملکوں میں بھی جاؤں گا۔"

"بچھوؤں کے لیے؟ ہاہاہا" وہ زور سے ہنسے "کیا پاگل لوگ ہیں کوئی سانپوں کے پیچھے پڑا ہے کوئی مچھلیوں، جانوروں اور کیڑوں کے اور کوئی بچھوؤں کے"

"جی سر مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ آپ کو یہ موضوع حقیر اور فضول معلوم ہوگا مگر علم کی دنیا میں کوئی چیز معمولی اور موضوع حقیر نہیں ہوتا"

"مسٹر ڈیسوزا" اس نے والیم دیتے ہوئے کہا "ان کو بتاؤ۔ ہمارے قومی شاعر اقبال نے کہا ہے کہ قدرت کے کارخانے میں کوئی بھی چیز بری یا بیکار نہیں ہوتی"

Scanned by CamScanner

"ہاں، وقت اسے سلجھیں چوٹ"

"معاف کرو۔ میں نہیں سمجھا کہ بچھوؤں سے تمہاری کیا مراد ہے اور تم روحانیت کی بات کے لیے آئے ہو۔ دیکھو لگتے ہو"

"بچھوؤں سے میری مراد بچھو ہی ہیں سر۔ میں کسی علامت یا استعارے میں بات نہیں کر رہا۔ میں ایک سائنس سٹوڈنٹ ہوں"

"سب تم بچھوؤں پر تحقیق کو بھی علم اور سائنس کہو گے"

"ہر شے تو فانی ہے"

"ہاں تو پھر تم کو بھی سچ ہوا ہو گا کچھ دیر"

"میں تو تم کو سمجھا رہا ہوں" اس نے کہا۔ وہ بوڑھا راہب گفتگو نہیں کرنا چاہتا تھا مگر جو بات کہنے کی تھی"

"کیسے۔ وہ کیا"

"یہی تو تم روحانی علوم سے بے بہرہ لوگوں کی سمجھ کا پھیر ہے۔ تم دنیاوی اور مادی معلومات کو علم سمجھتے ہو"

"مادی علم بھی ضروری ہے سر۔ انسان خود مادے کی پیداوار ہیں"

"یہی تو مشرق اور مغرب میں فرق ہے۔ ہم مادی چیزوں پر غیر ضروری توجہ نہیں دیتے"

"اسی لیے مجھے آپ کے ہاں ایسا کوئی لٹریچر نہیں ملا جس سے بچھوؤں کی مختلف انواع کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکیں۔ جب کہ ہمارے ہاں بچھو کے متعلق سیکڑوں مضامین، مقالات اور درجنوں کتابیں بآسانی مل جائیں گی"

"ارے میاں کیا بات کرتے ہو۔ بچھو کے بارے میں تو ہماری ابتدائی نصابی کتب میں اتنی معلومات مل جائیں گی کہ تم حیران رہ جاؤ گے۔ اب تو معلوم نہیں مگر ہمارے زمانے میں ابتدائی قاعدے میں اس کے بارے میں ایک لطیفہ شامل تھا۔ سنو گے؟"

Scanned by CamScanner

"[illegible]"

"[illegible]

[illegible]"

"[illegible]"

"[illegible]"

"[illegible]"

"[illegible] ہوتی ہیں۔ صرف [illegible]"

"پھر تمہیں اس بات کا [illegible] معلوم ہے کہ مچھلی کی

آنکھیں نہیں ہوتیں اور وہ راستے میں آنے والی ہر چیز کو [illegible]"

"سوری سر، عام مچھلی کی آنکھ [illegible] آنکھیں ہوتی ہیں۔ وہ الگ بات ہے

کہ یہ آنکھیں ابتدائی (Elementry) قسم کی ہوتی ہیں۔ [illegible] بہت حساس ہوتی

ہیں مگر صرف گہری اور [illegible] روشنی [illegible] اور وہ شاید ان سے اپنے

[illegible] آنکھیں نہیں ہوتیں۔ لیکن

[illegible] آنکھیں [illegible] نہیں ہوتیں۔"

[illegible] ان کی آنکھیں [illegible]

Scanned by CamScanner

"پھر تم کن جانوروں اور لوگوں کی بات کر رہے ہو؟"

"سر میرا اشارہ کسی خاص جانور اور خاص لوگوں کی طرف نہیں۔ میں تو ایک عمومی بات کر رہا ہوں۔"

اسے لگا جیسے ہوائی جہاز کا شور آہستہ آہستہ کم ہوتا جا رہا ہو۔ پھر جیسے انجن بند ہو گئے اور جہاز ہوا میں تیرنے لگا۔ ہمراہی مسافروں کی آوازیں بھی آہستہ آہستہ اور مدھم ہوتی چلی گئیں۔ پھر ہر طرف خاموشی اور سکوت سا چھا گیا۔ مگر پھر اچانک کسی اور پائلٹ کی وجہ سے جھٹکا سا لگا۔ اس کی آنکھ کھل گئی اور اسے اندازہ ہوا کہ وہ سو گئی تھی۔ اس نے جاگتے ہی پوچھا "مسٹر آرمسٹرانگ تم نے شیخ سعدی کا نام سنا ہے؟"

"جی ہاں ایران کے ایک مشہور شاعر گزرے ہیں۔"

"کچھوے کے بارے میں ان کی ایک حکایت ہے۔"

"میرے لیے کچھوے کے بارے میں ہر information اہم ہے۔ میں نے تو دنیا بھر کی حکایات و روایات تک کھنگال ڈالیں۔ جیسے چین، مصر اور بائبل کی اساطیری کہانیاں۔ مثلاً ہمیں چینیوں میں رب کی گاڑی پہاڑوں پر چڑھا ہے تو کچھوے کے ... سے پرانے ہوتے ہیں اور میں نے بائبل کے حوالوں پر بھی خوب غور کیا اور بعض علماء کا خیال ہے ... اور اب میں بھارت کے شہر حیدرآباد میں کچھوے کی شکل پر بنا ہوا "قلعہ" دیکھنے جاؤں گا۔ میں ایران بھی جانا چاہتا تھا مگر ویزے کے پرابلم کی وجہ سے نہ جا سکا۔ لیکن شیخ سعدی جیسے عظیم شاعر کی کوئی حکایت تو میرے لیے بہت ہی قیمتی تحفہ ہوگی۔ اگر آپ وہ مجھے بتا دیں تو بہت ممنون ہوں گا۔"

"ویسے یہ بات کچھ زیادہ اہم نہیں۔ کسی اور سے پوچھ لینا۔ ہر کسی کو معلوم ہے۔"

"میں معذرت چاہتی ہوں مگر میں سمجھتی ہوں کہ وہ حکایت شیخ سعدی کی تھی۔

بیدپائی (Bidpai) کی کہانیوں کی ایک کہانی ہے جو لوک کہانی کا روپ اختیار کر گئی ہے۔"

Scanned by CamScanner

"ذہن میں بہت شور ہو رہا ہے اگر وہ حکایت آپ سنا دیں گی"

"ایک بچھو اور ایک کچھوے میں گہری دوستی ہو گئی۔ انہوں نے عہد کیا کہ وہ کبھی جدا نہیں ہوں گے۔ کچھ عرصے بعد انہوں نے ناسازگار حالات کی وجہ سے کسی دوسرے علاقے میں ہجرت کرنے کا فیصلہ کر لیا اور ایک روز چل پڑے۔ لیکن ابھی تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ راستے میں ایک دریا آ گیا۔ بچھو بولا۔ دوست تم تو تیر کر دریا پار کر لو گے مگر میں غریب تو ادھر ہی رہ جاؤں گا۔ کچھوے نے کہا فکر نہ کرو دوست، تم مضبوطی سے میری پیٹھ پر بیٹھ جاؤ میں تمہیں حفاظت سے پار لے چلوں گا۔ چنانچہ وہ کچھوے کی پیٹھ پر سوار ہو گیا اور وہ دریا میں اتر کر پانی کی سطح پر تیرنے لگا۔ جب وہ دریا کے درمیان میں پہنچے تو کچھوے کو اپنی پیٹھ پر کسی چیز کے چبھنے کا احساس ہوا۔ اس نے بچھو سے پوچھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ اس پر بچھو نے کہا کہ وہ اپنے ڈنک کی آزمائش کر رہا ہے کہ اس کی سخت کھوپڑی پر اثر کرتا ہے یا نہیں۔ کچھوے نے کہا کہ مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ بچھو نے کہا وہ تو ٹھیک ہے مگر میں اپنی عادت سے مجبور ہوں۔ کچھوے نے کہا تم اپنی عادت پر قابو پاؤ ورنہ یہ ہماری دوستی کے لیے خطرناک ہو سکتی ہے۔ مگر جب کچھوے نے دیکھا کہ وہ باز نہیں آتا تو اس نے اپنا رخ دریا کی تہہ کی طرف موڑ لیا۔ بچھو نے چلا کر کہا یہ کیا کرتے ہو دوست میں ڈوب جاؤں گا۔ اس پر کچھوے نے جواب دیا کہ میں بھی اپنی عادت سے مجبور ہوں"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن میں اس حکایت کو آپ کے حوالے اور شکریہ کے ساتھ اپنے مقالے میں شامل کروں گا"

"او کے۔ ٹھیک ہے"

"کیا تم نے اس میں بچھو کی دوستوں کو ڈنک مارنے کی خصلت ملاحظہ کی؟"

"جی سر"

"بچھو کیسے بھی ہوں اگر تم یاد رکھو، بات طریقے سے لیا کرو گے۔ یہاں اس میں بچھو

تو میں کہہ رہی تھی کہ اسے مت سوچو بلکہ تصور کرو تو بات اچھی طرح تمہاری سمجھ میں آ جائے گی

"مگر اس بات کا بیالوجی سے کوئی تعلق نہیں ہے"

"پھر بھی یہ تو معلوم ہوگا کہ تم اور ہمارے مغرب پرست لوگ مشرق کی ہر چیز کو مغرب کی نظر سے دیکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ جیسے الف لیلیٰ خالص مشرق کی چیز تھی مگر لوگوں نے اسے اپنا بنا لیا"

"قرون وسطیٰ سائنس اور ٹیکنالوجی بلکہ ہر طرح کے علوم، الف لیلیٰ اور الف لیلیٰ مشترکہ سرمایہ ہوتے تھے سر"

"پھر بھی ٹیکنالوجی پر پابندی کیوں ہے؟ وہ بھی مشترکہ سرمایہ ہونی چاہیے۔ ویسے تمہیں اس حکایت سے کئی باتیں معلوم ہوئی ہوں گی"

"جی ہاں سر۔ کہانی تو کہانی ہوتی ہے۔ اس سے سائنسی معلومات کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اس میں بھی صرف ایک دھات کا ذکر ہے، وہ بھی درست نہیں"

"یہ سب مفروضے ہیں۔ تم یہ بتاؤ تم نے ہماری کوئی بڑی لغات دیکھی ہے؟"

"جی ہاں بہت سی۔ ان سب میں تقریباً ایک جیسی مختصر اور سرسری سی معلومات دی ہوئی ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے نام بھی دیے ہوئے ہیں جیسے عقرب، کژدم اور بچھو وغیرہ۔ لیکن سائنسی اور تحقیقی مواد اور معلومات جو مجھے درکار ہیں وہ ان میں نہیں ملیں"

"وہ تمہیں ہماری طب کی کتابوں میں مل سکتی ہیں"

"جی ہاں میں نے وہ بھی دیکھیں بلکہ کتابوں کے علاوہ میں بعض مشہور حکیموں اور ویدوں سے بھی ملا"

"کچھ پتا چلا بھی؟"

"ایک حکیم صاحب نے مجھے بتایا کہ طب کی کتابوں میں مذکور ہے کہ اس کو جلا کر اور یہ مثانہ کے امراض کو دور کرتا ہے، مثانہ کی پتھری توڑنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر ان

Scanned by CamScanner

[illegible] مرکب ہے۔ مجھے وہ ذہن تیار کر کے فارغ ہوتی [illegible] پر باقی

[illegible] اڑانے کے لیے لگاتے ہیں۔ ایک ایسا خیال تھا کہ مجھ کو

[illegible] کا عمر چاک کر کے [illegible] جذب کرتا ہے۔ مگر وہ سکتا ہے

[illegible] صورت اور وجوہات میں کسی قدر سچائی ہو مگر ان کے پاس ایسی کسی بات کا ثبوت یا

[illegible] کی رپورٹ نہیں تھی۔"

"[illegible] حکومت ایسے فضول کاموں میں وقت ضائع نہیں کرتی اسے اور بہت کام

[illegible] مجھے [illegible] ذہن لوگ ہیں؟"

"نہیں [illegible] بات کہتے [illegible] کر سکتا ہوں مگر آپ کے ذہنوں میں [illegible]

[illegible] تحقیق کا وہ ذوق و شوق نہیں ہے۔"

"[illegible] مجھے [illegible] ترقی نہ کرنے کا سبب بھی ہے مگر [illegible] سے ترقی

[illegible] لگتے ہیں۔"

[illegible] کے دونوں [illegible] بات میں لگے ہوئے تھے۔ تبھی آہستہ آہستہ ان کی

[illegible] کے ہاتھوں [illegible]

[illegible] ہوتے [illegible] اپنی [illegible] کی [illegible] کے

[illegible] دیکھنے [illegible] سے پہلے [illegible] نے پیچھے [illegible]

[illegible] کے اندر [illegible] ایک [illegible] ہوا تھا۔ [illegible]

[illegible] سے [illegible] آواز سن کر وہ جاگ پڑی۔

[illegible] کی [illegible] رہی تھی۔

اک بنگلہ کوا اکو دو شول

[illegible]

Scanned by CamScanner

[illegible] طرف سے تباہی ، بے مروتی [illegible] میں پھاڑ کے
[illegible] آزادی [illegible]
[illegible] قدم [illegible] عوام کے [illegible] میں [illegible]
[illegible]
[illegible] کی [illegible]
[illegible] میں [illegible] کی [illegible]
[illegible] میں [illegible] کے [illegible]
[illegible] سے [illegible] کے [illegible] میں [illegible]
[illegible]
[illegible] کے [illegible]
[illegible]
[illegible] سے [illegible]
[illegible] کے [illegible] کی [illegible] میں
[illegible] کے [illegible]
[illegible] میں [illegible] کے [illegible]
[illegible] میں [illegible]
[illegible] کے [illegible]
[illegible] کی [illegible]
[illegible] کے [illegible] میں [illegible] اور [illegible]
[illegible] کے [illegible] کے [illegible]
[illegible] سے [illegible] میں [illegible]

Scanned by CamScanner

بلکہ وہ فقط زمین زادوں زیر بار عرفی ہو الجھن گیا تو مقصد رہ جھن جانے کے باوجود وہی اک
کوار میں جو وقار و اوصاف کے ترازو میں آو جاں، علم و توانائی کے بادو بیر روز پیچھے گر گیا
بچل رہی تھی [illegible] ہوا پرایا" لیکن اس سے پہلے محبت مر جا گر مایت بھر پیار رسا ہے،
رہ مرنی ہے لوٹ توشہ پانی کی چند بوندیں گرتے ہی چھوٹی داشتی دہون کے لوں لوں کو
بہوتے انجمن ڈیکی اس آوارگی میں اندر اشتی ذوق میں باتی جہاں کسی عظم نہ دو پانی کر
ماں کی بھی کل انگلی کو اس سال پیچھے سے ترجمہ، نفسی میں بجلا جاتا، چند ایام کی افراد گی،
ماں کو جو دل داری سنگ، دوران تعلیم و فراست میں منتقل جو ہاں، اعتناد کی فعل محبت میں
کل درپی مرہون میں کوئی ہو دھی لوگوں کی وسعت کو پیکتی، قول، قرار میں اس سر کو تواری میں
بیہانی ردی حق انجھیں روانی لوٹے اور بیوش، رقیہ میں کہ سے سیز رزاق سے بازار
ہوتے تصور کو روبرو رہیں کھانے کے لیے جھکا، لیے تنہا میں تم بہت دو جو سے بچی کرون،
اور بیٹے ہیں کو گرو دو منتظر، لوٹ کرانے والے کو، گرگ بند گرگی والوں کوئی ذیادوں پر
پینچے انچے سے چھوٹے دشت باندھے پر چھانٹے کو بے تاب، اک جھکا، پر لمحہ گشت
ہو تم ڈوبا، اور موجودہ سستی سپاٹ گمن زدہ دریوں سے بھری، بے بسی اور لاچاریوں کا ابھوہ
تم زنی جو فرقی تو بے آزوں بیٹھے، سرگوں سر، آنکھیں چمرول میں الجھیں، غضب
اندھیری سیاہیوں کو کریدتی یادیں، دھلاتے روتے وہ اپنے ہی زخم زخم کرید پڑھوں کے
دوپٹے میں اک آس پر سہارا تھا مانگنے، آنکھیں کھولتے سے خوف زدہ کر اپنے ہی کے
پہ زخم کریدنے کی سوزش نہ جاگ اٹھے، جانے کی خواہش بے لوث نفس مطمعہ کی
پاست اوڑھے صرف جانے کی تمنا کے قدموں پر بیٹھے کا نام بھی تو پھیلانے والوں کے پیچھے
لس گئے تکیوں سے بھرے جال میں پھنسنے کا بے ثباتی اقرار نامہ انسانی خون خرابے کا
قرب گاؤ بیٹی ڈالے ہتھیار کی گرتی صاعقہ تیز دھار، گھٹنوں میں چھپا بیٹھی بستہ منزل پر ٹھہری
جیت چڑھتی ہے اس ملاوٹ لگتی اوڑھائی آنکھیں جس میں پھنسنے کا لمحہ اک پل میں

Scanned by CamScanner

کھڑکنے سے ہر پوٹ کے در و دیوار میں گونجتی الگ الگ ہوتی آوازوں سے لرزاں رہتیں
ترچھی ہو کر، اپنی نسبت اور بھی مار کر دو چار جھوں سے ہوائیں کاٹتے، جھپٹے جاتے،
پلٹ جاتے۔ دیواروں کے کھلے کیلنڈروں سے تاریخیں رکھیں، دل ہونے کھوتے، چھوٹی بڑی
پھولوں پر ہاتھوں میں آ، چودہ سولہ لڑکے لڑکیاں، عمر کے لحاظ سے کوئی بھی بارہ برس
سے کم یا زیادہ نہیں ہو گا، اور سب ہی تو وہ تھا۔ اٹھارہ سال پہلے والی، آتے جاتے
دیدوں کی دھندلی میں بھی کو تیز نظروں پر رکھنے کی خواہش میں ذرہ ذرہ دور سے بولتی
ہو کر رہتے۔ جو کل سے کاغذ پر لکھا کرتے سوچتے۔ ملاقاتی شام میں بے حد تھک کر
ہوتے سے بہتر رہتے۔ ایک ابھرتے عکس کی امید غیر معمولی دیکھنے کی خواہش میں وہ ایسی
جگہ ہوتے ہوئے کمرے میں کھو جاتے۔ کھڑکی والی روشنی وقت بے وقت کی گنتی الجھی
ہوا سے ٹھہر جاتے، بے حد چھت سے اس کے نام کی آواز پکارتی ٹھہرتی دیکھیں، اور وہ
ہاتھوں سے جیسے نہ جانے کیا میں گم کرتے، طلوع ہوتی چمکتی شفق میں رنگی ٹھنڈی ہوائی وہ جہاں
وہیں پر تھیں بیٹی، ہاتھوں اور انگلیوں کی قربانی بخش سے بندھی کا گھیں، آوازوں کے
درمیان سب بڑی بڑی اترتے ہوئے آتے جاتے گردن میں ایسے گرتے کہ
[illegible] میں رکھے الگ گھڑیوں سے نئی ملاقات کے نتیجے میں کسا چھوٹے پیالے
[illegible] پسند کر لیے اور اترتے ہی وہ بھی [illegible] ہوتی کی ایک مخلوق کی
طرح [illegible] تمام مگر [illegible] کا چھوٹا پیالہ [illegible] میں تبدیلی اور [illegible] سارے
ہم صاحب [illegible] وہ جانا اور [illegible] بے بسی کا عکس، ماں کی یاد لپٹ لپٹ کر رو جانے کو ترسنے،
زندہ رہ جانے میں [illegible] چالی اور وہ تھی، [illegible] جگہوں میں بیٹھا [illegible] ہوتے کی ملاقات،
[illegible] روز کے ہی معمول سے تھی مگر مہمان کی موجودگی کے سبب صاف دیا [illegible] سے
[illegible] بعد ازاں [illegible] اور تمام تر [illegible] کے [illegible] اور [illegible] سب باتیں
سے [illegible] لگانے کے [illegible] جاتے ہاتھوں پر [illegible] ہوتے [illegible] میں [illegible]

Scanned by CamScanner

صبح سویرے سردی میں لحاف چھوڑ کر وہ پھر آتش‌دان میں کھانے کا آوازا پڑھتے ہی جیسے
کے آزادی۔ مگر رات میں اتنا شور، جشن صرف میں آتش‌بازی کی سمتوں سے الاؤ
اٹھتا روشنی تھا، خانہ اور بچے کی لو وہ دیر سے جاگ رہے، کھڑکی میں چمکتا شعلوں میں مگن
خود تو نیند پر بیٹا آفتاب زیر و بم چمکتے کو رکھتا، پہلے سے سماں کی تنہائی روشن کر
[illegible] نہ تھی صرف بکھر کر رکھ دیا نہ وہ نکلا ہے گھومتی ہوئی
جگنوؤں سے حساب رکھے، دیواروں کی ایک ایک پھول توڑنے کی لذت، وضاحت سے بھی
دھول کو حساب رکھتی تھی نے شعلوں کی آتی جاتی چمک کا دل [illegible] کسی ایک خوشی پر تھی
تھا کہ ان سے جدا ہو کر تھیلی پر پاپا کے قتل کا کہانی کا بچپن ایک سال پر مشتمل تھا
[illegible] بھی کیا، ماں اور پاپا کے قتل کا [illegible] کی سوال۔ ایک ہی مگر مسلسل
[illegible] اور مگر وہ پر وہ طرز ضرب بے حساب کی کھلی [illegible] پر
کے رنگ کی شناخت پر [illegible] لگے زخمی [illegible] کی پہچان اور وہ [illegible]
[illegible] کی کہانی کے کمرے میں کمرا مکمل [illegible]
[illegible] ماں کو [illegible] پانے کی کہانی کے [illegible] بھی
[illegible] کے حکم تو سے پر [illegible] کے [illegible] احوال [illegible]
[illegible] ایک گڈی میں [illegible] پر [illegible] کر رکھ دیا
کی وہ گڈی [illegible] مگر [illegible] ان کے لیے ایک اور گڈی [illegible]
[illegible] دوسری گڈی [illegible] کا حوصلہ کہاں سے [illegible] اس نے [illegible]
[illegible] کے [illegible] کو [illegible] مکمل [illegible] پر ہی ملازمت پر تیار [illegible]
قدموں کے [illegible] سر گرم میں کاغذوں کی گنتی بھرے [illegible] میں [illegible] خواب [illegible]
اور [illegible] اسے [illegible] میں گنتی، زمین کے [illegible] کی طرف لوٹنے کا [illegible]
مگر [illegible] کی کوئی راہ، کوئی [illegible] سے دیکھنے کی آرزوؤں میں [illegible] خواب [illegible]

وہاں بھی زمین کا چھوٹا سا ٹکڑا نکلا اپنی عمر کا حساب مانگنے۔ اور بیس کی طویل جدائی کا
[illegible] کھیتوں [illegible] چلت میں چال، ماں کی اگلی قدم کے رکھوالے [illegible] کے دل سے
دل زمینوں کی خوشبو [illegible] سے کے زخمی ماضی کی کرید اسے قہر سے بھی چھڑانے کی سعی
کرے تو کبھی مت چھوڑنا اور اس کے مقابل ایک بیوی کی معصوم صورت [illegible] چاہو تو نہ
کھیلے [illegible] اور تین کرنل جوان ماموں [illegible] کے سامنے [illegible] پر چھائی
حق [illegible] خالی ہاتھ تصادم۔ چار دن خون میں لت پت [illegible] کی طرف
بچے بچوں کے [illegible] ان کے ٹکڑے ٹکڑے تو ہم زمین کا چھوٹا سا [illegible] کی کھیتی [illegible]
[illegible] کا ٹکڑا [illegible] زور آوری کے بل [illegible] کرتے [illegible]
[illegible] کے [illegible] کے [illegible] ماں کا عریاں بدن [illegible]
[illegible] میں [illegible] بے کراں ہے کس [illegible] گریہ زاری میں عریانی سے [illegible]
[illegible] خوف اور دہشت
کے سائے [illegible]

[illegible] سے [illegible] میں [illegible]
[illegible] کے [illegible] سے [illegible]
[illegible] کی [illegible] تین [illegible] چار [illegible]
کی [illegible] میں [illegible] وہاں کے اور وہ اس کے [illegible] کی [illegible]
[illegible] سے [illegible] کے [illegible]
[illegible] کی [illegible]
[illegible] سے [illegible] میں [illegible]
[illegible] میں [illegible] اس کی [illegible]
[illegible] میں [illegible] کی [illegible]

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

میں بیٹھ کر وہ مرے کی جانب ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ دروازے کے پیچھے گل اور بہن بھی
بیٹھی رہی۔ دونوں بچوں نے بہن بھائی اور گھر کی کچھ حالت کو دیکھا باپ بیٹے دونوں رو رہے تھے
اور ان کے ساتھ ماں اور دونوں دروازے سے باہر گئیں۔ وہ بھائی بہنوں کی حالت میں کافی دور نکل گیا۔
ماں کے منہ سے آواز نہیں نکلی۔ گھر ایسا درد سے کے ان میں ایک ویرانے میں جیسے کہیں کھو
گئے تھے۔ اس دن بھی وہ دل میں ٹھان کر پیار کی آرزو لیے چھپ کر وہ اس کی ماں کو
دیکھنے نکلا۔ ہمیشہ جیسے دکھ کے بعد کبھی ان پر ایک سے سامان کے ساتھ چلا
گیا۔ اسے لگا وہ سب کے لیے ہے اور وہ گھر کو دو تین لڑکوں اور ایک لڑکی
کے ساتھ وہ گھر چھوڑ کر ایک گھر میں اور کچھ ساری کی دولت میں ایک کمرے کے اندر
اس کو دیکھ رہی تھی۔ صورت و پیار کے ظلم سے وہ ایک لڑکا بہن بھائی رہا
تھا۔ جیسے تیری جیب جانے چھپے۔ انسانوں اور ساتھیوں کو پیار سے بھر کر
پاتے۔ وہ کبھی ساری کے دل میں مختلف انسانوں کی شادی میں خود بھی ایک ایک
کو اور ان حالات کے اندر تصویر ساری اور خوشی کی ایک ایک کہانی اور کاغذ میں
اب کی دنیا میں بچوں اور باپ کے دکھوں سے ہم کلام ہوتا اور وہ کبھی اپنے گھر
سے اس کے دور ہوتا ہوا گھر وہ اپنے آپ میں اکیلا گھر کی میں خاص اداس کے
اپنے گھر کے بیٹی بچوں سے پوچھتے آواز صرف اور صرف ایک ہی بات۔ اس کے بعد کے بیچ
بچے اس دوران میں گھر کے بیٹوں کے ظلم و ستم ہو کر وہ کام کے بعد بھی
رات کو بچے اور اداسی کا ایک گہرا تعلق ہوا کہ وہ اس سال سے بے خبری کے گھر
سے نکلے پیار۔ لیکن پھر بھی اس کا ایک دل بھی اس کی آواز سننے والا کانوں میں
گونجتا رہا۔ وہ بدلتی سے پوری کر کے انقلاب اور اس کے دل میں بیٹھ گئی۔ اس
کی زندگی اپنے آپ سے کچھ گئی۔ ایک طرف چلے گئے۔ اس وقت وہ خود کو کھو کر بیچ اکیلا کے
بیچ بیٹھا اور اس کے اس وقت میں کسی ہم دوستوں آنسوؤں کی لڑائی میں وہ رو کر

Scanned by CamScanner

خوشی اور بڑھاپے کے حال احوال کی خبر پاتے جب بیٹھے بٹھائے تک کی اس واری باپ کو بھی اس قبیلے عورتوں کی ترسیل کی مدد حدود تک ہی گئی، لیکن اب وہ لگا کر بجائے اس نے سر لپیٹے سر پیٹ لیا۔۔۔

اندر کے وہ اصولوں کی خلاف سے ہٹ کر بیٹے کی گرفتاری میں تجلی گیا وہ وہاں ایک ادارے کے اندر سوالوں کی گٹھڑی کھولے خوف میں ڈبکیاں لگاتے ابھرتے نگاہوں کے سامنے وردی والی ملازم کے ہاتھ میں شیشے کا گلاس اور وہ اسی کے اشارے پر گھنٹے کی ملاقات مگر میز کے پیچھے سے بوڑھا باپ میں لت پت موٹی موٹی بھاری کشش آنکھوں سے ان پر گاڑتے ہوئے گہرا اعلام یا جیسی گہری نظروں سے دیکھتے رہتے افسروں کے گرد ایک صداقت میں بند تی پھر رہے تھے سیاہی مکھی رنگت کے سبب وہ صورت حسنہ کو کر کے گئے وہ اعتماد پر وہ بھی شدید جرأت و احساس میں موجود وہ وہی کرسی پر بیٹھے، جرأت و احتساب کا جال کو کسے، اس پر بے طرح بڑی چادر ملفوف کرتے ہوئے منصب کو کرسی کو ایک بچے سے میں پر، بچے سے تو بڑی حد تک بچا لیا بھی تک اور مگر وہ ۔۔۔ معاشی، قانونی اور معاشرتی پر وہ ہاں اس تنزلی کا تمام تر سبب لینا جس نکالی گئی انگلی تک زیر بحث ہے جس دن زنجیر کرتی ہے کسی کا محل لگا دیا، جس نے ماں کے کمزور آنکھوں میں پیچھے ہاتھ تکتے ہی اوپر والا ہاتھ خدا سے پرچم تک ۔۔۔ سے ہاتھ اٹھا کر طلاق کے کیوارے میں آنکھ کھولے کے حرف دعا آئے اس وقت زور سے نکلے اسے کی یاد آیا جا رہی تھی سے گلا یا تنگ اپنا لگنے پر اب بھی مصیبت لگتا ہے؟" آنکھوں میں امڈتے آنسوؤں پر صبر کی لاٹھ ٹیکے بیٹھے سے روکے، پیچھے کو سر کھولی میں گرتے چند سکوں کی جھنکار کی تھی اور آنسوؤں میں گیلی دوری سے بڑی چھلانگ صرف ایک ہی چاہت اور ان، شفقت سے لگا ہاتھ بھی تو بیٹے سر اٹھا گئی، جو دھیمی آواز کی گلی اور سوالوں میں پہلی کوئی دھوکہ ہے"

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

کیونکہ یہ وہ وقت آ گیا تھا جب احساس کے لیے اگلا مرحلہ امتحانی اور [illegible] اور نمبر گنوانے کے بعد ایک انفرادی دنیا تھی، اپنے بیڈ روم پر [illegible] ٹوٹتی ہوئی زندگی۔۔۔ وہ ساری آرٹ کی [illegible] کی جا بجا [illegible] اور [illegible] کے بیچ [illegible] رنگین اور تخلیقی تصویر میں [illegible] ایک ایرانی اور [illegible] ایک پینٹنگ [illegible] کرنے کی [illegible] سازش، دونوں [illegible] اپنی [illegible] سے بڑا اصل مصور۔۔۔

قدیم چیزوں کو [illegible] سازش کا کارخانہ، ایک ایسا زمین پر پھیلا مختلف اقوام [illegible] سازش کے پیچھے [illegible] چاروں پر تقسیم، ہر پارٹ میں مختلف سازش کے قاتلوں کی تصویریں، تفصیل پر ایک دو لوگوں کے ساتھ [illegible] باہر طالب علم مختلف اقوام [illegible] کے [illegible] لگے ہوئے اور [illegible] سازش [illegible] پٹی کے لیے ایک [illegible] ایک [illegible] کھانے کا کمرہ اور دوسری پشت پر [illegible] سے [illegible] کی گھڑی کے بیچ میں وسط میں [illegible] کا دفتر میں ایک [illegible] قاتلوں کا [illegible] اور ایک [illegible] کی [illegible] چاروں طرف کے شیشوں سے [illegible] کے بند دروازے پر نظر ڈالتے [illegible] کرتا ہوا [illegible] میں بیٹھے لوگوں کے کام پر نگاہ رکھتا۔۔۔

ان میں سے ایک پارٹ [illegible] سے مکمل خالی اور بند دروازے کے پیچھے [illegible] میں پوری طرح آزاد [illegible] کی [illegible] دروازے پر [illegible] کا پہرا۔۔۔

وہ [illegible] کے لیے [illegible] تیار [illegible]۔۔۔

اور دونوں [illegible] قاتلوں کو [illegible] ایک وقت۔۔۔

صرف [illegible]۔۔۔

Scanned by CamScanner

ابھی باقی تھی۔۔۔

انہوں نے ثروت کو مایوس کرتے سارے محفل کو [illegible] میں جذب کرتے،

سب ہی قوال کرتے ہوں [illegible] بیچ رات میں گم [illegible] بیٹھے ہوئے کے دل میں

[illegible] ہوا کے چاند سے [illegible] میں سب کی نظروں کے سامنے [illegible] وقت [illegible]

[illegible] سے [illegible] ہوتے ہوئے [illegible] کے [illegible] کرتے [illegible] سے آلی

[illegible] کی [illegible] پوری کرتے۔ [illegible] کی طرح [illegible] ہوں [illegible] کے ہاتھ میں [illegible]

[illegible] نہ آنکھوں میں ہی [illegible] جاتی [illegible]۔۔۔

سب سے [illegible] ان کو [illegible] نے [illegible] سے [illegible] کی صف

میں [illegible] تھا [illegible] کی [illegible] آنکھوں سے تو [illegible] کو [illegible] دیکھا

تو [illegible] ان کے [illegible] سے [illegible] تھا [illegible] سے [illegible]

[illegible] کی [illegible] تھے۔ [illegible]۔۔۔

[illegible] کے [illegible] کو [illegible] میں، اور [illegible]

[illegible] کی [illegible] اور آنکھیں [illegible] سے [illegible] کے [illegible]

[illegible] پر [illegible] کی [illegible] ان کے قدم [illegible] کی طرف [illegible]

[illegible] سے [illegible] کی [illegible] کی [illegible] آٹھ۔۔۔

رات [illegible] ہوتے ہی [illegible] سارے [illegible] دروازے پر آ بیٹھے اور [illegible]

[illegible] دروازے [illegible] دیکھ [illegible] جب دروازہ نہ کھلا، تو [illegible]

[illegible] کے [illegible] آنکھ [illegible] میں اتر گئے۔ [illegible] اور [illegible] کی [illegible]

آنکھوں نے [illegible] دروازہ کھولا تو [illegible] کے دروازے کے سامنے [illegible]

[illegible] تھا۔ وہ سب [illegible] چپ [illegible] دونوں [illegible]۔ [illegible] کی [illegible]

[illegible] کو [illegible] کے [illegible] میں، اور آنکھیں [illegible] سے [illegible]

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

برف گوشواروں کے مل نہ سکے، کمھار وہ کاٹتی رہی، چلا گیا، اور وہ پوری تن دہی اور
تن داری کی آہوں میں سر جھکائے چوری گئی سے فرماتوں کے اوپر ہو سے اٹھتے تین سال
پیسے وہاں تک سے غرق، ایک بار بھی نہ وصول کے لیے رکیں انداز۔

تین سال بعد جب وہ اجاگا اور پہلے پر اترا تو پورے گاؤں کے کنارے سے گمل
چورا پھوار زمین کی دھان کی خوشبو، ماں کے چہرے پر تمام بے رنجیاں ہال قہر کے پاؤں اور
پھیری، اور ہوشت جگل ریکھتے شوبے نے آئے اپنی لپیٹ میں ہی لے لیا اور۔۔۔

تیز برسی مرچوں کی طرح جلتی ہوئی ناداں کے ذہن میں رچی بسی، وہ دولت کی
حرص خواہشوں میں جوان تیسرے ہی دن لوٹا۔ جھونپڑی اور زمین کو زرخیز کھیتی فصل میں
بھی چاکر تو ٹی وی گیا مگر، باپ اور تینوں کریلے جوان ہاروں۔۔۔ جامع نظر اس کے دن
چونٹی قدیا، یہ جوان ہو رہے تھے، وہ کو چاہوں سے حریص کوئی ساماں جو دن ہی کھوں کی
ان کے سونے کی چیخ پائی، خوراک و کھانے اور آج دن کا اجلا سورج اور تیز پانیوں پر تیز
رقص، وہ کی وال رات میں مسکراہٹ بانٹا کھلا چہرہ کر پار آئے تو دیکھے کھل شراب اور
ذرا بھی کوئی ذکر ذہن، وصل دوائی شراب کے اندر مزے جاتے غم کے غم۔۔

رات کے پچھلے پہر تک ساہوکار کی ساری املاک کا سودا مکمل ہوا اور نشے میں
دھت وہ اور اس کے ساتھی بے اختیار خوشی سے رقصاں ہکت چاہت گواہوں سمیت
رقاصہ اچھلتے گھنگروؤں میں از خود بے قابو اٹھایا تاکی اور وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر
سب بھول چکا، مگر وصولی نہ بھولا۔ لالچی ہی کے ایک کمرے میں اوا تکلی کے نام پر وہ
ساہوکار اور رقاصات، جھپٹ، دیکھنے کو تیرا ہاتھ کی گرم گرفت میں، اک پل جھپک
میں ٹیکی تیکی چمکیلی دھاروں انگلیوں اور ہتھیلی پر پڑا اور بہت ناز پالنے ہی کیش کی جھنکار
آخر، اس کی انگلیاں ٹوٹ گئے اور کانچ ہی رہ گئیں۔۔

چاہی گاؤں کرتے وہ پوچھے میں الہ دن، ساہوکار وہاں کی اک اک

Scanned by CamScanner

وہی پانی جو پانیوں میں گرتا تھا، خاموشی سے جذب ہو کر گیا۔۔

لیکن اس کے وجود میں گھومتا وہ آگ کا شعلہ جو ان سالوں کی جدائیوں سے بنا تھا

وہ تشنہ ہی رہا، وہاں سے گزر کے ساکت ہو گیا۔۔

اور۔۔۔ اور کشمیری بابا کی موت کا حساب۔۔۔؟؟؟ ابھی باقی۔۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

شاہ صاحب کی گڑیا

وقت، بڑی مشکل سے گزرا۔ آخر وہ مکان مل گیا جسے دن بھر ڈھونڈنے کی مشقت اٹھائی تھی۔ اس کی مشقت میری اپنی غفلت کا نتیجہ تھا۔ اصل میں میں وہ سڑک ہی بھول بیٹھا تھا جس پر یہ گھر واقع تھا اور ایک دوسری ملتی جلتی سڑک کو اصل علاقہ سمجھ کر بار بار وہیں چکر لگا رہا تھا۔

سڑکیں ایک سی لگتی تھیں کہ میں منزل مقصود کو پا نہ سکا۔ البتہ ان گزشتہ دس پندرہ برسوں میں شہروں میں وہ ہوا جس کے سبب سے کسی بھی گلی کسی بھی سڑک کی اصل پہچان باقی نہیں رہی۔ یہاں بھی ایسا ہی ہے۔ سڑکیں بازار بن گئی ہیں اور گلیوں میں ریل پیل دکھائی دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوکانوں کے اژدحام اور لوگوں کے ہجوم کے پیچھے اصلی صورتیں نامعلوم سی ہو گئی ہیں۔

یہ شہر میرے لیے اجنبی نہیں۔ گزشتہ بیس برسوں سے یہاں مقیم ہوں۔ اس سڑک پر سے بھی کئی دفعہ گزرا ہوں گا مگر زندگی کی تیز رفتاری کب کسی کو اتنی مہلت دیتی ہے کہ وہ توجہ سے دیکھے اور وہ پہلے والی فرصت بھی کہاں رہی؟

مجھے بہت کم فرصت حاصل ہوتی ہے اور جب ہوتی ہے تو پھر اس کے بڑے مشغلے ہیں۔ دوست احباب کا حلقہ بہت وسیع ہو چکا ہے۔ بال بچے داری بھی ہے۔ لیکن آج معلوم نہیں کیوں فرصت کا یہ دن مجھے اس علاقے میں لے آیا۔ خیال یہ تھا کہ بس ادھر کو ادھر سے گزروں گا اور صرف یہ دیکھوں گا کہ کیا اب بھی وہ گھر اسی طرح موجود ہے جہاں کبھی شاہ صاحب رہا کرتے تھے اور میں ان سے ملنے روز جایا کرتا تھا۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

گھر جانے کے لیے میں اس سڑک پر آ گیا تھا جہاں شاہ صاحب کا گھر تھا۔ یہ سڑک [illegible] تھی۔ [illegible] دکانیں وغیرہ بھی نہیں ہوا کرتی تھیں۔ دونوں طرف [illegible] گھر تھے اور گھروں پر بھی ایک پراسرار سکوت رہتا۔ سڑک پر [illegible] تھے۔ حالانکہ ان دنوں [illegible] کام کی تھیں۔ بس ایک شاہ صاحب تھے جو روز ایک ہی طرح اپنے گھر کے باہر کرسی ڈالے بیٹھے [illegible] رہتے۔

اتفاق سے میری ان سے کوئی علیک سلیک نہیں تھی۔ ان کی اس سڑک پر موجودگی [illegible] ایک گھر کے سامنے دو کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ ایک خالی [illegible] آدمی [illegible]

Scanned by CamScanner

کرسیوں کے درمیان ایک تپائی پڑی ہے جس پر پانی کی صراحی اور گلاس رکھے ہیں۔ ادھیڑ عمر آدمی تسبیح ہاتھ میں لیے چپ چاپ بیٹھا ہے اور مجھے وہاں سے گزرتے ہوئے غور سے دیکھ رہا ہے۔

میری سیر کا طریقہ یہ تھا کہ میں ان کے سامنے سے سڑک کے دوسری طرف چلتا ہوا آگے نکل جایا کرتا تھا۔ جب میں دور سے آ رہا ہوتا تو وہ مجھے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے ہوتے اور جب میں آگے نکل جاتا تو وہ تب بھی مجھے دیکھ رہے ہوتے۔ ان کا اس طرح دیکھنا مجھے عجیب لگتا تھا۔ شاید وہ سب گزرنے والوں کو اسی طرح دیکھتے ہوں گے یا پھر وہ مجھ کو دیکھ کر سوچتے ہوں گے کہ معلوم نہیں یہ شخص کون ہے اور کیوں روز ادھر سے گزرتا ہے۔ کئی مرتبہ سوچا کہ گزرتے ہوئے انہیں سلام کروں مگر پھر ان کے اس پراسرار رویے سے جھجک کر رہ گیا سوائے اس روز کے جب واقعی پیاس نے مجبور کیا اور میں پانی کی صراحی دیکھ کر ان کے پاس چلا آیا۔

جب میں نے ان سے پانی پینے کی اجازت طلب کر کے گلاس بھرا اور لبوں سے لگایا تو وہ بہت دھیمے اور مہذب انداز سے بولے "بیٹا بیٹھ کے پیو"۔ ان کے بولنے کے انداز میں ایسی حلاوت تھی کہ میرے اندر کا وہ بڑا حصہ ختم ہو گیا جو ہر پراسرار چیز یا رویے سے پیدا ہوتا ہے۔ میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ بس اس کے بعد سے میری اگلی ملاقات معمول بنتی گئی۔ اب میری واکنگ بھی بدل گیا۔ رفتہ رفتہ ایسا ہوا کہ اب میں گھر سے نکلتا تو سیدھا شاہ صاحب کے پاس آ کر بیٹھ رہتا۔ تعارف تو پہلے ہی روز ہو گیا تھا۔ گرمیوں کے دن تھے۔ گھر سے چلتا تو شاہ صاحب تک آتے آتے پیاس لگ جاتی۔ میں پانی پینے کے لیے وہاں رکتا اور پھر وہیں بیٹھے رہنے میں راحت پاتا۔

یہ وہ دن تھے کہ اس اجنبی شہر میں ابھی مجھے کوئی دوست میسر نہیں تھا سو ان کی ملاقات بھی غنیمت تھی۔ حالانکہ ان کی اور میری عمر میں کم و بیش چالیس برسوں کا فرق تھا

Scanned by CamScanner

بھی ان کی شفقت اور محبت کا انداز ایسا تھا جیسے ہر وقت انہیں میرا انتظار رہتا ہو۔ حالانکہ وہ
تھے مگر میری دوستی پر کچھ ہو سے مرجھائے گئے۔ اب آدمی کی نفسیات ایسی ہے کہ وہ لاڈ
پیار کرنا چاہتا ہے۔ کوئی ملنے والا ہونا چاہیے۔ مجھے ایک ساتھی مل گیا تھا جو ان کو
ہو گئی۔

شاہ صاحب سے ملاقات کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ بہت سیدھے سادے
آدمی تھے۔ بڑے ہو گئے تھے مگر لگتا تھا کہ زیادہ دنیا نہیں دیکھی۔ ان کے لیے کوئی
بات نئی تھی۔ ہماری دوستی کی صورت بھی کچھ ایسے ہی رہی۔

میں اپنے شہر میں جو کچھ چھوڑ کر آیا تھا وہاں سیاست پر بہت گفتگو ہوا کرتی
تھی۔ یہ خود بھی وہ ہی تھا۔ صورت حال پر سوچنا آئندہ کے واقعات پر غور کرنا
اور قومی حوالے سے نئے خواب بنانا ایک کا مشغلہ تھا۔ شاہ صاحب
میں نے اندازہ لگایا کہ انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا مگر وہ میری باتیں پوری توجہ سے
سنا کرتے۔ اکثر میں نے دیکھا کہ وہ بیچ بیچ میں ایسے تھے ضرور دیتے کہ میری گفتگو چلتی
رہتی۔ شاید وہ یہی چاہتے تھے کہ میں ان کے پاس بیٹھا رہوں اور باتیں کرتا رہوں۔

شاہ صاحب کے پاس زیادہ باتیں نہیں تھیں۔ کسی سرکاری ملازمت سے ریٹائر
ہوئے تھے مگر کبھی ملازمت سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے تھے انہیں لے دے کر
صرف اپنے بچوں کے بارے میں ہی گفتگو کرنا اچھا لگتا تھا۔ بیگم تو ان کی حیات نہیں تھیں
کوئی سات آٹھ برس پہلے فوت ہو گئی تھیں البتہ وہ دو لڑکوں اور ایک لڑکی کا ذکر کرتے
تھے۔ میرا خیال ہے کہ لڑکوں کی رہائش انہوں نے امریکہ میں بتائی تھی البتہ لڑکی جو شاید
بڑی عمر کی تھی پشاور یونیورسٹی میں وہ ... اسے ملازم کر رہی تھی۔

شاہ صاحب کو اپنی اس چھوٹی بچی سے بہت پیار تھا اس کے ذکر ہی سے خوش
ہو جاتے تھے۔ لڑکوں کا ذکر بھی کرتے جو شادی شدہ اور بال بچے دار تھے مگر پیار لڑکی

Scanned by CamScanner

وہ بہت خوش تھے وہ پیار سے گڑیا کہتے تھے ان کا رویہ بہت ملائم تھا۔ ان کے والد شاہ
صاحب کی وفات تک یہ بات کا بار بار تذکرہ کرتے رہے کہ وہ بہت ہی پیار
کی محبت اور شفقت ہو گئی شاید وہ ابھی تک ان کے لیے ترستی تھی۔ گڑیا وہیں سے واپس آ گیا
ہوتی تھی تھے کہ جب آتی تھی ہر ابھی کے پاس رہ کر واپس آ جاتی تھی۔

یہ وہ پیار والے پہلو تھے۔ جب بھی کوئی کہانی ہوتی گڑیا اپنی ماں کی
بیٹی تھی سے ابھی تک نہیں دیکھا تھا۔ میرا بھی تو دل تھا کہ ایک تصویر بھی دیکھ لوں
ہوا تھا جو گزر چکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ابھی تک میں نے ہوا تھا کہ میں اسے دیکھنا
ضرور چاہتا تھا۔

میں اس لیے دیکھنا چاہتا تھا کہ شاہ صاحب نے اپنی بیوی کے بارے میں بتایا تھا کہ ان
کی ایک تصویر بنائی تھی اور یہ تصویر ہم بھی دیکھ سکتے تھے۔ ہم اس لیے آتی تھی کہ شاہ
صاحب نے کہا تھا کہ گڑیا ہو بہو اپنی ماں کی تصویر ہے جب کہ میں نے شاہ صاحب
کی بیوی کی تصویر ڈرائنگ روم میں لگی دیکھی تھی۔

ڈرائنگ روم میں دو تصویریں تھیں۔ سامنے کی دیوار پر شاہ صاحب کے والد
مرحوم کی تصویر تھی جو کسی زمانے میں تحصیل دار رہ چکے تھے۔ اسی کمرے میں تصویریں بھی لگی ہوئی
تھیں۔ سر پر ترکی ٹوپی، بڑے کالروں والی قمیص اور قمیص پر پتلون۔ شکل و صورت اور عمر میں
لگ رہے تھے جیسے اب شاہ صاحب ہو گئے تھے۔ دوسری تصویر ان کی بیوی کی تھی جس میں شاہ
صاحب اپنی بیوی کے ہمراہ کھڑے تھے۔

یہ ایک بلیک اینڈ وائٹ تصویر تھی جس کا کاغذ مرورِ زمانہ سے پیلا پڑ گیا تھا۔
شاید پہلی شادی کے موقع پر کھنچوائی گئی تھی۔ شاہ صاحب خوبرو آدمی تھے اور ان کی دلہن
ان کی دلہن اور بھی خوبصورت تھی مگر جیسے وہ تھے ان سے زیادہ کشش ان کی اہلیہ میں تھی۔
بھرا بھرا چہرہ، چہرے کے نازک سے خدوخال اور مشرقی دلہن کا آنچل، آنکھیں خاص

چادریں رکھی تھیں۔ میں جب بھی ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوتا میری نظریں بار بار ان چادروں کی طرف اٹھتیں۔ میں ان کی اعلیٰ بنت اور کڑھائی کا قیاس کرتا تھا۔

میری اس وقت تک کسی بھی لڑکی سے راہ و رسم نہیں تھی۔ شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اب گڑیا صاحبہ میری زندگی میں داخل ہو گئی تھی۔ یہی نہیں کہ میں اسے چاہنے لگا تھا بلکہ یہ بھی سوچنے لگا تھا کہ شادی کسی سے تو کرنی ہے اگر ایسی اچھی لڑکی میری زندگی میں آجائے تو کیا برا ہے؟ ایسا شاید اس لیے بھی سوچنے لگا تھا کہ شاہ صاحب کی باتوں میں ایسے اشارے بھی تھے۔

شاہ صاحب کو اگر اپنی بیٹی سے پیار تھا تو اس کی زندگی کو کیسا ہونا چاہیے اس کی بھی فکر مند تھے۔ ہر باپ اور والدین کی طرح انہیں بھی اپنی بیٹی کے بیاہ کی فکر لاحق تھی۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ساری دولت ملنے کے باوجود ان کی بیٹی نے اپنے بیاہ کی فکر ان پر ہی ڈال رکھی ہے۔ جب وہ ایسا کہتے تو پھر اس کے بعد میرے اور میرے خاندان کے بارے میں تھوڑا تھوڑا پوچھنا شروع کر دیتے۔ مجھے اشارہ مل جاتا۔ پھر ایک موقع پر تو ایسا بھی ہوا کہ جب میں گاؤں میں موسم تعطیلات گزار کر واپس آیا اور ان سے ملنے گیا تو وہ اندر سے گاؤں کی کسی کاریگر کی بنائی ایک چادر اٹھا لائے اور میرے ہاتھ میں تھما دی۔ کہنے لگے گڑیا نے دی تھی اور میرے لیے پشاور سے خرید لائی تھی۔ میں نے سوچا جاڑے میں تو شاید تمہیں ضرورت ہوگی۔ تمہارا انتظار تھا۔ تم رکھ لو۔ تم پر جچے گی۔

میں نے چادر ہاتھ میں لے کر اس کی بناوٹ اور کوالٹی کو محسوس کیا۔ اس طرح کا پہناوا ان دنوں صرف متمول اور باذوق لوگوں کو ہی میسر تھا۔ میں نے بھی اس طرح کی چادر خریدنے کا سوچا بھی نہیں تھا مگر ایسا قیمتی تحفہ میں کیسے قبول کر سکتا تھا۔ اسی لیے میں نے وہ چادر انہیں لوٹاتے ہوئے کہا۔ "شاہ صاحب آپ کی صاحبزادی یہ آپ کے لیے لائی ہیں۔ میں کیسے رکھ سکتا ہوں۔"

Scanned by CamScanner

شاہ صاحب نے [illegible] سے کہا "چھوڑو یار۔ تم رکھو۔ تم بھی تو میرے

بچے ہو۔ میں نے [illegible] کہ میں یہ تمہیں [illegible] دوں گا۔"

[illegible] گڑیا کے سامنے میرا تذکرہ [illegible] شاہ صاحب [illegible] یہ بھی علم ہے کہ اس کا [illegible] ختم ہوتے ہی۔

شاہ صاحب سے میری روز مرہ کی ملاقات ان ابتدائی دنوں کی ہی بات ہے [illegible] بعد میں تو [illegible] میں وہ ایک [illegible] کی بادشاہ تھا۔ اس [illegible] شہر میں [illegible] تھا۔ دوست احباب بھی آ گئے تھے۔ کبھی کوئی میرے [illegible] پھر شہر کے پاس شام گزارنے [illegible] اس لیے روز کی حاضری ممکن نہیں [illegible] مگر اس کے باوجود میرا ان سے رابطہ ختم نہیں ہوا اور نہ ہی کم۔ ایک طرح کی [illegible] ہو گئی تھی۔ جس میں ان سے دور رہ ہی نہ سکتا تھا۔ اس میں ان کی اپنی شخصیت کی [illegible] کی تھی مگر ایک مقصد بھی پوشیدہ تھا۔ انہوں نے میرے اندر گڑیا کی [illegible] طلب کی [illegible] کر دی تھی۔ ایک [illegible] ہر وقت ساتھ رہتی۔ یہی [illegible] آنکھوں [illegible] جو میرے اندر [illegible] اور باقی تھی اور دل [illegible] تھی۔ اب [illegible] باقی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اب جب بھی میں [illegible] آتا تو گھر میں داخل ہونے سے پہلے میری نگاہ بے اختیار مکان کی اوپر والی منزل کی طرف جاتی۔ جہاں گڑیا کا کمرہ تھا۔

شاہ صاحب کا مکان [illegible] کی طرح [illegible] تھا [illegible] سے [illegible] تھا۔ [illegible] دیوار [illegible] نہیں تھی۔ داخلے کے لیے لکڑی کا چھوٹا سا [illegible] گیٹ تھا۔ داخل ہوتے ہی [illegible] شروع ہو جاتی۔ پہلے ڈرائنگ روم تھا اس کے ساتھ [illegible] مہمان خانہ تھا جہاں ملازم کی رہائش تھی۔ شاہ صاحب تو ڈرائنگ روم میں ہی رہا کرتے تھے۔ ایک طرف اس [illegible] کے ساتھ [illegible] پلنگ بچھا تھا

جس پر ان کی اور ان کی اہلیہ کی تصویر لگی تھی۔ اوپر دو کمرے تھے، ڈرائنگ روم کے علاوہ ایک
کمرہ تھا اس کی کھڑکیاں سڑک پر سے دکھائی دیتی تھیں۔ شاہ صاحب نے بتایا تھا کہ ان کی
جب بھی آتی تھی اسی کمرے میں رہتی تھی اور جب اسے چلا جانا ہوتا تو کمرہ مقفل کر دیا جاتا
تھی۔ شاہ صاحب کے گھر کا یہی کمرہ ان دنوں میرے لیے مرکز نگاہ تھا جس کی کھڑکیاں
بھی کبھی نہ کھلی تھیں اور کھڑکیوں کے شیشے تاریک تھے۔

مجھے اس شہر میں رہتے ہوئے اب قریب قریب آٹھ ماہ ہو چکے تھے۔ گرمیوں
کے دنوں میں یہاں آیا تھا اور اب جاڑے کا موسم تھا۔ اس مرتبہ رمضان جاڑے کے موسم
میں آیا تھا۔ دن چونکہ مختصر تھے اس لیے ماہ رمضان کے گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا اور
عید آ گئی۔ مجھے عید گاؤں میں ہی کرنا تھی اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا۔ حالانکہ اس عید پر میں
چھٹیوں پر جا سکتا تھا۔ گزرے سے ملاقات کا یہ ایک نہایت ہی مناسب اور بہترین موقع
تھا مگر دل نہ جانے کیوں گریزاں تھا۔

اس سے پہلے کہ عید کے موقع پر میں نے بقیہ چھٹیاں والد سے بھی لے لی تھیں مگر
جب گھر گیا تو پھر وہیں رہ جانے کا خوف۔ میں بے چین ہو کر دوسرے ہی روز واپس آ گیا۔
گزریا کو دیکھنا ایک کام تھا اور میں یہ کام اب کرنا چاہتا تھا۔

شام ابھی نہیں ہوئی تھی لیکن گہرے بادلوں کے سبب اندھیرا سا تھا۔ سرد ہوا چل رہی
تھی۔ یہی موسم پشمینہ پہننے کا تھا۔ میں نے اپنی اچکن تن پر کر لی تھی اور
عید ملنے کے لیے ان کے ہاں جانا تھا۔ گاؤں سے واپسی پر میں اپنے گھر پر ہی آ گیا
تھا جس میں سوٹ کیس کمرے میں رکھ دیا تھا پھر گھر سے نکل کر اس سڑک پر
آ گیا تھا جس پر شاہ صاحب کا مکان تھا۔ میں سر جھکائے ہوئے تیز قدموں سے چلا
جا رہا تھا۔ مجھے یہ یقین کرنے میں کوئی باک نہیں تھا کہ ابھی عید کا دوسرا روز ہے
جب کہ شمیم اور اسے ایک ہفتے کے لیے رہنا تھا مگر گزریا کو عید پر آنا ہو اور آگے چند روز قیام کرنا

Scanned by CamScanner

سوال تھا۔ اب بس سوال صرف یہ تھا کہ کیا میں اسے دیکھ سکوں گا۔ ملاقات ہو سکے گی اور
سوال یہ بھی تھا کہ کیا وہ ویسی ہی ہوگی جیسی تصویر میں اس کی اپنے اندر رکھتا تھا۔ بس ابھی
سوالوں میں گھرا میں قدم بڑھاتا اور پھولی ہوئی سانسوں میں گیٹ کے سامنے پہنچ گیا۔

جب میں گیٹ پر جا کر رکا تو حسب عادت سر اٹھا کر پہلے گھر کی اوپر والی منزل
پر نگاہ کی۔ جب نگاہ کی تو پھر جہاں کھڑکیاں دیکھی تھیں وہیں دیکھی رہ گئیں اور ایک مرتبہ یوں
معلوم ہوا جیسے اب کھڑکی بھول گیا ہوں۔ آج خلاف معمول اس کے کمرے کی لائٹ جل رہی
تھی جو کھڑکی کی موجودگی کی دلیل تھی۔ میں ذرا سا پیچھے ہٹ کر سڑک کے درمیان کھڑا ہو گیا
کھڑکی پر تو پردہ تھا کہ موسم بہت خنک تھا۔ مگر روشنی تو تھی اور یہی زندگی تھی۔ میں بہت دیر
وہاں کھڑا رہا، پھر کسی وقت اچانک شیشوں کے پیچھے کوئی سایہ سا لہرایا۔ جب سایہ لہرایا تو
مجھے ہوش آنے لگا۔ اب معلوم ہوا کہ محبت کرنے والوں کا دل جان سے کیوں خالی ہو
جاتا ہے۔ وقت کی گھڑی قریب آ گئی تھی۔ وہ گھڑی آ گئی تھی جس کا میں نے بہت انتظار
کیا تھا۔ مگر اب پاؤں اٹھائے نہ اٹھتے تھے۔ وجود میں سرسراہٹ تھی۔ مگر آگے تو بڑھنا تھا
یہ سوچ کر بڑھا۔ میں اپنی عادت سے مجبور ہو کر آگے بڑھا اور کھلا گیٹ دھکیلا اندر داخل ہو
گیا۔ میں ڈرائنگ روم کے دروازے پر کھڑا رہا تھا۔ ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلنے میں بہت دیر
لگی۔ دروازہ بوڑھے ملازم نے کھولا تھا۔

جب میں بوڑھے ملازم سے مل لیا تو پھر شاہ صاحب کا پوچھا جو خلاف معمول
اس وقت اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔ "وہ شاہ صاحب کہاں ہیں۔" انہیں میرا انتظار۔۔۔ "میں بیٹھ
ایک صوفے میں دھنس گیا۔ سردی سے ٹھٹھرتے ہاتھ بغلوں میں دے لیے۔ آج مجھے اس
گھر میں بہت دیر رکنا تھا۔ بوڑھے نے میری بات سنی اور اندر چلا گیا تھا۔ اب شاہ
صاحب کا انتظار تھا۔

بوڑھا اندر سے دیکھتے ہوئے کھڑکیوں کی انگیٹھی اٹھوا چکا تھا اور ایک طرف قالین پر

Scanned by CamScanner

ہی دیکھ کر پہچان لیتا تھا۔ میں بھی ایک کرسی کھینچ کر اس کے پاس ہی جا بیٹھا۔ وہ اپنے
ملازم سے بہت ہی کم مخاطب ہوا کرتا تھا۔ وہ بھی زیادہ سامنے نہیں رہا کرتا تھا کام کرنے
کرنے پر ہی آتا تھا۔ کبھی پانی لا دیا۔ کبھی چائے سامنے لا کر رکھ دی۔ آج وہ بھی مجھ سے
اس طرح آ کر بیٹھا تھا۔ شاید اس کا سبب انجینئر تھی۔

"بادشاہ صاحب کو میرے آنے کی اطلاع ہو گئی ہے۔" جب بہت دیر تک خاموشی رہا اور خاموشی نے کمرے میں پراسرار سی دھند پھیلا دی اور میں اندر جانے والے دروازے کو گھور گھور کر دیکھنے لگا۔ بیٹھے بیٹھے تھک گیا تو تب میں نے تھوڑے تامل سے پوچھا۔

بوڑھے نے میری بات سن لی تھی۔ سر بھی اٹھایا تھا۔ مجھے دیکھا بھی غور سے بھی ایک نظر مگر حیرت اس بات پر تھی کہ جواب اس نے اب بھی نہیں دیا تھا۔ میں الجھن سے اسے دیکھتا رہا۔ سر جھکا لیا تھا۔ میں جواب کے انتظار میں اسے مسلسل دیکھے جا رہا تھا۔ وقفہ جب کافی طویل ہوا تو میں نے پھر اپنا سوال دہرانے کے لیے لب کھولے مگر اس سے پہلے ہی اس نے مجھے اطلاع دے ڈالی۔

"آپ بہت دیر سے شاید گھر سے نکلے تھے۔"

"جی، چاہتا تو تھا۔"

میں نے مختصراً جواب دیا اور بوڑھا پھر خاموش ہو کر بیٹھ گیا مگر اس مرتبہ خاموشی طویل نہیں تھی۔

"جی... شاہ صاحب تو اب نہیں رہے..."

بوڑھے نے اگرچہ یہ بات بڑے دھیمے لہجے میں واضح انداز میں کہی تھی کہ مجھے یوں لگا جیسے اس طرح کہا ہو جیسے اس نے کہا ہو کہ ہوا بہت تیز چل رہی ہے بادل گھرے ہوئے ہیں۔ موسم اچھا نہیں ہے۔

"وہ کیا کہا ہے آپ نے..." میں نے اپنے لہجے سے تحمل ظاہر کیا

Scanned by CamScanner

بہت بڑی ہو رہی ہوں ہونے دو۔ مجھے یقین تھا کہ میں نے سننے میں غلطی کی ہے۔ بھلا یہ بھی کوئی بات تھی کہ شاہ صاحب نہیں رہے۔

"اس میں اللہ کی رضا ہے۔ چار روز ہوئے میں ان کے لیے کھانا لے کر آیا۔ دیکھا تو بستر پر پڑے ہیں۔ آواز دی تو کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ اسی طرح بے حس و حرکت پڑے تھے مجھے تشویش ہوئی کہ کہیں بیمار تو نہیں ہو گئے۔ ہلایا جلایا۔ آوازیں دیں۔ مگر وہ کہیں ہوتے تو بولتے۔ میں بھاگتا ہوا گاؤں میں گیا۔ وہاں ہمارے ایک حکیم صاحب رہتے ہیں انہیں بلایا۔ انہوں نے دیکھا اور کہا کہ یہ تو گزر گئے۔ اسی روز ہم نے انہیں دفنانے میں دیر نہ کی۔"

بوڑھے نے یہ بات یوں بیان کی تھی جیسے شاہ صاحب کا نہیں کسی اور کا قصہ ہو جو کوئی پرانی بات ہو۔ اس کی آواز بھی تو بہت دھیمی جا رہی تھی۔ نہ آواز رندھی ہوئی تھی نہ آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ مجھے اس سب کے باوجود اب اس پر تشویش ہوئی۔ چونکہ شاہ صاحب بھی جانتے نہیں تھے اس لیے ان کی موت کی اطلاع بھی دیر سے ملی تھی۔ لیکن پھر یہ خیال آیا کہ یہ کیسا گھر ہے کہ ایک ہی روز پہلے تدفین ہوئی ہے مگر نہ کوئی تعزیت کرنے والا موجود ہے نہ گھر آنے جانے والوں کی آوازیں آتی ہیں۔ کہیں بوڑھے کے بیان میں کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔

"کیا ان کے بچوں کو بھی وقت پر اطلاع ہو گئی تھی؟" میں نے یہ سوال پوچھا تو مجھے اس کی بات پر یقین آ گیا ہو۔

"کس کے بچوں کو؟" بوڑھے نے جواب میں اس طرح پوچھا جیسے اس نے کوئی بات کسی طرح سے کہی نہ ہو۔

"شاہ صاحب کے بچوں کو" میں نے ذرا زور دے کر کہا۔ بوڑھا ایک مرتبہ پھر سوچ میں پڑ گیا۔ اس مرتبہ خاموشی گہری تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے میں نے اسے سوچنے پر مجبور

کر دیا تھا۔ پھر اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔

''بیگم صاحب کے بچے کب تھے وہ تو بے اولاد تھے۔ [illegible]

یہی اللہ کی رضا تھی۔ ساری زندگی بے اولاد رہے۔''

[illegible] جن کے جواب [illegible] مگر اس دن معلوم نہیں کیا ہوا۔ پہلے بجلی گئی پھر وہاں زور دار آندھی [illegible] آئی۔ بتی چلی گئی۔ اندھیرا ہو گیا۔ مجھے اس اندھیرے میں خوف آ رہا تھا۔ [illegible] چاروں طرف [illegible] رکھے [illegible] کی روشنی میں [illegible] حرکت اس [illegible] تھی جو کبھی اس نے مجھے دی تھی۔ [illegible] تھی کہ [illegible] گئی سے [illegible] کر رہا ہوں۔

مجھے اس وقت [illegible] بیٹھا رہا [illegible] کر کے [illegible] رات [illegible] ہو گیا تھا۔

آج خلاف معمول ان کے کمرے کی بتی جل رہی تھی جب میں آیا تو [illegible] مہمان آیا ہے [illegible] میں پیچھے [illegible] گئی۔

''یہاں کون سا مہمان نے آنا ہے۔ آپ جب آئے ہیں تو اس وقت میں [illegible] مصروف تھا۔ اصل میں ان کے دونوں کمرے بیگم صاحبہ کی وفات سے مقفل چلے آ رہے ہیں۔ ان میں ہی کچھ سامان منتقل کر رہا تھا۔ آج تو خیر ملک صاحب کے کہنے پر کھولے تھے۔''

Scanned by CamScanner

وہ وہاں موجود تھا۔ شاہ صاحب کے کسی دور دراز کے رشتے دار کا ذکر کر رہا تھا جس
کا وہ جیتا ہو کہیں ہوا تھا۔ آخر یہ مکان اور اسباب بھی تو کسی کے حوالے کرنے تھے۔ وہ
اپنی بات ختم کر کے اب مجھ سے کہنے کی کوئی بات باقی نہیں تھی۔ میں یقین اور بے یقینی کے
درمیان کھڑے کھڑے تھک گیا ہوں۔ اب آخر اس بات اور آخر وہاں تھیں میری آنکھیں جو بار بار
شاہ صاحب کے کمرے کی طرف اٹھ رہی تھیں جس پر چلمن کی معصوم ہوتی روشنی سے
جو کچھ نظر آ رہا تھا۔ وہاں کوئی تصویر بھی دکھائی نہیں دیتی تھی بس اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔

"میں یقین سے کہہ سکتا ہوں" یہ کہتا ہوا بوڑھا گھٹنے پر ہاتھ رکھتا اٹھ کھڑا ہوا
اور کچھ دیر چپ رہنے کے بعد چل گیا۔ اس کے جاتے ہی یوں لگا جیسے میں کسی جنگل بیابان
میں تنہا ہوں اور چلمن سے آنے والی چیخ پکار میرے پیچھے ہر طرف ہونے لگی جیسے سامنے
کوئی کھڑا ہوا مجھے دیکھ رہا ہو۔ جب دم گھٹنے لگا تو دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

بڑی گلی میں پہنچنے کے وقت سارا شہر نیند میں ڈوبا تھا۔ سر جھکائے ہوا اور
اپنی ذات کو بھلا کے وہ قیامت بپا کر گئی تھی جیسے کوئی لڑکی بال کھولے کسی میت پر
بین کرتی ہو۔

وہ رات تو گزر گئی۔ پھر کئی سال گزر گئے۔ میں نے وہ سڑک فراموش کر دی
اور شاہ صاحب کو فکر ہوا کرتا تھا۔ اس نے یہ کہہ کر کہ مجھے بوڑھے کی باتوں پر یقین آ گیا
تو مجھے لگا کہ میں ناراض تھا۔ ہر چند کہ یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ میں کس لیے ناراض
ہوں اور کس سے ناراض ہوں۔ یہ تو پچھلے چند برسوں سے ہوا ہے کہ جیسی لاتی رہے گی
یہ کہ شاید اس بوڑھے کی کہی ہوئی ہر بات جھوٹی ہو۔ کیا خبر اس وقت شاہ صاحب کسی
وقت کے ہوں اور کیا پتہ کہ رات اپنے کمرے میں اپنا وجود رکھتی ہو اور اسے یہ خبر نہ ہو
کہ باہر اس موسم میں کوئی ان سے ملاقات کی آس لیے بیٹھا ہے۔ بس اس وقت سے
شاہ صاحب کے گھر کی تلاش تھی۔ کسی ایسے کی تلاش تھی جو حقیقت بیان کرتا یا بوڑھے کی

Scanned by CamScanner

باتوں کی تصدیق کرتا۔ مگر آج اب یہ مکان دن بھر کی مشقت کے بعد مل گیا تو اس کا کچھ بھی اپنی جگہ پہ دکھائی نہیں دیتی۔ سب نشان مٹ چکے ہیں۔ گھر والے بھی ان کے بعد چاروں طرف بازار لگا ہے۔ شاہ صاحب کے گھر کے نیچے جتنے میں بھی کوئی دکان بیٹھا ہے۔ اوپر کی عمارت اگرچہ ویسی ہی ہے جیسی تھی مگر وہاں کسی کمی کا پورا لگا ہے۔ پرانے وقتوں کا کوئی بھی آدمی دکھائی نہیں دیتا جو شاہ صاحب کا احوال بیان کرے اور بیان کرے کہ کوئی پاسری کوئی لڑکی ہوا کرتی تھی اور اب بھی کہیں موجود ہے کہ جس کی اتنی بڑی محبت تھی۔

سب جینے کی باتیں ہیں

رات ہو چکی تھی۔۔۔ سامنے کی گلی میں ملفوف گرد و غبار میں [illegible] کی روشنیاں
دھیرے دھیرے شدت کو کم کرنے کی کوشش میں تھیں مگر ہیچ گرد و غبار میں وہ روشنی
بجھ جاتی اور پھر افق تک پھیلے وہاں موجود درختوں کی اوٹ میں چھپ سے جاتے تھے۔۔۔
فضا میں [illegible] کی آوازیں اور [illegible] وغیرہ میں ارتعاش ہو رہی تھی۔۔۔ مسجد کے سامنے لوگ
جمع ہو رہے تھے۔ جماعت کے لیے ابھی وقت باقی تھا۔ مولوی صاحب نماز پڑھانے والے
[illegible] میں کھڑے تھے۔۔۔

۔۔۔ میری [illegible] کا وہ منظر آنکھوں کے سامنے روشن تھا۔۔۔ جس میں
[illegible] میں [illegible] تھا۔۔۔ [illegible] وہ [illegible] ہے جس میں [illegible]
[illegible] ہو گئے ہوتے۔۔۔ میں [illegible] سے [illegible] کر رہا تھا۔۔۔
مجھے [illegible] سے میری [illegible] کو [illegible] کر دیا ہے۔۔۔ وہ [illegible] جا رہے تھے
۔۔۔ میں [illegible] جماعت میں [illegible] اور [illegible] کیا [illegible] ہے۔۔۔

میں بہت چھوٹا تھا [illegible] کہ ابھی سکول جانا شروع نہیں کیا تھا اور [illegible]
[illegible] تھی۔۔۔ وہ میرے سامنے [illegible] میں سے ایک گھر جا رہے تھے۔
[illegible] کی [illegible] کی [illegible] میں [illegible] تھی۔ [illegible] کی دیوار کی [illegible]
[illegible] سے [illegible] کے اندر روشنی نظر آ رہی تھی۔۔۔۔

"[illegible] بیٹے۔۔۔ میں نے تمہارے اس گھر میں چھت پر جانے کیلئے [illegible]
[illegible] کی ایک دیوار سے [illegible] کے [illegible] میں سے اوپر کی طرف [illegible]

کے ساتھ ملی ہوئی چیزوں کو گود سے چپکاتے ہوئے انہوں نے واشی ایک سے ہو بہو
کے حوالے کیے تو گھر کی شکل ہی بدل ڈالی تھی۔

وہ گھر سے ان کی کھڑکیاں اور دروازے تک پر لگی ہوئی رنگین بیلوں سے ... کمروں کے سامنے ایک اور گھنے کے قطعے کو کیاری میں بدل دیا/ایک آدھ پھول ... تھا اور سامنے صحن میں ماموں کی خالی زمین سے ایک ننھا باغیچہ بنا رکھا تھا ... صحن میں ... اسی طرح ماموں اور حسرت کی خالی دیواروں کو خوش نما بیلوں کے/بیلیں اور ... تھے... میں حیرت سے ان کی سلیقہ شعاری کو ایک گھر بناتے ہوئے دیکھ رہا تھا اور اس بات پر خوش تھا کہ یہ میرا گھر ہوگا... جانے کہاں کہاں سے انہوں نے چھوٹے چھوٹے ... سجا کے رکھے تھے جنہیں گھر میں ادھر ادھر پھیلا دیکھ کر لگتا تھا جیسے خالی گھر میں زندگی کی رمق دوڑنے لگی تھی... مجھے معلوم نہیں تھا کہ کس بات پر ماموں اور خالہ کے درمیان تکرار ہوئی... اور دیکھتے ہی دیکھتے ماموں جان کا بسایا ہوا گھر ان دونوں کی آپس کی لڑائی کی نذر ہو کر بہت سے ... ہو گیا... میں روتا رہا اور دل ہی دل میں ان دونوں کو نہ جانے کتنی بددعائیں دیتا رہا تھا... گھر بکھر گیا تھا... ماموں جان شادی کر کے چلے گئے تھے... اور خالہ ... اداس رہتی تھیں...

نماز ختم ہونے پر میت کو قبرستان لے جانے کیلئے سب لوگ چل پڑے تھے۔ یہ وہ علاقہ تھا جہاں میں نے اپنا بچپن گزارا تھا... اسی پارک میں جہاں آج ان کی نماز جنازہ پڑھائی گئی تھی... اپنے بچپن کے دنوں میں... جب وہ شاید ... کے میڈیکل کالج میں پڑھتے تھے اور کبھی کبھار چھٹیوں میں لاہور سے یہاں آ جاتے... کئی بار کھیلنے آیا تھا... ایک خواب سا یاد آتا ہے جب شاید ابھی یہ پارک نہیں بنا تھا... نہ جانے کتنی ہی مرتبہ اپنے والد یا ماموں جان کے ہمراہ یہاں آیا تھا... تب اس ویران علاقے میں ریت اڑا کرتی تھی... اور میں یہاں جس جگہ آج نماز جنازہ پڑھائی گئی تھی ایک اندھا کنواں ہوتا تھا... مگر یہ سب

Scanned by CamScanner

کی بات ہے جب میں نے سکول جانا شروع نہیں کیا تھا اور ماموں ابھی شاید میٹرک میں ہوں گے یا نہیں پہنچے تھے۔۔۔ دو کزنوں کے ہوتے ہی ایک چھوٹی بہن بھی میری خالہ کے گھر پیدا ہوئی۔۔۔ بس پھر ہم سب بچھڑے۔۔۔ ان کی بھی کسی خالہ سے شادی ہو جاتی۔۔۔ ان دونوں کی وفات ہوئی میں اس بات پہ خوش ہوتا کہ میرے علاوہ بھی اور لوگ بھی ہیں جنہیں اداسی چھوتی ہے۔

وقت بیت گیا کچھ حادثے ہوئے تھے اور ہم گھر سے اس مقام تک آ پہنچے تھے جہاں یہ گلی قبرستان کی طرف مڑتی تھی۔۔۔ میں اسی گلی کے سامنے والے سکول میں پڑھا کرتا تھا۔۔۔ تب یہاں گلی کے کونے پہ ایک دکان ہوا کرتی تھی۔۔۔ شاید سکول کی کتابیں۔۔۔ کاپیاں۔۔۔ پنسلیں اور بچوں کے لئے کھانے پینے کی چیزیں ملتی تھیں۔۔۔ اس وقت اس سڑک پہ زیادہ ٹریفک نہیں ہوتی تھی تو ایک طرف دور تک جاتی ہوئی سکول کی دیوار اور اس کے سامنے ایک بہت بڑا میدان تھا۔۔۔ جس کے سامنے سے یہ گلی اچانک زندگی سے ویرانے کی طرف مڑ جاتی تھی۔۔۔ بچپن میں یہ نہیں پتہ تھا کہ میں کب اس گلی میں گیا تھا۔۔۔ شاید ایک بار جب بہت چھوٹا تھا تب سے اب تک اس گلی میں جانے کی یادیں بے شمار رہ گئی تھیں۔۔۔ میری ایک چھوٹی بہن جو شکل میں میری تھی اور ایک بھائی جو شاید اس زمانے میں کمسن ہی تھا۔۔۔ تینوں ایک ہی ماہ میں اس گلی میں آ پہنچے تھے۔۔۔ بس اتنا یاد ہے کہ ایک بار والد ہی مجھے ان کی بھی کسی قبریں دکھانے لے گئے تھے۔۔۔

"بیٹے یہ تمہارے چھوٹے بہن بھائیوں کی قبریں ہیں"۔۔۔ والد یا پھر شاید والدہ نے کہا ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کسی نے مجھے بتایا تھا۔۔۔ یہی یہ عمر کا وہ دور تھا جب گھر کے سامنے والے مکان کے ٹوٹ جانے کا غم کہیں زیادہ ہوتا ہے۔۔۔ ہاتھ سے چھن جانے والی کتابوں اور کھلونوں کا تو۔۔۔ تب رشتوں کے بارے میں اگر علم ہوتا ہے تو بس اتنا کہ یہ ہم سے پیار کرنے والے ماں باپ ہیں یہ خالہ ماموں نانا نانی ہیں۔۔۔ عمر کے اس دور میں اگر

Scanned by CamScanner

پچھلی زندگی کے وہ دن یاد آ رہے تھے جب ماموں بہت جوان اور بچپن ہی میں یہ کیا ہوتا ہے
مجھے تم کو اس سے بات کرنے کا موقع بھی ان کے ساتھ ہی یاد تھا اور بھی وہ مجھے بچے جانتا تھا
نظر آنے لگے...

"یہ... بات سن کر مجھے اس کے علاوہ کوئی اور لڑکی یاد نہیں آ سکتی تھی..."
میں یہ سن کر ہنس دیا تھا اور ماموں سے اس لڑکی کا نام لے کر اس کے بارے میں پوچھ بیٹھی
تھی...

"ہوں... اس دور میں نظر آتی کیا ہے...؟" ... اور وہ اس کا جواب کیا دے کر مجھے
بتانے لگے... "بچے تم بچے ہو... اور ان ... کو کیا..." ... وہ وقت جب جوانی
کے سال ... میں کے...

When all the world is young lad

and all the trees are green

then every goose a swan lad

and every lass a queen

... خوشی کے دن تھے... عمر نے تو ابھی آنکھیں ہی ... کھولی تھی... یہ جوانی
کے ... تھا... ہم سب کے دلوں میں ... ہو رہی تھیں... اس وقت تک
... اپنی تصویر کی بھی تصدیق نہیں کر سکتے تھے کہ یہ ... کے
... ہوتے تھے... کہ تب ... کے اندر ان ... اور لوگ ہوتے تھے... ہماری
... سے مطالبات کے علاوہ ... اپنے ... کے ہوتے تھی... یہ الگ بات
... کے باوجود اس معاشرے میں ... میں ... کے اندر ابھی
... سے تعلق رکھتے ہیں... ... والے ... ایک ... تھی
... کی ... کے ... تھا... ... ہو رہی تھیں... پچھلی ... کے

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

پہ غصہ آ جاتا ہے کہ شاید وہ مجھ سے اتنے ہی جڑے ہوئے تھے... کبھی کبھی مجھے ماموں کی باتوں
پہ ہنسی آتی ہے... کیونکہ جب وہ شادی کر کے آئے تو میں چھوٹا سا بچہ
تھا بہت پرانی بات ہے تب میں ہائی سکول کا طالب علم تھا... مجھے وہ وقت
بہت اچھا لگتا تھا ... جو میں نے ہوش سنبھالتے دیکھا ... اور اسی لڑکی کی شادی و اتفاق
کے ... وہ ساری باتیں ... پھر احتیاط سے اور کر کے کہتے ... اپنے زمانے کی حسین ترین
لڑکیوں میں ہوتی ہے وہ جس سے شادی کر کے مجھے کوئی غلطی نہیں کی تھی۔
یہ عمر تھی وہ ... آج بھی ایک زمانہ ہو گیا اس عمر کے کئی سال گزر گئے ہیں پھر بھی
بہت ... یاد ہے ... احتیاط سے وہ کر کے کہتے تھے کہ وقت ہو تو کبھی اس طرف بھی آ جانا
کبھی ... بہت دنوں سے ہم بچوں کو چھوڑ کر وہ اپنے گھر سے ماموں...
پہلی بار میں چونک گیا جیسے میرے دل سے ایک ہوک اٹھی اور میں نے فوراً ہی یہ
محسوس کیا کہ مجھے بھی ماموں جان کو دیکھے بہت عرصہ ہو گیا۔ ان کے آپریشن کو ہوئے کوئی
مہینہ ہو گیا تھا... مگر یہ تو تھا کہ دماغ کا آپریشن ہوا ہے... بھلا مجھے اب دماغ کی کیا فکر تھی
پہلے اتنی ہی باتیں کرتے تھے ... جو اب کم ہو گئے ہیں آنکھوں کے آپریشن کا ذکر ہوا کرتا تھا بہت
دور کی باتیں بھی کرتے تھے ... اور پھر آپریشن کرانا پڑ گیا۔ روز مرہ کے معمولوں
سے زیادہ مجھے پتہ تھا... سچ پوچھیں تو انسان بس ہر وقت اپنے ہی کاموں کے
لیے اور اپنے حال میں مصروف رہتا ہے اور ہر وقت اس بات کا شکوہ بھی نظر آتا ہے کہ کیا کریں
وقت ہی نہیں ملتا۔ ایسی بھی کوئی بات نہ تھی... ہاں البتہ جب سے امی صاحب فراش ہوئی
تھیں ... ماموں سے ملنے کا وقت ہی نہیں رہا تھا... اور وہ بھی صبح کر کے شام
ہو جاتی ہے ... پھر بھی کیفیت کچھ ایسی ہو گئی تھی ... سچ پوچھیں تو معلوم ہی نہیں ہوتا تھا
کہ کب دن کب رات ہوتی ہے بس جیسے گھڑیاں بجاتے ہوئے گزر رہا تھا...
کل صبح جب امی کو دوا کھلا کے ہسپتال لے جانا پڑا ... اور وہاں وہ ماموں کے

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

کے چہاں میں مداخلت کر سکے۔۔۔ اور آج بھی اسی وجہ سے اپنی اماں وہ سب کچھ چھوڑ کر آ چکی تھی۔ مگر ابھی بھی نہ اپنے وقت کے ضائع ہونے کی افسوس تھا نہ ہی دنیا والوں کے کیے گئے مذاق پہ کوئی ڈر۔ ایسی ہونے والی صورتحال پر انہیں گھر بھر میں دنیا کی نے کبھی بھی دشمن بنائے دیکھا۔۔۔

تاج بان کے آخری ایام میں جب وہ فالج کا شکار ہونے کے باعث چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تھے۔۔۔ تو یہ آنٹی ہی تھیں جو ہر وقت ان کا حوصلہ بڑھاتی تھیں اور ان کو یاد دلایا کرتی تھیں۔۔۔ جیسے وہ ابا جان کے گھر کی چھت گرنے کے بعد محلے والوں اور ان کے بچوں کو اس کے گھر کی ٹوٹی ہوئی چھت کے نیچے سے اس کے دو بچوں کو نکال لائے تھے۔۔۔ کس طرح عین موقع پر انہوں نے سڑک کے ایک حادثے میں وہاں کے قریب آ جانے والی خاتون کو خود ہسپتال پہنچایا تھا۔۔۔ جیسے ایک مرتبہ کے ایک مکان میں آگ لگ جانے کے بعد انہوں نے اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر گلی کے کچھ نوجوانوں کے ساتھ مل کر آگ میں جلتے ہوئے گھر میں گھس کر وہاں کے مکینوں کو دوسری منزل سے بحفاظت نکالا تھا۔۔۔

جب جب تاج بان خود سے واپس آتے اور اپنے بچپن کے واقعات دہرایا کرتے تو ہم سب کزن ساتھ بیٹھ کر ان کی باتیں ایک دوسرے کو بتاتے ہوئے ان کی ہمت اور حوصلے کی داد دیا کرتے تھے۔ مگر فالج کے ایک ہی جھٹکے نے تاج بان کی شخصیت کو ریت کے گھروندے کی طرح ختم کر دیا تھا۔ اب لگتا تھا کہ پلنگ پہ موجود مریض ہمارے وہ تاج بان نہ تھے۔۔۔ کوئی بہت ہی کمزور، لاچار انسان تھے جن کا دور دور تک اس قسم کے واقعات سے کوئی تعلق نہ تھا۔۔۔ وہ ہر وقت اس لیٹے ہوئے چھت کو تکا کرتے۔۔۔ کبھی کوئی بچہ ان کے پاس سے گزرتے ہوئے انہیں سلام کرتا تو وہ اسے ایسے دیکھتے جیسے کوئی تعلق نہ ہو۔۔۔ شاید یہ فالج کے مرض کا اثر تھا۔۔۔ یا ممکن ہے وہ زمانہ آ گیا تھا۔۔۔

آج تاج بان کی یاد آ گئی ہے۔۔۔ وہ فالج سے پہلے گھر میں آ گیا تھا۔۔۔ آج وہ

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

کہ گھر پر ایک فرد ہر وقت موجود رہے گا۔ تو مرزا فی الفور اپنے بستر پر بیٹھ کر آنکھیں کھول دی
ہوتے ہی وہ کہ انہوں نے ڈپارٹمنٹ میں منتقل ہو جانے کے بعد سے کھانا بیوی بچوں کے ساتھ
چھوڑ دیا تھا۔ وہاں ان کی کھڑکی کے سب میں کمرے میں جا کر اپنی بیوی کو پکار کر۔۔۔ تو۔۔۔
کی۔۔۔ کی عمری ذہن دونوں میں کچن رکھی رہتی۔۔۔ مگر یہ بیٹھے ہوئے تھا کہ ہم کھانے
اور وہ بھی ہم کھانے پر بیٹھے رہیں۔۔۔ اس طرح کو میری بیوی انہیں اپنے ہاتھ سے لگا دے۔ اگر بیٹی تو
وہ بھی وہاں تک گھر میں موجود ہوتی تو کوئی فرد اپنا فرض پورا کرتا اور گھر واپس آتے ہی میں تو
اپنا کھانا سے پہلے انہیں دوبارہ کھلا دیتا اور اس کے بعد ہم اپنا کھانا شروع کرتے۔

ایسے مختلف حالات میں ایک دن میں نے تبادلہ بھی کیا اور جانے کو ہی پاؤں اٹھایا
سے ملتوی کرنے لگے کہ ایک دن وقت سے پہلی اور دوسرا وقت کے ضائع ہونے کی وجہ سے
ختم ہو گئے تھے۔۔۔ لے دے کے ایک ان کا سفر باقی تھا اور قسمت سے وہ بھی
دن کے شروع ہو جانے سے پہلے بہت سے طبیبوں کا مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ سوائے
رات میں کی گئی اس سے کہ وقت کی پابندی اور لگی بندھی کے دن وہاں کی خوشی تھی
وہ بیوی شہر سے روانہ ہو گئی۔۔۔ دوسری بار کی رات میں سفر کرتے ہوئے انہیں اپنی منزل پر جا پہنچا۔
لگے دیکھ کر انہیں جو خوشی تھی۔ خوش ہوتے تھے ان کی کیا حالت تھی یا خود میں
انہیں دیکھ کر کس کیفیت سے دوچار ہوا یہ سب ناقابل بیان ہے۔ ایک ایسے خوش شکل و جیہہ
کے بیٹے اور جنہوں نے پوری دنیا دیکھی کراچی میں وہ ایم بی بی ایس کیا تھا۔۔۔ وہ
وہ دیہات کی خاک چھان چکے تھے۔۔۔

اس ملک میں تھا جہاں وہ نہیں گئے تھے۔ امریکہ گئے تو ایک عظیم فرد ہو کر گھر
۔۔۔ کے اور موسم نہ جانے کتنے۔۔۔ جن دیہات کے سلسلے میں شادی کوئی ایسی جگہ
ہوگی جہاں وہ نہ گئے تھے۔ بہت سی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں مولانا کے ذہنی کتب خانہ میں۔۔۔
مختصر مدت میں ڈاکٹر کے مقام سے بڑھ کر ہوئے۔۔۔ لگے پھر بچوں کی طرح اپنے والد

Scanned by CamScanner

تھے شمس پریشان ہو گیا۔ اب سوچتا ہوں تو لگتا ہے کہ وہ بھی اپنے ابا جی کے بعد اپنی
پریشانی سے گزر رہے تھے۔۔۔ اور جیسے انہیں آنے والے وقت کے بارے میں
پتا تھا۔۔۔۔

پہلی بار انہیں دیکھ کر احساس ہوا کہ شمس صاحب اداس ہیں اور اداس ہونے کی
[illegible] کچھ اور [illegible] بھلا لے تھے اپنے مستقبل سے بابا کو آ گئے تھے [illegible]
[illegible] ابا جی کی [illegible] تھے۔ اب ظاہر ہے کہ [illegible] [illegible] والی [illegible]
[illegible] صورت میں گزر گیا تو ابا جی کو کہاں لے جاؤ۔۔۔ [illegible] والد کی بیماری کے
[illegible] سے آشنا کر دیا تھا اور میں اپنے ابا جی کو اب کے بارے [illegible] [illegible]
[illegible] تھے۔۔۔ [illegible] لگتے ہیں کتنا پیسے آ رہی کے [illegible] ہے [illegible] [illegible]
[illegible] ان کی زندگی کی وجہ سے ابا جی کو [illegible] ہے۔

[illegible] ابا جی کی وجہ کو اپنے والد کی موت سے تعبیر کرتا تو بعد [illegible] کے
[illegible] تھی۔۔۔ [illegible] میں [illegible] آ گئے۔۔۔ [illegible] اپنے [illegible] کی [illegible] پڑا
[illegible] ہو گئے۔۔۔ آپ چاہے [illegible] ہوں [illegible] معلومات کی دنیا کے [illegible]
[illegible] دنیا کے [illegible] [illegible] اطلاعات موجود ہیں کہ اگر آپ میں
[illegible] کی [illegible] کتابوں کی [illegible] آ گئی گی۔۔۔

[illegible] سے [illegible] کے بعد ابا جی روز میں گھر واپس آ گیا تھا۔۔۔ زندگی پھر اسی
[illegible] پر چل رہی تھی۔۔۔ کئی بار ابا جی کو [illegible] سے [illegible] پڑا۔۔۔ [illegible]
[illegible] ایک بعد ایک [illegible] ابا جی اپنے ابا جی کے [illegible] کو [illegible] [illegible] ہو گئی
[illegible] [illegible] گئے۔۔۔۔۔۔

[illegible] اور تمام موجود [illegible] ابا جی کے انتقال کی اطلاع دے دی تھی۔
[illegible] واپس آ گئے تھے۔۔۔ [illegible] ان [illegible] اپنے بیٹے کے پاس تھی

Scanned by CamScanner

[illegible]

Scanned by CamScanner

[illegible] ماموں جان کے منہ سے نکلا تھا..." سب سچ کی باتیں

[illegible] میں ان کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کو [illegible] کے اپنے والد کیلئے ماموں کی محبت

[illegible] آج اب میں ماموں کی تدفین سے واپس

[illegible] میں ان کے [illegible] وقت کے [illegible] تھا..." سب سچ کی باتیں

[illegible]

کوٹ کا پہاڑ

باپ نے اپنا انتخاب شاہ ملک کے نام سے کر دیا تھا۔ شاہ ملک کو وہ بھی مہمت ٹھیک کیا۔ اس کو دیا صمد بھی آنکھیں اٹھا دی کو دو گو۔ صمد کے ہاتھ میں ایک چھوٹی تھی جس کو شاہ ملک نے کھانے کے پیچھے کا سامان دو۔ چھاگل اٹھا رکھی تھی۔ اس کی حالت ملول سی تھی۔ دو بیٹے دو وہ پہاڑوں کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ جوادو کے سم پر پٹھی چائے تیار کی گئی۔

شاہ ملک نے سرگوشی کی "کہاں ہے، یہ صمد کی والدہ اچانک فوت ہو گئی۔ تب سے وہ بے ساختہ ساتھ کے چھوٹے بھائیوں کی طرح کو پالتے گئے۔ اس نے کبھی ماں کی آغوش کی چاہ آغوش سے دوستی کر لی ہے۔ صمد کو اور قصہ کہ پہاڑ تو جانے پہاڑ کی باتیں سنو گو۔"

جوادو نے ایک محبت بھری نظر اس محروم بچے پر ڈالی۔

"اس کی ماں آسمانوں میں رہتی ہے۔ شاید وہ سمجھتا ہو پہاڑ کے اوپر بیٹھ کر ماں سے باتیں کرے گا۔ یہ بچہ بھی اس طرح کا ہے۔ پہاڑ دامن تلاش میں پہنچتا ہے۔ پھر وہ ماں کی نقل نہیں دیکھی۔"

"کب سے اس پہاڑوں میں پڑے ہو۔ تمہیں تو بہتی ہی لگتے ہوں گے۔"

"ہمیں کیا کریں روزی جو یہیں ملتی ہے۔ جہاں دانہ پانی ہو۔ گھاٹی کے لئے بہتر ہے۔" بچے کی بابا مسکراتی کے پردے سے چھلک اٹھی۔

باپ بیٹا رخصت ہونے لگے تو جوادو نے نصیحت کی "خیال رکھنا اوپر سے ہوا بھی آتا ہے۔ اندھیرا تو نہیں ہے واپس چلے جانا۔"

"ہماری بھی مجبوری ہے صمد پہاڑ کی باتیں سننا چاہتا ہے۔ کیوں صمد؟"

"ہاں" صمد نے اثبات میں سر ہلایا۔

Scanned by CamScanner

شاہ اللہ کو باپ کے پاس لے گیا۔ اس نے کھانے پینے کے سامان کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ اور کہا پیو۔ بہت سے لوگ اس کو دیکھنے آئے۔ اتفاقاً وہ ایک ایسے مقام پر تھے جہاں بچوں کی آواز نہ تھی۔

”محمد! یہ تم کس حالت میں آ گئے ہو۔ تمہیں کیا ہوا ہے؟“

”اس جاں باز کو آج ...“ محمد نے فخریہ انداز میں اعلان کیا۔

”یہ میرے ساتھ آواز ملا کر کلمہ پڑھو“ شاہ اللہ نے آواز بلند کی ... کرنے لگا۔ اس نے محمد کو مضبوطی سے گرفت میں یوں جکڑ رکھا تھا کہ اس کا جسم محمد کے اعضا میں پیوست تھا۔

پہاڑ کی چوٹی ... محمد اپنے باپ کے ساتھ ساتھ ... پھر پہاڑ خاموش ہو گیا ... باپ کا ورد جاری رہا۔ البتہ آواز کی گونج سے ... رہی تھی۔ ... پھر پہاڑ کی جانب شاہ اللہ بھی ... ہو گیا۔

... نے دیکھا ... ان کی جانب دوڑا چلا آ رہا ہے ... پکڑی گئی تھی۔ ... خون میں لت پت ہو رہی تھی۔

انھوں نے ... سے ... جسم پر زخم کا نشان نہ تھا۔ لباس پر کا خون اس کے باپ کا تھا۔

”میرے باپ کو بچاؤ“ محمد التجا کرنے لگا

”کیا ہوا ہے اسے؟“ چاچا ... سے پوچھ رہے تھے

”وہ ... اس کے منہ سے خون نکل رہا ہے۔ پہاڑ نے اس کی ... کاٹ ڈالی ہے۔“

اپنے وقت سے تھوڑا پہلے

[illegible]

Scanned by CamScanner

پر جانے کی تیاریوں میں مشغول ہوتے ہیں۔ بیوی ناشتہ تیار کرتی ہے تو ہم دونوں ناشتہ کرتے ہیں۔ بعد میں تھوڑی دیر کے لیے سو جاتا ہوں۔

دن بارہ بجے تک جاگ کر تازہ دم ہوتا ہوں۔ کچھ وقت مطالعہ میں گزارتا ہوں۔ پھر ملازمت پر جانے کی تیاری کرتا ہوں۔ ساڑھے بارہ بجے والی بس مجھے میرے گھر کے پاس سے مل جاتی ہے۔ بس پر بیٹھ کر اپنے شہر کے ریلوے اسٹیشن پہنچتا ہوں۔ وہاں سے مجھے فرینکفرٹ شہر تک جانا ہوتا ہے۔ پلیٹ فارم نمبر ۹ پر فرینکفرٹ جانے والی ٹرین آتی ہے جبکہ پلیٹ فارم نمبر ۱۰ پر فرینکفرٹ سے آنے والی ٹرین آتی ہے۔ میں سیڑھیوں کے قریب اپنی ٹرین کا انتظار کرتا ہوں۔ میری ٹرین سے کچھ منٹ پہلے فرینکفرٹ سے ٹرین آجاتی ہے اور اس کے آتے جاتے تک میری اپنی ٹرین بھی آجاتی ہے۔ میں اپنی ٹرین کے آخری والے ڈبے میں بیٹھا کرتا ہوں کہ وہاں سے مجھے اپنی اگلی منزل کی طرف جانے میں چند قدموں کے فاصلے کی بچت ہوتی ہے۔ اس حساب سے پلیٹ فارم پر فرینکفرٹ جانے والی ٹرین کے پچھلے ڈبے کے مقام پر کھڑا ہوتا ہوں۔ اس لیے فرینکفرٹ سے آنے والی ٹرین کا آخری ڈبہ میرے قریب آکر رکتا ہے۔ یوں میں کچھ منٹ کے لیے میں اس ٹرین سے اترنے والی سواریوں کو سرسری سا دیکھ لیا کرتا ہوں۔ ہم سب آنے اور جانے والے مرد اور خواتین روز چہرہ شناس ہوتے ہیں۔ اس لیے تو ہمارا سر سے ہاتھ سے سلام بھی ہونے لگتا ہے۔ ایک دن میں نے معمول کے مطابق فرینکفرٹ کی طرف سے آنے والی سواریوں کو دیکھنے کی بجائے ویسے ہی اپنے پلیٹ فارم پر اپنی ٹرین کی آمد کا انتظار شروع کر دیا۔ اچانک کسی نے پیچھے سے میرے کندھوں کو تھپتھپایا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو میرا ایک دوست تھا۔ طبیعت تھوڑی سی خراب ہونے کی وجہ سے وہ ڈاکٹر سے ملنے آیا تھا۔ اس کو ڈاکٹر نے فوری رجوع کرنے کی ہدایت کرنے کے بعد مجھے اچانک سے اس طرح کی اچانک ملاقات خوشگوار سی لگی۔ اور پھر گپ شپ کا سلسلہ ہوا۔ تب سے

Scanned by CamScanner

میں انگلستان کی طرف جانے والی ٹرین کے لئے جاتا ہوں اور انگلستان سے آنے والی

ٹرین کو صرف اس وجہ سے دیکھتا ہوں کہ شاید میرا چھوٹا بیٹا اس ٹرین سے اترنے والا ایک

پہنچنے والا تھا۔ جس میں بجلی کے باعث بیٹا گھر پر ہی تھا لیکن مجھے اپنے لاشعور میں

اس سے متعلق کام پر جانا تھا۔ میں گھر کے دوسرے افراد کی طرح بیٹے سے بھی پوچھا

کرتا تھا کہ گھر سے نکلا۔ لیکن شہر پہنچ کر باہر کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچ کر پیچھے ہی

انگلستان سے آنے والی ٹرین آگئی۔ میں اس طرف اسے دیکھنے کو پیچھے ابھی اس میں سے

بیٹا اترے گا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ بیٹا تو گھر پر ہے۔ میں کس کا انتظار کر رہا ہوں۔ اب

بیچ سے بارہ سال ہو گئے ہیں اور وہ کبھی بھی نہیں آئے گا۔ آج چار سال ہو چکے ہیں لیکن میں اب بھی ہر روز

انگلستان سے آنے والی ٹرین کو ایسے دیکھتا ہوں جیسے میرا چھوٹا بیٹا اس میں سے اترے گا

اور مجھ سے ملنے والی خوشی کی ملاقات کی خوشخبری کا احساس کروں گا۔ جب یہ ہوا کہ

سب بیکار کا وہم کرتا ہوں کہ ظہر اور عصر کی نمازیں بیچ کر کے پڑھ لیتا ہوں۔

پچھلے دو برسوں کی سب سے زیادہ دلچسپ واردات جس میں پولیس افسر کے بعد سے

یہ واقعہ پیش آیا جس سے میں نے کہا تھا۔ انہوں نے مجھ میں نہ پوچھنے کے باوجود

میری بات بتا دی تھی کہ میں نے بھی اسے مجھے کام دے دیا۔ میرے خاص دعا میں پڑھ کر

سب کچھ میں ہوا کا مطلب ہے ملاقات میں تین گھنٹے رہے۔ اور اس قسم کو بالکل

روشنی میں نہ ہونے کی وجہ سے وقت ہو رہے تھے لیکن اب سب بیٹھے ہیں۔

دوبارہ پہنچنے کے بعد میں نے اس کا فیصلہ ہونے سے پہلے بہت سارے منصوبے

بنائے تھے۔ کراچی میں ہی ایک بڑا رہائشی منصوبہ، جس میں میرے سارے بچے اپنے

گھروں میں ایک ساتھ ہوں گے۔ کراچی میں ایک گھر کا قیام اور پاکستان اور انگلستان

دونوں گھروں کی طرف سے اور مقصد کے یہ نکات ہیں۔ بچوں کے لئے ان کے والی

والد کے متعلق کراچی میں مناسب کاروبار، پاکستان میں اپنے پرانے گاؤں کے آس

پاس ایک بڑی حویلی کی تعمیر۔ پھر بہت سارے قریبی عزیزوں اور دوستوں کے لیے بعض
منصوبے، جن کے مطابق انہیں وہاں مدد دینے کی بجائے اپنے وطن ہی میں مضبوطی سے کھڑا
کرنے کے منصوبے شامل تھے۔ اسی طرح بعض فلاحی پروگرام شروع کرنے کے خاکے
بہت ساری چیزیں میرے ذہن میں آ گئی تھیں اور میں نے خود کو ذہنی طور پر ان ساری ذمہ
داریوں کے لئے تیار کر لیا تھا۔ جس دن شام کو قرعہ اندازی ہونا تھی اس دن میری معمول
کی تلاوت کے دوران سورۃ انفال کی آیت انما اموالکم و اولادکم فتنۃ نے مجھے ہلکا
سا جھٹکا لگایا۔ یہ آیت آج کے دن ہی کیوں پڑھنے میں آئی اور پڑھتے وقت اتنی توجہ کیوں
کھینچ گئی۔ لیکن پھر میں نے اسے ایک اتفاق سمجھ کر ذہن سے جھٹک دیا۔

قرعہ اندازی کا انعقاد ٹی وی پر میں نے اور میرے بیٹے نے دونوں نے
ایک ساتھ دیکھا۔ میرا بیٹا کافی جذباتی ہو رہا تھا۔ تب میں نے اسے سمجھایا کہ اگر انعام نکل
آئے تو تب بھی اپنی حیثیت سے رہیں گے۔ انعام نہیں نکلا تو غم زدہ ہونے کی ضرورت
نہیں ہے۔ دونوں صورتوں میں خود کو نارمل رکھنا ہے۔ قرعہ اندازی ہوئی تو ہمارا انعام نہیں
نکلا۔ ہم نے بھی انعام کی امید چھوڑ دی۔ بیٹا میرے سمجھانے کے باوجود کافی افسردہ ہوا۔ میں
نے بھی دل پر جبر کرتے ہوئے لاٹری کا یہ انعام حاصل نہ کر پانے کا افسوس نہیں تھا لیکن اپنے کئی
منصوبوں کے ادھورے رہ جانے کی تھوڑی سی حسرت دل میں ضرور ہونے لگی تھی۔ انعام
نکل آنے کی صورت میں اگلے دن میں نے اپنی مزدوری والی جاب پر نہ جانے کا طے کر لیا
تھا۔ انعام نہیں نکلا تو اگلے دن میں معمول کے مطابق اپنی جاب پر چلا گیا۔ جاب سے
واپسی پر روز کے معمولات سے گزرتے ہوئے رات کا کھانا کھا کر چند منٹ کی سیر کے لئے
نکلا۔

اپنے گھر کے قریب کی گلیوں سے گزرتے ہوئے اچانک مجھے عجیب سی روشنی
محسوس ہوئی اور ساتھ ہی اس روشنی سے اچانک مجھے مستقبل کے کسی دور کی کوئی روشنی ہو رہی

Scanned by CamScanner

ابھی میں تھا کہ ایک نوجوان دوڑتا ہوا میرے پاس آیا۔ اس نے ایک بریف کیس مجھے
تھماتے ہوئے کہا اس میں دس ملین پونڈ مالیت کے قیمتی ہیرے اور سونے کے بسکٹ
ہیں، پولیس میرے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ آپ اسے لے لیں میری طرف سے آپ کے لیے
تحفہ ہے۔ پھر وہ نوجوان تو غائب ہو گیا۔ مجھے لگا جیسے میرے سارے خواب
پورے کرنے کے لیے خدا نے کوئی آسمانی مدد بھیج دی ہے لیکن اس خیال کے ساتھ ہی
پولیس کی گاڑیوں کے سائرن کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ میرے دل کی دھڑکن ایک دم
تیز ہو گئی۔ میں اپنا بریف کیس ادھورا چھوڑ کر گھر کی طرف واپس چلا لیکن ابھی میں اپنی کار تک
پہنچ بھی نہ پایا تھا کہ سائرن بجاتی ایک پولیس کار میرے قریب آ کر رک گئی۔ پولیس
نے مجھے اس نوجوان کی ملاحت پوچھی۔ مجھے لگا میرا خواب ٹوٹنے سے پہلے ہی
بکھر گیا۔ میرے ہاتھ میں پکڑے ہوئے بریف کیس پر جا لگی۔ تب مجھے پاسٹر کی ایک
بات یاد آئی: "ہم سونے کو آگ سے اور انسان کو سونے سے آزماتے ہیں۔"

پولیس مجھے گرفتار کر رہی تھی اسی لمحے مستقبل کے کسی دور سے عجیب سی روشنی
پیدا ہو گئی اور میں نے حیرت سے اس روشنی میں دیکھا کہ سڑک کے دوسری طرف
پولیس نے ایک نوجوان کو گرفتار کیا ہوا ہے۔ اس کا بریف کیس پولیس کی تحویل میں ہے۔ وہ
نوجوان وہی تھا جو مجھ سے پہلے مجھے اپنا بریف کیس دے گیا تھا۔ لیکن اب نہ تو
میرے پاس کوئی بریف کیس تھا اور نہ ہی پولیس نے مجھے کوئی ہتھکڑی لگائی ہوئی تھی۔ تو پھر
مجھے گرفتار کیوں کیا؟ میں نے محسوس کیا وہ سب کیا تھا؟ کیا میں نے کوئی سپنا دیکھا
تھا یا کسی نے مجھے اپنے وقت سے چند منٹ پہلے کا سفر کرا کے پھر واپس اپنے مقام پر
لا دیا تھا۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ لیکن کچھ کچھ آ بھی رہی تھی۔

اس رات والے واقعے یا تجربے کے بعد ساری رات مجھے ٹھیک سے نیند نہیں
آئی اور نہ اب میں جاب پر جانے لگا ہوں۔ طبیعت کافی بوجھل ہے۔ گھر سے باہر

نکلا تو گھر سے وہاں اور وہاں سے ایک دوسرے میں گم دکھائی دیتے۔ وہ جب باہر ریلوے اسٹیشن پر پہنچا تو ریلوے کے عملے کی طرف سے اعلان ہو رہا تھا کہ دوسری جانب سے فرینکفرٹ سے آنے والی ٹرین اس وقت لیٹ آ رہی ہے۔ وہ شدید ٹھنڈ میں ریلوے اسٹیشن کی روشنیوں کو دیکھ رہا کر رہا ہے۔ اسی دوران فرینکفرٹ سے آنے والی ٹرین اپنے ٹھیک وقت پر آگئی اور وہ اپنی عادت کے مطابق، دیکھنے لگتا ہوں کہ شاید میرا بیٹا اس میں سے اتر آئے ہوں لیکن اس وقت حیرت کے باوجود واقعی میرا بیٹا اس کے ساتھ والے ڈبے سے نیچے اترتا ہے اور میری طرف آ رہا ہے۔ میرے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی ہے۔ جیسے جیسے میرا بیٹا قریب آتا جا رہا ہے میری مسکراہٹ، حیرت آمیز ہوتی جا رہی ہے۔ کیونکہ اب وہ میرا بیٹا نہیں لگ رہا بلکہ صاف طور پر دکھائی دے رہا ہے کہ میرے ابا جی میری طرف آ رہے ہیں۔ میں ابا جی کا استقبال کرنے کے لیے ان کی طرف آگے بڑھتا جاتا ہوں۔ لیکن جب ان کے قریب پہنچتا ہوں تو میری حیرت کی انتہا نہیں رہتی۔ وہ تو میں خود ہوں!

میں اپنے آپ سے گلے مل رہا ہوں اور ایسے لگ رہا ہے کہ میں خود سے نہیں بلکہ اپنے ماضی، حال اور اپنی ساری موجودہ اور آنے والی نسلوں کو گلے مل رہا ہوں۔ اسی حالت میں دیکھتا ہوں کہ فرینکفرٹ سے آنے والی ٹرین آ رہی ہے۔ دور سے اس کی ہیڈ لائٹ کی چمک اسٹیشن کی طرف بڑھتی چلی آ رہی ہے۔

مجھے رات والا واقعہ یاد آ جاتا ہے اور میں مزید کی حیرت میں پڑ کے سوچنے لگ جاتا ہوں کہ فرینکفرٹ سے آنے والی جو ٹرین پہلے آ چکی تھی وہ؟ اور اصل اب آ رہی ہے۔ ٹرین اسٹیشن پر رک رہی ہے اور میں اس کے سب سے اگلے ڈبے سے اپنے آنے کا انتظار کرنے لگتا ہوں!

کوئی جگہ ہے

[illegible]

[illegible] بلڈ پریشر، حادثات [illegible]
[illegible] استعمال ترک کر دیں، صبح کی سیر باقاعدگی سے کیا کریں تو
[illegible] صورت حال بہتر ہو جائے گی۔" اس نے خاموشی سے [illegible]
[illegible] رات بھی سوچتا رہا کہ یہ وزن بڑھنا بھی عجیب مصیبت ہے
[illegible] سے زیادہ ہو جاتا ہے یا زیادہ کھانے سے [illegible]
[illegible] ایک دوا کی صورت ساری دنیا میں [illegible] ہے۔
[illegible] کہ ایک طرف غربت اور بھوک بڑھ رہی ہے دوسری طرف [illegible]
[illegible] زیادہ خوراک کھانے کے باعث [illegible]
[illegible] وزن کے بوجھ سے دب کر رہ گئے۔ [illegible]
[illegible] میں ایک تجربہ ہے۔ شاید نسل انسانی بھی کسی دن
[illegible] بھی صبح کی سیر کرنا بہت ضروری ہے۔"
[illegible] اور خوشی۔" یہ کہنا غلط نہ ہو گا
[illegible] اب تو دن اور رات کی تفریق بھی [illegible]
[illegible] دن میں کام کرتی ہے اور دوسری رات بھر جاگتی ہے۔
[illegible] کے ذریعے دکھائے جانے والے [illegible]
[illegible] ہے۔ تمام صحت کو بحال رکھنے کے لیے یہ کڑوا گھونٹ تو
[illegible] اگر دماغ میں یہی سب کچھ چلتا رہا تو نیند کب آئے گی۔ نیند
[illegible] تو صبح وقت پر آنکھ نہیں کھلے گی اور
[illegible] صبح کی سیر کیسے ہو گی۔

[illegible] ٹریفک کا دباؤ کافی کم ہو گیا ہے، البتہ [illegible]
[illegible] بچوں کی گاڑیوں [illegible] شیشے کی کھڑکیوں کا [illegible]
[illegible] ضروری ہو گیا ہے۔ شہر میں ڈاکے کی وارداتوں میں اضافہ
ہو گیا ہے۔ [illegible] تو معمول بن چکا ہے۔ اگر یہی روش برقرار رہی تو شاید کبھی

Scanned by CamScanner

گھر سے باہر قدم رکھنا بھی خطرناک قرار دے دیا جائے۔ ٹی وی اور ریڈیو پہ یہ اعلان نشر
ہو رہے تھے۔ سوچ سمجھ کر گھر سے باہر نکلیں، موبائل فون پر پولیس تھانے سے رابطہ قائم رکھیں۔
ضروری اشیاء صرف کی خریداری مکمل کرتے ہی جلد از جلد گھر پہنچنے کی کوشش کریں۔ کسی
بھی اجنبی سے بات چیت یا پہچان پیدا کرنے سے اجتناب کریں، دوسروں پر بھروسہ کرنا چھوڑ دیں۔
جیسے روشنی تاریکی کے ڈر سے اور آپ خود ہوں گے۔ خیالات کے تھپیڑوں سے بچنے کے
لیے گھنٹی بجی، ایک ... تھی۔ گھڑی کے الارم کی تیز آواز سنتے ہی وہ
ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ شب بھر وہ ذہنی طور پر طرح طرح کے خیالات کی زد میں رہا
تھا۔ گھڑی پر وہ ہر گھنٹہ اس بات کا منتظر رہا کہ کب صبح ہو، اور گھڑی کا الارم بجنے سے
پہلے ہی وہ بیدار ہو کر گم صم سا ہو کر بیٹھا رہا جیسے کسی پر ظلم ہم پر روانہ ہونے والا ہو۔
یہ خوف دل میں لیے وہ تیار ہو گیا۔ وہاں سے فارغ ہو کر آیا تو اسے جو کپڑے اور ایک سوٹ
پہنا وہ ہر روز کی طرح گھر سے نکلنے لگا۔ اب تو شہر کی سڑکیں بھی پہلے جیسی نہیں رہی ہیں
کہ جہاں کوئی بھی بے خوف ہو کر نکلے، پہلے ایک سوٹ اور جوڑا پہنتا گویا ایک طرح سے
دل میں یہ خوف رہتا ہے۔ یہ عام لوگوں کو احساس ہے کہ اسے اب قتل کر کے باہر پھینکا
جا سکتا ہے۔ اس خوف سے بچنا ہی مشکل ہے۔ جب وہ گھر کا آہنی گیٹ بند کر کے فٹ پاتھ پر
آیا تو اسے اپنے پیچھے کسی کی آواز سنائی دی۔ اور وہ بس اسٹاپ کی جانب جاتے دکھائی
دیا۔ راستے میں گاڑی کی آواز اور یہ سوچ کر قدرے تسلی ہوئی کہ وہ اکیلا نہیں
ہے بلکہ دوسرے بھی اس کے ہمراہ ہیں اور ہو سکتا ہے بس اسٹاپ تک پہنچ پہنچ

ساتھ ہو جائے۔

بڑی کہ شہر کی معروف ترین بس اسٹاپ اس کے گھر سے کچھ زیادہ فاصلے پر نہیں
تھی لیکن آج روز کے مقابلے میں قدرے دور محسوس ہوئی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلے
راستہ عام ہوا کرتا تھا، جو ہر روز اس کے پاس سے گزرا کرتا تھا، اسی لیے وہ گھر کے
ایک معلوم ہوتی تھی۔ آج اسے بہت سی ایسی چیزیں نظر آ رہی تھیں جو اس سے پہلے
کبھی نہ محسوس تھیں۔ شاید "ڈر" ہی اس کی اصل وجہ تھی۔ ڈر زیادہ ہو تو فاصلے

وہاں اردگرد کی دنیا، منظر اور ماحول کو فقط مجموعی تاثر کی قبول کر پاتا ہے، تاہم رفتہ رفتہ [illegible]
[illegible] دنیا، منظر بلکہ جزئیات تک سر اٹھانے لگتی ہیں۔ [illegible]
کے لیے آنے والوں کو متوجہ کرنے کے لیے [illegible] کے لیے آنے
والے ایک تسلسل سے وہاں سے گزرتے ہوئے سیر گاہ کے سرسبز و شاداب [illegible]
میں اترتے چلے جا رہے تھے۔ آخر ان کے قدم بھی سیر گاہ کے اندر داخل ہو گئے۔ [illegible]
مختلف قسموں کے پودے، قطعات، فوارے، مختلف النوع پھولوں کے تختے [illegible]

[illegible]

Scanned by CamScanner

تو کسی کے لیے یہ جگہ کوئی ایک قدر [illegible] سے الگ تھلگ [illegible] کا انتخاب کیا، تو انہیں وہ جھاڑیوں سے
لگی [illegible] اس نے قدم [illegible] وہاں ہونے لگے۔ پہلے تو ان کو تیز چلنے سے محسوس ہوتی
[illegible] مستقل پیچھے رہنے سے ان کا سانس پھولنے لگا۔
وہاں [illegible] شامل ہونے لگیں۔ اتفاق سے اسے کچھ سے [illegible] نظر آ گیا، اور وہ وہیں
پہنچ [illegible] جا کر بیٹھ گیا۔ جب سانس [illegible] اوسان بحال ہوئے
تو اس نے اپنے چاروں طرف ایک طائرانہ نظر دوڑائی۔ اب [illegible] تعداد میں لوگ سیر گاہ
میں [illegible] رہے تھے۔ وہ ان سے فاصلے پر تھا، مگر جہاں وہ بیٹھا ہوا تھا، وہ جگہ سیر گاہ میں
[illegible] ایک vantage point کی تھی۔ [illegible] وہ کافی [illegible] اور [illegible] بھی
[illegible] نظر آتی [illegible] نظر آ رہی تھیں۔ [illegible] بیٹھے ہوئے [illegible] کی طرح
[illegible] مگر اس [illegible] زیادہ [illegible] تک [illegible] ہو پایا۔ ابھی کچھ
ہی دیر [illegible] گزرے تھے [illegible] سے جہاں [illegible] کا ایک جھنڈ تھا، [illegible]
[illegible] بچے کی آوازیں [illegible] دوسرے [illegible] کے [illegible]
[illegible] بچے کی آوازیں [illegible] خاموش ہو گئیں۔
[illegible] مسلسل [illegible] انتہائی [illegible] تھیں، لیکن ان کی
[illegible] جا رہی تھیں۔

یہ کوئی صورت حال تیزی سے تبدیل ہونے لگی۔ سیر کرنے والے جلدی جلدی
[illegible] قدم اٹھاتے وہاں سے جانے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے سیر گاہ میں ہو کا
عالم ہو گیا۔ [illegible] نے بھی وہاں سے کوچ کرنے کا قصد کیا۔ ابھی وہ
[illegible] ہی گیا تھا کہ سیر گاہ کے مین گیٹ کی جانب سے بچے کی آوازیں سنائی
دینے لگیں۔ اس نے اپنی رفتار بڑھا دی۔ کیونکہ وہ کسی صورت میں منتظم سیر گاہ کی [illegible] جانے
[illegible] نہیں چاہتا تھا، کیونکہ [illegible] ہو گیا تھا کہ [illegible] بڑی ہو کر
[illegible] منتظم سیر گاہ کے کھاتے میں ڈال دیا گیا۔ شاید منتظم سیر گاہ کو اس
[illegible] تھی کہ اس نے وہ سب کچھ [illegible] دیکھا ہوا تھا، [illegible] کی جسارت

کیوں کی؟ سیرگاہ کے صدر دروازے پر ایک افراتفری کا عالم تھا۔ مگر وہ پیچھے فٹ پاتھ تک جا پہنچا اور پھر دھڑکتے دل کے ساتھ جدھر سے آیا تھا ادھر کو چل دیا۔ شام کو شائع ہونے والے اخبار کے ایڈیشن کو دیکھا تو صبح کے واقعے کا راز کھلا۔ اخبار کے صفحہ اول پر جلی سرخی میں یہ خبر چھپی تھی "شہر کی ایک مشہور شخصیت کو چند نامعلوم افراد نے شہر کی ایک معروف سیرگاہ میں گولیوں کی بوچھاڑ کر کے موقع پر ہی ہلاک کر دیا اور خود فرار ہو گئے۔ ابھی تک کسی گروپ یا تنظیم نے اس قتل کی ذمہ داری قبول نہیں کی۔" یہ ذمہ داری قبول کرنا بھی عجیب چیز ہے۔ کسی کو جان سے مار دیا، بے قصوروں کی زندگیوں کو آگ اور بارود کی بھٹی میں جھونک دیا۔ گویا کوئی ذمہ داری والا کام ہے کہ قبول کر لیا جائے تو کیا دوسروں کے خون سے ہاتھ رنگنے کا جواز نکل آتا ہے؟ انسانوں کی کھال ہی نرالی ہے۔ یہ خود ہی اپنے مطالب وضع کر کے ان کو منسوب کرتے رہتے ہیں۔ قتل سے زیادہ جان لیوا ہتھیار آج تک ایجاد نہیں ہو سکا۔ اسے اخبار کی ہر ورق گردانی کرتا کافی دیر تک۔

صبح کی سیر کا معمول تو وہ کئی دنوں سے ہی چھوڑ چکا تھا۔ ظاہر ہے اب صبح سویرے کسی سیرگاہ میں جانے کی ہمت کہاں سے لاتا۔ اس نے کئی دن تک یہی سوچتے گزار دیے کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ آخر ایک روز اسے ایک مشورہ ملا کہ سیر کرنے کے لیے کیا ضروری ہے کہ کسی سیرگاہ ہی کا انتخاب کیا جائے؟ اس کام کے لیے فٹ پاتھ کا استعمال بھی ہو سکتا ہے۔ اسے یہ مشورہ قابل قبول لگا۔ چنانچہ اگلے اتوار کی شام اس نے ایک سوٹ پہنا اور باہر آ کر سڑک کے فٹ پاتھ پر ناپے تلے قدموں سے چل پڑا۔ اسے پہلی بار فٹ پاتھ کی اہمیت کا احساس ہوا۔ فٹ پاتھ کا تصور پیش کرنے والا یقیناً انسانی نفسیات کا بہت بڑا ماہر ہوگا۔ ابھی وہ ان خیالات کی وادی میں ہی کھویا ہوا تھا کہ ایک اندھے شیشوں (Tainted Glass) والی گاڑی نے فٹ پاتھ کے بالکل قریب آ کر زور سے بریک لگائی اور آگے ہی لمحے دو نوجوان مستعدی سے لپک کر باہر آئے۔ ان کے ہاتھوں میں ہتھیار تھے اور انہوں نے اس کے پیچھے فٹ پاتھ پر آگے جاتے ہوئے ایک خوش پوش ادھیڑ عمر شخص کی کنپٹی پر ہتھیار رکھا اور اسے تقریباً گھسیٹتے ہوئے گاڑی میں ڈالا اور روانہ ہو گئے۔ یہ سب کچھ اس قدر اچانک

ہونے بھی لگا کہ یہ کسی بد وضع والی عمر کا حال ہی تھا لیکن یہ اس کا اپنا واہمہ نہیں
ایک ٹھوس حقیقت تھی جس کی طرف سے آنکھیں نہیں چرائی جا سکتی تھیں۔ اس نے دونوں
ہاتھ کے اس مقام پر آ کر محسوس کئے جہاں [illegible] سب کچھ ہوا تھا
خوف نے اسے اپنے پنجوں میں دبوچ لیا۔ اس کو [illegible] معلوم ہو گئی۔ وہ دوبارہ
چوٹی سے جھک کر نشیب [illegible] کی دوسری جانب [illegible] اس کے [illegible]
[illegible] ہاتھ پر لوگ اپنی [illegible] میں [illegible] کے پیچھے جا رہے تھے۔ [illegible]
[illegible] تھا۔ [illegible] زندگی کی [illegible] بہت [illegible] ہو گئی ہے [illegible] کے پاس وہ لڑکی [illegible]
کچھ دیر [illegible] کے بارے میں سوچنے کا وقت مل گیا ہے۔ [illegible]
[illegible] اس کا [illegible] پہنچنے کی [illegible] کے وقت [illegible] اپنے قدم [illegible]
کی طرف [illegible] مگر اس کے پاؤں [illegible] کے ہو گئے تھے۔ [illegible]
[illegible] پر ڈھیر ہو گیا۔ اگلی صبح اس کی موت کی [illegible]
[illegible] کی طرح سے [illegible] نہیں ہوا تھا۔ حالانکہ اس طرح کے واقعات
[illegible] اخبارات میں آتے رہتے ہیں۔ [illegible]
[illegible] کے سامنے [illegible] مختلف [illegible] کے [illegible] ہیں۔
[illegible] تھا کہ اس کے [illegible] ابھی تک [illegible] تھے۔ [illegible] اس نے [illegible] کر کے
[illegible] کر دی۔

اس کی اپنی زندگی ایک دور سے [illegible] گزری ہوئی تھی۔ اس کی بیٹی [illegible] میں
[illegible] کر چکی تھی۔ اس کا داماد وہاں ایک ریسٹورنٹ کا مالک تھا اور وہ دونوں میاں
بیوی مل کر [illegible] چلا رہے تھے۔ دوسری طرف اس کا بیٹا ایم بی اے کرنے
کے بعد [illegible] چلا گیا تھا اور وہیں ایک انگریز لڑکی سے شادی کر کے قیام پذیر ہو گیا تھا۔
[illegible] ایک [illegible] میں ملازم تھا اور اس کی [illegible] زندگی [illegible] زیادہ خوشگوار
[illegible] بچوں کی اس سال کا زیادہ تر حصہ باری باری ان دونوں کے یہاں گزرتی
[illegible] یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا اور پھر ایک رات [illegible] فون پر اسے [illegible]

Scanned by CamScanner

[illegible] صاحب جی! معاف کرنا۔ آپ کا موٹر سائیکل جس کمپنی نے تیار کیا تھا اس کو بند ہوئے ایک زمانہ گزر چکا ہے۔ شکر کریں کہ [illegible] یہ موٹر سائیکل [illegible] میں ہی ٹھیک ہو جائے۔" اس نے موٹر سائیکل مکینک سے مزید بحث مباحثہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ البتہ اس کے عوض پانچ سو روپے اس کے ہاتھ میں تھمایا اور خود پیدل ہی چل دیا۔ اتفاق سے اس روز بھی ویگن [illegible] اس کے چہرے سے گزرتی وہ سواریوں سے [illegible] ہوتی۔ لہٰذا اسے پیدل ہی چلنا پڑا۔ آخر یوں ہی چلتے چلتے وہ گھر جا پہنچا۔ تھکاوٹ کے مارے اس کا برا حال ہو رہا تھا۔ [illegible] سے بستر سے اٹھنے کی ہمت نہ ہوئی۔

اگلے چند روز کے لیے اس کے معمولات میں موٹر سائیکل کے خراب ہو جانے کے سبب تبدیلی کا آجانا ایک قدرتی امر تھا۔ وہ سوچتا کہ دفتر تو وہ کسی نہ کسی صورت پہنچ [illegible] مگر واپسی کا معاملہ بڑا کٹھن تھا۔ اتفاق سے اس کے دفتر کے کسی کولیگ کی رہائش بھی اس کے اس علاقے کی طرف نہیں تھی جہاں اس کی رہائش تھی۔ لہٰذا [illegible] خوش قسمتی سے کوئی [illegible] ویگن بھی [illegible] راستے [illegible]۔ آخر اس نے یہی فیصلہ کیا کہ دفتر سے چھٹی کے بعد وہ پیدل ہی گھر [illegible]۔ [illegible] میں اگر اسے کوئی آٹو رکشہ مل گیا تو ٹھیک ورنہ اللہ مالک [illegible] سے چند فرلانگ کے فاصلے پر ہی ایک آٹو رکشہ مل گیا۔ کافی بحث [illegible] کے بعد [illegible] روپے میں رکشہ ڈرائیور چلنے پر آمادہ ہوا۔ دوسرے دن [illegible] بھی چل رہی تھی۔ چنانچہ اس نے [illegible] بازار کا چکر لگانے کا ارادہ کیا۔ ویسے ضرورت کی ایک [illegible] بھی تھی۔ اسے بازار میں داخل ہوئے چند ساعتیں ہی گزری ہوں [illegible] سے چند [illegible] آگے ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ [illegible] سے کسی جہاز نے [illegible] بم پھینک دیا ہو۔ شیشوں اور جسموں کے ٹکڑے ایک ساتھ فضا میں تیر گئے۔ [illegible] چیخوں اور [illegible] کی وجہ سے بازار کا وہ حصہ میدان کارزار معلوم ہونے لگا۔ [illegible] کے ٹوٹے شیشوں کے چند ٹکڑے اسے بھی لگے مگر اتفاق

Scanned by CamScanner

سے چند معمولی خراشوں کے سوائے کوئی گہرا زخم نہ آیا۔ اسے تادیر اپنی آنکھوں پہ یقین نہ آیا کہ جو کچھ اس کے سامنے ہوا تھا، کیا وہ واقعی ایک حقیقت تھی۔ اس کا زندہ بچ جانا کسی معجزے سے کم نہیں تھا۔ وہاں اس وقت ایک کہرام مچا ہوا تھا۔ کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ کیا ہو رہا تھا؟ ہر طرف آگ، دھویں اور بھگدڑ کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ ششدر سا ہو کر جانے کب تک ایک دکان کی دیوار سے لگ کر کھڑا رہا۔ بم کے دھماکے اور اس کے بعد کی چیخ و پکار کا وحشت ناک منظر اس کے سامنے تھا۔ کہتے ہیں کہ کائنات ایک عظیم دھماکے کے بعد معرض وجود میں آئی تھی اور شاید ایک دوسرے عظیم دھماکے کے نتیجے میں معدوم ہو جائے گی۔ مگر نسل انسانی کس بات پہ یہ خوفناک دھماکے کرتی پھر رہی ہے اور اپنے ہی ہم نفسوں کے خون سے ہاتھ رنگ رہی ہے۔ اس بات کا جواب کم از کم اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

اس واقعے کا اثر اس پہ بہت گہرا ہوا۔ کئی راتیں اس نے آنکھوں میں کاٹ دیں۔ سونے کی کوشش کرتا یا اس پہ غنودگی طاری ہوتی تو اچانک آگ، دھویں اور کے پیچھے انسانی اعضا کی تصویریں اس کی آنکھوں کے پردے پہ متحرک ہو جاتیں۔ یوں لگتا ہے اس واقعے نے اسے اندر سے توڑ پھوڑ دیا ہو۔ اس کی صحت اکثر خراب رہنے لگی۔ کسی کام میں جی نہ لگتا۔ کسی سے بات کرتے بھی اسے تکلیف سی محسوس ہوتی۔ دفتری امور میں اس کی عدم دلچسپی بڑھنے لگی۔ ایک عجیب طرح کی منتشر خیالی، بیزاری اور مردہ دلی اس پر ہر وقت چھائی رہتی۔ ہر بات کا مختصر اور تلخ جواب دیتا۔ آخر ایک دن اسے خود ہی اپنی گمبھیر حالت کا احساس ہوا، چنانچہ اس نے ڈاکٹر کے پاس جانے کا ارادہ کر لیا۔

اس شام جب وہ ڈاکٹر کے کلینک میں داخل ہوا تو اس کے چہرے پہ ستون وجود اور شاید اسی وجہ کی وجہ سے اس پہ نقاہت اور اضمحلال نے کچھ زیادہ ہی غلبہ پایا ہوا تھا۔ وہ یوں لگتا تھا جیسے صدیوں کی تھکاوٹ اس پہ لدی ہوئی ہو۔ باری آنے پہ وہ اٹھ کر تھکے تھکے قدموں سے ڈاکٹر کے کمرے میں چلا گیا۔ ڈاکٹر نے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص پہ سرسری نظر ڈالنے کے بعد اس کا معائنہ کیا۔ ایک آدھ سوال پوچھا اور پھر قدرے توقف سے کہا۔ "مجھے معلوم

Scanned by CamScanner

کھانے سے کچھ ہونے والا نہیں۔ آپ زیادہ سوچا نہ کریں، اس سچ کی بے قاعدگی سے
ڈریئے۔" اب اس سے برداشت نہ ہوسکا اور وہ بے اختیار بول پڑا: "ڈاکٹر ایسی کوئی جگہ
ہے جہاں بیماری کی جانچ ہے۔ ڈاکٹر حیران سا ہو کر اس کی جانب دیکھنے لگا...... وہ ڈاکٹر کا لکھا ہوا
نسخہ ہاتھ میں پکڑے کلینک سے باہر چلا گیا۔ سڑک کنارے کھڑا ہو کر وہ کچھ دیر تک خالی
نگاہوں سے آتے جاتے لوگوں کو دیکھتا رہا۔ پھر جانے اسے کیا ہوا کہ اس نے ڈاکٹر
کا لکھا ہوا نسخہ پھاڑ کر اس کے پرزے پرزے کر کے فضا میں بکھیر دیا اور چیخ چیخ کر کہنے
لگا: میں نے ڈاکٹر کا نسخہ پھاڑ کر ہوا میں اڑا دیا ہے۔ میں اس کی بے ربطی قبول کرتا ہوں
اور کرتا ہوں۔ مگر اس کی آواز ٹریفک کے شور میں ڈوب کر رہ گئی۔

Scanned by CamScanner

دھار

صبح ہونے کے بعد اس نے حسبِ معمول اٹھ کر ہاتھ منہ دھویا [illegible] اور تھے پر نہیں ملا۔ اس نے سارا گھر دیکھ لیا۔ بچے بھی اس کے گرد جمع ہو گئے۔ اس کی چیز اس کو کوئی بھی نہیں ملتی تھی۔ اسے غصہ آ گیا۔ اب [illegible] تھا اس کا سوا ہے [illegible] رہتا تھا۔ اس نے بیوی کو [illegible] نہیں تھی۔ اس کی بیوی بھی حیران تھی کہ [illegible] ... اس کو کوئی چیز نہیں ملی۔ [illegible]

[illegible] کی بات تھی۔ جب وہ اس کے گھر سے [illegible] پہلا کام یہی ہوتا۔ اسے [illegible] کے اس کے معمول میں [illegible] نے اس کی داڑھی کی بات نہیں رکھی تھی۔ بیوی اور [illegible] میں بھی [illegible] سے کئی نہ ہوتی۔ [illegible] اب تک اس کے گالوں پر [illegible] محسوس نہیں کرتا تھا۔ [illegible] کے بعد اس کے بعد سے [illegible] نے شراب چھوڑ دی داڑھی رکھ لی تھی۔ لیکن وہ [illegible] پی کر بیٹھ کر [illegible] شراب استعمال کرتا تھا۔

"اس کی ضرورت ہو سکتی ہے؟" اس نے سوچا۔

اس کا پیٹ تو مولوی ہے پورا مولوی... اس نے تو داڑھی رکھ چھوڑی ہے شرعی داڑھی۔ اسے یہ سب پسند نہیں تھا۔ ایک خاص حلیہ اس سے [illegible] بالکل پسند نہ تھا۔ اس کا خیال تھا تمام مذاہب انسانوں کے لیے آئے ہیں۔ انسانوں سے نفرت کرنے کے لیے نہیں۔ اور سے مذہب کو خاص زمانے میں مخصوص [illegible]

وہ دوسروں کے لیے آئے تھے اب وہ پرانے ہو چکے ہیں۔ موجودہ دور میں ماحول میں سب اپنے مذہب ابھر گئے ہیں کوئی کسی کی برتری تسلیم نہیں کر رہا نتیجے میں کئے خون ریز فسادات، قتل و غارت ہوئیں۔ سارے مذاہب کے پیشوا عظیم انسان تھے انھوں نے اپنے معاشرے کے لیے محنت کی۔ آج بھی پرانی باتوں کو دہرانے کی بجائے ان کی نئی تشریح کی ضرورت ہے۔

اس نے اپنے بیٹے کو روکا نہیں۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ خود ہی اپنے طور پر دنیا کو دیکھے اور سیکھے۔ اسے دکھ اور کوفت ضرور ہوتی تھی۔

اور اب اس کے لڑکے کو بہت دور کا سفر کرنا تھا۔ ویسے وہ بھی اندر سے ٹوٹ گیا تھا۔ وہ کچھ عرصے سے وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کے نظریات کو چاروں طرف شکست ہو رہی ہے۔ اس کی طرح سوچنے والے کم ہوتے جا رہے ہیں۔ مادیت کے طوفان میں سب بہہ گئے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کے لیے آدمی دنیا کے کسی بھی کونے میں جانے کو تیار ہے۔

جب ملک تقسیم ہوا اس وقت وہ جوان تھا۔ ہر شخص بھاگ رہا تھا تحفظ کے لیے، دولت کے لیے، جنت میں جائیداد حاصل کرنے کے لیے۔ یا جھوٹ کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ سب دعوے ہی کر رہا تھا۔ اس کی ماں کا اصرار تھا کہ وہ ادھر چلے جائیں۔ لیکن وہ یہیں رہنا چاہتا تھا، اپنے ملک میں۔ جب بھی فسادات ہوتے اس کی ماں اس کی طرف دیکھتی تھی۔ سے یقین نہیں اسے کوئی شرمندگی نہیں ہوتی۔ اس کے اپنے خواب تھے اپنے نظریات تھے۔ جب جہالت دور ہوگی لوگوں کو شعور آئے گا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ سب وقتی ہیجان ہے۔ ادھر بھی بہت امن اور سکون نہیں تھا۔ کچھ عرصہ بعد اسے سرکاری ملازمت مل گئی۔ وہ اسی میں خوش تھا۔ شادی ہوئی۔ بچے ہوئے۔ بہت آمدنی تو نہیں تھی لیکن وہ ایک ایماندار زندگی گزار رہا تھا۔ بچے سرکاری اسکول میں پڑھتے

Scanned by CamScanner

تھے لیکن اچھا پڑھتے تھے۔

دوسری بار پھر وہ ایک گریڈ سے امتحان سے اس وقت [illegible] ہو گئے۔ [illegible]
نکلے۔ اس کے کئی دوست وہاں پڑھنے کے لیے جا رہے تھے۔ یہاں سے [illegible]
تھی سے ملی تھی اور وہ اپنے ملک واپس جانے کا [illegible]
کر رہا تھا۔ پھر اس ملک کے قوانین، طرزِ زندگی، وہ کھل کر [illegible] جائے گا۔

اس نے وہاں سے دوبارہ زندگی بحال کی۔ شروع سے وہ [illegible]
تحت زمین خریدی، اور برسوں میں رفتہ رفتہ گھر بنایا۔ [illegible]
صورت حال کر دی گئی۔ اب وہ شہر کا ایک حصہ بن گیا تھا [illegible] تھی۔ وہاں
میں سب سے اس کے چاہنے والے تھے۔ اس کے [illegible] آنے والے اس کے
جن کے ساتھ وہ شراب پیتا تھا، بحث کرتا تھا۔ [illegible] وہ سب اس کی طرح تھے
نے بھی سرکاری کالج اور یونیورسٹی سے پڑھ کر انجینئرنگ کر لی تھی۔ [illegible] میں ملازمت بھی
کر لیا تھا۔ لڑکی کی شادی ہو گئی تھی۔ [illegible] ملک میں ملازمت کر رہا تھا۔ بیٹی اور داماد
اس کے ساتھ تھے۔ بڑی حد تک وہ مطمئن تھا۔ لیکن اندر سے سب کچھ [illegible]
تھا۔ پہلے وہ سوچا کرتا تھا کہ کسی بھی قوم کی زندگی میں [illegible] کی کوئی وجہ
ہوتی۔ دھیرے دھیرے سب ٹھیک ہو جائے گا۔ لیکن [illegible] اور عصبیت پرستی اور [illegible]
نظام نے رنگ دکھایا۔ [illegible]
جس کے راستے پر ڈال دیا۔ اس کے بعد [illegible]
[illegible] سب کچھ [illegible] ہو گیا۔ ملک [illegible] کے قدموں میں ڈال دیا گیا۔

[illegible]

Scanned by CamScanner

چونکہ وہیں پڑی آ گئی تھی۔ محلے سے لوگ اس محلہ نما بستی میں رہ آئے تھے جن کا کام
صرف زبانی دعویٰ اور دھمکیاں دینا تھا۔ بیکار کہلانے والے ایسی کالونیوں پر مسلط ہو جاتے
رہے تھے۔ اپنے بچوں کی شادی کے رسومات ناموں پر چل دولوں میں جم اللہ اور ادوم
تھی ہوا ہے۔ ایک بڑی طاقت تاش کے پتوں کی طرح بکھر کر رہ گئی تھی اور قتل عام جو
پاکستان بنتے ہوئے ہوا تھا۔ پاکستانی اردو کے اخبارات شائع کرتے تھے وہ لوگ ایسی باتوں کے
تو سے جوڑنے لگے تھے۔

تبدیلی اس کی کالونی میں بھی آئی تھی۔ وہ خود کو ایسا محسوس کر رہا تھا۔ تمام کی
نظریں کسی کے نظر ہو چلی تھیں۔ محلے کے بچوں نے اس کے نواسوں کا پیچھا کرنا شروع کر دیا تھا۔

پاکستانی۔۔۔۔ پاکستانی۔۔۔!

اس کے تن بدن میں آگ لگ جاتی تھی۔

”یہ لوگ ہمیں پاکستانی کیوں کہتے ہیں۔“ وہ پوچھتا۔

”کیوں کہ ہم مسلم ہیں۔“ بیٹے والے نے کہا۔

”کیا تمام مسلم پاکستانی ہوتے ہیں؟“ اس نے سوال کیا تھا۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا، جھلا کر اسی وقت باہر نکلا۔ وہ کالونی کے بزرگوں
سے ملا، صورت حال بتائی۔ کسی نے اس کی بات رد نہیں کی۔ لیکن اسے لگا جیسے صرف وہی
اب دیکھا ہے، اس کے الفاظ بکھر رہے ہیں اور کوئی معنی نہیں دے رہے ہیں۔ مگر
اسے محسوس ہوا کہ شاید اب وہ یہاں نہیں رہ پائے گا۔ ہم تو ہیں کمزور پڑ جاتی ہیں انہیں
کہیں نہ کہیں رہنا ہے۔ اپنا گھر فروخت کرتے وقت اسے سخت تکلیف ہوئی۔
لیکن یہ تکلیف بھی برداشت کی تھی۔

اپنے بیٹے اور بیوی کے مشورے سے وہ ایک ایسی بستی میں آ گیا جہاں وہ تھا
محسوس کرتے تھے۔ سب قریب ملاقات، مگر کہیں مشترک مسائل، جو کچھ جوانوں کی ٹولیاں

Scanned by CamScanner

[illegible] لگی ہوا میں [illegible] سر پر ٹوپیاں۔۔۔ یہ برقعے میں کوئی عورت ہی۔ صرف آنکھیں کھلی رکھیں۔ نوجوان لڑکے جینز اور ٹی شرٹ پہنے موٹر سائیکلوں پر دندناتے پھرتے۔ داڑھی والے [illegible] ان جانے اور بغیر محنت کے یہ کمانے کے خواب آنکھوں میں سجائے سر پر ٹوپی لگائے۔ [illegible] سے نکل لوگوں کی گفتگو سنتے۔۔۔ مگر وہ کوئی نہ کوئی [illegible] ملازم تھا۔۔۔ نماز کا وقت ہوتا تو [illegible] ان کا وہم بن گئی تھی۔

عجیب سی بات تھی۔ سب کو سب کی خبر ہوتی تھی۔ کون کیا کرتا ہے، کیا کھاتا ہے، کیا پہنتا ہے، کس گھر میں کون مہمان آیا ہے۔ یہ [illegible] ساری باتیں ایک دوسرے تک پہنچ جاتی تھیں۔ شروع شروع میں محلے والوں نے اسے بھی گھیر لیا۔ نمازیوں کی ایک ٹولی اس کے پاس آئی۔ [illegible] راہ راست پر لانے کی کوشش کی گئی۔ اس نے سختی سے کہہ دیا کہ مذہب اور ثواب کے بارے میں وہ ان سے زیادہ جانتا ہے۔ اب وہ عمر کی اس منزل میں ہے کہ کوئی تبدیلی آنے والی نہیں ہے۔ وہ اپنی مرضی سے جینا چاہتا ہے۔ اس کی اصلاح کی کوشش نہ کریں۔ اس کے کہنے میں [illegible] سختی تھی کہ دوبارہ کسی نے ہمت نہیں کی۔ البتہ اس کا [illegible] محلے میں جلد ہی مشہور ہو گیا۔ وہ [illegible] بھی تھا اور محلے کے نوجوانوں اور بزرگوں میں وقت بھی گزارتا تھا۔ بیوی بھی نماز کی پابند ہو گئی تھی۔

اس نے ایک معمول بنا لیا تھا۔ صبح ہوتے ہی وہ اٹھ جاتا، نہاتا، تفصیل سے ناشتہ کرتا۔ [illegible] لائبریری میں بیٹھ جاتا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد سو جاتا۔ شام میں کبھی کوئی [illegible] میٹنگ ہوتی تو چلا جاتا یا اپنے کسی دوست کے گھر چلا جاتا۔ اپنے معمول کے [illegible] مختلف موضوعات پر گفتگو کر کے خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرتا۔ جب کبھی معمول سے زیادہ ہو جاتی تو اس کے قدم چلنے سے لڑکھڑانے لگتے۔ سیدھے [illegible] میں چلا جاتا۔ اس کی بیوی [illegible] پر بستر بچھا کر سو جاتی۔ امتحان کا ایک [illegible]

فرض اس نے نبھایا تھا۔ محلے والے تو اسے بس باہر جاتے اور آتے ہوئے دیکھتے تھے۔ کسی سے اس کی ملاقات نہ تھی۔

نذیر عبادت گاہ کے گرنے کے تقریباً دس برس بعد جدید طاقت، تہذیب و حاضرت کی علامت دو عمارتیں اچانک گرا دی گئیں۔ اور پھر بہت کچھ بدل گیا۔ عمارتیں نہیں تو بہت کچھ بدل جاتا ہے۔ پھر کچھ نئے لفظ آئے جن میں زیادہ مشہور تہذیبوں کا تصادم، دہشت گردی کے خلاف جنگ، وسیع ہتھیار رکھنے والے ممالک کا مقابلہ کرنا تھا۔

نذیر عمارت گرنے کے بعد جدید عمارتیں، نقصان اسی کا ہوا۔ اس کی پوزیشن خراب ہوگئی۔ یوں اس نے جنگ کے خلاف مظاہروں میں حصہ لیا۔ سیمیناروں اور سمپوزیم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ لیکن اسے محسوس ہوا ہے سب کچھ ایک اسکیم کی تشریح کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اب جنگ کی ہولناکی کا احساس نہیں کرتے۔ ٹی وی پر جنگ کے مناظر ایسے ہی دیکھے جاتے جیسے فلمیں جن میں خوب صورت جسم، جیسے بلیڈ سے تراشے گئے ہوں ایک ایک عضو پر...... جسم پر صرف تین گولی کے نشان تھے بھی ادویوں سے بندھے ہوئے اور ایک گروہ۔ ٹی وی پر حقیقت نے قصہ کے لیے کچھ بھی باقی نہیں چھوڑا۔ ساتھ ہی میدان جنگ اور فلمی دنیا کے لوازمات کا فرق بھی مٹا دیا ہے۔

دوستوں سے بحث کرنے میں بھی کوئی لطف نہیں تھا۔ اس کی طرح سوچنے والے بہت ہوا کرتے تھے۔ ایک رویہ تو یہ ہے کہ لوگ اس بڑی طاقت کو ظالم تو کہتے ہیں لیکن ملک کے حکمرانوں کو کچھ نہیں کہتے۔ لوگ خودکش بم کی مذمت تو کرتے ہیں لیکن بے گناہ مرنے والوں پر افسوس نہیں کرتے۔ دوسرا رویہ یہ ہے کہ کہیں بھی بم بلاسٹ ہوا یا دہشت گردی ہوتی ہے تو اس کی طرف عجیب نظروں سے گھورتے ہیں جیسے ہر دہشت گرد وہی اور وہ ہو۔ پولیس راتوں رات اس کے محلے سے نوجوانوں کو پکڑ لے جاتی تھی۔

ان حالات میں اس کے لڑکے نے جب کہا کہ وہ ایک دوسرے ملک جانا چاہتا ہے
تو وہ چونک پڑا۔

"کیوں جانا چاہتے ہو؟"

"ظاہر ہے بہتر مستقبل کے لیے۔"

"کیوں کیا یہاں تمھارا کوئی مستقبل نہیں ہے؟"

"نہیں پاپا۔ اس ملک کو اعلیٰ تعلیم یافتہ سوچنے والے ذہن کی ضرورت نہیں ہے"

"وہاں بھی تو اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ چھوٹے چھوٹے کام کرتے ہیں۔"

"وہ عارضی دور ہوتا ہے پاپا۔ وہاں مستقبل ملتا ہے۔"

"تو تم پیسہ کمانا چاہتے ہو؟"

"ہاں پاپا۔ موجودہ دور کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔"

"لیکن مذہب تو قناعت پسندی..."

"مذہب پیسہ کمانے سے روکتا نہیں" بیٹے نے بات کاٹ کر کہا "اچھا..." بیٹے کے چہرے کے تاثرات کو دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا۔ اس نے اگر قناعت پسندی سے کام لیا، زیادہ خواہشوں کو جگہ نہیں دی تو ضروری نہیں کہ اس کا بیٹا بھی ایسا ہی سوچے۔ پہلے جو چیزیں تعیش کی علامت تھیں اب وہ ضرورت بن گئی ہیں جس کے لیے وہ چاہتا ہے اس کے بیٹے کو اس کے انداز میں جینے کا موقع دینا چاہیے۔

زور و شور سے تیاریاں ہونے لگیں، کپڑے، جوتے، سفر کا سامان، ضروری تو وہاں کے موسم سے مطابقت رکھنے والی... ایک ایک تفصیل تھی اس کے بیٹے کے پاس اس ملک کی...

پھر سب نے نمناک آنکھوں سے وداع کیا۔ دعائیں دیں، امام ضامن باندھے... گھر لوٹے تو پتا چلا سب کچھ خالی محسوس ہونے لگا۔ ادھر کی دنیا ہی سے بڑی کمی ہو گئی تھی۔

Scanned by CamScanner

دیکھنے چلے جاتے۔ دوست احباب کا آنا جانا۔

"بیٹے نے ممبئی سے فون کیا کہ پہنچ گیا ہے۔ پھر اس ملک کے جہاز میں بیٹھنے سے پہلے فون کرنے کا وعدہ کیا۔ رات میں اس کا فون آیا کہ وہ جہاز میں بیٹھنے جا رہا ہے۔

وہ آرام سے سو گئے۔

صبح وہ جلدی جاگے۔ حساب کیا۔ بیٹے کے فون کا انتظار کرنے لگے۔ بیوی بھی فجر پڑھنے بیٹھی تھی۔ کافی انتظار کے بعد بھی فون نہیں آیا تو وہ بے چین ہو اٹھے۔ ایجنسی سے رابطہ کیا جس کے ذریعے اس کا بیٹا گیا تھا۔ ٹریول ایجنسی والے بھی کوشش کرنے لگے۔ وہ گھر لوٹ آئے۔ بیوی گڑگڑا کر دعائیں کرتی رہی وہ بے چینی سے ٹہلتے رہے۔ پھر ٹریول ایجنسی والوں کا فون آیا کہ اس کا لڑکا وہاں پہنچ تو گیا ہے لیکن ایئرپورٹ پر روک لیا گیا ہے۔ وہ پریشان ہو گیا۔ پتا نہیں ایسا کیوں ہوا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ دوبارہ فون کرنے لگا جن دوستوں کے بیٹے اس ملک میں تھے یا خاندان کے افراد وہاں تھے شاید کوئی صورت نکل آئے۔ لیکن بات نہیں بنی۔ رات بھر وہ بے چین رہا۔ یہ پوری رات گئی۔ پتا نہیں بیٹے پر کیا گزر رہی تھی۔

رات اس کے بیٹے کا فون آیا۔

"ہاں بیٹے کیا ہوا؟" اس نے بے چینی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں پاپا میں واپس آ رہا ہوں۔"

"کیا ہوا۔ کچھ بتاؤ تو۔"

"آ کر بتاؤں گا۔۔۔" بیٹے نے اپنی واپسی کی فلائٹ کا وقت بتایا۔ صبح اس نے سب معمول جیسا کیا۔ وقت سے پہلے ہی ایئرپورٹ پہنچ گیا۔ بیٹا واپس آ گیا۔ اس نے اسے گلے لگایا۔ گاڑی میں بیٹھنے کے بعد اس نے پوچھا "کیوں روک دیا تھا انہوں نے؟"

"ان کا خیال ہے میری شکل ہی اتنی دہشت گرد سے ملتی ہے۔"

Scanned by CamScanner

"تم نے کچھ نہیں کہا؟"

"وہ لوگ کچھ بیٹے کے لیے پریشان تو نہیں تھے۔" تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد پوچھا:

"کچھ دیر تک تو ہونے پر بھی واپس کر دیا۔"

"ہاں۔۔۔"

"پھر بھی کیا کم ہے تم صحیح سلامت واپس آ گئے۔ اللہ جو بھی کرتا ہے اس میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے۔"

اس کے بیٹے نے عجیب نظروں سے دیکھا۔ وہ شرمندہ ہو گیا۔ وہ پچھلے دنوں کے صدمے سے نکل رہے ہیں۔

بیٹے کے اس طرح لوٹ آنے پر اسے بہت بڑا دھچکا لگا۔ کیا اس پر اپنا ملک وہی ہے۔ یہاں رہ کر بے چارے روزانہ پڑھنے کو ملتے ہیں۔ نسل کی تو ایک کامیاب تجربہ کیا ہوا ہے۔ خاموش حکومت بھی کر رہے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک اپنے ملک میں پیدا ہونے والے بچوں کو بھی شہریت نہیں دیتے۔ مغربی ممالک کا یہ رواج ہے۔

بیٹے کے بارے میں وہ کوئی اندازہ نہیں کر سکا کہ اس واقعے کا اس پر کیا اثر ہوا۔ اس نے پرانی ملازمت دوبارہ کر لی تھی۔ کام میں مصروف تھا۔ ممکن ہے اس نے وہاں ملک جانے کا خواب دیکھنا ہی چھوڑ دیا ہو۔

آئینے میں اس نے اپنا چہرہ دیکھا۔ اچھی خاصی داڑھی نظر آ رہی تھی۔ حلیہ۔۔۔ تیز دھار کی بلیڈ کے لیے وہ بے چین ہو گیا۔ اس کی بیوی بار بار کہہ رہی تھی کہ وہ دوسرا شیونگ سیٹ خرید لے یا باہر جا کر داڑھی بنوا آئے۔ اس کا چہرہ اچھا نہیں لگ رہا ہے۔ لیکن وہ کاہلی سے گھر میں پڑا رہا۔ بیٹا آفس کے کام سے شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ شام تک واپس نہیں آیا۔ معمول کے مطابق وہ ابھی نہیں لیے۔ اس عمر چڑھتا وہ پولی وہی پر دیکھتا رہا۔

Scanned by CamScanner

اس کا بیٹا اجازت لے کر کمرے میں آ گیا۔

"پاپا یہ لیجئے آپ کا شیونگ سیٹ۔ میں لے آیا تھا۔

آپ سے پوچھے بغیر۔۔۔ آئی ایم سوری پاپا۔۔۔" لڑکا ایک سانس میں کہہ گیا

"تمہیں کیا ضرورت پڑ گئی اس کی۔۔۔" اس نے کہا۔ نظر اٹھا کر بیٹے کی طرف دیکھا تو چونک سا گیا اس کے بیٹے کے چہرے پر داڑھی ہلکی سی نمودار ہو گئی تھی۔

"تمہاری داڑھی؟" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"جی بس آج سے شروع کر دی۔ اب میں شیو نہیں کیا کروں گا" بیٹے نے ہنستے ہوئے کہا

"لیکن کیوں؟"

"پاپا خوبصورت داڑھی کا لیکن شیو تصویر کے ساتھ۔۔۔"

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے۔ یہ کارروائی ہوتی ہے۔۔۔ باضابطہ"

"یہ سب ممکن ہے پاپا۔ میں سوچ رہا ہوں۔ اس بار کہیں اور جاؤں گا"

"لیکن یہ غیر قانونی ہے۔"

"کیا داڑھی کے خوبصورت ہونا غیر قانونی ہے؟"

وہ لاجواب ہو گیا۔ بحث نہیں کی۔

"صرف داڑھی رکھنا نہیں لگی ہے پاپا۔۔۔" "یہ لیجئے آپ کا سیٹ۔"

"نہیں۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا "اسے تم ہی رکھو۔"

لڑکے نے حیرت زدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

اس نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا اپنی بڑھی ہوئی داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔ اسے لگا وہ آج بھی جوان ہے۔ اس نے اپنے آپ سے کہا اور نئے انداز میں مسکرا دیا۔

~~~~~~~~~~~~
~~~~~~~~~~~~

شعیب خالق

بلیک

جو بڑے گھروں سے کھڑکیوں بھری ہوئی آبادی جس نے اس طرف خیال دار، گھر سے دوگنے سے کہاں کھلتی ہے۔

جو گھر یہاں پچھلی سیٹ پر بیٹھا انتظار کر رہا ہے۔ انتظار کی یہی کیفیت گھر کے دم چلنے والوں کی صحت پر ہونے والے خارجی اثرات میں بھی جھلک رہی ہے۔ ٹی آبادی کی ایک تنگ گلی سے جعفر آئے اور پیچھے اس ساتھ عمر کے ساتھ اس کی ماں اور چھوٹی بہن اور سے بھی دکھائی دیتی۔ افسردہ چہرے لیے چلے آ رہے ہیں۔ گھبرا یا ہوا جو گھر یہاں نے بڑھ کر دیکھا، پچھلی سیٹ سے اترا اور دوگنے کی اگلی سیٹ پر آ بیٹھا۔

"اب کس بات کی فکر، ہماری۔ ہم اور کوئی ملنا پہنچ جائیں گے" یہ کہہ کر جعفر نے چلتے ہوئے عمر کی طرف دیکھا اور خود پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کو بڑھ جاتا۔

"تمہیں بعد میں پتہ لگے گا کہ تم سے کون ہیں جعفر؟" ماں نے دیوانوں کی طرح عمر کو بچھی آنکھوں سے دیکھ کر عمر، کسی راہ سے چھوٹی بہن کی طرف دیکھا جا رہا ہے۔

"او کہاں بیٹھ کو چھوڑ محفوظ ہی رہا تو، دیکھ ادھر میرے ساتھ سامنے والے پر آؤ" جعفر نے اپنے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے ہاتھ تھپتھپایا ہے۔ بہن افسردہ اور چپ آنکھوں سے ماں کے کہنے ہوتے اور خود بھی گھبرائی ہوئی عمر کی جانب دیکھ رہی ہے۔ عمر بہن کو پکڑتے ہوئے آہستہ سے ہاتھ اس کی طرف بڑھاتا ہے۔ پھر ایک دوسرے کو پچھلی آنکھیں پلک بھی نہیں جھپکتیں مگر دونوں کے معصوم سرد ہاتھ ایک ہی لمحوں میں جا ملتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

"بیٹا! سب خیال رکھیں اپنی اس دادی کی زیادہ فکر نہ کریں۔ انشاء اللہ تیرا بابا بھی
دعائیں دینے لگے گا۔ میں تجھے بہت یاد کروں گی ادھر"

"وہ بھی کر لوگے وہ کہے کے ساتھ ماں دھیمی آواز میں بولیں جاؤ کوئی فکر نہ کرو
بیٹا وہاں شاد رہو"

ماں بیٹی دونوں کے ساتھ دوڑتی ہوئی جعفر کی "جیپ" پر کھڑی ہو گئی ہیں اور
دونوں گھر سے زار و قطار رو رہی ہیں۔ منصور ابھی تک رویا نہیں بلکہ سہمی ہوئی نگاہوں سے
سب بچوں کو دیکھ رہا اور ماں اور بابا کو دیکھ رہا ہے۔ اس کے معصوم اور بھولے دماغ میں
الجھن ہی الجھن اور وہ فکر میں الجھ رہا ہے جدھر وہ جا رہا ہے۔

جونہی جیپ نے گاؤں کی تنگ سڑک چھوڑ کر شہر جانے والی کولتاری سڑک پر چڑھے تو
نوری پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ جعفر منصور کو روتے ہوئے دیکھے گا اور مکار مسکان
لیے جیپ کی سیٹ اس کی طرف بڑھائے گا اور جعفر دھندلا جائے گا۔

نوری کی دیوار سے لگی آنکھیں کی زرد روشنی کے ساتھ لگا جعفر دھندلا بہت سے
ہلکے سے پیارا ہو رہا ہے اور خود وہ ماں کے حال چیزوں کی باتیں کر رہی ہیں۔ ایک
ایسی جو بیٹی پر کبھی خیالی گھڑی کی صورت پڑی ہے اور اس میں پھولی ہنسی رونے
لگے تو بھی گھڑی ہی سو گئی ہے۔ "اللہ وہ سب جہان پیچھے کرے جعفر کے پاس لے
ہم کو بھی خوش کر دیا اور آپ بھی ان کی گاؤں گھر والوں کو لاکر جو اس میں بلایا ہے۔"

"وہ بھی ایسے ہونے جعفر کوئی احسان نہیں کرتا مطلب کہ وہ منصور کے گی جو ان
بچوں نے شہر میں کبھی اور کر لی ہے" یہاں باپ تھوڑی آہ بھرتے ہوئے کھڑی
حال کی گھڑی کو اور بھری نگاہوں سے دیکھتا ہے تو اس کی آواز سرگوشی میں ڈوب جاتی
ہے۔ گاؤں وہ کوئی دور طرف سے نہیں ہمیں جو پچھوں کو وہ بچھی ہے۔ ـــــ تو پھر
نہ سولی۔

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

بیوی کی زرد روشنی نے ظہور کی آنکھوں میں قدرے اطمینان بحال کی ہے۔ جعفر اور ابھی
کچھ دیر پہلے افضل، آمنے سامنے بیٹھے بار بار بچے کی جانب دیکھ اور اس کے بارے میں
باتیں کر رہے تھے۔

"ابا جعفر بچے کو کھانا دیا ہے؟ اس کا اصل کام کیا ہے جی؟"

"ہاں جی دیتا ہے کھانا بھی دیا ہے کہ یہ صرف چھوٹے صاحب کا نوکر ہے مگر
بڑے صاحب سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ آتا جاتا ہے فکر نہ کریں۔"

"ہاں یہ وہ جو چھوٹے صاحب بد دماغ اور تعجب والی بات۔ یہ کوئی بارہ سال کا
ہوگا وہ وہاں کیا کرتا ہے۔ قدرتی لگتا ہے وہ پہلے تو گھر کے نوکروں کو اصل کے تیجے
پڑے رہتے تھے۔ اس کام کے لیے بڑے صاحب نے کیا الگ نوکر رکھوں تاں ہے وہ
ان سے نوکروں پہ ہاتھ نہ اٹھائے۔"

یہ بات ظہور کو دماغ اس لائق نہیں کہ وہ ان کی باتوں سے جان سکے اس
واسطے جو ہے۔ وہ تو جعفر کے بھوں کو لیے یہاں آیا اور اس وقت اسے بڑے زور
کی بھوک لگی ہے اور وہ سوچ رہا ہے کہ جعفر نے کوئی بھی چیز مانگنے سے منع کیا تھا۔ روٹی
کی خوشبو آ رہی ہے وہ وہیں کی جیب کھائے بیٹھا ہے۔

اچانک سے دروازہ کھلا تو اس کی بات اکمل بیٹھے ہی ظہور یک دم ڈرتے ہوئے اچھلا
اور دوسرے ہی لمحے بچے ظہور کو اور بھی پریشان کر گیا ہے۔

"دیکھو جعفر باتوں میں نہیں وہ بڑا عجیب ہے وہ بیٹھے بعد تین دن کی بھوکی"

"ٹھیک ٹھیک افضل صاحب" جعفر نے جیسے کہ اس کی بات روکنے کے انداز
میں کہا۔ "اس بچے میں مشقت کی بڑی برداشت ہے۔ اللہ آپ کو اس
ہی" جعفر نے مسکراتے ہوئے ظہور کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دروازے کی طرف جانے
سے پہلے وہ اطمینان کرتا ہے کہ بچہ وہ پڑا ہے۔

Scanned by CamScanner

[illegible] برداشت ہے اس میں۔ تب، جو جعفر [illegible] تو مجھے لگیں گی کہ [illegible] سے [illegible]
[illegible] بچوں نے صاحب کے ساتھ کل لگے۔"

افضل بابو سادہ انداز سے گلی میں سر ہلاتے ہوئے کہ [illegible] ہے اس نے جعفر کے تین دن میں آگ [illegible] رہی ہے۔ اس نے [illegible] کے ساتھ انہیں چھوڑ کر تیمور [illegible] [illegible] بیٹھے ہوئے [illegible] ہے" [illegible] اس [illegible] کو [illegible] کوئی [illegible] نے [illegible] نہیں۔" جعفر نے آواز میں [illegible] سے "نہیں" کہا تیمور [illegible] اس کے حلق سے [illegible] آواز [illegible] چچا کے [illegible] ایک [illegible] سے [illegible] گی ہے۔

جعفر اور افضل چچا نے تیمور کی طرف دیکھنے کے بعد خاموشی سے باہر چلے گئے [illegible] بعد افضل [illegible] چاول، مرغی اور [illegible] کی پلیٹ اٹھا کر لے گئے۔ [illegible] تیمور کے پیٹ میں [illegible] خالی ہوتے ہی [illegible] کروٹ بدل لے گا۔

[illegible] کمرے [illegible] کے اندر [illegible] اب [illegible] ہے تو [illegible] آگے [illegible] ہے۔ [illegible] میں آج [illegible] ہے۔" [illegible] بابا جان [illegible] ہیں؟"

"جعفر تو [illegible] سے پہلے [illegible] تھا..."

"[illegible] بابا جان [illegible] کر کے [illegible] بابا جان" [illegible] مسکراہٹ [illegible] میں [illegible] بھی مسکرایا۔

"[illegible] نظر نہ لگے۔" [illegible] بات [illegible] ہے
"[illegible] مطلب [illegible] میں [illegible] کی [illegible]
[illegible] ہے۔ [illegible] صاحب کے [illegible] سے [illegible] کے [illegible] لگتا ہے

میں چیزیں ہیں کسی کو کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ میں نے ان کو کھول دیکھا ہے سارا کچھ۔ مطلب کہ جو کچھ پہلو بھی نہیں ہوتی اگر غریب پیٹ بھر کے روٹی کھا لے، پر غریب کی دوسرے غریب کو دیکھ کر برداشت نہیں کرتا۔" باپ نے سلطان آدھی ادھوری اور چپ ہو گیا ہے۔

"ہائے صدقے جاؤں ماں، میرا چاند پتر بڑا ہو رہا ہے، پر تو گھر لانے بیٹھ گا" ماں ہائے خوشی کے آنسو پونچھتے ہوئے محمود کو دیکھ رہی ہے۔

"ابھی اسے دو گھنٹے" باپ نے تقاضا کیا ہے [illegible] اٹھے بیٹھے اور حساب جوڑنے کے ساتھ مزدوری کیا ہے۔ دیکھ دو سو روپیہ کھولی کا کرایہ، آٹا، دال، گھی، چینی، پتی، دودھ، مرچ، بتی کچھ اور ملا کے [illegible] تو میرے تو بچہ نے سوا سو پہ چھپ لیا ہے۔ سلطان اب تو ان کی بھی کرنے والی آ" پھر ایک دم باپ کے چہرے اور آنکھوں میں ایک مسرت و خوشی، فخر و دنیا میں آجاتی ہے۔ "اب تو لگتا ہے صرف خیرات کو کہا رہا ہوں" باپ خود کو بیچ [illegible] محمود، بڑی کی [illegible] اپنے بیٹے کے چہرے سے تکتی میں [illegible] رہے سے ماں کی محبت [illegible] ہے۔

کھولی کی چپ اس قیمتی کے اندر بھی اتر گئی ہے جہاں منظر جو بنے پانی کی طرح بچی مسرت کی طرح بجتا اور بکھر جاتا ہے۔

تیزی والی گلی میں تین سازندے بیٹھے اور ایک دوسرے کی جگہ بولتے ہیں۔ پہلا منظر مسجد میں بیٹھے ہوئے دکھاتا ہے۔ دیکھیں قوال کی گونج شفاف سنائی دے رہی ہے۔ میز رنگ پر مست میلے ہیں [illegible] نازک اور رنگین چھتریاں چھلک رہی ہیں۔ ریڈ، بلیک اور بلیو گلی کے سبھی رنگ [illegible] رقص کے دوران گھومتے جسموں سے کھیل رہے ہیں۔ ایک طرف صوفوں پر بیٹھی موسیقی کے شور سے بے نیاز [illegible] کی ماں، عنبر کی [illegible] زیادہ جھک کر بیٹھی ہے۔ [illegible] نظروں سے عنبر کی آنکھوں کا تعاقب کرتے ہوئے بجلی والی بی بی کی ایک [illegible] ٹھنڈی سانس بھرتا ہے۔ بی بی کا حسن اور سلوک عنبر کو گھائل کر چکا ہے۔ [illegible]

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

وہاں وہ بچے کے چند دنوں سے وہاں پڑی ہیں۔ کوٹھی کا منظر یک دم سیاہ ہو جاتا ہے۔

آخری منظر جو جج کے گھڑے کے پانی کی سطح پر سورج کی تازہ کرنوں سے چمک رہا ہے، کھولی میں دروازہ کھلتا ہے۔ انھیں بھی نہیں علم کہ اس کی حرکات والے ابا ہے جو بچہ چل رہا ہے۔ ماں کام پر جا چکی اور منظر باپ دوبارہ سو چکا ہے۔ وہ خالی ابا کھولی اور اس میں ہاتھوں کو پھیلا کر ادھر کھینچتی پر لوٹتی اور چیخ مار کر کھانے لگتی ہے۔ یک دم اس کے دو ہاتھوں کے دستانے سے "ہاں رے" کا مولی کی خیال جاگتا ہے۔ وہ خالی بستر پر اٹھ کھڑی ہو مضطرب ہو کر وہ نکل جاتی ہے۔ ابھی تک ماں باپ کی نظروں میں گھوڑے کے بیاہ کا کاس میں سے کچھ نکل کر کھیل پر آئی ہوئی ہے اور جعفر نے بھی چند دنوں کے لیے اس کا دانہ پھول سی کھلے رہنے کے لیے رکھ چھوڑا ہے۔

دروازہ کھل اس جگہ کھلتی جاتی ہے جہاں اکثر وہ اور گھوڑا لگتے ہوئے میں جا بیٹھا کرتے تھے۔ گھوڑا وہیں، جعفر اس کی چھوٹی سی اجرک اپنے پاس رکھے بیٹھا ہے۔ ماں نے اس کے ساتھ بیٹھنے کی ایک جگہ اجرک سے اٹھا دی اور گھڑے پانی کو دیتا ہے۔ وہ سے ایک ہی ہے جیسے وہ خود اپنے چھوٹا صاحب ہو۔

بچی گلی سے جعفر وہاں آ گئے اور ایک صاف رنگت لڑکا باپ کے ساتھ بیٹھا ہوا آ رہا ہے۔ وہ باپ دروازہ جھک کر بیٹے کو چومتا اور سر جھکائے تانگے کی جانب بڑھ جاتا ہے۔

ابھی وہ دیکھ کر گھوڑا تانگے کی طرف جاتے ہوئے دکھائی دیتا ہے۔ جعفر دیکھتے ہی گھوڑے کے اندر چھوٹے صاحب کے تیکھے پن کی شناسائی اور سرعت کا دور کی چیخ کرتی نکلی ہے۔ وہ گھوڑی ہانپتے تانگے کی طرف دیکھتے ہوئے اٹھتا ہے اور تفصیل میں جعفر اس سے کہتا ہے۔ وہ باپ آخری بار بیٹے اور گھوڑے کا دو دو بار کر خوشی تانگے کی پچھلی سیٹ پر جعفر کے ساتھ جا بیٹھتا ہے۔ جعفر باپ کے سامنے ہی بیٹے کی طرف ایک کھلیا سی چاہت بڑھاتا ہے۔

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

مہلت

زمانہ بدلا تو قدروں پر بھی گرد بیٹھ گئی۔ لوگ حقیقت سے آنکھ چرانے لگے۔ ان کے دلوں پر خوف کنڈلی مارے بیٹھ گیا اور وہ جان بچانے کے لیے پیچھے پیچھے ہٹنے لگے۔ پیچھے بھاگتی ہوئی موت ان کی تاک میں رہنے لگی۔ وہ اپنی رہی سہی زندگی سے ان تھک گئے۔

اسے بھی یہ یقین ہو گیا کہ اس کی تلاش زور و شور سے جاری ہے اور بڑے بڑے چاروں سمت دروازے بند ہو چکے ہیں۔ خوف نے اسے جکڑ لیا۔ دشمن پر اسے کسی جگہ امان نہیں تھی۔ وہ آبادیوں سے دور ویرانوں میں چھپ کر مختلف مشکل سے بچ رہا تھا۔ بھوک کی وجہ سے انتڑیاں احتجاج کرنے لگیں۔ پیاس کے مارے زبان سوکھ کر لکڑی ہو گئی۔ آنکھیں ابلنے لگیں۔ مگر جان کا خوف اسے کسی ایک جگہ ٹکنے نہ دیتا۔ اسے ہر وقت یہی فکر رہتی کہ کہیں کوئی اسے پہچان نہ لے۔ موت اسے کسی بھی لمحے دبوچ سکتی تھی۔

اس کی یہ تلاش بے وجہ نہیں تھی۔ اس کا کردار گھناؤنا تھا۔ اس نے ظلم ہی کیا تھا۔ حق اور سچ دل بھی دہل کر رہ گئے تھے مگر اسے کوئی احساس نہ تھا۔ جیسے انسان کو قتل میں جنگلی درندہ ہو۔ اس بھیانک کام کے عوض وہ سرکار کی طرف سے انعام و اکرام کا منتظر تھا۔ دولت اور عارضی طاقت کی ہوس نے اسے اندھا کر دیا تھا۔ ظلم کبھی تو ختم ہونا ہی تھا۔ کیونکہ یہ پیڑ تو قائم رہنے کے لیے نہیں ہوتا۔ جب وہ وقت آیا تو اپنی اوقات کے آگے وہ خالی ہاتھ رہ گیا۔ یہاں بھی امتحان کے دور کے لیے اس کی بھول خالی تھی۔ اب زمانہ اس کے لیے اجنبی بن کر رہ گیا۔ کوئی چارہ رہنے کے واسطے رہا نہ تھا۔

Scanned by CamScanner

ویرانوں میں گھومتے گھومتے اور اپنے بھاری وجود کو اپنے قدموں پر لادے وہ تھک گیا تھا
وہ اس پریشانی میں اپنی راہ سے بھٹک گیا۔ جب اس کے اصحاب نے ساتھ چھوڑ دیا تو
اس نے گھوم کر ویرانی سے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ اچانک اس کی نگاہیں ایک
بستی کی آبادی پر جا پڑیں۔ آبادی سے وہ دور تھا اور ویرانوں میں پناہ تلاش کر رہا تھا
تو اس جانب کے قبیلے سے پہلے تو وہ خوفزدہ ہوا۔ پھر اس علاقے کے متعلق غور
کرنے لگا۔ یہ سوچ کے جب اس کی کچھ سمجھ میں آیا۔ جھجکتے جھجکتے وہاں اور
وہاں سے وہ کچھ دور گیا۔ اسکے قدم رکھ کر اس نے پہنچنے کے لئے کوشش کی تو وہاں پانی اور
کھانے کو کوئی شکل ہو جائے۔ قریب پہنچا تو دیکھا اس کی طرف ایک شخص پر چادر ڈالے دیکھ
کر وہ ٹھٹک کر رہ گیا۔ اسے احساس ہوا کہ اپنی صورت کی وجہ سے خوف کی وجہ آتا ہے۔ وہ
شخص سے ڈرنے لگا۔ وہ وہاں سے قدم بھاگنے کو چاہتا تھا۔ اس لیے اس شخص نے
اسے دیکھ کر قریب آنے کا اشارہ دیا۔ اب اسے یقین ہو گیا کہ وہ اس کی صورت دیکھ چکا
ہے۔ صورت سامنے تھی اور وہاں سے بھاگنے کا موقع بھی نہیں رہا تھا۔ زمین نے اس کے
قدم پکڑ لیے۔ وہ یہی سوچ رہا تھا کہ اس کے ساتھ نہ جانے کیا سلوک کیا جائے گا۔ جب
وہ پہنچ کر گھسیٹتے ہوئے قریب پہنچا تو حیران رہ گیا۔ اس کے خیال کے برخلاف اس
کے ساتھ نرمی اور اخلاق کا سلوک کیا گیا۔ اس کی حالت دیکھ کر پانی اور کھانا دیا۔ اب
اس کی جان میں جان آئی۔ مگر اسے اپنے ساتھ ایسے برتاؤ پر کسی طرح یقین نہیں
آ رہا تھا۔ اس دوران وہ جوان ہو چکا کر اس مہربان شخص کے سامنے اپنی نظریں چرائے رہا۔
تو اس نے اپنے لوگوں کو حکم دیا۔

"اس کے آرام کا بندوبست کرو"

وہ اپنے وجود کے اندرونی خوف و ہراس سے ابھی تک الجھا ہوا تھا۔ یہ خوف اسے کسی طرح
چین نہیں لینے دے رہا تھا۔ اس لیے وہ اس بات پر آمادہ نہیں تھا۔ اس نے اسی طرح

نظریں جھکائے ہوئے گردن میں سر ہلایا۔ تب اس مہربان شخص نے اپنے گرد کھڑے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

''اس کے ساتھ والوں کو کھانا اور پانی دو۔ وہ جانتے تھے کہ تھی وہ اور ...'' اس کی نظریں جھکی ہوئی۔ اس قدر حسن سلوک کے باوجود وہ وہاں ایک لمحے کے لیے بھی ٹھہرنا نہیں چاہتی تھی۔ کیونکہ جان کا خوف اب بھی اس کے تاریک وجود میں کسی اژدھے کی طرح بیٹھا ہوا تھا۔ ابھی اس کے عقب میں دو ہیولوں کی تلواریں تھیں۔ تاہم اس میں اس مہربان شخص کے سامنے نظریں اٹھانے کی تاب نہیں تھی۔ وہ واپس جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی لیکن اسی لمحے اس کے وجود میں عجیب و غریب بے قراری نے سر ابھارا اور اس سے وہ رکھی گئی۔ اب ٹھہرنے کی ہمت بھی نہیں ہو رہی تھی۔ لہٰذا اس کی تمام قوت اکٹھی کر کے اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ اس کی نظریں اب بھی اسی طرح جھکی ہوئی تھیں۔

''شاید آپ مجھے پہچانتے نہیں''

یہ سنتے ہی اس مہربان شخص کی آنکھوں سے آنسو بے اختیار رواں ہو گئے۔ اسی کیفیت میں اس نے جواب دیا۔

''بھلا میں تجھے کیسے بھول سکتا ہوں''

یہ سن کر ایک بار پھر خوف کے مارے اس کا پورا جسم لرزنے لگا۔ اسے محسوس ہوا جیسے اس کے اعضاء بکھرنے والے ہوں۔ اس مہربان شخص نے گلوگیر لہجے میں بتایا۔

''تو وہی ہے جس نے میرے بھائی کے سینے میں برچھی ماری تھی''

اس انکشاف پر اس مہربان شخص کے ارد گرد موجود لوگوں کے تیور بدل گئے۔ وہ غصے کی حالت میں آگے بڑھے۔

''ہمیں اجازت دیجئے۔ اسے بھی ختم کر دیں''

تب اس نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روکا۔ اپنے آنسوؤں کو جذب کیا اور کہا۔

Scanned by CamScanner

موقع پر ہمیں اس وقت بھی حاصل تھا۔"

وہ ذرا چپ ہو رہے۔ کیونکہ وہ اپنے جذبات کے بجائے اس کے غم کے قائل تھے۔ مروتاً شخص آنے والے کی ذاتی الجھن سے واقف تھا اور اس کی بے بسی سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ یہ اس کے خاندان کا شیوہ نہیں تھا۔ اس نے ہاتھ آئے ہوئے دشمن کو وہاں سے جانے کی اجازت دے دی۔ کیونکہ مستقبل کا تجربہ ماضی کے حوالے سے ہوتا ہے۔ اپنی جان بخشی پر وہ حیران ہوا مگر اس نے اس موقع کو غنیمت جانا اور لڑنے کے بجائے اپنے بزرگوں کے راستے پر روانہ ہو گیا "

Scanned by CamScanner

سفید حویلی

گاؤں میں بھی ایک خوبصورت حویلی تھی جہاں وہ رہتی تھیں مگر پھر بھی اس میں وہ ایک سلیقہ [illegible]

[illegible]

گاؤں کے عین درمیان چوہدری کا گھر تھا۔ جانے کیوں اسے یہ علاقہ بہت دلچسپ لگا۔ [illegible] سے وہ [illegible] گاؤں کی گلیوں میں [illegible] رہتا ہے۔ جب وہ گلی میں [illegible] گھر آتا تو [illegible] کی بہت خاطر مدارات [illegible] اسے گرم گرم [illegible] کھانے کے لیے جاتے۔ [illegible] کھانے کے لیے [illegible] گرم گرم روٹی میں [illegible] پر [illegible] [illegible] کبھی [illegible] تھا [illegible] میں تو [illegible] ہے [illegible] گاؤں کے معاملات [illegible] کے [illegible] شادی بیاہ [illegible] حویلی کے مالکان کی [illegible] سے [illegible] ساری [illegible] کی [illegible] تھی۔

گاؤں سے قریب [illegible] کا قصبہ تھا [illegible] وہ شہر کا لوگ آسانی سے وہاں پہنچ جاتے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب گاؤں میں کوئی بھی چھوٹی موٹی دکان نہیں تھی۔ گوشت [illegible] کے لیے بھی [illegible] جانا پڑتا۔ [illegible] کی کوئی [illegible] جب حویلی سے گوشت [illegible] کے لیے [illegible] کے ساتھ [illegible] روانہ کرتی۔ [illegible] کو [illegible] گوشت تازہ [illegible] کے [illegible] کے خاص حصوں کا [illegible] میں تو ایک بہت بڑا قلعہ تھا جس میں کئی دروازے [illegible] کیا گیا [illegible] میں پتہ چلا کہ ایک تھا بادشاہ شیر شاہ سوری یہ قلعہ اسی بادشاہ نے تعمیر کروایا تھا۔ [illegible] کیا شان ہے۔ [illegible] بادشاہ بھی [illegible] تو [illegible] کیا شان [illegible] لوگ [illegible] تعمیر کروائے۔ [illegible] شان مساجد بھی اور [illegible] کے لیے [illegible] گئی۔ مگر وہ بادشاہ کیسے [illegible] ہیں۔ [illegible] بادشاہ [illegible] تو [illegible] آسانی

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

خالد فتح محمد

شوخ رنگوں کا عکس

وہ ان بہت سارے لوگوں میں سے تھی جنہیں لوگ دیوانہ کرتے ہوئے بھی پیار کرتے تھے۔ وہ ادب میں اس قبر کی طرح تھی جس کا ذکر ساری رات کرتا ہے اور صبح پڑھنے کے بعد مایوس ہو جاتا ہے۔ مایوسی کے کئی رنگ ہوتے ہیں۔ جس میں زوال، مایوسی، مایوسی میں ازلی امید، اور وہ مایوسی جو انسان کو آگے چلنے اور پانے کی خواہش کو محسوس ہی نہ کی جا سکے جس سوچ کی زنجیریں ٹوٹ رہی ہوں۔

ایسے پڑھنے والے اس کی قبر کے رنگ میں تھا جو معمول سے ہٹ کر ہو رہی تھی اس طرح کی باتوں کا ذکر نہ ہو وہ تحریر میں ہوتا ہے۔ ایک قبر جو معمول سے ہٹ کر ہو چکی ہو، کبھی پوچھ کر، مایوسی ہو تو اس کے اندر کی ہر، عمل کی اہمیت ہی نہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم اس سے تھے۔ دراصل وہ کیا۔ کس نے کس اسے پہچان لیا نہیں، دیکھا تھا اور نہ ہی محسوس کیا تھا۔ وہ اس کی زبان تھی اور کی تحریر تھی۔ ایسے لگتا تھا کہ اس کے کوئی اصول نہیں تھے۔ لیکن بہت با اصول تھی۔ کہنے والے اسے ایک معاشرتی حوالہ کہتے تھے لیکن یہ سب تو اوپری تھی۔ معاشرے میں رہتے ہوئے ہر چیز معاشرتی ہوتی ہے اب، ایسے بھی غیر معاشرتی ہو نہ چکا ہے۔ وہ تو معاشرتی ہونے کے ساتھ ساتھ سماجی بھی ہے۔ اب دنیا صرف معاشرتی پہلو دیکھتی ہے اور اس کو معاشرتی حوالہ بنا کر اہم اور بے معنی سا ہے۔ اگر غور طریقے سے دیکھا جائے تو قطع نظر یہ اور کے آج ہر کوئی سماجی حوالہ ہے۔ اس کے اسے معاشرتی حوالہ کہنا سراسر زیادتی بلکہ کم علمی اور کم عقلی ہے۔

وہ جب سے تو بہت واضح ہو گئی۔ کئی انکشاف کرتے رہے اور بعض نے

Scanned by CamScanner

طور پر مجبور رہتے ہیں جو ملاقاتوں کو اختتام کی طرف لے جاتے۔ انہیں شاید ایک دوسرے سے پیار نہیں تھا کہ وہ کسی کی باتوں میں نہیں آتے۔ اگر وہ ایک دوسرے سے محبت کرتے تو ہمیں ڈر تھا کہ ہمارا رستہ ہی نہیں آ جاتا۔ دراصل انہوں نے طے کیا ہوا تھا کہ جس دن انہیں لگے گا وہ اس کے تعلق کا آخری دن ہوگا۔ شاید وہ آخری دن کے ادراک میں آنے کے خوف سے ایک دوسرے سے پیار نہ کر سکے۔ تجربہ بتلاتا ہے کہ وہ اس کی پابند نہیں تھی اس لیے دوستوں سے بھی ملتی رہی لیکن گل فام نے کسی اور سے ملاقات سب سے کہا۔ اس بارے میں مس بانو سماجی خوف کے شکار تھے۔ بادی النظر میں لگتا کہ اس کے گل بانو کے ساتھ تعلقات تھے۔ گل فام بھی یہی کہتا لیکن وہ جب ملتی تو لگتا کہ اسے مس بانو کسی سے تعلق نہیں تھا۔ بعض اوقات ہمیں میں اختتام اس کے ساتھ ذہنی صورت ہوتا کوئی رشتہ قائم کرنا چاہتا تو وہ اسے اپنے حال پر چھوڑ دیتی ہے کو چاہیے وہ جو کرنا چاہتا ہے۔ اس سے اختتام کو قتل ہو جاتی کہ مس بانو صرف اس کی ہے وہ سوچتا کہ اسے مس بانو سے دل ملیں نہیں تو وہ پریشان سا کیوں ہو جاتا ہے اسے مس بانو پر ہر وقت شک کیوں رہتا ہے اور اس کی کوشش کیوں ہوتی ہے کہ اس سے متعلق معلومات اکٹھی کرتا رہے؟

مس بانو سماجی طور پر اس طبقے سے تھی جو ہر وقت اگلی سیڑھی پر قدم رکھنے کے لیے سوچتا ہے اور جہاں ان کے اپنے بنائے ہوئے طبقاتی اصول ختم ہو جاتے ہیں اور وہ جو بنیادی طور پر سے مزاحمت پائی طبقے کا حصہ بننے کے خواہش مند ہوتے ہیں اور اس کو عملی شکل میں لانے کے لیے وہ کسی اصول کے پابند نہیں ہوتے۔ مس بانو کا گل فام سے کسی حد تک اسی سوچ کا حصہ تھا۔ گل فام کا اس سے ملنا اس کے حربوں میں محبت سے ملتا جلتا تھا اور وہ اپنے تعلق کی تکمیل ایک معنوی برتری کے ساتھ چاہتی۔ وہ اپنے طبقے کے چند اخلاقی اصولوں کی پابند بھی تھی جس کے تحت وہ گل فام کے بچے ... نہ کر سکتی

تھی۔ لیکن جب مس اس کا یہ معمول دیکھ لیا، وہ جان گئی کہ یہ اتفاق تھا یا ارادتاً ایسا ہوا۔
اسے ایسا لگا کہ اس معمولی جرم سے زیادہ اس آرزو کو دھوکا دینے کی شرمندگی تھی۔ جس نے
ساتھ اس کی شادی طے تھی۔ اس نے یہ دیکھا تھا کہ وہی شادی کا وعدہ ہوتی ہے جس میں
دولہا دلہن کے والدین کی رضامندی سے پاک ہو۔ وہ یہ بھی سوچتی کیا اسکی پابندی خاندان کے
لیے ضروری تھی؟ کیا گل فام کی دولہا دلہن سے وفاداری رہی ہوگی؟ اس نے اسے کھونا
ضرور ملا تھا لیکن وہ سوچتی رہی ہر عورت اس کی طرح قدر اور روایت کی پابند نہیں ہوسکتی۔ وہ بھی
چوکیداری کرنے والی وہ وکیل عورت تھی۔ اس لیے وہ اپنی اس حالت سے لطف اندوز
ہو سکے گی۔

گل فام اور مس ہاشم کا رشتہ اب اور تیز ہو گیا اور وہ اپنے تعلق کو بے تعلقی کی
حد تک پہنچانے کے لیے گل فام دوسری عورتوں سے ملنے لگا۔ جب کہ مس ہاشم نے
دوسرے مردوں سے تعلقات منقطع کر لیے۔ ان کے چاہنے والوں کے لیے یہ حالت ایک
قسمت کی بات تھی۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ مس ہاشم اب معاشرتی عادات کے جالے میں
عورتوں کی طرح ہوگئی ہے جو ذرا سی بات کو شعور بنانے کے بعد اپنی کشش کھو بیٹھتی ہیں اور ان کی
طرح ان کی بھی یہ معمول سے ہٹنے کے باوجود معمول کے مطابق ہوتی ہے۔ بعض اوقات
اندر چھپے ہوئے غم سے آدمی باہر آ نکلتا ہے اور ہوا کے اندر آنے کے لیے کوئی راستہ
چھوڑ دیتے ہیں۔ مس ہاشم کے ساتھ ہوا۔ وہ اپنے آپ کو محسوس تو کرنے لگی تھی کہ اس کے اندر
ایک خلا ہے جو اسے بے چین رکھتا ہے، مگر وہ اپنی اس حالت کو کسی شکل میں شناخت نہ کرسکی۔
بعض اوقات بالواسطہ طریقے سے ادراک ہوتے ہیں۔ ایسے ہی ہوا ہے کہ آدمی اپنے خوف کو
تو پہچان کر اس خوف سے طاقت حاصل کرتا ہے۔ وہ اصل طاقت اس کے اندر موجود تھی
جسے وہ اس کی کسی حالت میں شناخت نہیں کر سکا ہے۔ مس ہاشم جب اپنی حالت کی
شناخت کرلی تو اسے حیرت ہوئی۔ اچھا اس لیے نہیں تھا کہ ایسا کیوں ہوا صرف اس لیے

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

آگے اٹل بن گئی تھی اور اس کے لیے خاندان کی عزت اور وقار ایک لازوال سی چیز تھی

سعید چاہتا تھا کہ حسن بانو کو گل فام سے ملا جانا ہے تو بچا لے وہ اس سے ملا۔

"تم میرے بھائی ہو، سوچنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ آپ کو اطمینان ہو جانا چاہیے۔ حسن بانو ماں بننے والی ہے۔" گل فام نے اطمینان کے ساتھ کہا۔ سعید اس کے لہجے میں پوشیدہ درد کو نہ جان سکا۔ اس کے اندر بیک وقت اپنے جذبے کے دو دھارے موجود تھے۔ ایک طرف تو وہاں نسل در نسل قدامت پسندی تھی اور دوسری طرف بلند پرواز کی خواہش۔ اسے جہاں گل فام کی لاوارث نے متاثر کیا وہیں حسن بانو کے امید سے ہونے سے وہ بوکھلا گیا۔ حسن بانو اسے خاندان کی چابی لگی۔ کئی سوالات اور ان کے حل اس کے ذہن میں گھوم گئے۔ روایات کے مقابلے میں اسے خاندان کی عزت عزیز تھی۔

"آپ حسن بانو کو اچھی طرح جانتے ہیں اور بچے کے باپ بھی آپ ہی ہیں۔ آپ اس سے شادی کر لیں۔" سعید کو خاندان کی عزت کی چابی اسی میں نظر آئی۔ یہ بات کہتے ہوئے سعید نہیں تھا کہ اس میں بلند پرواز کی خواہش بھی شامل تھی کہ حسن بانو گل فام کی بیوی بننے کے بعد ایک چیز کی مالک بن جائے گی جو خاندان کے لیے بہتر ہوگا۔

"یہ ممکن نہیں ہوگا۔ ہم ایک دوسرے کو اتنا چاہتے ہیں کہ اور چاہنے کی ضرورت نہیں، اس لیے شادی کا سوال نہیں اٹھتا۔ اور سے درمیان میں طے تھا کہ جس دن ایک دوسرے سے محبت ہو گی، وہ ہمارے تعلق کا آخری دن ہوگا۔ شاید ہمیں ایک دوسرے سے محبت ہو گئی ہے اور حسن بانو کسی مرد کے بجائے اسی محبت کی وجہ سے ماں بننے والی ہے۔"

سعید گل فام کے جواب کو اس فلسفے پر غور کرتا رہ گیا اور دل گرفتہ وہاں سے اٹھ آیا۔

حسن بانو اپنے خیالات میں اتنی گم تھی کہ خطرات اس کے ذہن میں نہ رہے۔

سعید اسے لاشعوری سے آیا۔ "میں تمہارے ساتھ شادی کر کے بچے کو بچانا چاہوں گا۔"

"کیوں؟ تمہیں کیا خیال ہے کہ میں نے بچے کو پیدا کرنا ہے؟" حسن بانو نے

پڑ جاؤں گا۔

"صرف یہ کہ معاملات ٹھیک رہیں۔ بعد میں طلاق دے دوں گا۔" حسن بانو کو پتا تھا کہ اس کے ساتھ کہیں یہ دھوکا ہو رہا ہے۔ سعید نے جو غیر اہم تھا وہ تمام آزادی جنہیں وہ ہم کھو رہی تھی، ایک دم غیر اہم ہو گیا ہے۔ اسے اچانک یقین ہو گیا کہ بلند پرواز کی دوڑ میں ہم جنسوں کو نظر انداز کر کے دوسروں کی پرواز میں شامل ہونا اس کی غلطی تھی۔ جب وہ ایک ہی گھونسلے سے نکل کر اڑے تھے اور وہ پرواز کے دوران میں اڑی ہوئی تھی کے اہم حصوں سے ارادتاً کنارہ کر کے رنگین پروں والے پرندوں میں شامل ہو گئی تھی۔ اس کے لیے اب وقت میں ساتھی تلاش ہوا تھا۔ یہ اپنی اہمیت کھو بیٹھا اور اس نے خود کو جب سے بچوں بچھڑ دیا۔ ایک سادہ اور گھریلو تقریب میں اس کی سعید کے ساتھ شادی ہو گئی۔

کچھ عرصہ ایک وقت حسن بانو کی کمی محسوس ہونے لگی۔ اسے محسوس ہوا کہ شاید انہیں ایک دوسرے سے محبت ہو گئی ہے۔ اس لیے وہ بچھڑنے کا دکھ جھیل رہے ہیں۔ وہ جانتی تھی کہ حسن بانو کے اپنی ڈار میں شامل ہو جانے کے بعد اس کی کوئی اہمیت نہیں رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ حسن بانو کی یہ پرواز عارضی تھی اور وہ واپس اس کی ٹکڑی میں شامل ہو جائے گی۔ یہ وہ خواب تھا جسے وہ سلامت رکھنا چاہتا تھا اس لیے نہیں کہ اس کے علاوہ حالانکہ حسن بانو نہیں تھی۔ اس لیے کہ اسے ابھی اس کی ضرورت تھی۔ وہ ایسا کیوں تھی جس سے وہ دوبارہ بھی ملنا چاہتا تھا۔ وہ سوچتا کہ بچھڑنے کا دکھ جھیلا جا رہا تھا یا ایک سوانگ تھا نبھایا جا رہا تھا؟

بعض اوقات مرگ کے دوسری طرف بھی اندھیرا ہوتا ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ دونوں کنارے کھو جاتے ہیں۔ آغاز میں دونوں کناروں سے ایک ہی مرگ کا حصہ معلوم ہونے لگتی ہیں۔ وہی مرحلہ بن جاتا ہے جو سلسلہ در سلسلہ چلتا ہے۔ ایک دم کسی کو بھول

Scanned by CamScanner

جنگل بیتی

اس کے چاروں طرف دور دور تک پھیلا ہوا گھنا جنگل بہت تیزی سے دور ہوتا جا رہا تھا۔ اسے اس کی آن میں رات کی گہرائیوں کے بے معنی پل بڑھتے جا رہے تھے اس کی سوچ اور فکر کے سب راستے گم ہو گئے تھے۔ درختوں کے ٹوٹے سے وحشی بھی ہوتی تھیں۔ تیز ہوا میں اڑتے ہوئے جسم اور وہ پیچھے تو اصلی شاخوں کی و بجھی ہوئی گدھوں سے اس کے سروں پر منڈلا رہے تھے۔ وہ اپنی طاقت اور وحشی سے بیٹھے بیٹھے [illegible] سے تھک چکا تھا اس کی کھائی ہوئی گدھوں کو طرف اس کی آنکھیں نیچے پڑی ہوتی۔ اسے [illegible] رہا ہوتا۔ بہت دن بعد جب اس کی گدھیں اچھی [illegible] اس کی آنکھوں میں سے [illegible] تو وہ ایک دم [illegible] کر کھڑا ہو جاتا [illegible] سے [illegible] ہوا تھا جنگل کے [illegible] راستوں میں کھو ہوتا۔

اسے اپنی طاقت پر بہت ناز تھا مگر اب ایک عرصے سے اس نے اپنے دور کی چیزیں کو چھوڑ دی تھیں۔ اس کے چاروں طرف طرح طرح کے جانوروں کے جنگل ابھرتے جا رہے تھے۔ [illegible] تیز [illegible] ہوئی آنکھوں کے [illegible] ویران ہوتے جا رہے تھے۔ وہ اپنی اداس طاقت [illegible] میں سمٹتا جا رہا تھا۔

وہ [illegible] ہوا تھا۔ اس کے خون میں لہراتے ہوئے بیجوں کی نسل تیزی سے دوڑ رہی تھی۔ اسے پتہ تھا کہ وہ اپنی خون خراب ہونے کی وجہ سے مر رہا تھا مگر اس [illegible] کی طاقت کا احساس [illegible] پھیلے ہوئے اس کے جنگل میں ابھی تک تو [illegible]

Scanned by CamScanner

وہ ایسی اس روشنی کو ہاتھ لگاتا چلا جاتا اس طرف بھی جاتا تیز آوازوں کو سن کر
کی پرواز کو روندتا نکل جاتا۔ وہ ہر روز روندی ہوئی آوازوں کے لاشے [illegible]
ہوئی ایک ایک ضرب کو اپنے ہاتھوں سے دیکھتا۔ پھر وہ ان کو چھوٹی چھوٹی سیاہ ڈبیوں
میں ڈالتا۔ ان کو [illegible] اور محنت سے بنائی ہوئی ان سیاہ ڈبیوں ہی کو وہ اپنی کل دولت سمجھتا
وہ اکثر اپنے آپ سے کسی کی باتیں کرتے کرتے خاموش ہو جاتا۔ کھو سا جاتا۔ گم ہو جاتا۔
وہی بڑی بڑی پہاڑوں سے ٹوٹ کر گرے ہوئے پتھروں کے بیچ لیٹے رہتے
کھوہوں میں وہ اپنے وجود کی دراڑوں کو تکتا۔ مگر ان سرخ سیاہ کالے پتھروں میں سے اسے
پھر کچھ نہ ملتا [illegible] حاصل نہ ہوتا وہ دور دور سے چکاچوند ہوتا۔ مگر اس کی چیخ پکار اس
کی اپنی ہی بے چین سانسوں کی گڑگڑاہٹ میں دب جاتی۔ رات کے پچھلے پہر سے چھوٹی ہوئی
سانسوں میں تیز رہتی اور جنگل گھنا ہوتا چلا جاتا تھا۔ تیز طوفانی ہواؤں، سرخ آندھیوں اور
کھولتی بارشوں کے بعد بھی جنگل راستوں نے گھنے جنگل کے گھنے پن سے راستے نہ چھوڑے
اس کی خاموشی میں دراڑ سی پڑ گئی۔ فوراً اس نے ایک دو بھاری پتھروں کو جھنجھوڑنے کی
کوشش کی مگر اس کے چاروں طرف دور دور تک پھیلے ہوئے بھاری پتھر اور ان میں رستے ہوئے
[illegible] سب اپنی اپنی جگہ پر ڈٹے رہے تو اس نے اداسی بھری آنکھوں
سے دور کھڑے ہوئے ان درختوں کو دیکھا جن سے اسے اپنے گم شدہ راستوں کی خوشبو
آتی تھی۔ مگر آج وہ ان درختوں کو دیکھتے ہی پتھر ہو گیا۔ ان سب درختوں
کی چوٹیوں پر سیاہ چیلوں کا ڈیرہ تھا۔ دور تک پھیلے ہوئے جنگل میں آوازیں گونجتی
ہوئی آوازوں کا شور ہوتا چلا جاتا تھا۔ [illegible] کالے کوؤں کے اڑنے کا [illegible] تھے۔ [illegible]
کے پیچھے بھاگنے کو بھاگ رہے تھے۔ یہ سب درختوں کے تنوں سے چمٹی ہوئی بوٹیوں کے
ٹکڑے ان کو کاٹ کاٹ کر کھا رہے تھے۔ جوں جوں جنگل گھنا ہوتا جا رہا تھا۔ جنگل [illegible]
کی مٹی اور دلدل بڑھ رہی تھی۔

Scanned by CamScanner

پھر ایک رات اچانک سارا جنگل گہری تاریکی میں ڈوب گیا۔ وہ بہت طویل رات تھی۔ تمام رات بجلیاں چمکتی رہیں، بادل گرجتے رہے۔ پو پھٹی تو ہر طرف خاموشی تھی۔ سب درخت جل کر راکھ ہو چکے تھے اور ان درختوں کے اوپر رہنے والوں کی طرح نیچے رہنے والے جنگلی درندوں کے بدن بھی کوئلہ ہو گئے تھے اور وہ سب پتھر ہو گیا تھا جس رات وہ بھی بجلیوں کی چمک اور بادلوں کی گرج سے نہ بچ سکا مگر وہ اپنے اندر کہیں پیچھے دبے رہے۔ یہ پتھر اس جیسا کبھی نہیں تھا۔ اس سے پرانے راستوں کی خوشبو آ رہی تھی۔

جنگل میں زندہ رہ جانے والی چند جنگلی روحوں نے بچے ہوئے حصوں اور درختوں کے نیچے زمینوں میں دبے ہوئے جنگلی درختوں کے کوئلہ بدن اٹھائے اور انہیں ایک جگہ میں دفنا کر اس کے اوپر پتھر کی وہ شئی رکھ دی۔ جس سے پرانے راستوں کی خوشبو آتی تھی۔ اچانک اور ایک سے دوسری جگہ آنے والے شئی کے وجود نے عمر کی ان گنت دہائیاں [illegible] سفر طول پکڑ چکا تو اس خواب صورت کل تک پہنچنے والی جنگلی روحوں میں سے ایک نے بتایا کہ ہم نے تو اس کو پتھروں میں پڑا ہوا ایک مختلف پتھر [illegible] وہ پتھر نہیں تھا وہ ... وہ مرقع حسن تھا۔ جس میں اس کے جمال کی [illegible] تھی۔ ہم نے اس سے اٹھتی ہوئی خوشبوؤں کے ساتھ اپنی روحوں کی [illegible] تھوڑی دیر کے لیے ہم نے اپنے آپ کو بہت پرانے وقت میں پایا۔" [illegible] کے پھولوں کی طرح کھلے ہوئے تھے۔ ہر طرف [illegible] تھے۔ رونق تھی، حسن تھا۔ سب ایک دوسرے کو بے انداز سے محسوس [illegible] تھوڑا اور [illegible] پھر نہ جانے کب ہم میں سے کسی نے [illegible] ہم اس [illegible] سے اس خواب سے نکل آئے۔ ہم نے اپنے قدموں کی رفتار تیز کر دی [illegible] کہ ہم پیچھے رہ جانے والے لمحوں سے بہت آگے نکل آئے۔ جنگل میں خاموشی ہو گئی۔ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد اس نے ایک دم جنگل جنگل

Scanned by CamScanner

اور اپنے آس پاس جنگلی بھولی روحوں کو فوراً اٹھنے کو کہا۔ وہ سب اٹھ گئیں اور اگلے پہر کی منتظر تھیں کہ اسے اچانک یاد آ گیا۔ وہ دائی کی بات کو مکمل کرتے ہوئے بولی۔

آج آدھی ادھوری سانسوں کی وجہ سے زندگی کا بھی اپنا ایک قانون ہے اور قانون کی دراصل یہ ہے۔ دراصل ادھوری ہیں بلکہ تمام روحیں اوقات ہے۔

اگلے دن اس جنگل میں دوسرے بڑے جنگلوں سے آئی بھولی جنگلی روحوں کو بڑی گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا گیا۔ استقبال کے فوراً بعد مقامی جنگلی روحیں باہر سے آئی بھولی جنگلی روحوں کے ساتھ بیٹھ کر جنگل کو نئے انداز سے محسوس کرنے کے لئے تیار ہو رہی تھیں۔

Scanned by CamScanner

لفظوں کا عذاب

سر

"تمہاری سب کہانیوں میں ان کے لفظوں کا کرب کہاں سے آتا ہے؟" وہ بولا۔

میں نے کہا: "زندگی بھی تو لفظوں کا جنگل ہی ہے۔ جہاں ہم [illegible] لفظوں کی

راہ میں بھٹکتے رہتے ہیں۔"

وہ ہنس دیا۔

"لفظوں کے اس جنگل سے میں نکل گیا تو ساری زندگی ادھوری ہوگی۔"

میں نے ایک لمحے کے لیے اس کی ادھوری [illegible] آنکھوں میں دیکھا۔

وہ ان لفظوں کے درد میں [illegible] بہت ہی [illegible] تھا۔

میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"تم نے کبھی سوچا ہے کہ ایسے لمحے جب تم بہت کچھ کہنا چاہو۔ لیکن [illegible] الفاظ ساتھ

چھوڑ جائیں۔ تو [illegible] کیسی کیفیت ہوتی ہے۔ ہم لفظوں کے انتخاب میں بے بس ہو جاتے

ہیں۔"

[illegible] خوبصورت [illegible] اور [illegible] سب خوش [illegible] کے

[illegible] ہو جاتے ہیں۔ ہم [illegible] لفظوں [illegible] زندگی کہانیاں [illegible] انجانے راستوں

[illegible] ان کی کہانیاں پڑھیں نہ دیکھے ہوئے بھی ان کے ہاتھوں میں [illegible]

[illegible] ہیں۔"

[illegible] لگے دیکھا۔

کی طرف ایک ٹک دیکھنے کے بعد وہ مسکرا دیا۔

"تمہاری باتیں بہت مشکل ہیں۔ تم ان مشکل باتوں کو سوچنے کے لیے وقت کہاں سے لاتی ہو؟"

اسے واقعی میری باتیں بہت مشکل لگی تھیں۔ وہ بڑی حیران حیران آنکھوں سے مجھے تک رہا تھا۔ پھر بہت بے بسی سے موضوع بدل دیا۔ اور میں

میں اپنے سامنے بیٹھے اس بے حد ذہین شخص کی ذہانت پر حیران تھی۔ اس کی ساری ذہانت ساری قابلیت میرے لفظوں کے گورکھ دھندوں میں پھنس کر رہ جاتی۔ میرے سوچے سمجھے الفاظ بھی اس کی سمجھ میں نہ آتے۔ اسے سوچوں میں الجھا دیکھ کر میں نے کہا۔

"سنو، کہیں نا کہیں، کبھی نا کبھی، سب صرف باتوں اور جذبوں کے لیے وقت نکالنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ سب کچھ تو انسان کے اندر ہی موجود رہتا ہے۔ ہم صرف [illegible] کیا کرتے ہیں۔ [illegible] انسان کے اندر بچپن ہی سے [illegible] کی صورت میں موجود ہوتے ہیں۔ اور [illegible] کے ساتھ ساتھ لفظوں سے ہمارے جذبے سب الفاظ کی [illegible] کرتے ہیں۔ اور ہم ان لفظوں میں سے کوئی ایک ایک لفظ جذبوں کی [illegible] میں پروتے جاتے ہیں۔"

"ہمارے جذبے لفظوں کے محتاج کیوں ہوتے ہیں؟"

وہ بہت الجھ سا گیا۔

"سنو" میں نے کہا۔ "سب جذبے الفاظ کے محتاج نہیں ہوتے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہمارے الفاظ دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ اور ایک جھلک کی [illegible] سے عیاں ہو جاتی ہے اور اپنے جذبوں کی سچائی کے لیے ہم کوئی بھی لفظ استعمال نہیں کرتے۔"

"[illegible] تمہاری باتیں، دیکھنے سے [illegible]"

"سنو، تم نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ جذبوں کی اپنی زبان ہوتی ہے۔ میں آج تک تمہاری یہ بات سمجھ نہ سکا۔ جذبہ تو صرف جذبہ ہوتا ہے۔ اس کی زبان اس کی ہے۔"

پھر میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے میں نے اس کی آنکھوں میں اس کے جذبوں کی چھلک ہوتے ہوئے اس کا دل پڑھنے کی کوشش کی۔ پھر اسے نرم لہجے میں سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ہاں میں نے یہی کہا تھا۔ لیکن یہ بات تمہاری سمجھ میں کبھی نہ آئے گی۔"

"کیوں؟"

"وہ کیسے۔"

"اس لیے کہ تم جذبوں کی زبان نہیں جانتے۔ تم صرف الفاظ ڈھونڈتے پھرتے ہو۔"

"کیا مطلب؟"

وہ حیرت سے مجھے جذبوں کی زبان سمجھا رہا تھا [illegible] اسے سمجھانے کے لیے اس کی زبان میں مناسب الفاظ ڈھونڈنے لگی۔ شاید میرے جذبوں کے ترجمان ہوں۔ [illegible] اس کی حیرت سے اس کا دل پگھلنے لگے۔ اس نے میرے دل پر دستک دی تو ہوتے ہی سارے الفاظ ذہن سے بکھرنے لگے۔ [illegible] [illegible] [illegible] نے [illegible] چن کر [illegible] الفاظ، میں نے آنگن میں [illegible] [illegible] پر [illegible] بہت نرمی، احتیاط اور محبت سے چن کر دیکھا [illegible] [illegible] آنگن میں چھپا کر رکھے تھے ان میں سے کوئی بھی لفظ اپنے جذبوں کے اظہار کے لیے مناسب نہ لگا۔ جو میرے سامنے بیٹھے اس شخص کی انا کی اونچی فصیلوں کو مطمئن کر سکے اور میں [illegible] مجبوری ہے اسی سے اپنے سامنے بیٹھے شخص کی شوخ و دلکش چمکتی نظروں کا محور بنی ہوئی، کئے لفظوں کا عذاب جھیل رہی تھی۔ میری چھوٹی سی آنکھوں میں لفظوں کے گلاب ٹانکے اس کر بچھے گئے تھے۔ بہت سارے جذبوں کے اظہار کے لیے چند الفاظ بچے۔

Scanned by CamScanner

گرداب

احسان کرمانی کی بات سنتے ہی میرا اندر باہر جیسے کسی نے اتھل پتھل کر کے رکھ دیا۔ مجھ سے صوفے میں بیٹھا نہیں جا رہا تھا۔ صوفے کے اندر سے پھر کئی جیسے نوکیلے کانٹوں کی صورت باہر نکل آئے تھے اور میں ان پر اچھل رہا تھا۔

'' [illegible] سے شادی کرنا چاہتے ہو؟''

'' شادی؟''

کیونکہ میری آنکھوں کے سامنے اس عورت کا چہرہ ابھر آیا جو [illegible] یوں زبردستی اس کے باپ کی جاگیر ہو۔ کلف لگا سوٹ، مونچھوں کو تاؤ، پشاوری چپل اور دلاور جیسی اکڑ۔

'' ہاں ''..... میں اثبات میں سر ہلاتے ہوئے سوچ رہا تھا احسان کرمانی کو غلط [illegible] نہیں ہو سکتا کہ کرمانی نے اگلا وار کیا۔

'' اور تمہیں کیا ملے گا؟''

'' حق۔''

بہا سا طنزیہ سوز سا ہنسی کی بھدی سی آواز میرے کانوں میں گونج اٹھی۔

'' ایم ڈی کی گدی [illegible] ..... اور کون؟''

میں نے وزیر کے اختصار پر دانت پیستے ہوئے کہا تھا اور ہم تیزی سے خود کو [illegible] لگے تھے۔

'' اور وہ [illegible] تمہیں [illegible] ؟''

"یہ میرا فرض تھا۔"

میں چونک سا گیا۔

آج پہلی بار اس نے مجھے کچھ کہا تھا، میرا دل میری نگاہوں میں گھوم گیا۔

"صاحب جی، عورت اپنی تخلیقی قوت کے باعث خود خدا کے وجود کے قریب ہے۔ وہ دھرتی کی کوکھ، کائنات کا حسن — عورت — عورت — اور پاک نگاہوں سے محروم تھا۔ ویسے میں دو میں کمرے ہو کر تالیاں بجا رہی تھی اور میں آخری قطار میں بیٹھا سوچ رہا تھا۔ میں سٹیج پر کیوں نہیں جا سکتا؟ کیوں ہر بار یہی ہوا کہ سٹیج پر جاتے ہی میری آواز کہیں گم ہو گئی۔ ٹانگیں تھر تھر کانپنے لگیں اور زبان میں لکنت آ گئی۔

"کیا آپ میری بات"

گرمانی نے آنکھیں ملاتے ہوئے پوچھا۔

ہاں — ہاں!

آج پھر میری زبان لڑکھڑا رہی تھی اور میرا دل ابھی بھی ماننے کو رضامند نہ تھا کہ احسان گرمانی نے مدد کر دی۔

"اور احسان گرمانی کا چہرہ تو تمہیں کبھی نہیں بھولنا چاہیے؟"

اس نے دوستانہ مسکراتے ہوئے کہا تو میرا دل جیسے دھڑکنا ہی بھول گیا۔

"واقعی؟"

میں نے تھوڑی کوشش سے زبان کو لڑکھڑانے سے بچایا۔

"کبھی پہلے تم سے ملاقات ہوئی ہے؟"

"احسان گرمانی ہے نا میرے جگر کا ٹکڑا ہے — تیرے ہوتے ہوئے مجھے کسی دشمن کا خوف کیوں ہونے لگا؟"

مجھے علاوہ معظم کے ایک فرشتہ نے کمیشن کے الگ ختم کرنے میں وہ بے

Scanned by CamScanner

رابطوں میں مصروف پایا تو دھمکی دیتے ہوئے کہا تھا "اگر دوبارہ تمہیں یہاں دیکھا تو نہیں بخشوں گی۔"

میں بے اختیار دھڑکتے دل کی دھڑکن اور اکھڑی ہوئی سانس کے ساتھ اسی حالت میں کرماں کے پاس پہنچا تو اس نے میرے کندھے پر مضبوطی سے ہاتھ رکھتے ہوئے مجھے تسلی دی تھی۔

"احسان کرماں ہے نا میرے جگر کے..."

پھر وہ بھی ابھی اس شعر سے کی گئی کر، پوچھا کہ کرماں نے گھر سے دیا۔

"تو وہ بھی گئی ہے؟"

میرا بھاری سر چند لمحوں کی طرح اٹکے رہ گیا اور میں سوچنے لگا کہ میں کہاں کھو گیا؟

تو پھر وہ میرا قرض تھی۔ وہ سب تو میرے کچھ نہیں تھے مگر کرماں تو میرا سب تھا تو کیا اس نے بھی مجھے دھوکے میں رکھا؟

اسے تو تیری تھی کر دینی ضروری...

"وہ کسی کی نہیں تھی میری جان۔"

کرماں نے گھر سے میری سوچ کے تسلسل کو توڑتے ہوئے کہا۔

میں نے اٹھنا چاہا مگر اب ناطاقتی کے احساس نے مجھے گھیر لیا۔ مجھے اپنی ٹانگیں بے جان سی محسوس ہونے لگیں اور ہاتھ میں پکڑی چائے کی پیالی کپکپانے لگی۔

"ہائے ... ہائے ... ہائے" "اب کیا فائدہ تمہیں دے کر یا مجرم کے ... میں معلوم ہے تو صرف وہ آگاہ تھی۔"

مجھے یاد آیا میں کرماں سے اس کے بارے میں پوچھتا رہتا تھا۔ اس کا تذکرہ آیا تھا۔

اور پھر احسان کر رہا تھا نے ایک ہی سانس میں پانچ سات ایسی انگریزی نظموں
کے نام گنوا دیے کہ جنہیں چھپ کر دیکھنے کی خاطر میں بھی اسے دے چکا تھا۔

"تمہیں یاد ہیں وہ نظمیں؟"

"وہ تصدیق نہیں فقط توجہ چاہتا تھا۔"

میرا دھواں دھواں سر اس بار اوپر اٹھا تو وہ قہقہہ لگاتے ہوئے جیسے شرمندہ سے
میں بولا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے دیکھا تم نے۔"

اس کے بعد اس نے جو بھی وہ ان گنت بار یک سوئیوں کی مانند میرے ذہن
میں پیوست ہوتا رہا۔ میرے کانوں کی لویں سرخ ہو گئیں اور دل کی دھڑکن غیر معمولی تیز ہو
چلی گئی۔ مجھے یوں لگا جیسے محسوس ہوا وقت بھربھری مٹی کی طرح میرے ہاتھوں سے پھسل گیا۔
جو سب سوال۔ یہ سب کسی نے جیسے احساس میں داخل رہے تھے۔ میرے چہرے پر
ہوا تھا تو وہ مجھ سے کسی تصدیق کا خواہاں تھا اور میرا گلا بار بار تھوک نگلنے کے باوجود
خشک تھا۔ میں دن رات پہلے اپنے کمرے کے اس منظر کو اس کے تناظر میں زندہ کر رہا تھا
جو اب تک میری زندگی کا واحد تجربہ تھا۔

"تمہیں کیا اس پر یقین ہے؟"

اس نے میری طرف اپنے ہاتھوں سے بکھری پلکوں کو سیدھا کرتے ہوئے انہیں کھول
کر آئینے کے سامنے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔

"آج سے پہلے تک نہیں تھا۔"

مجھے اپنی بات پر کتنا یقین تھا۔

"اور آج کیا ہو گیا ہے؟"

وہ بھی کسی ہولی بات کی فقط تصدیق چاہ رہی تھی۔

وہ میں نے اداکار کی گالوں کو اسے چھوتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"اب تو سب مجھ پر یقین کر سکتے ہیں کہ وہ محبت کی دنیا کا مستحق تھا۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

اس نے پیار سے وہ آنکھیں میرے گلے میں ڈال کر بچوں کی طرح اس سے دیکھا کہ

اس سے چہرے میں ایک انجانی سی چمک آ گئی تھی۔

میں پھر سے شیشے پر کھڑا اپنا اس دلاری سے محبت کا جواب دیا تھا۔

"تمہاری قسم۔"

میں نے اس کی کلائیوں کو پکڑ کر پیار سے اس کی طرف سے پیچھے ہٹا دیا تھا

پھر تھوڑی دیر اس کی محبت بھرا جواب دیا اور اس کی جدائی سے میں نے کہا بھی

تھا۔

پھر میں سمجھ گئی کہ اس وقت میں وہ پلٹ پلٹ کر زمین پر آ گئی تھی مگر میں

نے اس آواز میں سے پکارا۔

"تم پہلے بھی زمین پر ہی رہنا چاہتے تھے؟"

آپ تو سوال کرنے لگے ہیں، کہ میں سے کی میں محبتیں مچھلیاں، وہ اور

اس نے سوال کرنے کے طریقے سے اس میں دوسرے محبت، وہ محبت کیا ہے کیا کہ

اس نے کہا ہوا ہے کہ وہ محبت ہے۔

"تم نے شادی کے بعد بھی وہ مجھ سے پیار کرنا نہیں بھولی؟"

"تم نے شادی کب کی؟"

"اب میں اپنی اس کی شادی کی بات کر رہا ہوں۔"

کرائی نے اپنی ہی انگلیوں کو یوں بجاتے ہوئے کہا جیسے کوئی مرتے والا مسافر

اس نے مرنے والی کی بیٹی پر کھڑا ہو کر شادی سے ہوا۔

"مگر اس کا میاں تو سی۔ایس۔پی——"

"سی۔ایس۔پی ہونا کوئی اتنا بڑا امر واقعی آنے کی بات ہے!"

"میں ابھی اپنا جملہ پورا بھی نہ کر پایا تھا کہ رانی نے میری بات کاٹ کر جواب دیا۔

میں نے پھر سے گلے میں اٹکا کوئی کانٹا نگلا اور عشق کی بھول بھلیوں میں گم ہو کر یہ بھول گیا کہ معاملہ ہتھیار پھینک کر جنگ جیتنے کا نہیں گردن پر چڑھ کر جیت کا علم لہرانے کا ہے۔

میری خاموشی کا احساس ایک مرتبہ پھر سے بڑھنے لگا۔

"تم نے بھی انگریزی فلمیں دیکھی ہیں؟"

اس نے اگلی ملاقات میں بے تکلفی سے میرے بستر پر اوندھے منہ لیٹے، ٹی۔وی ریموٹ سے چینل بدلتے ہوئے پوچھا تھا۔

انگریزی فلمیں؟

میں نے یوں کہا جیسے سنا ہی نہ ہو مگر اس کی براہ راست سوال کرتی آنکھوں کے سامنے فوراً جیسے کوئی جواب نہ بن پایا تو اک گھونٹ بھرتے ہوئے اعتراف کیا۔

"ہاں دیکھی ہیں۔"

اس کی اپنی نگاہوں میں اب کہا سے کیا سوال ابھرا کہ مجھے لگا ہو نہ ہو میرا اعتراف مجھے لے ڈوبا۔ اور پھر میں اپنے دماغ کی اس حاضر جوابی پر خوش تھا کہ جس نے فوراً میری ہکلاتی زبان کو سہارا دیا اور میں نے ایک ہی سانس میں The Message سے ڈاکٹ پارک تک کی ساری تحریکی فلموں کے نام گنوا دیے۔

"کبھی کوئی رومانوی بھی؟"

اس نے جیسے ٹٹولتے کہا۔

Scanned by CamScanner

"تو پھر کون سی؟"

میں نے معصومیت سے پوچھا۔

"وہ ..... وہ گندی والی۔"

اس نے یوں کہا جیسے گندی تو محض روا کہہ رہی ہو دراصل وہ کچھ کہنا چاہ رہی ہو، شاید وہ وقت میں آ کر سوچ رہا ہوں؟

"تو پھر تو ..... کبھی نہیں۔"

میں نے اس کڑے امتحان میں سرخرو ہونے پر خود کو داد دی اور پھر جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"اور تم نے؟"

"پاگل ہو گئے ہو۔ میں نے تو ہاسٹل کی لڑکیوں سے اس کے متعلق صرف سنا ہے۔"

شکر ہے وہ بھی کامیاب ہوئی۔

یہاں محبت جیت گئی مگر اپنی روایت کے بھرم میں ہار سے ہمکنار کرے گی۔

"وہ تو بات نہیں ہو سکتی؟"

میں آگے دیکھ رہا تھا کہ لگا جیسے گئی بار بھی پوچھتا اور ستاتا رہا۔

مشکل ہے ..... بہت مشکل۔

وہ اس محبت کو گلے لگا کر تو پھر دل اس کٹھن مرحلے کو جھیلنے کے لیے مزید ہو جاتا۔

مگر کب تک؟

اور پھر وہ بھی ہار گئے۔ پا گئے میں عشق کے جیب ہوئی تو اس نے آخری امتحان کر ڈالا۔

Scanned by CamScanner

"آؤ گے نا میری شادی پر؟"

میرے منہ سے کیا جواب بھی دیا گیا تھا!

"آؤ گے نا؟" "آؤ گے نا؟"

فون ریسیور پر اک گھٹی ہوئی سسکی ابھری تھی۔

"تمہیں میری قسم"

وہ بھی میری بے بسی سے واقف تھی۔

میری قسم۔ جیسی وہ میری قسم۔ میرے اندر عشق کا تاج نے مجھ سے ایک وعدہ

لیا اور میں سانسوں کے بیچ بیٹھا رہا اور وہ کمرے میں رکھی کرسی پر جا بیٹھا۔

میری ہی طرح مجھ جیسا مفلس انسان اس کے لائق ہی کہاں تھا۔ کہاں وہ اور

سب کا بیٹا ڈاکٹر اور وہ دوست اور کہاں سامنے بیٹھے سی ایس پی کے خواب۔

بہت اچھا ہوا۔

میں اس کے علاوہ سوچ بھی کیا سکتا تھا۔

پھر اس دن میں میرا اس سے کوئی رابطہ نہ ہوا۔ نہ اس نے کوشش کی اور نہ ہی

میں نے اس کے متعلق جاننا چاہا۔

"مجھے اجازت دو۔"

اس بار میں نے پوری قوت سے خود کو سنبھالا اور کھڑا ہو گیا۔

"اور وہ پوسٹ ماسٹر صاحب؟"

کرمانی نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"کون سی؟"

ایک مرتبہ پھر میں بھول گیا تھا کہ میں کرمانی کا دوست بن کر بیٹھا ہوا تھا۔

"کون سی؟"

[illegible]

"[illegible]"

[illegible]

[illegible]

"[illegible]"

"[illegible]"

[illegible]

"[illegible]"

"[illegible]"

[illegible]

Scanned by CamScanner

بوسیدہ دیواروں پہ کھدے نین

[illegible]

[illegible]

[illegible]

Scanned by CamScanner

وہ پیچھے رہ گئی جو بہت بہت تشنگی رکھتی اور ہم وہاں نہ رکتے ہوئے بھی کچھ جانتے کہ

اب یہ جو تتلی کی مانند چھوڑ آیا ہے، جیسے دھاگے ادھورے ہی تھے۔ بھائی اور بہنوں کو

بے دخل اس کے گھر میں وہ دروازہ سی ہو گئی اور وہ بے چارہ یاں سے جا نکلا، جس سے ایک لمحہ وہ

بھی کے ساتھ سے تعلق کر دیا گیا۔ سب پر بھاری تھا۔ وہ بھی ہارنے والی نہ تھی۔ سب

بچی رہی اور تشنگی رہی۔ تشنگی رہی کہ اب بہت سی چالوں کی ادری اس کی نرم گرم سانسوں

سے بندھی تھی۔ اس کے ساتھ والیوں قدم قدم آگے بڑھتی چلیں۔ دوسرے پل لرزتی رہتی

ہی، [illegible] دونوں سے سینا اور دامن دامن جمع کر کے بڑے ماں باپ اور اپنے دامن

پر قرض ہی بہت سی تشنگی چالوں کو ان کے قرض اتارتی رہی۔ دیواروں کی موت پر وہ

اب بھی دکھ دیتی گئی آنکھیں بھی اکثر وہ بیٹھ گئیں۔ بیوہ ہونے کے بعد وہ اب بھی چل

رہی ہے وہ جس عمر پر تھی اس کے رحم و کرم پر تھی۔ انھیں دیتیں، اسے بھی دیتیں اور

دیکھتی۔ اور اسے کی ساعت اکثر وہ اپنی بچوں کا بوجھ پر تکتی۔ جس کچھ رکھنے کو

[illegible] بچی۔ تشنگی رہی اور [illegible] بہت پال پال ادھر تھے نے دونوں کا پانی

ان کی نہیں کے تحت تھپیڑوں کے باوجود بھی دیواروں والے چھوٹے سے گھر میں کوئی

بیوہ نہیں تھا۔ چار بیٹیاں، تین بیٹے، ایک نواسہ اور ایک وہ۔ سب پورے تھے۔ جو ہم

سب کچھ تھے۔ دونوں کی تھپیڑ سے گزر آتی پانی مارے بیٹا داماد مکمل تھا۔ بڑھوں پر

[illegible] پورے ہو کے تو بھی۔ ہم میں کوئی کم نہ تھا۔

وقت ڈوبتی لہروں پر وقت کے دوبارہ منڈیروں پر بھی کے گھر آیا تو سات تھے

[illegible] میں سے پانی کے قد بچے ہوئے نیچے والی دیواروں کے برابر ہو چکے تھے۔

[illegible] ہو گئے۔ سوال قبول کرنے والے آتے رہے جاتے رہے۔ بڑی نے تو

[illegible] کر دیا کہ میں جانے کی نہیں، چھوٹیوں کی بات کرو۔ چھوٹیاں نہ جانے کیا

[illegible] سوالوں کے زبان والے چپ چاپ جھکا گئی ہیں۔ ایک جملہ ان

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

[illegible] معمول [illegible] کرنے کے لیے [illegible] رہا تھا۔ زندگی کے نہ جانے کتنے ہی [illegible]
[illegible] آنکھوں میں جذب کر لیے تھے لیکن اب کے [illegible] پہلے ہی [illegible]
[illegible] تھی۔ [illegible] کے پیچھے اسے معلوم تھا کہ ابھی تین
[illegible]

تین میں سے [illegible] تھا وہ بھی [illegible] اور اپنے [illegible] کی [illegible]
[illegible] امیدوں کے [illegible] اب [illegible] کے
[illegible] میں [illegible]
[illegible] شادی [illegible] اور [illegible]
[illegible] چوٹ [illegible] کرنے والوں کے
[illegible]
[illegible] آپ ہی
[illegible] قریب آنے [illegible] ہے۔ [illegible]
[illegible] سب کی [illegible] میں [illegible]
[illegible] اس [illegible] آپ [illegible]
[illegible] پہلے ہی [illegible] کہاں تھی اب [illegible]
[illegible] کر [illegible] اور غائب ہو گیا۔
[illegible] تھا۔

[illegible] تھا لیکن وہ [illegible] ابھی باقی تھے۔ [illegible]
[illegible] اپنے خواب [illegible] اور چارپائی کے [illegible] میں [illegible]
[illegible] ہوتے ہیں۔ [illegible] کی طرح [illegible] پیچھے [illegible]
[illegible] رکھتے ہیں۔ لیکن [illegible] پیچھے [illegible] نہیں [illegible]

ہاتھوں کے بیچ سے سرسراتا ہوا آگے نکل جاتا ہے۔ کبھی واپس آجاتا ہے کبھی واپس۔ وہ
کے قدموں کو کاٹ تو سب کا گیا۔ وہ نکل چکا تھا لیکن بھونکنے کی آواز مسلسل آرہی تھی۔
دھیما دونوں قدموں کو بار بار دیکھتی اور اندر ہی اندر میری لفظوں کے بھنور ہوتی جاتی۔ تم
جانتی تھی کہ وہ مجھے پہن کی چادر ایک بار تن جائے تو پھر جانے کی نہیں۔ سب جانتے تھے
ہے۔ ان کو بھی وہی ملتا ہے جو صدیوں سے ملتا چلا آیا ہے۔ پہلے والے کہنے لگے۔ ہم
نے اپنی والی پوری کی آپ جانو۔ اب ان کا نصیب ہے۔ قصور تو کسی کا بھی نہیں۔ وہ پہلے
والوں کا۔ نہ ہوا نہ ان کا۔ ہم تو بس اپنا آپ بچانے ہی کو یہاں آئے ہیں۔ حقوں
بوڑھی بے چینی رہتی اور چارپائی کے نیچے سے کبھی بارش میں بھیگی مٹی کی طرح ہوتے
ہوئے گھلتی رہتی۔

پاگل وہ تھی جو نصیب پر راضی نہ تھی۔ سب کو دیکھ دیکھ میں جوانی ہی میں اسے بڑی
ویت آ گئی اور ہنسی تو یہ کبھی دیواروں کے ساتھ بھربھری مٹی کی طرح ڈھے ڈھے جاتی
کے بیٹھ رہی۔ کسی میں بھی تو پوچھنے کی ہمت نہ تھی۔ حقوں بوڑھی بابا وہاں کھڑا اور سب سے
بڑی آگئی ہو۔ اب حقوں بوڑھی سے کسی طرح کو دیکھتی رہی بھربھری مٹی میں گھل مل گئے۔
کب وہ اور دھوئیں اسی کی آنکھیں شاخوں پر گھوم گھوم کر گھومتا رہا۔ وہ بیدی چھپکا ہوا
دوسرے نصیب پر ہنس رہی تھی۔ سب آنکھیں پھاڑ پھاڑ دیکھتے میری طرف کہ اب ملا میں ہی
تو رہا تھا۔ سب کہنے لگے۔ میں آ رہی تھی میں آ رہی تھی لیکن نہ جانے کب کیوں
اور کیسے مجھے ایک رات تنور کے سامنے قصے سے نے اچک لیا اور ایسا اچکا کہ میں بس
تھ رہا۔

وہ مجھے پتن کی بگلی چادر کی طرح تہہ بہ تہہ بھیگی چھت کے سے لگا کر سارے بچے
آگے آگئے تھے۔ بھول بھلیوں کے بیچوں بیچ ہم نے راستے کھوئے اور دکانوں کی آوازوں
تک سب دونوں نے بچے لگے۔ ادھر ادھر سے ہاتوں کو دوہرا کرنے میں لگ گیا

[illegible] سرشار تھا۔ مسلسل چلتے جانے کی سرشاری [illegible] کر لیتے۔ [illegible]

[illegible] سے [illegible] پانے کی سرشاری۔ سو میں بھول گیا ان کو اور بھول گیا وہ

[illegible] تھا ان سے اور [illegible] سب [illegible] تھا۔ میں بھول گیا اور پھر بھول

[illegible] سرشاری۔ لفظوں کو [illegible] انگلیوں میں [illegible] چاندنی میں نہائی

[illegible] چہرے کے [illegible] تھے۔ [illegible] کے

[illegible] کے [illegible] آنکھیں [illegible] میں [illegible]

[illegible] سامنے آ موجود ہوئے۔ [illegible] کے آس

[illegible] بھول نہ جانے کیا تھی لیکن اس بھول ہو گئی۔ ان کی آن میں

[illegible]

[illegible] معلوم [illegible] معلوم

[illegible]

گئے۔

[illegible] سے [illegible]

[illegible] تھا۔ [illegible]

[illegible]

[illegible] داخل ہوا تو [illegible]

[illegible] میں [illegible] بھی نہیں

[illegible] ایک بار پھر [illegible] ایک بار

[illegible]

[illegible]

[illegible]

Scanned by CamScanner

قل خوانی

دوپہر ہونے کو آئی تھی۔ قل خوانی کرنے والی شاندار کوٹھی میں شامیانے لگے تھے اور لوگوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ کوٹھی کے سامنے سڑک پر گاڑیوں کی لمبی قطار تھی۔ تمام کاروں کی چمک دمک ایک دوسرے سے بڑھ کر تھی۔ ایسی چمک کہ آنکھیں چندھیا جائیں۔ کوٹھی میں بڑے صاحب کو فوت ہوئے [illegible] پہلے سڑک پر ہی مرنے کی جگہ دے دی۔ بڑے بیٹے کے لوگ بڑے صاحب کے جنازے میں شرکت کے لیے آئے ہوئے تھے۔ لیکن ان لوگوں میں زیادہ تر بڑے حضرات کی تھی۔ جنازے والے تو گاڑیوں کی لمبی قطار جنازے والی گاڑی کے پیچھے تھی۔ نئی گاڑیاں بھی راستے میں ہی پیچھے رہ گئی تھیں۔ جنھوں نے ان کے جنازے کو چار کاندھے دیے تھے۔ بڑے صاحب کے چاروں بیٹوں کا شمار شہر کے بڑے بڑے صاحب حیثیت لوگوں میں ہوتا تھا۔ بڑے صاحب کی اپنی جو عالیشان کوٹھی تھی جو شہر کی سب سے پوش کالونیوں میں سے ایک تھی۔ اور بڑے صاحب کے پاس تھی تمام ایئر کنڈیشنڈ [illegible] بڑے صاحب نے اپنے والد بزرگوار کے [illegible] کے لیے [illegible] رقم خرچ کی تھی۔ بڑے صاحب کی تعظیم میں کسی قسم کی کمی نہ رہے۔ جنازے کے بعد انھوں نے [illegible] کے لیے [illegible] بڑے صاحب کی قل خوانی کا اہتمام کیا۔ [illegible] چاروں بھائیوں نے والد کے جنازے کے دوران آنسو بہانے کی کوشش کی [illegible] میں شمولیت سے محروم ہی رہے۔ [illegible] خانے میں چاروں بھائیوں کی [illegible] کے [illegible] چلے [illegible] سے [illegible] انھیں [illegible] تھیں جو کہ [illegible] کوشش [illegible] کام ہو جاتی۔

"[illegible] تو [illegible] بھی نہیں کرنے دی" ایک شخص نے

Scanned by CamScanner

دوسری کے کان میں کہا۔

"ہائے اللہ میرے تو آنسو ہی نہیں نکل رہے۔ لوگ کیا کہیں گے۔" دوسری بیگم صاحب کی آواز گونجی۔

"ارے میرے پرس میں تو ہر وقت گلیسرین ہوتی ہے مولی آج ہی ختم ہو گئی" تیسری صاحب چپ ہو گئی تھی۔

"ارے رومال کو مرچیں لگا رہی ہیں آنسو خود بخود آ جائیں گے۔" پانچویں بیگم نے آہستہ سے کہا۔ بیگمات آنسو بہانے کی مختلف ترکیبوں پر غور کر رہی تھیں۔ دوسری بیگم رونے کے لیے آئی رہیں اور وہ بھی رومال اور ٹشو پیپر بار بار آنکھوں پر رکھ رہی ہیں۔ چودھری صاحب اور ان کی ہوائی کو قبرستان کے سپرد کر آئے تھے۔ قبر کا بندوبست تو انہوں نے پہلے ہی کر رکھا تھا اور گورکن کی ضرورت بھی اپنے ملازم میں سے دی تھی۔ کفن تو انہوں نے خود کے سب سے پہلے روانہ سے لے رکھے تھے۔ ہوائی کو گورکن کے حوالے کرنے کے بعد اس فرض سے سبکدوش کرنے کی تدفین ہو گئی۔ رات کو سب صاحبان اور بیگمات کے درمیان مشغلہ ہوئی کہ اب صاحب کی قل خوانی کے دن کس کس کی ذمہ داری ہو۔

"سب سے پہلے تو قل خوانی کے لیے لوگوں کو بٹھانے کے لیے کوئی مناسب جگہ ہونی چاہیے اور اس مقصد میں دریاں ضروری ہیں" وقار صاحب نے کہا۔

"ہائے اللہ! دریاں تو بڑی عجیب ہوتی ہیں۔ یہ تو میرے خیال میں غریب لوگ استعمال کرتے ہیں۔"

"ہاں، بالکل ان دریوں وغیرہ سے smell بھی کیسی عجیب آتی ہے۔" تیسری بیگم نے ناک سکوڑا۔

"میرے خیال میں تو قالین بہتر رہیں گے۔" بیگم صاحب نے تجویز پیش کی۔

"ہاں ماربل فلور کے کارپٹ میں ایک ٹیبل لیمپ کتنا اچھا لگتا ہے۔" وقار صاحب کی بڑی بیٹی بولی۔

"ویسے میری بیٹی بھی genius ہے۔" بیگم صاحبہ اٹھلائیں۔

"پھر یہ تو decide ہو گیا کہ کھانے باہر سے منگوائے جائیں گے۔" وقار صاحب نے کہا۔

"چاول تو سلطان کے ہاں والے سے لیں گے۔ ان کی دکان میں بہت اچھی سفید چاول بنتی ہیں۔"

"ہاں، وہ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" دوسری بیگم صاحبہ نے جواب دیا۔

"ہاں ہاں، وہ بھی سفید چاول ہی دیں گی، رشتے کے کام پر بہت اچھی لگیں گی۔" تیسری بولیں۔

"ایک سب سے اہم بات تو میں بھول ہی گئی۔" بیگم صاحبہ بول اٹھیں۔

"کیا؟" وقار صاحب نے چونک کر پوچھا۔

"ارے بھئی آپ نے قل خوانی کے لیے اپنے سفید سوٹ تو رکھے ہیں یا نہیں؟"

"ارے وہ تو ہیں ہی۔ اتنی جلدی بھی کیا ہے۔" وقار صاحب نے کہا۔

"ارے بھئی دو دن ہیں، آپ آج ہی سوٹ خرید کر ٹیلر کو دے دیں۔" بیگم صاحبہ نے کہا۔

"ہاں میں بھی آج شاپنگ کے لیے جاؤں گی۔ میں نے بھی نیا بلیک سوٹ لینا ہے۔" دوسری بیگم صاحبہ نے کہا۔

"ہاں بھئی بلیک سوٹ نہ ہو تو لوگ کہیں گے کہ ان کو صدمے کا کوئی غم ہی نہیں۔" تیسری بیگم صاحبہ کب چپ رہ سکتی تھیں۔

"بھئی میں تو کہتی ہوں آپ ابھی شاپنگ کے لیے جائیں اور قل خوانی کے لیے سفید سوٹ خرید کر ٹیلر کو دے دیں اور بال بچوں کے لیے بھی سفید سوٹ ضرور لیجئے گا۔" بیگم صاحبہ نے ہدایت کی۔

"ویسے آجکل رواج کیا چل رہا ہے؟" چوتھی بیگم صاحبہ نے پوچھا۔

"بھئی آجکل تو یہی trend ہے کہ قل خوانی کے روز خواتین بلیک سوٹ پہنا کرتی

Scanned by CamScanner

سلیو سوٹ پہنتے ہیں۔" بیگم صاحبہ نے ان کی درستی کی۔

"پھر تو نئے کپڑے بنانے ضروری ہیں بھلا ہم قل خوانی کے دن والوں کو پہن کر دکھائیں گے۔" پھوپھی بیگم نے کہا۔

"اچھا بھئی آج شاپنگ کے لیے جائیں گے۔" وقار صاحب نے باتوں کی طوالت سے تنگ آ کر کہا۔

"ہاں بھئی ضرور جائیں گے ورنہ ہماری تو ناک کٹ جائے گی۔" بیگم صاحبہ نے ناک پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔

اتنے میں وقار صاحب کا چھوٹا بیٹا بھی وہاں آ نکلا۔ شاپنگ کی بھنک اس کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ وہ خوش ہو کر بولا

"پاپا میں وہ سوٹ خریدوں گا جیسا اس دن شاہ رخ خان نے فلم میں پہنا ہوا تھا۔" اس نے شاہ رخ خان کا اسٹائل بناتے ہوئے کہا۔

"دیکھو میرا بیٹا کتنا حسین ہے بڑا ہو کے ہیرو بنے گا میرا۔" بیگم صاحبہ اترائیں۔

"اچھا بھئی اب ذرا کھانے پینے کی بات ہو جائے۔ خیرات میں کیا پکایا جائے" وقار صاحب نے سب سے مشورہ طلب کیا۔

"بھئی بریانی suitable ہے۔ آپ کو تو معلوم ہے کہ آج کل simple بریانی trend میں رہا ہے۔" بیگم صاحبہ نے مشورہ دیا۔

"ہاں جب تک بریانی میں روسٹ نہ ہو مجھ سے تو کھائی نہیں جاتی۔" بڑی بیگم صاحبہ نے کہا۔

"بالکل میرا بھی یہی حال ہے۔" تیسری نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔

"ہاں پتہ نہیں یہ lower class لوگ کیسے کھا لیتے ہیں۔ چنوں والے چاول کیا عجیب combination ہے چنے چاول۔" پھوپھی نے منہ بنایا۔

"بس بریانی از دی بیسٹ۔" بیگم صاحبہ نے حتمی فیصلہ دیتے ہوئے کہا۔

"آخر آدمی کچھ خیرات کرے تو ثواب تو ملے ویسے خیرات کرنے کا فائدہ" وقار صاحب نے سب کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"اور ہاں ساتھ سویٹ ڈش بھی تو ضروری ہے۔" بیگم صاحب نے کہا۔

"میرے خیال میں ربڑی کی مناسبت سے زردہ اچھا رہے گا۔" وقار صاحب نے کہا۔

"ہاں بابا، گرین، پنک اور وائٹ کلر والے چاول پکائیں گے۔" وقار صاحب کی بیٹی بولی۔

"ہائے اللہ دیکھنا میری بیٹی کا کلر combination کتنا اچھا ہے۔ تم دیکھنا یہ بہت بڑی ڈش ڈیزائنر بنے گی۔" بیگم صاحب نے پیار سے بیٹی کو گھورا۔

"مجھے تو یہ پیلے چاول بالکل پسند نہیں۔" دوسری بیگم صاحب نے رائے دی۔

"اس پر نہیں یہ تھرڈ کلاس چاول کون کھاتا ہے۔" تیسری نے منہ بنایا۔

"مجھے تو یہ yellow چاول دیکھ کر گھن ہونے لگتی ہے۔" چوتھی بولی۔

"بیٹا تھرڈ کلاس لوگ ہی کھاتے ہوں گے۔" بڑی بیگم صاحب نے چہرے پر نخوت چڑھا کر کہا۔

"بابا دادو کی قلم بھی بنائیں گے۔" وقار صاحب کے چھوٹے بیٹے کی آواز آئی۔

"اسے ایسے نہیں کہتے۔" وقار صاحب نے کہا۔

"ارے بچہ ہے اس کا مطلب ہے کہ دادو کی قل خوانی کی مووی بنائیں گے۔" بیگم صاحب نے وضاحت کی۔

"بابا وہاں مووی میکر وقار بیسٹ ہے۔" اب کی بار بڑا بیٹا بولا "بابا وہ بہت اچھا مووی بناتا ہے اور اس کے پاس اپنے ہوتے ہیں جیسے [illegible] اور [illegible]۔" بچے نے ہاتھوں سے کیمرے کا ایکشن بناتے ہوئے کہا۔

"ہائے میرا بچہ کتنا ذہین ہے۔ دیکھنا یہ تم دونوں سے بہتر بنے گا۔" بیگم صاحب ایک

مرتبہ پھر اصرار کیا۔

"اچھا بھئی یہ مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔" وقار صاحب نے کہا۔

"ہاں سب سے اہم مسئلہ تو رہ گیا۔" وقار صاحب نے چونک کر کہا۔

"کیا؟" بیگم صاحبہ بھی چونک پڑیں۔

"ارے بھئی قرآن خوانی کے لئے پارے بھی تو لینے ہیں۔" وقار صاحب نے کہا۔

"ہاں بھئی یہ خیال تو مجھے بھی نہیں آیا۔" بیگم صاحبہ نے [illegible] کہا۔

"چلو آج بازار جا کر لے لیں گے۔" وقار صاحب نے کہا۔

"ویسے تو میرے خیال میں سب discuss ہو گیا۔" وقار صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا۔ شام کو وقار صاحب اپنے بھائی کے ہمراہ بازار کی طرف چلے، مختلف دکانوں پر خریداری کے بعد وہ ایک بک اسٹال پر رکے اور دکاندار سے پارے لانے کے لیے کہا۔ جس نے پارے لا کر ان کے سامنے رکھ دیے۔ وقار صاحب کے بھائی نے پارے الٹ پلٹ کر دیکھے اور بولے۔

"جی ہمیں اچھے والا قرآن مجید چاہیے۔"

"جی؟" دکاندار نے چونک کر پوچھا۔

"جی ان کا مطلب ہے کہ ذرا اچھی پرنٹنگ والے پارے دکھا دیں۔" وقار صاحب نے وضاحت کی۔

"جی جی! ہاں جی" دکاندار نے خوش مزاجی سے کہا اور دوسرے پارے لا کر ان کے سامنے رکھ دیے۔ وقار صاحب کے بھائی نے پارے الٹ پلٹ کر دیکھے اور پوچھا

"یہ سارے پارے ایک جیسے ہی ہیں یا مختلف"۔

"جی؟" دکاندار ایک مرتبہ پھر چونکا۔

"جی ان کا مطلب ہے کہ پاروں کی پرنٹنگ میں فرق تو نہیں۔" وقار صاحب نے ایک مرتبہ پھر وضاحت کی۔

Scanned by CamScanner

"مولوی صاحب نے مولوی جی سے جو کہا ہے، اس کے مطابق ہم وقف کر گئے ہیں اور
پھر بھی ... ہے۔" وقار صاحب کے بھائی نے کہا۔

"جی، اس کی قیمت کتنی ہے؟"

"جی، اس کی قیمت کوئی لاکھ روپے ۲۵۰ ہے۔" مولوی جی نے دہرائی۔

"جی وہی وہی۔" وقار صاحب کے بھائی نے کہا۔

"جی اس کا جو صرف ۲۰۰۰۰ روپے ہے۔" "ٹھیک ہے" کہا تو وقار صاحب نے وہاں سے دکان سے پیچھے ہٹے۔ دو دن تک اسی طرح کی مشکل کوشش رہی۔ پھر مولوی جی اب سب کچھ لے کر گھر سے غائب ہو کر ایک ہفتے پیچھے اور سب صاحبان نے مل کر یہ ... قرآن کے سب سے ... مولوی کو دیا گیا۔ ختم قرآن کے بعد مولوی صاحب ... کے لیے گئے تو وقار صاحب کے سب سے چھوٹے بھائی نے مولوی صاحب سے ہاتھ ملایا۔

"مولوی صاحب، اب ... پوچھوں گا۔" مولوی نے گھبرا کر انھیں دیکھا اور دعا ... کرلی۔ ... کو ... گھر ... تو مولوی جی ... گئے۔ ... گھر سے غائب ہو ... صاحبان ... ہو کر ... انھوں نے ... کے ... سے ... دیا ہے۔

خود کلامی

دسمبر کی بارش ہو رہی تھی اور تیز ہواؤں کی سنسناہٹ نے ایک پر اسرار فضا قائم کر رکھی تھی۔ وہ اپنے کمرے کی بند کھڑکی سے لگا بے مقصد باہر نیچے سڑک کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جہاں پر کوئی گاڑی بڑی تیزی سے گزر جاتی اور پھر ایک لمبے وقفے کے لیے سناٹا چھا جاتا اور ہواؤں کا شور تو بارش کی بوندوں کے ساتھ مل کر فضا میں گونجنے لگتا۔

بارش کے چند قطرے کھڑکی کے شیشے پر آ کر جم گئے اور آہستہ آہستہ نیچے پھسلنے لگے۔ وہ بے اختیاری سے اس منظر کو دیکھنے لگا۔

اس کا ذہن پرواز کر چکا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ دور کی وادی میں بچھڑی کے ساتھ رنگوں سے بھرے جہاں میں گھومتے ہوئے۔ اسے ایک پل کے لیے بھی یہ خیال نہیں آیا ہو گا کہ کوئی کہیں تھا، شدت سے اسے یاد کر رہا ہے۔ وہ گہرے بادل کی صورت کسی کے ذہن پر چھائی ہوئی ہے کہ نہ تو وہ برستی ہے اور نہ چھٹتی ہے کہ یادوں کی اذیت، دکھ تو ہر ... یہ یادیں بھی تو تحفہ بند ہی سے ہیں۔ بالکل دسمبر کی راتوں کی طرح جو کبھی سورج کا روپ دھار کے وجود کو منور کرتی ہیں اور کبھی اس قدر طویل ہو جاتی ہیں کہ کٹنے کا نام تک نہیں لیتیں۔۔۔ وہ خود سے سوال کرنے لگا "آخر وہ مجھے اتنا کیوں یاد آتی ہے؟ کیا وہ بھی وقت کے گزرنے سے ایک بھی پل مجھ سے دور کرتی ہو گی؟"۔ وہ اس سوال کا جواب ڈھونڈتے ڈھونڈتے بے حد پاگل ہو چکا تھا۔ اچانک اسے کمرے میں بے پناہ حبس محسوس ہونے لگا اور اس کا دم گھٹنے لگا۔ دو آنسو اس کی آنکھوں سے پھسل کر اس کے ہاتھ کی پشت پر آ گرے۔۔۔ اس نے فوراً ہاتھ آگے بڑھا کر کھڑکی کھول دی۔ یخ بستہ ہوا کا جھونکا اندر داخل ہوا اور اس کو کپکپا کر رکھ دیا مگر اس کے ذہن میں اب بھی لاوا سا پک رہا تھا۔ اس نے یہ سوچتے ہوئے کھڑکی بند کر دی کہ جس کی تلخی دیواروں میں گم کر دیا

Scanned by CamScanner

جو اسے کب سے دہلا رہا ہے۔

اس کا ذہن دوبارہ ان گزرے ہوئے واقعات کی طرف چلا گیا جنہیں وہ سالوں سے بھی عزیز رکھتا تھا۔ جب بھی اس کا چہرہ اس کے ذہن کے پردوں پر ابھرتا تو اس کے دل میں درد کا سیلاب سا امڈ آتا۔ گزرے واقعات ایک ترتیب کے ساتھ کسی فلم کی طرح اس کے ذہن کے پردے پر چلنے لگے۔ وہ پہلی ملاقات جب ثمرہ دنیا کے ہجوم سے دور ہٹ کر اس کی زندگی میں آئی تھی۔ اس کی شخصیت جیسے کسی رنگین پھولوں کے باغ میں کھلا ہوا گلاب تھا۔ اس کے وہ لمحات اس کے گھر سے اسے ہوٹل لے جانے میں گزار دیا تھا اور وہ بات سے قدرت کے عطا کردہ تحفے ہی سے اس نے محبت جیسے انوکھے جذبے کو اپنا دیا تھا۔ اس کی آنکھیں جن میں اس نے وہ کبھی اپنی ایک تصویر دیکھی تھی۔

سب سے اہم وہ واقعات جو اس نے ساتھ مل کر گزارے صرف تھی ختم ہو چکی تھی۔ وہ بار بار اس بات کو سوچتا کہ جو اس نے ہوتے سے اس کا ہاتھ چھوڑ کر دیا تھا۔ وہ وقت آنے کی دیر تھی اور وہیں وہ اس کی بڑی محبت کے پھولوں کو روند گئی۔ وہ شاید اس کو پا کر آپ حیات سے لبریز ہو رہا تھا۔ وہ عمر بھر اس کے ہونے سے سال ہونے کو ہے۔ اس نے کوئی لمحہ ایسا نہیں گزارا جب اس نے چاہنے کی بجائے اس کے کھونے کو وقت کے قبرستان میں دفن کر دیا ہو۔ اس نے بارہا آب حیات تلاش کرنے کے لیے وقت کی تمام دولت لٹا دی تھی مگر وہ انمول لمحے بچانے کی کوشش کرتا رہا جو اس کے دل میں اب تک زندہ تھے۔ وہ جتنا بھلانے کی کوشش کرتا وہ اتنا ہی اس کو یاد آ جاتی۔

اس کی زندگی ختم ہو چکی تھی اور اب وہ ایک زندہ لاش کی صورت رہ گیا تھا۔ محبت کی تلخ یادوں میں بھی وہ کمال حد تک کھو گیا تھا۔ جیسے کوئی بچہ کسی کھلونے کے کھو جانے پر رو رہا ہو۔

اس کا ذہن ایک بار پھر ماضی کے بھنور میں داخل ہو گیا جہاں وہ تنہا کھڑا تھا۔

Scanned by CamScanner

میں کیوں اس کے بارے میں غلط سوچ رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے وہ بھی اس پل مجھے سوچ رہی ہو۔ تصور میں مجھ سے باتیں کر رہی ہو۔ بھولی سوئی مجھ سے روٹھی ہوئی ہو اور میں اسے منانے کی کوشش کر رہا ہوں ۔۔۔ ہو ۔۔۔ اور میری کسی بات پہ وہ حقیقت میں کھلکھلا کر ہنس رہی ہو اور ہو سکتا ہے بلاوجہ بیٹھے پہ اسے کسی نے ٹوک دیا ہو اور ابھی اس پہ خفا ہو وہ ناراض ہو گئی ہو۔ اس نے مجھ سے رابطہ نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے اس کی کوئی مجبوری رہی ہو۔ مجھے اس کے بارے میں غلط نہیں سوچنا چاہیے۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس نے مجھے خط لکھا ہو اور جلدی میں پتہ ٹھیک سے نہ لکھا گیا ہو اور ہو سکتا ہے اس نے مجھے فون کرنے کی کوشش بھی کی ہو مگر رابطے میں کوئی مسئلہ رہا ہو۔ مجھے غلط نہیں سوچنا چاہیے۔ وہ مجھے کیسے بھول سکتی ہے"

وہ اپنے کمرے کی دیوار تلے میں بیٹھا ہوا تھا۔ چاروں طرف مکمل خاموشی چھائی تھی وہ دیکھ رہا تھا کمرے کی ویران دیواروں پہ ہاتھ میں سگریٹ لئے سوچوں کے کانٹوں کا بوجھ اٹھائے بے حال تھا۔۔ یاد تھا۔ وہ سوچنے لگا اس کے واپس آتے ہوئے دس دن گزر گئے ہیں مگر اس نے کوئی رابطہ نہیں کیا شاید بہت مصروف ہو گی۔ اتنے دنوں کے بعد لوٹی ہے۔ خاندان بھر کے لوگ ملنے آئے ہوں گے۔

آج پھر دسمبر کی بارش خوب برس رہی تھی۔ ہوائیں سنسنا رہی تھیں۔ آج اس نے کھڑکی کھول رکھی تھی۔ بارش کی بوچھاڑ نے اس کا سارا چہرہ بھگو دیا تھا۔ بارش کی وجہ سے آنسوؤں اور پانی کی بوندوں میں فرق کرنا ممکن نہ تھا۔

اس کے ذہن میں بس اس کی کال کے یہ الفاظ گردش کر رہے تھے۔ "وہ اس کی کوئی خاص مصروفیت نہیں ہے آج کل ۔۔۔ بس گھر میں رہ کر بور ہوتی ہے یا سو لیتی ہے۔"

چاردیواری

Scanned by CamScanner

[illegible]

Scanned by CamScanner

اندر کا آدمی

(دل میں اپنے اپنے دماغ اور ذات کی اہمیت)

وہ اکثر اپنی تحریر میں اندر کے آدمی کے بارے میں کہتے ہیں۔ اب یہ میں نہیں جانتا کہ اصل "میں" کون ہے، اندر کا آدمی ہے یا باہر کا۔ شاید دونوں ہی میرے "میں" ہیں۔ ایک بات واضح ہے کہ "اندر کا آدمی" ایک وقت میں زیادہ پاکیزہ بھی ہے اور طاقتور بھی۔ لیکن یہ بات بھی ہے کہ یہ آدمی نہ صرف زیادہ پاکیزہ ہے بلکہ بعض اوقات تو بہت ہی چالاک ہے کہ اسے پتا بھی نہیں چلتا۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ بعض اوقات اپنے رویوں میں بہت زیادہ (Vulgar) اور غیر مہذب ہو جاتا ہے اور کسی کو بہتر ہونے کی ضرورت ہے تو اپنا رویہ بہتر کرنا ہوگا۔

تاریخ گواہ ہے کہ جو قومیں ضرورت سے زیادہ مہذب اور نگرہ ہو جاتی ہیں وہ آخر کار ختم ہو جاتی ہیں کہ جدید کی دوسری طاقتور قوم کے شوق فتوحات کے "شوق فضول" کا شکار ہو جاتی ہیں۔ بہت سی طاقتور قومیں آ کر ان کو تباہ کر جاتی ہیں۔ چنگیز خان اور ہلاکو خان کی داستانیں بتاتی ہیں کہ کس طرح انہوں نے اس وقت کی مہذب قوموں کو تہس نہس کر دیا۔ تاریخ سے میں نے یہ سیکھا ہے کہ زیادہ مہذب اور نگرہ ہو کر مر جانے سے بہتر ہے کہ اپنے اندر کے آدمی سے کام لیا جائے۔ اس لحاظ سے "اندر کے آدمی" کا رویہ بعض اوقات بہت اچھا بھی لگتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اب اس عمر میں آ کر مصیبت سے نکلنے کے لیے اندر کے آدمی کے بعض اوقات کے غیر مہذب رویے اچھے لگتے ہیں کہ جن کی اس وقت ضرورت تھی جب میں گم تھا اور اپنی زندگی میں مہذب رویوں کی پابندی کے بوجھ تلے گم ہو گیا۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

Scanned by CamScanner

(Discipline)

Scanned by CamScanner

آدرشوں اور سچائیوں کو طلب کرتی ہیں۔ میرے اندر کا آدمی بعض لمحے ان باتوں کا احساس دلاتا ہے اور مجھے زندگی گزارنا سکھاتا ہے۔ مجھے اکثر غیر منظم آدمی قابل رشک لگتے ہیں جنہوں نے اپنی آدرشوں کو طاق پر رکھا ہے اور وقت کی گرد میں وہ اوجھل نہیں ہونے دیا۔

ہمارے ہاں بعض بہت اچھے الفاظ کے غلط معنی لیے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر ڈیسنٹ (Decent) یا مہذب ہونے کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ خدمت کے جذبے بھی اس کی نذر کر دیے جائیں۔ حالانکہ دنیا کو اچھے مہذب انسانوں کی ضرورت پڑتی ہے جو دوسروں کی خدمت کرنے کے لیے گندگی سے ہاتھ آلودہ کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو انسانوں کی خاطر اپنی نفاست طبع کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔ میرے "اندر کا آدمی" بعض اوقات مجھے اسی جذبے کا درس دیتا ہے۔

وقت پڑنے پر میری خوشیوں اور میری عزت کی خاطر وہ ناپسندیدہ حرکت بھی کر گزرتا ہے جو میں پہلے کبھی سوچ بھی نہیں سکتا۔ یوں میری خاطر اپنی شخصیت کی قربانی دے جاتا ہے اور آپ جانتے ہیں دوسرے کی خاطر اپنی شخصیت کی قربانی دینے کی کتنی بڑی اہمیت ہے۔ شاید جان کی قربانی سے بھی بڑھ کر!!

دریچۂ دل

ابھی سے پہر ہی کی تھی جس خلافِ توقع میرا کمرہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا میں نے بے چین ہو کر [illegible] کہ میں اپنے کمرے کے تمام روشندان کھول دوں تاکہ کمرے میں اُجالا بھر جائے۔ جوں ہی روشندانوں سے ہلکی ہلکی [illegible] کمرے میں [illegible] ہوئے اپنے ساتھ روشنی کی کرنوں کو کمرے میں بکھیر گئے اور کمرے کی تاریکی پل دم بھاگ گئی۔ میں جہاں رہائش پذیر ہوں۔ یہ ہمارا آبائی گھر ہے جسے تعمیر ہوئے تقریباً ساٹھ (۶۰) برس کا عرصہ بیت چکا ہے۔ یوں کہئے یہ گھر آدھی صدی سے زائد کا ہو چکا ہے۔ اس گھر میں [illegible] پودے لگے ہوئے ہیں اور آنگن [illegible] ہوا ہے۔ گھر کے اطراف میں مختلف قسم کے درخت ہیں۔ جن کی شاخوں پر چڑیاں [illegible] اور [illegible] آواز سے گھر میں گونجتی رہتی ہیں [illegible] کی خوشبو [illegible] ہیں اور رنگ برنگ گلاب کی کیاریاں بہار و خزاں کی تصویر پیش کرتی ہیں۔ اس گھر نے اس عرصہ میں گرم و سرد ہواؤں کے تھپیڑے بھی سہے ہیں اور ساتھ ہی اس کے ہر گوشے سے مختلف یادیں بھی وابستہ ہیں۔ میں اب بھی ان کی [illegible] پر [illegible] ہوں تو پیچھے ان سرگوشیوں کے [illegible] دیتے ہیں۔ اس وقت جب اس گھر کی تعمیر ہوئی تھی۔ [illegible] چھتیں [illegible] کا رواج تھا۔ ہوا اور روشنی کی آمد [illegible] کے لیے روشن دانوں پر چھتوں سے قریب رکھے جاتے تھے۔ آج [illegible] کے [illegible] نے انسان کی سوچ کو تبدیل کر دیا ہے۔ [illegible] ہو گئے ہیں۔ [illegible]

[illegible] کی وصول [illegible] اپنی ذات میں [illegible]

آپ کو [illegible] حال میں [illegible] وقت نے [illegible] اپنی [illegible]

[illegible] گھر میں آنے کے لیے [illegible]

کمرے [illegible] ہے۔

میں اب بھی ان [illegible] کو محسوس [illegible] تو کہا جائے [illegible] ہے [illegible] عام لوگوں سے [illegible] دنیا کے قید خانے میں [illegible] جہاں [illegible] ہے۔ اس [illegible] (اصلی وطن) سے جدا [illegible] ہے۔ اس [illegible] آزادی [illegible] ہے۔ اس [illegible]

سن [illegible] نے [illegible] حکایت کر رہی

[illegible] جدائی [illegible] شکایت کر رہی

[illegible] قید کا عادی ہو جاتا ہے۔ اس دنیا کی مادی قید میں [illegible] اس کی آزادی کو چھین [illegible] کمرے میں بند [illegible] ہے۔ جہاں اس قیدی کو [illegible] کال کوٹھری کے [illegible] ایک قیدی کے لیے تو کمرے میں [illegible] لیکن یہ قید تنہائی اس کے وجود کو اپنا [illegible] احساس [illegible] ہے۔ اپنی [illegible] آزاد فضا میں سانس لینے کی تمنا کو بیدار کرتی ہے [illegible] آزاد فضا کی تمنا [illegible] اور آزادی کے پیچھے [illegible]

Scanned by CamScanner

جانے آج کیوں میری طبیعت خلافِ معمول بکھری بکھری سی تھی۔ ایک گہری اداسی نے مجھے اپنے دل کے دامن میں چھپا لینے پر مجبور کر دیا۔ اس دامن سے نکلی یادوں نے مجھے بچپن کی معصوم شرارتوں اور شباب کی بے نام سی خواہشات کی یاد دلا دی وہ دن جن میں ازلی ہواؤں کے سنگ رقص کرنے کے لیے پیاری ایک عالم کی عشق نے مجھے بہت مضطرب رکھا۔ لیکن ذمہ داری کا لبادہ اوڑھ کر میں نے اپنے شوہر کی بے بس صورت اور ان کی کال کوٹھری میں مقید کر دیا۔ دوسری رسوائی کے ڈر، بچوں کی پرورش، گھر یہ سب دولت کی ضرورت نے۔ مجھے اس قدر مصروف کر دیا کہ میری زندگی کے بچپن جوانی زندگی سے رخصت ہو گئے۔ بچوں کے بیاہ جانے اور والدہ کی وفات کے بعد تنہا رہ گئے اور دامن دل سے نکلی وہ کہانیاں کے تخیل کے اس معلوم سے آشنا ہے۔

یہ کہانی صرف میری اپنی نہیں ہے بلکہ ہر اس عورت کی ہے جو زندگی کے سفر میں ساتھ چلتے اپنے شوہر سے بچھڑ کر اکیلی رہ جاتی ہے۔ عورت کی اس جذباتی کشمکش کی تخلیق آپ کو اپنے قدیم اردو لٹریچر میں مل جائے گی۔ مولانا الطاف حسین حالی کی نظم بیوہ کی مناجات چپ کی داد میں عورت کے ایسے ہی جذبات کی ترجمانی کی گئی ہے۔ دلشاد بیوی کی زندگی، شام زندگی، شب زندگی میں بھی اس دور کی مظلوم و مقہور عورت کی حالت زار کو بیان کیا گیا ہے جو بالکل ویسی ہی ہے گویا ایک داستان ہے۔ یہ دور اور یہ صدی میں آکر بدل رہی ہیں۔ اس کا تعلق خواہ ایشیا کی کسی عورت سے ہو یا پھر اس عورت کا تعلق امریکہ سے ہو۔ یہ ہر عورت کی دکھ اور محرومی کی داستان ہے۔ آج کے جدید دور میں بھی انکی اسی طرح یوں بیت جاتی ہے جو تمام عمر شوہر کے ساتھ گزارنے والی زندگی گزار دیتی ہے۔ اس کے کئی پہلو ہیں۔ جو یہ اس داستان نویسی کے دوران مجھ پر کھلی ہیں، ان کی طرف اشارہ ہے۔

لیکن اس کی دنیا پارساؤں کا جہاں ہے وہ ایک کٹ پتلی ہے جس کی ڈور کسی اور کے
ہاتھ میں ہے

آج جب روزن سے آتی روشنی کی کرنوں نے کمرے کی تاریکی کو اجالے میں بدلا تو مجھے احساس محسوس ہوا جیسے میرے روزنِ دل پر لگے قفل کو اس روشنی کی کرن نے امید کی چابی سے کھول دیا ہو۔ مجھے یوں لگا جیسے آگاہی کی کشش مجھے کسی ڈوری کی طرح اپنی جانب کھینچ رہی تھی۔ میرے دل و دماغ میں ایک الجھن سی تھی۔ اور میں وجود بہ وجود ہو کر خود اپنی ذات میں شامل ہو گئی۔ میں یہ سوچنے لگی۔ عورت جس کو لے جو قیدِ حدود کی پابند ہے۔ اور کیا روزن میں روشنی کی کرن کی طرح چمکتی ہے وہ مجبور محض بن کر اپنی زندگی کیوں گزارتی ہے۔ اسے اپنی ذات کو اس دنیا کے رنگوں کی بھیڑ کے حوالے نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ اپنے روزنِ دل میں سے اس دنیا کو خود دیکھنا چاہیے۔ یہاں سے ٹھنڈی ہوا کا صرف ایک جھونکا ہی آ سکے۔ کوئی وقت بھی ایسا ضرور آتا ہے۔ یہ وقت اگر سوال بن جاتا ہے تو دل سے نکلی روشنی کی کرن ہی اس کے لیے امید کا دیا روشن کر سکتی ہے۔ یہ دیا خود ہوا سے روشن ہو کیوں نہ ہو۔ عورت کو اپنے وجود میں چھپی اس کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا ہے۔ اسے اپنی ذات کی پہچان کر کے اپنے آپ کو قید سے نکالنا ہے۔

گھر کے حصار میں گھر جانے کے بعد جب چاروں اطراف کے دروازے میرے لیے بند ہو گئے تو نہاں خانۂ دل میں ایک روزن خود بخود کھل گیا۔ اس روزن سے اٹھنے والی ہوا کے جھونکے میرے وجود میں اتر گئے اور اس روشنی نے میرے تخیل کو متحمل کر دیا۔ گھر کے حصار کو توڑ کر اس چوکھٹ سے دنیا کی اصل حقیقت کی پہچان کرنا۔ اور اس پہچان نے میرے وجود کی حیثیت کی شناخت کو بدل ڈالا۔ عزم و حوصلہ، عدل و انصاف اور محبت جیسی اقدار کو اپنانے کا درس دیا۔ مجھے محسوس ہوا جیسے

رہی ہوں مرنے سے نکلنے والی شعاعوں کے قریب تر ہوتی چلی جا رہی ہوں۔ یہ مجھے جو جو
یہ سب مجھ سے قریب تر کر رہی ہیں اور مجھے قدرت کے فیصلوں پر راضی برضا
رہنا سکھا رہی ہیں۔ مجھے عمل تخلیق میں شریک ہو کر راحتوں کو حاصل کرنے کا گر
سکھا رہی ہیں۔ اب میں ہر اسرار حقیقت کے انکشاف سے پہلے نئے ہونٹوں پر ایک
مسکراہٹ بکھیر دوں گی اور میرے نہاں خانۂ دل کے روزن سے جھانکتی ہوئی ہوا کے لطیف
جھونکوں نے ایک نئی صبح کی نوید دی۔

Scanned by CamScanner

لباس

لباس دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک لباس وہ جو بال، رُواں اور جلد کی صورت فطرت کی طرف سے سب جانداروں کو ودیعت ہوا ہے۔ اسے Primary Skin کہتے ہیں جبکہ دوسرا لباس انسانی اختراع ہے جس کا تصور فطری جلد کو ناکافی خیال کرتے ہوئے پیدا ہوا اور اسے Secondary Skin کہا جاتا ہے۔

یہ لباس کا تصور انسان کے محض جسمانی احتیاج کا نتیجہ نہیں۔ پہلے پہل یہ بھی تھا۔ ابتدا میں لباس انسان کے جسمانی حصوں کا اخفا لیے ہوئے تھا۔ اس نے لباس پر فطری انحصار، جو کہ قدرت کی گرمی، سردی، موسموں اور دوسرے ناگوار عناصر کو ترک کرتے ہوئے اسے اپنی ذات پر حاوی ہونے دیا۔ اس نے لباس کو فطرت کی نہ صرف یہ کہ جو پوشاک تھی بلکہ اس سے اپنی کمزوری، بے بسی کا اظہار بھی کیا۔

رفتہ رفتہ لباس انسان کی تہذیب و ثقافت کا حصہ بنتا چلا گیا۔ اب برہنگی انسان کے جنگلی عہد سے موسوم ہونے لگی۔ جس معاشرے میں کپڑے پہنے جاتے تھے وہاں برہنہ آدمی کو وحشی، جنگلی اور پاگل کہا جانے لگا۔ اگرچہ 15ویں صدی کے بعد انسانی جسم کو جاننے کا شوق پیدا ہوا۔ اس شوق کا اظہار برہنہ مجسموں اور تصاویر کے ذریعے سے کیا گیا اور اس کے نتیجے میں انسانوں میں نیم برہنگی کا آغاز بھی ہوا مگر پھر بھی مکمل برہنگی کا چلن عام نہیں ہو سکا۔ لباس انسانی کلچر کا اہم حصہ ہے اور مختلف معاشروں اور ثقافتوں کے تشخص کی علامت ہے۔

لباس اگرچہ انسان کی فطری ضرورت نہیں لیکن اب بنیادی ضرورتوں میں سے ایک

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

کے اظہار کی ایک خواہش ہر شخص میں ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ معاشی طور پر اونچے لباس پہنے کے قابل لوگ اس معاشرے میں معزز کہلاتے اور جھوٹی شان کی خاطر وہ اچھے اور مہنگے لباس کے حصول کے لیے ہر دم کوشاں رہتا ہے اور کسی حد تک اس میں کامیابی بھی حاصل کر لیتا ہے لیکن اس کوشش میں جو صورت حال سامنے آتی ہے وہ بڑی مضحکہ خیز ہوتی ہے۔

دراصل ہم سب خود لباس کو صرف تن ڈھانپنے کے لیے استعمال نہیں کرتے اور نہ ہی موسمی حالات کی تسکین اس کا مقصد ہے بلکہ اس کا احساس کمتری لباس کے معاملے میں اس کا محرک ہے۔ وہ لباس سے تن ڈھانپنے کی بجائے تن ڈھانپنے کا کام لیتا ہے اور معاشرے میں اپنی بہتر معاشی حیثیت کو اجاگر کرنے کے لیے لباس کا استعمال کرتا ہے جس کے نتیجے میں وہ شعوری طور پر ایک ان دیکھی جدوجہد کا شکار رہتا ہے۔

لہٰذا اس طرح ہم لباس اپنی حیثیت اور مرضی کے مطابق منتخب کرنے کے اختیار سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ایک جائزے کے مطابق ہماری ذاتی زندگی کے 95 فیصد سے زائد کام یا معاملات دوسرے لوگوں کی مرضی کے تابع ہوتے ہیں۔ ہمارا لباس کا انتخاب کرنا بھی انہی میں سے ایک عمل ہے۔

یہاں لباس کے حوالے سے فیشن کا ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ وہ عنصر ہے جو لباس کے انتخاب کے معاملے میں اکثر ہمیں درپیش ہوتا ہے۔ لباس اور فیشن لازم و ملزوم کی سی حیثیت رکھتے ہیں۔

فیشن کیا ہے؟ فیشن دراصل مقتدر لوگوں کا ایسا عمل ہے جو معاشرے کے متوسط لوگوں میں عام ہو جائے۔ فیشن ایک مرض ہے جو متوسط طبقے کو ذہنی طور پر آزار میں مبتلا رکھتا ہے۔

اگر عالمی معاشی منظر کے تناظر میں جائزہ لیں تو فیشن سرمایہ دار کا ایک استحصالی ہتھکنڈہ بھی ہے۔ وہ اسے فروغ دینے کے لیے لوگوں کو فیشن کے جال میں الجھا رکھتا ہے۔ فیشن

نیز یہ سرمایہ دار اپنی مصنوعات کے بارے میں بڑھ چڑھ کر مارکیٹ میں متعارف کرواتا ہے اور لوگوں کو خریدار بنے رہنے پر مجبور رکھتا ہے۔

لوگوں کو ان مصنوعات کی خریداری پر مائل کرنے کے لیے سرمایہ دار میڈیا اور اشتہارات کا سہارا لیتا ہے جو لوگوں میں سرمایہ دار کی مصنوعات نہ صرف متعارف کرواتی ہیں بلکہ ان مصنوعات کو خریدنے پر راغب بھی کرتی ہیں۔ میڈیا اور اشتہارات پر جو خرچ آتا ہے وہ مصنوعات کی قیمت میں اضافہ کر کے گاہک سے ہی وصول کیا جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خریدار سرمایہ دار کو نہ صرف یہ کہ جنس کی قیمت اضافی منافع کے ساتھ ادا کرتا ہے بلکہ وہ اشتہارات کرنے پر سرمایہ دار کا جو خرچ آتا ہے اس کی قیمت بھی چکاتا ہے۔

مغربی مادی اقتصادیات اور معاشیات کا ایک گروہ کہتا ہے کہ جس پر علیحدہ سے تفصیلی بحث کی ضرورت ہے۔ یہاں پر صرف اتنا کہنا ہے کہ فیشن کے نام پر بھی خریداری کروایا جاتا ہے۔

اب یہ کہنا یہ ہے کہ انسان کے بارے میں جو معاشرتی سوچ اور پیمانے زوال پذیر معاشروں کا ہے وہ آج پوری دنیا میں ہی پایا جاتا ہے۔ دیکھا جائے تو ایک خاص حد تک یہ پوری دنیا کا رویہ ہے لیکن عام حد تک صرف زوال پذیر معاشروں کا ہی خاصہ ہے۔ ان معاشروں میں تعلیم کی کمی اور طبقات میں واضح فرق پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے یہاں انسان کی عزت محض ظاہری اور مادی لوازمات کے حوالے سے کی جاتی ہے۔

ہونا تو اصل میں یہ تھا کہ من اعلیٰ ہو نہ کہ تن اعلیٰ۔ لیکن ہم تن اعلیٰ سے من اعلیٰ کی خواہش کرتے ہیں اور یہی المیہ ہے۔ لباس نے تن اعلیٰ سے من اعلیٰ تک کا سفر کبھی طے کیا؟ اس کی وجہ یہی اقدار اور معاشرتی طبقاتی نظام کی تشکیل اور اس سے پیدا ہونے والی نفسیاتی کیفیات ہیں۔

خالد محمود اعوان

اُف!...... یہ پڑھائی

"میرا بچہ ڈاکٹر ہے کیونکہ اسے ایک اچھے انگریزی سکول میں داخل کروایا تھا
مریضوں کو بیچ کھاتا رہتا ہے۔"

"میں نے اپنے بیٹے کو انجینئرنگ کی تعلیم دلوائی کیونکہ وہ اپنے تمام کھلونے کھول
کر ایک ایک پرزہ الگ کر دیتا ہے اور پھر انہیں اپنی جگہ جوڑ کر دوبارہ کھلونے کو اس کی
اصل حالت میں لے آتا ہے۔ ماشاء اللہ بہت ذہین ہے۔"

"میرا بیٹا بیوپاری ہے کیونکہ بچپن میں سودا سلف میں دکاندار کو یوں چکر دیتا تھا
کہ کیا کہوں! ایک دن پہلے کی بات ہے کہ بازار سے سودا سلف خرید کر آیا اور دکاندار
کے ساتھ ہزار روپے کا جھگڑا کر کے صرف سات سو روپے اسے دے کر خوش کر آیا اور دکاندار یہ سمجھا
کہ میں اس سے زیادہ رقم وصول کر رہا ہوں۔ اس نے اسے بڑی خوشی سے کولڈ ڈرنک
بھی پیش کیا اور دعائیں دے کر رخصت کیا۔ وہ تو شام کو حساب کتاب میں نقصان ہوا
دیکھ کر ہمارے گھر آیا کہ "جی آپ کی طرف تین سو روپے مزید بنتے ہیں"۔ مگر میرا بچہ
شام سے پہلے ہی کراچی کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔"

کبھی ہمارے والدین نے خصوصاً "ہم" نے ہمارے لیے کوئی ایسا پاس جیسا راستہ
اور وسیلہ نہ کبھی پایا ہو تو ہمیں اس کا اظہار کسی کے سامنے کیا۔ ورنہ ہم بھی آج ڈاکٹر بن کر
غریبوں کا خون چوس رہے ہوتے کیونکہ کتنے برسوں چوسنے کا تجربہ تو بچپن سے ہی ہے یا ہم
سیاستدان بن کر گلی اور محلے کے بچے ہونے کے سہانے خواب دکھا کر ہر جگہ سستی
اور وقتی شہرت تو ضرور ہی حاصل کر لیتے یا ہم

Scanned by CamScanner

[illegible] بچوں اور ذہنوں کے پیچھے پڑ گئے۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] حالانکہ ان علاقوں میں [illegible] کی [illegible] تھی۔

[illegible] اس طرح کا بھی کوئی [illegible] لیے

میں نہیں ہے۔ ویسے آپس کی بات ہے۔ ہم نے تعلیم کے میدان میں [illegible]

[illegible] معصوم [illegible] ہو چکے۔ بھلا ہو "[illegible]" سے [illegible] بھی [illegible]

کتابیں لکھنے والے بڑی مشکل مشکل کتابیں لکھ رہے ہیں اور ہم [illegible] بھولے بھالے

[illegible] کے اور معصوم بچوں کے لیے بہت ہی بھاری [illegible]

[illegible] معلوم ہوتی ہیں۔ کتابیں لکھنے والوں نے خود تھوڑی ان کا امتحان دینا

ہوتا ہے۔ وہ تو عوام الناس کے معصوم اور بھولے بھالے بچوں کو امتحان کے [illegible]

[illegible] ہوتے ہیں اس لیے ہم نے کم ہی پڑھا اور جو پڑھا سمجھ میں آیا۔

[illegible] کر کے بچوں کو امتحان دے دیا اور نتیجے کا انتظار کرنے لگے۔ نتیجہ ہماری

امیدوں کے خلاف اور بزرگوں کی توقعات کے عین مطابق نکلا یعنی ہم ... امتحان میں

[illegible] کے ساتھ ... فیل ہو گئے حالانکہ ہم اچھے نتائج کی امید کر رہے تھے۔

[illegible] ... [illegible] آنکھوں کے [illegible] (تارے [illegible]) میں

[illegible] آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ دن میں ہی تارے نظر آنے لگے۔

(حالانکہ دوپہر کا وقت تھا) زمین کے ساتھ ساتھ ہر چیز بھی گھومتی چلی معلوم ہو رہی تھی۔

[illegible] کسی مشہور سائنسدان نے کہا تھا کہ "زمین گھومتی ہے" یعنی ہر چیز بھی اس کے ساتھ

گھومتی ہے۔ یہ فلسفہ اس دن سمجھ میں آیا ... جس چیز کو دیکھا تو وہ سب سے گھوم رہی

Scanned by CamScanner

پھر بھی اگر چاہتا تو سال بھر کی ذلت و رسوائی کا بدلہ آج مجھ پر پھبتیاں کس کر یہ بدلہ لے سکتا تھا مگر وہ بڑا اعلیٰ ظرف ثابت ہوا۔ اس نے ایک لفظ بھی تو ایسے موقع پر نہ کہا۔ حالانکہ اگر وہ چاہتا تو "بھلکی پر بھلکی" کا کام بھی کر سکتا تھا کہ میرے "رنگ روپ" کو بھی میرے ابو کے سامنے دکھا کر میری ذلت میں مزید اضافہ کر سکتا تھا مگر اس نے ایسا نہ کیا وہ صرف دیگر لوگوں کی طرح خاموش تماشائی بنا کھڑا رہا۔

دوڑتے ہوئے میں ایک بات بھول گیا کہ میرے ابو اپنے دور میں کالج کے چیمپئن رہے تھے اور 5000 میٹر دوڑ میں اوپن ایج میں اول انعام لیتے رہے تھے [illegible] کی بات میں کئی کمی تھی اور [illegible] سے مقابلہ کی نوبت نہ آئی تھی۔ لیکن جلد ہی وہ میرے بالکل قریب پہنچ گئے۔ ابو کے قدموں کی آواز تیزی سے میرے قریب ہوتی جا رہی تھی اور میرے اوسان خطا ہوتے جا رہے تھے۔ اچانک ایک زوردار دھم کی آواز آئی اور ساتھ ہی ایک زوردار قسم کی چیخ میرے ابو کے منہ سے نکلی۔

ہوا یوں تھا کہ ایک شخص کیلے کھاتا جا رہا تھا اور چھلکے سڑک پر ہی پھینکتا جا رہا تھا۔ دوڑتے ہوئے ابو کا پاؤں بے دھیانی میں کیلے کے چھلکے پر آ گیا جس سے ابو جان پھسل کر گر گئے اور شدید چوٹ کے باعث کراہ رہے تھے۔ یہ میرے لیے قدرت کی طرف سے ایک بہانہ تھا کہ میں ابو کے آہنی شکنجے میں جکڑے جانے سے بچ گیا تھا اور [illegible] سے پچھتا رہا۔ میں فوراً ہی اپنے اس محسن کی طرف لپکا جس کے چھلکے پھینکنے سے ابو گرے تھے۔ میں نے جلدی سے اسے زبردستی اپنے گلے لگایا اور اس کے ہاتھ چومے کیونکہ اتنی بڑی ذلت سے بچانے والا یہی "محسن" ہی ہو سکتا ہے۔ خوشی میں میں نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس کی پیشانی پر بھی زبردستی بوسہ دیا۔ میں [illegible] گیا تھا۔ ایک زوردار طمانچہ میرے رخسار پر آن پڑا۔ ساتھ ہی آواز آئی اور یہ [illegible] "دیکھو میرا باپ زمین پر تڑپ رہا ہے اور تو خوش ہو کر چھلکے والے کا [illegible]

شور برپا کر رہا ہے"۔ یہ تھپڑ اور آواز رحیم بخش کی تھی اور اس کی یہ جرأت اور سے وہاں دیکھ کر میں دم بخود رہ گیا۔ کہاں ایک معمولی ملازم کا بیٹا اور کہاں چوہدری کے بیٹے کو تھپڑ "۔ اس کے تھپڑ نے میرے ضمیر کو جگا دیا اور مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اس کی بات بالکل ٹھیک تھی۔ اس موقع پر واقعی میرا طرزِ عمل نہایت غلط تھا۔ ضمیر نے مجھے ملامت کرنی شروع کر دیا

"تیرے ساتھ جو کچھ بھی آج ہوا ہے اگر تو انسان ہوتا تو چلو بھر پانی میں ڈوب مرتا۔ تیرے جیسی ہی ناخلف اولاد ماں باپ کی ناک کٹواتی ہے۔ باپ کو چوٹ لگی تو بجائے ہمدردی کرنے کے معافی مانگنے کے الٹا مارنے سے بیٹے پر خوش ہوتا ہے۔ تیرے جیسے ہی بے ضمیر لوگ ملک و قوم کی عزت بھی خاک میں ملاتے ہیں۔"

ضمیر کی اس لعن و ملامت سے مجھے اپنے عمل پر نہایت شرمندگی اور افسوس ہوا۔ چاچا جی فوراً باپ کے قدموں میں گر کر ان کے پاؤں پکڑ کے معافی مانگی۔ آنکھ بند کر کے اپنے لبوں سے وہ پاؤں کو چوم لیا۔ ندامت و شرمندگی کے آنسو بھی آنکھوں سے بہنے لگے۔ باپ کا ہاتھ تھا اسے چوم کر اپنی آنکھوں سے لگایا۔

میرے اس افسوس اور شرمندگی کو دیکھتے ہوئے ابا کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے اور انہوں نے مجھے اپنے سینے سے لگا لیا۔ میں نے سہارا دے کر انہیں اٹھایا۔ وہ کراہتے ہوئے اٹھے اور لڑکھڑاتے ہوئے آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ چوٹ ان کے گھٹنے پر لگی تھی۔ چاچا جی گاڑی میں بیٹھ کر سیدھا ڈاکٹر کے پاس گئے۔ ڈاکٹر نے معائنہ کر کے دوا دی اور گھٹنے پر مرہم لگایا۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد ہم لوگ گھر کی طرف چل پڑے۔

اگلے ہی دن سے میں نے محنت کا مصمم ارادہ کیا اور ابا کے بتاتے ہوئے ایک استاد صاحب کے پاس جا کر پڑھنے کی تیاری کی۔ ویسے وہ جا کر جانے کے لیے تو ادھر سے گھر بھی!

Scanned by CamScanner

تھے کہ۔ والد مرحوم "چوہدری" صاحب جن کے قول "علم سیکھنے کے لئے پیسہ [illegible]
لو گے تو تم اس کا پھل پاؤ گے"۔ مجھے پتہ ہے ان دو مرحوم حالی کے یہ اشعار بھی [illegible]
[illegible] تھے جو [illegible] ہو گئے بلکہ ایک رنگ میں [illegible] میں آ گئے۔

مشقت کی ذلت جنہوں نے اٹھائی

جہاں میں ملی ان کو آخر بڑائی

کسی نے بغیر اس کے ہرگز نہ پائی

فضیلت نہ عزت نہ فرماں روائی

چار پانچ سال کے عمر ہی میں، میں ان کے ایک دوست کے پاس پڑھنے جایا کرتا تھا۔ [illegible] کی [illegible] تمام کتابیں اپنے بستے میں بھری تھیں۔ چنانچہ اکثر [illegible] ہوا تھا۔ [illegible] نے والد مرحوم سے یہ بھی کہا کہ "اسے گاڑی پر ملک صاحب کے گھر چھوڑ آؤ" مگر میرے اصرار پر "میں [illegible] چلا جاؤں گا" تو خاموش ہو گئے تھے۔

سب سے بڑا مسئلہ برداشت تھا حالانکہ ملک صاحب کا گھر زیادہ دور نہیں تھا لیکن چھوٹی سی عمر کے بچے کے لئے یہ بوجھ اٹھانا ہو تو معلوم ہوتا۔ اسی دوران میں ایک ترکیب سوجھی۔ چنانچہ میں گھر سے ایک گلی میں مڑ کر ایک دکان پر کھڑا ہو گیا جس میں ایک آدمی بیٹھا تھا۔ میں نے اپنے بستے میں سے آدھی کتابیں نکال کر اسے تھما دیں۔ اس نے فوراً [illegible] کی [illegible] "ان کے دس روپے ملیں گے"۔

"[illegible] دے دو"۔ "[illegible] دو" "ایک روپیہ کا [illegible] دے دو"۔ میں نے اسے کہا اور وہ اس نے کر پیچھے [illegible] اپنی راہ پر ہو لیا۔ خوش تھا کہ بستہ بھی ہلکا ہو گیا اور یہ مشقت اٹھانے میں کوئی [illegible] تھی جس پر کہ [illegible] طرح [illegible] تھی وہ بھی [illegible] سے [illegible] ہو گئی۔ [illegible] زیادہ [illegible] تھا شاید اس وجہ سے کہ اس طرح کا [illegible] [illegible] تھا [illegible]

اس طرح سے ایک نئی کتاب کھل چنانچہ میں استاد سے پڑھتے جاتے۔ جب کتابوں کو پوچھتے تو کوئی بہانہ کر دیتا کبھی کسی اپنے پرانے دوست کی کتاب لے کر پڑھتے چلا جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ فرسٹ ایئر کے طالب علم کو میٹرک کی کتابوں کی کیا ضرورت تھی جب بھی دل کرتا کہ آئس کریم کھایا جائے یا پکوڑے کھانے جائیں یا ابو امی اور آپا کو تحفہ خریدا جائے تو پرانی کتابوں کو یہاں بیچ کر اپنی اس خواہش کو پورا کر لیتا تھا۔ میری اسی آزاد خیالی کو "روشن خیالی" سے اس غریب ردی والے کی دکان بھی چل پڑی۔ اب وہ روزانہ بے قراری اور بے تابی سے میری راہ دیکھتا تھا کہ میں اس کو کب کتابیں بیچتا تو مجھ میں سے کوشش کر کے اپنا ہی جیسے ساتھ آٹھ اور "روشن خیال" بھی اپنے ساتھ لے جاتا ردی کا کاروبار خوب چلا۔

ایک ماہ کے بعد استاد جی نے ماہانہ ٹیسٹ کا کہا تو سر چکرا گیا کہ جو کتابیں استاد جی نے جو پڑھائے تھے وہ ساری کتابیں تو میں بیچ چکا تھا اب یاد کہاں سے کروں کا لیکن پھر دل سے کہا "جو ہوگا دیکھا جائے گا"۔

آخر ماہانہ ٹیسٹ بھی گزر گئے۔ استاد جی نے رپورٹ خود ابو کو بھیجی تھی دیکھ کر ابو بہت خوش ہوئے کیونکہ 400 میں سے 350 نمبر تھے۔ مجھے بڑی شاباش اور انعام ملا لیکن صرف مجھے پتہ تھا کہ وہ نمبر کیسے آئے تھے میری "چالاکی" کو استاد جی بھی نہ سمجھ سکے تھے اسی لیے میری "ہوشیاری" پر بڑے خوش تھے۔ وقت گزرتا گیا اور ہر ماہانہ ٹیسٹ میں اچھی کارکردگی پر مجھے خوب سراہا جاتا۔ ویسے میں نے کئی ٹیسٹ اچھے بھی دیے تھے اور کئی اپنی "ذہانت" سے بھی دیے تھے۔ یوں آخر سالانہ امتحانات بھی آئے اور گزر گئے۔ میرے آزاد خیال ساتھی میرے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہم اکٹھے کھیلتے حتیٰ کہ ایک دوسرے کے گھر بھی آتے جاتے۔ ان کے والدین سے بھی اچھی خاصی جان پہچان ہو گئی تھی۔

میں ابو اور امی کے ساتھ شاپنگ کر کے واپس آ رہا تھا کہ بازار میں اچانک مجھے

Scanned by CamScanner

محسوس کرنے والوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ مجھے اپنا نام لے کر ایک ملاقاتی کو وہاں جیسے
ریز محسوس کرنے لگے۔ ایسی صورت حال تھی میں بہت زیادہ گھبرا گیا کرنے جا رہے تھے یا
پہنچے ہو جانے میرا ہاتھ بھی پکڑا ہوا ہے۔ چھوڑ کر بھاگنے کی بھی کوئی صورت نظر نہ آ
رہی تھی۔ لوگ میری جان بچانے کھڑے تھے۔ میں سہما ہوا کھڑا تھا۔ دل زور زور سے دھڑک رہا
تھا۔ لوگ تھے کہ شور مچا رہے تھے اور مجھے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک انہوں نے مجھے زور
سے گلے لگا کر بچ بچا سے لگایا اور "مبارک مبارک" کے الفاظ ان کی زبان سے نکلے۔
اس اتفاقی واقعہ پر میں بھی خوش ہوا کہ اچانک میرے سر پر جوتے پڑنے شروع ہو گئے
اور میں ایک دم "گدھے" سے زمین پر جا گرا اور سنبھل کر جو میں نے ادھر ادھر دیکھا تو
معلوم ہوا کہ جوتے مارنے والے اس بات کا کہتے ہیں وہ شخص کے باپ تھے جنہوں
نے ساری [illegible] کی تھی۔ وہ سب
[illegible] ہو رہے تھے۔
اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے میں [illegible] چودھری کا بیٹا اور
[illegible] نے مجھے کہا "بھاگ جاؤ"۔ [illegible]
[illegible] ☆☆

Scanned by CamScanner

کرنل (ر) مسعود انور

عید کے حوالے سے

ہماری شادی کی پہلی سالگرہ تھی۔ سارا گھر پھولوں کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ ہر طرف چہل پہل تھی۔ بیگم شادی کے جوڑے میں بہت سندر لگ رہی تھی۔ شاید شادی کے بعد آج پہلی بار غور سے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ شادی بھی ایک انوکھا کھیل ہے۔ کچے دھاگے سے بندھا یہ رشتہ جتنا مضبوط اتنا کمزور بھی ہوتا ہے۔ ایک کے انجان اور دوسرے کے ایک دوسرے کی پہچان بن جاتے۔ اپنائیت کی یہ مثال لفظوں میں بیان نہیں کی جا سکتی۔ قبول ہے قبول ہے سے جو رشتہ قائم ہوتا ہے اس کی حد بیان نہیں ہو سکتی۔ حقیقت چھپائے نہیں چھپتی۔ حجاب کا پردہ اٹھ جاتا ہے۔ انداز بدل جاتے ہیں۔ کہاں ایک جسم ایک جان کا عہد اور کہاں ایک چھت کے نیچے رہنا محال ہو جاتا ہے۔ کبھی بے نیازی تو کبھی بے رخی یہ دھوپ چھاؤں کا کھیل عمر بھر جاری رہتا ہے۔ شاید اسی کا نام زندگی ہے۔

شام ہونے کو تھی۔ سوچا بیگم کے لیے تحفہ لے کر جلدی ہی لوٹ آؤں گا۔ کیا معلوم تھا انسانوں کو نہ صبح چین ہے نہ شام۔ سڑکوں پر سودائیوں کی طرح گھومتے پھرتے ہیں۔ گاڑیوں کو اِدھر اُدھر کھڑا کر کے چلے جاتے ہیں۔ ایسا طوفان بدتمیزی کا مظاہرہ میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ نہ برداشت نہ اخلاق۔ افراتفری کا ماحول۔ سڑک پار کرنا عذاب بن گیا تھا۔ قدروں کو یوں پامال کیا جاتا ہے جیسے سوکھے پتے پاؤں کے نیچے مسلے جاتے ہیں۔ اگر انسانوں کا آپس میں یہ رویہ ہے تو سوچئے ہم کمزوروں کا کیا حال کرتے ہوں گے۔ خیر بچتے بچاتے خدا خدا کرتے میں دکان تک جا پہنچا۔ داخل ہونے ہی والا تھا کہ سڑک کی دوسری سمت نوجوانوں کا ہجوم سب کی نظروں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ جلوس میں شامل ہونے کا شوق مجھے ہجوم کی طرف لے گیا۔ سرکتے سرکتے ہجوم کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ دو جوان

ہی رہتے تھے میرے ساتھی بکرے بیچ چکے تھے اور ہمارے بچوں کی رٹ لگا رکھی تھی۔ ایک
[illegible] سے پوچھا بھی بابا کیا ہے۔ جواب میں اس نے کہا تمہیں معلوم نہیں کل انسانوں
کی بڑی عید ہے اور ہماری قربانی کی تیاری میں یہ سب یہاں جمع ہیں۔ [illegible] مالک رقم ادا کر
کے ہمیں یہاں سے لے جائیں گے اور صبح ہوتے ہی اللہ کی راہ میں قربان کر دیں گے۔
[illegible] آنے سے [illegible] پہلے میرے دو دوستوں کو ایک شخص اپنی کار کی ڈگی میں ڈال
کر لے گیا ہے۔ میرے دوست چلاتے رہے لیکن کسی نے ایک نہ سنی۔ اتنی بے دردی سے
[illegible] میں ٹھونس کر ایک کے سر پر دوسری کو [illegible] اس زور سے [illegible] کہ بیچارا [illegible] لیکن [illegible]
[illegible] ہو چکے۔ میں دیکھتا رہا اور کچھ نہ کر سکا۔ جب وہ رخصت ہو رہے تو آنکھوں سے آنسو
بہہ رہے تھے، اور کہہ بھی رہے تھے۔ ہم تو قربان ہونے کے لیے ہی پیدا کیے گئے ہیں۔

[illegible] کہانی سن ہی رہا تھا کہ اچانک میری پیٹھ پر کسی نے ہاتھ رکھا اور میری
گردن اس سے دبائی کہ میری چیخ نکل گئی۔ بہت کوشش کی چھڑانے کی لیکن گرفت کی
[illegible] بہت مضبوط تھی۔ [illegible] کوئی نہ تھا دوسرے ہی لمحے میرا منہ کھول کر دانتوں کو ٹٹولنے
لگے۔ [illegible] اس نے مجھے خریدنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ میرے تو ہاتھ پاؤں کے [illegible]
[illegible] گیا۔ [illegible] میرا دھیان بکری کی طرف گیا۔ وہ بیچاری تو میرا انتظار کر رہی
ہوگی۔ جب اسے معلوم ہوگا کہ میں قربانی کے لیے خرید لیا گیا ہوں تو وہ بہت روئے گی۔
میں نے [illegible] صاحب سے التجا کی کہ مجھے اتنی مہلت تو دیں کہ میں اپنی بکری کو اطلاع کر
دوں۔ لیکن انسان بہت ظالم ہوتے ہیں۔ سال بھر گناہ کرتے، ایک دوسرے کا حق مارتے
[illegible] جو تکلیف پہنچاتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں، غیبت کرتے ہیں لیکن عید کے آتے
[illegible] میں [illegible] جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بڑی سے بڑی رقم ادا کر کے ہمیں لے جاتے
[illegible] کرتے ہی بے دردی سے ہماری گردنوں پر چھری چلا دیتے ہیں اور ان [illegible]
[illegible] کو نوچ نوچ کر کھاتے ہیں۔ سوچیے کیا ہمارے کوئی جذبات نہیں۔ کیا ہمارے

Scanned by CamScanner

بچوں میں دل نہیں رہتا تھا۔ یہ ہماری جان ہوتی تھیں۔ کیا ہمیں وہ محسوس نہیں ہوتا کہ ہمیں پیار اور شفقت نہیں چاہیے۔ لیکن شاید یہی ہمارا نصیب ہے۔ ہم قربان ہونے کے لیے ہی پیدا ہوئے ہیں۔

پھر وہ شخص مجھے اپنے گھر لے آیا اور ایک تاریک کمرے میں اس نے مجھے لا کر کھڑا کر دیا میرے سامنے رکھ کر چلا گیا۔ رات بہت ہو چکی تھی۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد مجھے میرے ساتھیوں کی وہ ماری آوازیں سنائی دیتیں تو میرا دل بیٹھ جاتا۔ انہی سوچوں میں رات بیت گئی۔ بکری میرے خیالوں میں بسی ہوئی تھی۔ اس نے وہ دن رات یاد ہیں کہ یہ ہو گا۔ میرے انتظار میں ہو گی کہ آج بھی ہم کھانا کھا لیں گے گھر سے چلے گئے اور خوب مزے کر لیں گے۔ اسے کیا معلوم کہ میں زندگی کے آخری لمحے تاریک کمرے میں اس انتظار میں گزار رہا ہوں کہ صبح ہوتے ہی مجھے قربان کر دیا جائے گا۔

آج مجھے شدت سے محسوس ہوا کہ زندگی کس قدر حسین ہے۔ کتنی انمول ہے۔ خصوصاً بکرے کی زندگی جو دوسروں کی خاطر ہوتی ہے۔ آج مجھے محسوس ہوا سب بچے ہمیں کتنی محبت سے رکھتے ایک تصویر بنا کر پیش کرتے تھے۔ وہ بچوں کے ساتھ جب کھیلتے تھے وہ ہم سے پیار کرتے تھے دوڑتے تھے کھیلتے تھے کہانیاں سنتے تھے اور تھک ہار کر تھوڑی دیر کے لیے سو جاتے تھے۔ ایسا ہی ایک دن تھا جب میری ملاقات بکری سے ہوئی۔ وہ میری زندگی کا حسین ترین دن تھا۔ آنکھ سے آنکھ ملی، دل سے دل ملا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہم ایک ہو گئے۔ لیکن آج میں اسے اس کے حال پر چھوڑ کر جانے کے لیے جا رہا ہوں۔ میرے ہاتھ دعا کے لیے اٹھے اور یہ شعر میرے منہ سے بے ساختہ

ہائے سب تیری کمائی نہیں کمائی ہاں
وہ کھیاں سوئے رہتے وہ اٹھیں یاد ہیں کی آس

یہ سوچ ہی رہا تھا کہ مؤذن کی آواز میرے کانوں میں پڑی۔ بے اختیار میرے منہ سے نکلا

"ہائے کم بخت کو کس وقت خدا یاد آیا!"

اندھیرا چھٹنے لگا۔ صبح کی کرنیں جو رات کے اندھیرے میں کہیں چھپی تھیں، درختوں سے باہر آنے لگیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے زندگی کا پیغام لے رہی ہوں۔ پرندے چہچہانے لگے۔ درختوں کی شاخیں انگڑائیاں لینے لگیں۔ پھولوں نے سورج کی طرف منہ کیا اور اس کی گرمی کو اپنے جسم میں سمونے لگے۔ انسان گھروں سے باہر آنے لگے۔ بچے بوڑھے جوان سب نئے کپڑے پہنے بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ ایک دوسرے سے گلے مل رہے تھے۔ مجھ میں بھی اداسی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے جسم سے آہستہ آہستہ جان جا رہی ہو۔ آنکھوں میں روشنی مدھم پڑ رہی تھی۔ حلق خشک ہو رہا تھا۔ گویا زندگی کا سفر ختم ہو رہا تھا۔

اتنے میں ایک موٹا آدمی میری طرف بڑھا۔ مجھے یقین ہو گیا یہی وہ جلاد ہے جس کے ہاتھوں مجھے ذبح ہونا ہے۔ اس نے مجھے ٹانگوں سے پکڑ کر زمین پر گرا کر میری گردن پر چھری چلا دی۔ میرا آخری وقت آ چکا تھا۔ میں نے آخری مرتبہ دنیا کو جی بھر کر دیکھا۔ پھر نہ جانے کس طرح فوارے کی طرح خون میری گردن سے بہنے لگا۔ میرا جسم بری طرح کانپ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ سب تاریک ہو گیا اور میں اس دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا۔

دوستو! آدمی اور بکرے کی ایک سی کہانی
روتے ہوئے بکرا ہوا لہولہان
آدمی جیتے جی ہوتا ہے قربان
زبان ہوتے بھی بے زبان ہے بکرا
آدمی کی مجبوری ہی اس کی بے زبانی ہے

Scanned by CamScanner

میمونہ مظہر

ایک استاد کی روداد

جب ہم سے کوئی یہ پوچھتا ہے کہ ہم ٹیچر کیوں بنے تو ایک سرد آہ بھر کے خاموش ہو جاتے ہیں اور خلاؤں میں گھورنے لگتے ہیں۔ دراصل ہمیں بچپن ہی سے ملک و قوم کی خدمت کرنے کا شوق تھا۔ جب ہم چھوٹے تھے تو یہ عالم تھا کہ اپنی ہم عمر لڑکیوں کو جمع کر کے "اسکول اسکول" کھیلا کرتے۔ اگر بچے ہاتھ نہ آتے تو دالان میں اکیلے بیٹھ کر درختوں چڑیوں کو فرضی شاگرد بنا کر انہیں مخاطب کر کے پڑھایا کرتے لیکن بڑے ہو کر تعلیمی شوق کے لیے جب کوئی نوکری نہ ملے اور "اسکول اسکول" کھیلنے کا پرانا شوق عمل میں لانے آ گئی۔

جس دن ہمیں پتہ چلا کہ ایک مشہور اسکول کی جانب سے اچھا کنٹریکٹ لیٹر ملا تو ہم بے حد خوش ہوئے جیسے دو دو کا پہاڑا نکل آیا ہو۔ ہم روز نئے ہونے والے پڑھنے کے، پر خوشی کی حالت کر دی گئے نوکری مل گئی۔ اس کے بعد ہم باقاعدگی سے اسکول جانے لگے۔ شروع کے دن اچھے گزرے کیونکہ بچوں نے خود کو بہت مہذب ہم کو اور شوق ظاہر کیا۔ مگر رفتہ رفتہ وہ ہم پر کھلنے لگے اور ہم سمجھنے لگے۔ ایک دو بار تو کلاس میں عجب بازار کا سا سماں ہو گیا جیسے کوئی اونچی آواز میں بدتمیزیاں لگا رہا تھا یعنی سب اپنا اپنا راگ الاپ رہے تھے۔ کسی نے ہوم ورک نہیں کیا تھا، کوئی کتاب بھول آیا۔ کسی کی پنسل کھو گئی۔ کسی کو پانی پینے جانا تھا۔ کسی کی دوسرے سے لڑائی ہو گئی۔ اس صورت حال سے ہم بوکھلا گئے۔ پھر اپنے آپ کو حوصلہ دیا اور اللہ اکبر کہہ کر اٹھے۔ کچھ دیر کی محنت مشقت کے بعد امن و امان قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ بچے کوشش کرتے ہیں کہ کلاس آنے والی ٹیچر کو اس قسم کی حرکات سے متاثر اور خوفزدہ کر کے اپنا رعب قائم کر لیں۔ ایسے میں

Scanned by CamScanner

پہلے وقت سے اچھے بچانے ان دنوں آتے جب ہم بھی کبھی بیٹھے تھے۔ ایسی ہی فرصت تھی۔
ویسے وہ بہت سیر کرتے تھے۔ اب ہم تو اچھے آپ کو بتا رہی ہے۔

میں آج صبح سے انکل اور چچی دادا کو دیکھ رہی تھی۔ وہ بچانے ان سب کو اچھے لگ رہے تھے۔ کبھی یہ سوال کر کے انکل چچی سے کہ دل چاہتا کہ کچھ کر لیں۔ ہم بہت خوش رہتے اور سوچتے کہ آج شام کو کھل جائیں گی۔ ہر گلی جہاں کی خوشی وہ جب تب ہم دیکھتے تھے کہ بہت جلدی ہو اس لیے کچھ نہیں کر سکتیں اور کبھی بات پر حقیقت سے پہلے اسے کر دیتی ہوں کر دیتیں۔ ہم ہی اور طالب علم کا وہ دور تھا بہت تو گئے وہ بچے جو دور ہو کر کچھ جدا ہوئے تھے۔ اب تو یہ حال ہو گیا ہے۔

یاد ہے جب ہم کبھی کبھار "جنگل" میں سیر کو جاتے اور پورا ایک گھنٹہ قدرتی مناظر پر گھومتے رہتے۔ مختلف قسموں سے پھول اکٹھے کرتے اور پھر گھر پہنچتے۔ آج کل بچے جو گڑیا سے کھیلنا بھی پسند کر رہے ہیں۔ گھر سے باہر جاتے ہیں تو اپنے سوار ہے کہ کر جاتے ہیں۔ آج پارٹی ہے کیا پہن کر جائیں۔ فیشن میں ٹی وی پر دیکھا ہے۔ آج کل کے بچے بھی تو ایسے ہیں کہ پہلے لباس اور جوتوں کا فیشن کرتے ہیں۔ اگر کسی فنکشن سے ایک مرتبہ کوئی لباس پہن لیں تو پھر دوبارہ پوچھتے ہیں کہ آپ کے پاس اور کپڑے اور جوتے نہیں ہیں؟ آپ نے کل بھی یہی پہنے تھے۔

شادی کرنے سے پہلے ہم اس خوش فہمی میں رہتے تھے کہ ہمارے پاس بہت کپڑے ہیں۔ لیکن ہر روز صبح الماری کھولتے وقت سوچتے ہیں کہ کیا پہنوں۔ کوئی سوٹ ہی نہیں۔ کوئی ڈھنگ کے کپڑے نہیں۔ یہ حال ہے کہ ہر گھر سے بہت سے طعنے اور سننے پڑ جاتے ہیں۔ پھر بھی ان کی کمی دور نہیں ہوتی۔

بچوں میں ایک مزید خصوصیت سے پایا جاتا ہے کہ بچے کے آنے سے پہلے ہم
کواس سے باہر نکلنے کے بعض فوری کرنے لگتے ہیں۔ کھیلنا شروع کر دیتے ہیں۔ ساتھ
ساتھ ہوا کو زندگی بھی دیکھتے ہیں اور خطرے کی نہ ہو کر ایک دوسرے پر گرتے ہوئے
کواس میں تنگ ہو جاتے ہیں۔ ہر طرف سواری ہونے لگتی ہے "بچے آ رہی ہیں" بچے آ رہی
ہیں۔ جیسے بادشاہ سلامت کی آمد سے قبل دربان اعلان کرتے ہیں۔ خوش آمدید اور
سلامت تشریف لا رہے ہیں۔ اور سے آنے پر سب یوں مؤدب خاموش کھڑے ہو جاتے
ہیں کہ تاکہ ان کو ادب سے بیٹھے ہیں جیسے بیٹھ سے اپنے ہی اوپر۔ یہ الگ بات ہے کہ ان
کے اخلاق کا یہ ظہور کھول رہی ہوتی ہیں۔

کھیلوں کو چیلنج کرتے ہوئے نئی بات ہو جاتی ہے۔ اکثر بچے سمجھتے ہیں کہ
قریبی آ رہی آمد کے موسم کے قریب کرتے ہیں۔ بچہ ہر سال سوال پر جواب کرتا ہے
ہے۔ جیسی بیداری تو ہر وقت بجائے سے معلوم کر کے دیکھیں سے کافی لمبا ہو
کے وقت چلی ہیں۔ ان کی آزادی پر توجہ لگنے جاتے ہیں مگر افسوس کوئی اثر نہیں ہوتا۔
بچہ والدین کہتے ہیں کہ بچے کو نکل بھیجنے کے بعد ان کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ جبکہ
سارا کام بچے کا ہے۔ وہ جانتے اور بچے، وہ انہیں علم حاصل کر چاہے۔ اخلاق و تعلیم
سے۔ والدین خود بچوں کو توجہ، خوشحالی اور مدد دیں۔ ان کی آزادی چیک نہ کریں۔ ان
کے مسائل اور گھروں کو نہ جانیں۔ البتہ مشکل ہونے کی صورت میں حل کر دیں کہ
والدین بچوں کو اور بچہ تو بہت اچھا ہے۔ اخلاق ہے۔ ایسا تو ہونا ہی نہیں تھا۔ کیا بچہ
نے کسی دوستی کی وجہ سے ان کے اخلاق کو حاصل کیا ہے۔

یہ چند اخلاق تجربات، مشاہدات اور واقعات تھے جن کا کچھ ہم نے ذکر کیا۔ اگر
آپ نے تجربہ اس میں کیا ہے تو چند باتیں کر دے ہوں گی۔ بہت کام آئیں گی۔
سب سے پہلے تو بچوں کی کوششیں اہم ہیں اور ان کو بچوں کی تربیت کا طریقہ

[illegible]

[illegible]

٥

ڈر رہے تھے ہم اُن سے ہی کسی انجام سے
کام جو آغاز ہوتا ہے دل آرام سے

زندگی کو محبت ہی میں گزری ہے جو
درد آتے تھے یہاں ہم بھی کھڑے اپنے کام سے

ویسے بھی اور شرم تھا کہ دوپہر سے میں ڈھلا
ڈھلتے ہے چاند سا کچھ نکلا ہے شام سے

صبح و شام آ کے تمہاری یاد تھا، اور وہ، وہ
دل کو ہے آرام کر چھوٹا سے آرام سے

خاص لوگوں کی نظر میں آ بھی نکلا تھا کہاں
عام بھی تھا عام سا، رہتے بھی تھے ہم عام سے

رات ہے، اور، پچھلے ہی آئے ہیں دن کے ساتھ ہم
صاحب کی گلی ملتی ہے کچھ ابھی ہر گام سے

Scanned by CamScanner

O

عشق اب حسن سے کہتا ہے کہ ہر سو مجھے دیکھ
میں زمانے پہ نظر رکھوں مگر تو مجھے دیکھ

کتنا ویران ہوا ہوں تری ہجرت کے سبب
اب مری آنکھ سے بہتے ہوئے آنسو مجھے دیکھ

میں وہ ہوں کرتے تھے حوریں جہاں جس کا طواف
گل تر کہتے ہیں ، مری خوشبو مجھے دیکھ

جب میں مصرعہ تازہ کی طرف دیکھتا ہوں
کوئی حسین ہو تو تو بھی اسی پہلو مجھے دیکھ

کیا عجب ایک نئی کرم سے تری آنکھوں میں
مہرباں ہو کے کبھی میرے تراشی ادا مجھے دیکھ

~~~~~~~~~~~
~~~~~~~~~~~

۵

زمین پاؤں میں ہے آسمان سر پہ ہے
یقین دل میں کسی، پہ گمان سر پہ ہے

اب ایک رات میں سارا حساب دیکھوں گا
چراغ گل ہو گئے ہیں اور امتحان سر پہ ہے

نہ کچھ ادھر کا پتا ہے نہ کچھ ادھر کی خبر
جو پہلے بھی تھا وہی دھواں سر پہ ہے

عجیب سخت روز و شب ملا ہم کو
کہ تیر سینے میں ہے اور کمان سر پہ ہے

زمیں شوق میں بولی ہے فصلِ گل اس نے
میں وہ زمین ہوں جس کا کسان سر پہ ہے

میں کچھ بھی کر نہیں پاتا ہوں اپنے بس میں نجمی
کروں بھی کیا کہ مری بھاگوان سر پہ ہے

Scanned by CamScanner

۵

سوچ میں ہوں کہ میرے ساتھ کیا یہ حادثہ ہوا
دشت میں کھو گیا ہوں میں راستہ تو کھو گیا ہوا

کس لیے گیا تھا گاؤں سے شہر کی سمت جانے
دیکھیے اب سب نسب خاک میں سب پڑا ہوا

چند لمحوں کی فکر میں گھوم چاں گنوا بیٹھا
یہ نہیں ہے ابد کہ وقت کی گیا ہوا

عشق ہے کس کتاب کا، وجود ہے کس نصاب کا
پڑھ لے تفصیل شرح یہ ہے جو جلی لکھا ہوا

سلسلہ حسن و عشق ہے روز ازل سے ایک سا
شمع ہے پگھلتی ہوئی، دل ہے سلگا ہوا

گھوم رہی ہیں شاہد، ہم پہ دام تجسس
تم ہی کہو کہ شہر میں ہم سا کوئی ترا ہوا!

O

تمہارا قرب مجھے عاشقانہ لگتا ہے
یہاں تک آنے میں کتنا زمانہ لگتا ہے

مرا وجود کسی شہر میں ہوا ہوں میں
زمانہ بھر سے الگ سا روانہ لگتا ہے

جو سامنے ہے وہی وقت ہی حقیقت ہے
گزر گیا ہے جو وہ سب فسانہ لگتا ہے

ہوئی ہے رات گزرتی ہے جب تو مجھ میں
طلوع صبح ہوا دن سہانا لگتا ہے

کہاں میں گھر کے دریچے کو آنے والی ہے
تمہارے رنگ کا موسم سہانا لگتا ہے

مسافروں سے کوئی راستہ نہیں خالی
ہر ایک شخص سفر میں روانہ لگتا ہے

قرار دل کو کسی طور بھی نہیں حاصل
تمہارے بعد نظر کا نشانہ لگتا ہے

Scanned by CamScanner

○

جاتے جاتے لوٹ آؤ ایک دن
گھر مرے تشریف لاؤ ایک دن

پاس آ کر دو گھڑی بیٹھو ذرا
یہ تجلی نظریں اٹھاؤ ایک دن

کچھ کرو بیماریِ دل کا علاج
اب لگے ہے لگ ہی جاؤ ایک دن

بے تکلف وحشت رنج و ملال
بے تکلف ہو ہی جاؤ ایک دن

چار دن کی زندگی ہے مستعار
وصل کا وعدہ نبھاؤ ایک دن

بھول جاؤ عشق کی باتیں تمام
دل کا کہنا مان جاؤ ایک دن

شمع پروانے جلاؤ رات بھر
شمع بن کر جگمگاؤ ایک دن

پھونک ڈالو خرمنِ ہستی مرا
برق بن کر گر ہی جاؤ ایک دن

٥

جانے کیوں میرے دل سنبھالے مجھے کوئی
دیدار کر گئے سے اپنے اٹھا لے مجھے کوئی

کیا بتاؤں کہ ساقی نے اس جانے رات کو
آنکھوں میں اپنے آن بچھا لے مجھے کوئی

ہے یہ تعلقات سے گھبرا گیا ہے دل
اس انجمن گھر سے اٹھا لے مجھے کوئی

دہ رہی ہے آگ نظر اک بجلی ہوئی
جلتا ہے سارا جسم بچا لے مجھے کوئی

دامن کرے نہ چاک مرا یہ جنون شوق
اس کو ہوا کے ہاتھ سے چھڑا لے مجھے کوئی

Scanned by CamScanner

سرفراز ظفر

○

خزاں سے ڈرتی بہاروں سے اضطراب میں ہوں
چمن کے پیچھے نظاروں سے اضطراب میں ہوں

میں خارزار کی سختی سے کچھ نہ گھبرایا
مگر میں راہ کے پھولوں سے اضطراب میں ہوں

کسی سے شکوہ گوارا کروں بھلا کیسے
بچھڑ کے پیاروں سے اضطراب میں ہوں

عدو جہان کو لاتا نہیں ہوں خاطر میں
میں آستین کے سانپوں سے اضطراب میں ہوں

مگر میں جوشِ روانی میں بے کراں ہوتا
میں اپنے تمام کناروں سے اضطراب میں ہوں

خدا کرے نہ کہیں پھر یہ وہ انقلاب ہوں
ترے عروج سے زوالوں سے اضطراب میں ہوں

میں پھول ایسا جو صرصر میں شگفتہ رہ دائم
مگر میں خار کی نوکوں سے اضطراب میں ہوں

مجھے گلہ ہے نہ غیروں سے کوئی شکوہ ہے
ظفر میں آپ سے اپنوں سے اضطراب میں ہوں

Scanned by CamScanner

ڈاکٹر کرن شوکت

○

کچھ بھی بدلا نہیں اس دنیا میں
اب بھی ہر شے یہاں پرانی ہے

زندگی بہتی ہے پہلے کی طرح
کس لیے تم کو پریشانی ہے

کسی شے کو یہاں ثبات نہیں
یہاں ہر چیز آنی جانی ہے

جس کی خاطر ہیں سارے ہنگامے
بے وفا وہ ہی زندگانی ہے

میں نے دیکھے ہیں دوست اور دشمن
اصل دونوں ہی کی کہانی ہے

ہر طرف کال ہے محبت کا
نفرتوں کی بہت ارزانی ہے

Scanned by CamScanner

غالب عرفان

○

ہم سفر میرا ہو کے جو گزرا ، اجنبی شہر کی بہاروں سے
اس کے چہرے پہ عکس بھی تھی گزرے لمحوں کے استعاروں سے

اس میں فکر کا تسلسل ہے ، خواب دیکھوں تو کس طرح دیکھوں
ڈر سے فاصلوں کے بیچ ہیں وقت کے چھوٹے حصاروں سے

اس قدر شور شہر تھا کہ وہاں اس کی آواز بھی نہ سن پایا
اس کو دیکھا تو دور سے دیکھا ، گفتگو اس سے کی اشاروں سے

کتنی مدت میں دن گزرتا تھا تو یہ ہو گی ہے شام
لی گئی بجھنے والی ہیں آندھیاں اور ریگزاروں سے

موجوں سر بلندی کو بھی زمیں چاہیے ہوتا ہے اک دن
پہلے ٹکرا سے کوئی جسم گرے پیچھے گرے ہوا غباروں سے

مجھ کو تنہائی کی کمی تھی مگر ، عکس موقع نے رنگ بکھرایا
ایک منظر ابھرنے کے لیے مختلف رنگ کے نظاروں سے

~~~~~~~~~~~~

Scanned by CamScanner
~~~~~~~~~~~~

(۱)

[illegible] سے ہم پاک [illegible] ہو جائے
[illegible] ہو جائے

[illegible]
[illegible] ہو جائے

[illegible] کے بیچ میں
[illegible] ہو جائے

[illegible]
[illegible] ہو جائے

[illegible] نے کوئی فیصلہ کیا تو کہیں
[illegible] ہو جائے

[illegible] قیامت کے وقت
یہ فیصلے بھی [illegible] ہو جائے

[illegible] میں بھی [illegible]
[illegible] میں بھی تم بھی [illegible] ہو جائے

Scanned by CamScanner

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

Scanned by CamScanner

○

کبھی خواہش ملاقاتوں کی، کبھی یادیں نہیں رکھی
کوئی بھی چیز اس دل میں سنبھالی نہیں رکھی

خود اپنے فاصلے سے راستے مسدود کر ڈالے
جدھر سے دھوپ آتی تھی ادھر کھڑکی نہیں رکھی

ہماری آنکھ کی خوش اعتقادی کو دعا دیں وہ
کہ ہم نے خواب میں تو ان سے عداوت بھی نہیں رکھی

تمہارے وصل کی برسات بھی اک دن تو ہونی تھی
کہ حسرت میں اضافہ ہو، وہ گنجائش ہی نہیں رکھی

سبھی موسم تسلسل سے یہاں تبدیل ہوتے ہیں
کوئی بھی شب کسی دن سے کبھی چھوٹی نہیں رکھی

تعلق توڑنے کی بات بھی میں نے ہی کر ڈالی
تمہارے واسطے یہ بھی پریشانی نہیں رکھی

ہوا جو جسم لے کر بھاگتی ہے ابھی انجم
یہ مٹی کی ڈھیری ہے یہاں جاں بھی نہیں رکھی

کرنل سید مقبول حسین

○

پھر کس نے اٹھا لائیں جھکتا ہے سر اپنا
بچے ہو گزرتا ہے ہر روز قمر اپنا

کچھ اس لیے رستوں سے اب خوف نہیں ہوتا
ہم باندھ کے پھرتے ہیں پاؤں میں سفر اپنا

اس شہر میں دشمن نے وہ آگ لگائی ہے
سب دیکھتے رہتے ہیں جلتے ہوئے گھر اپنا

ہم دور سے آئے ہیں کچھ سانس تو لینے دو
پھر ہم بھی بنا لیں گے دیوار میں در اپنا

مقبول ہمیں اپنی دستار بھی پیاری ہے
سو اونچا ہی رکھتا ہے ہر حال میں سر اپنا

Scanned by CamScanner

۱۱

دوستو اب بھی اس کا ملال آ گئے
حوصلہ دیکھ ... آؤ ہارا گئے

جس تجھ اب آ گیا ہوں میری منزل تو ہی
میں کہ تو نے شانا تھا ... ہوا گئے

ہم پہاڑوں سے ٹکرا کر اب ہوا انقلاب تھا
راستے ہم کی قدرت نے کھولا گئے

میری بیٹی کی آنکھوں میں ... کر دو گی
میری بیرانی سے بھی انعام دلوا گئے

وہ کہا میرے پیارا کو تو جھکنی نہ تھا
ہم وہ جذبہ ہوں کہ دیواروں میں چنوا گئے

مجھ سے وہ بچھڑا تو میں بھی بکھر سا گیا
لوگ کہتے ہیں کہ وہ بھی مجھ سے گھبرا گئے

ہم نے صدیوں کے آنچل والے لوٹا دی
اب چراغ شہر کی ماتھا کھولا گئے

Scanned by CamScanner

○

[illegible] قبول کیا

[illegible] قبول کیا

[illegible]

[illegible] قبول کیا

[illegible]

[illegible] قبول کیا

[illegible]

[illegible] قبول کیا

[illegible]

[illegible] قبول کیا

عشق میں کوئی تحمل ہو کیا [illegible]

[illegible] قبول کیا

Scanned by CamScanner

○

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

Scanned by CamScanner

11

ملے ہیں تم سے زمان و مکاں سے گم ہیں
مرے سے عقل مرے قدموں سے گم ہیں

مرے سے وفا ہے دل سے بھی چلے گئے ہیں
اسی دنیا سے گم آ ہاں سے گم ہیں

وہی تو ایک سواری کا چاند ہے بھیک
مرا وہ دل ہے و یقیں و مکاں سے گم ہیں

وہ جو دام و ہمی اصول ان کے قدموں کی
وہ راہ دام و نشاں ہے نشاں سے گم ہیں

نشو ہیں تو سبب عقل کا قصور؟
جنھیں خبر ہے کہ دام و نشاں سے گم ہیں

Scanned by CamScanner

٥

یقیناً فطرتِ آدم بہت تفصیل کرتی ہے
ترے آوازۂ کن کی مگر تکمیل کرتی ہے

لطافت حسن کی ہے منبعِ جسم و جاں لیکن
اشارے مرحلۂ وجدان تک ترسیل کرتی ہے

محبت کی کہانی میں نہ تو باقی نہ میں باقی
محبت ہر زمانے میں بدن تبدیل کرتی ہے

ابھی تو دیکھنا ہے کتابِ عشق میں آگے
زمانے غیب کے کیا کیا تحویل کرتی ہے

مری فکری ردا پیوند کرتی ہے تری خاطر
مری صبحِ جنوں ساماں تری تفصیل کرتی ہے

جدا ہو کر مری ہستی سے کیا تحریر ہوتی ہے
فراقِ دوست کی ظلمت مری تکمیل کرتی ہے

وفا کا قصہ نہ ہو ختم، حسرت تو بیاں دل کی
حیاتِ جاودانی کس کے لیے تشکیل کرتی ہے

مرے صیاد سارا منظر ہوا ایک مرے
گرفتِ آشنا کیا تری تذلیل کرتی ہے

لبوں سے بھی ادا ہو جانے کی اک شب دعا ہوتی
مرے اندر کی خاموشی اسے ترسیل کرتی ہے

Scanned by CamScanner

۹۹

گئی رتوں کے وہ پر بھی گیا دیوانہ ہوا
ابھی تھا ایک حقیقت، ابھی افسانہ ہوا

یہی ہوا تھا کوئی راہ میں عجب دن گر
پھر اس کے بعد تو خود سے بھی بیگانہ ہوا

یہ میرا خواب پریشاں، یہ میرا عکس دو نیم
بجز شکستگی دل یہ آئینہ نہ ہوا

گرفت عکس میں آیا نہ شعلۂ امکاں
وہ جبر تھا کہ در اختیار وا نہ ہوا

بجا ہی وہی تری آنکھوں کی جب فسوں کاری
فروغ زخم تمنا بھی دل کشا نہ ہوا

تو پھر یہ کون جلاتا ہے خوشبوؤں کے چراغ
کہ اب تو یاد بھی آئے اسے زمانہ ہوا

نگار خانۂ احساس میں ہے رنگ انھی
نقوش وہ جس سے تعارف ہی غائبانہ ہوا

○

آئینہ مجھے یاد دلاتا ہے کہ میں ہوں
ورنہ تو مجھے بھول ہی جاتا ہے کہ میں ہوں

میں نیند میں جا جا کے بھلاتا ہوں اسے اور
وہ خواب میں آ آ کے بتاتا ہے کہ "میں ہوں"

وہ ہونے نہ ہونے کا تذبذب ہے کہ ہر شخص
بے طرح پکارے چلا جاتا ہے کہ "میں ہوں"

جیوں تو یقیں آنے نہ آنے کا ہے اب دوست
ورنہ مجھے خود بھی نظر آتا ہے کہ میں ہوں

میں جب بھی مصیبت میں پکاروں کہ "کوئی ہے"
آواز سی افلاک سے آتی ہے کہ "میں ہوں"

Scanned by CamScanner

٥

تری محبت کی کہکشاں سے بچھڑ رہا ہوں
زمیں پہ اتروں گا، آسماں سے بچھڑ رہا ہوں

پلٹ کے آنا مرے مقدر میں اب کہاں ہے
میں تیر ہوں اور تری کماں سے بچھڑ رہا ہوں

نکل چکا ہوں اپنے قبیلے سے دیر پہلے
مجھے نہیں آتا نہیں کہاں سے بچھڑ رہا ہوں

جہاں پہ گزرا ہے میرا بچپن، مری جوانی
میں باپ دادا کے اس مکاں سے بچھڑ رہا ہوں

ابھی تو میں نے ترے ستارے کو چھوڑنا ہے
ابھی تو میں تیرے آسماں سے بچھڑ رہا ہوں

مرے لیے تیسرا مکاں بھی تو ہو کہیں پہ
جہاں سے آیا تھا، اس مکاں سے بچھڑ رہا ہوں

نہ یہ محبت کی ابتدا ہے نہ انتہا ہے
میں ان فصیلوں کے درمیاں سے بچھڑ رہا ہوں

میں شہر چھوڑوں تو مجھ کو لگتا ہے اس طرح سے
کہ جیسے میں اس ہرے جہاں سے بچھڑ رہا ہوں

لگے ہے میں شاید کبھی کہیں بھی نہ مل سکوں گا
میں اب کی بار اپنے کارواں سے بچھڑ رہا ہوں

زمیں پاؤں سے کھسکتی جا رہی ہے مظفرؔ!
مجھے تو لگتا ہے اپنی ماں سے بچھڑ رہا ہوں

Scanned by CamScanner

○

تجھے خیال کو دل سے نکالا ہوں
میں روشنی کو اندھیرے میں اچھالا ہوں

وہ اعتماد کی دھار کا توڑ ہے
میں وار وار کبھی ، سنبھالا ہوں

وہ آسمان مری پرواز کے لیے کم ہے
کہ جس سے آگے میں خود کو اچھالا ہوں

جب سیدھ کو وہ دیکھ جھکوں سے میں
اجال سکتا نہیں ، یہ نکالا ہوں

وہ مجھ سے ہے مرے قریب و دور میں ملتا
میں دکھ کے آگے یہ مجھ ڈالا ہوں

۵

جب جان لیا مآل تیرا
دنیا نہیں اب خیال تیرا

دیکھی ہے شکست ہے اداسی
اس میں نہیں کچھ کمال تیرا

ہم ہی نے یہ آرزو بجھا دی
ملنا تھا کہاں محال تیرا

کیا قہر ہے مر گیا ہے دل میں
اب ذکر ہے خال خال تیرا

رکھا ہے سدا نہال جس نے
قائم رہے وہ جمال تیرا

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

وقار علی وزیر

○

پابندِ نطق و قلم و فراست ہیں آج کل
ہم سر بہ سر ہی وقفِ عبادت ہیں آج کل

منزل ہمارے پیچھے چلی آ رہی ہے خود
ہم راہ گیرِ شہرِ محبت ہیں آج کل

اضداد کی بنا پہ ہے اس زندگی کا حسن
ہم باعثِ مسلسل بغاوت ہیں آج کل

وہ زندگی کی جاوید منزل کا حسن ہے
ملتے ہیں اس کے جو بھی قیامت ہیں آج کل

اب اضطرابِ دل کا بھی چہرے سے ہے عیاں
ہم خود بخود اپنی حکایت ہیں آج کل

آنکھوں کو کھولنے کی ضرورت ہے اور پھر
عبرت کی لوگ خود ہی علامت ہیں آج کل

ہم پاسبانِ علم و ہنر کے ہیں باخدا
ہم وارثانِ شہرِ بصیرت ہیں آج کل

Scanned by CamScanner

[illegible] ہو جائے گا
زندگی [illegible] ہو جائے گا

[illegible]
جب [illegible] ہو جائے گا

[illegible]
[illegible] ہو جائے گا

تیری باتوں میں [illegible]
[illegible] ہو جائے گا

[illegible] دنیا میں [illegible]
[illegible] ہو جائے گا

ان کی عظمت [illegible]
ان کا [illegible] ہو جائے گا

[illegible]
ان کے [illegible] ہو جائے گا

○

کئی صدیوں کی ضد ہے بھوک مٹانے کے لیے
میں ہی کافی ہوں جہنم کو بجھانے کے لیے

اتنا تیرگی میں جینا مجھے منظور نہیں
اس دل کو جلا دو اب شب مٹانے کے لیے

ہم نے دیے جلا کے رکھے ہیں مری آنکھوں کے چراغ
ہم سے سیکھو آگ جلانے کے لیے

ہم وہی دل ہیں وہی دل کا تقاضا بھی ہوں
ہم وہی دشت تمنا ہے بہانے کے لیے

ساون کی جو ہو مطلب کا نہ ہو مجھے
قریۂ دل میں کوئی موج اٹھانے کے لیے

بس تیری ہی کمی تو مجھے کھلے گی عقیل
اتنا مجھے صورت احساس میں آنے کے لیے

Scanned by CamScanner

O

ملتے تھے کھل کے یار، ابھی کل کی بات ہے
کرتا تھا ہم سے پیار، ابھی کل کی بات ہے

خواب و خیال میں بھی خزاں کا نہ تھا گماں
آئی تھی اک بہار، ابھی کل کی بات ہے

اب سے گلی میں کوئی بھی اب پوچھتا نہیں
کہتے تھے سو ہزار، ابھی کل کی بات ہے

مجبور ہوں، بھلا کیسے کہتا تمہاری بات
تھا دل پہ اختیار، ابھی کل کی بات ہے

پژمردگی کا گلشن میں پڑاؤ ہے
پھولوں پہ تھا نکھار، ابھی کل کی بات ہے

پوشاک فاخرہ میں جو ملبوس آج ہیں
دامن تھا تار تار، ابھی کل کی بات ہے

ساحلؔ سے کس لیے ہے خفا من کا آشنا
کرتے تھے جاں نثار، ابھی کل کی بات ہے

Scanned by CamScanner

۹

وفا کا سلسلہ ہستی کی ساری رہگذر تک ہے
عروجِ شعر سے تیری محبت کی نگاہوں تک ہے

ابھی تو شہر سارا بادلوں کی زد میں ڈوبا ہے
ابھی تو دھوپ کی شدت ہمارے ہی گھروں تک ہے

ابھی تو وصل دریا کی ابھی موجوں کی رعنائی
ابھی تو پیار کی کشتی سمے کے ساحلوں تک ہے

تمہارے قرب کی حدت بدن سے روح تک پہنچی
تمہارے ہجر کا ہر دکھ فقط لفظوں تک ہے

کوئی آکاش سے اترے کہ دھرتی پر فروزاں ہو
ستارے کی کہانی گردشوں سے دائروں تک ہے

~~~~~~~~~~

Scanned by CamScanner
~~~~~~~~~~

اپنڈکس

رات کے کھانے میں آلو بخاروں کی کھیر بنی ہوئی تھی۔ چھوٹے چھوٹے پیلے رنگ کے آلو بخارے کھیر کے ساتھ بڑا لطف دے رہے تھے۔ میں بھی چسکے لے لے کر بڑے مزے سے جلدی جلدی ان کو کھانے میں مصروف تھا۔

جلدی سے کھانے کے باوجود بھی گٹھلیاں نکال نکال کر پھینک رہا تھا۔ آخر میں پیالے میں تھوڑی سی کھیر رہ گئی میں نے چمچ بھری تو شاید چار عدد آلو بخارے تھے ان کو ایک دم منہ میں ڈالا جب گٹھلیاں نکالنے کا وقت آیا تو میں نے منہ میں موجود گٹھلیاں نکال کر پلیٹ میں ڈالیں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں صرف تین گٹھلیاں موجود تھیں۔ حالانکہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے پیالے میں چار آلو بخارے دیکھے تھے۔ میں بہت گھبرایا شاید میں نے جلدی میں ایک گٹھلی نگل لی ہو لیکن نہیں! یہ ناممکن تھا۔ کیونکہ اتنی بڑی چیز گلے سے ہوتے ہوئے ضرور احساس ہوتا۔ میرے دماغ میں فوراً خیال آیا کہ شاید ایک آلو بخارا گٹھلی کے بغیر ہو۔

اپنے آپ کو بہلانے کے لیے میں نے کوئی چیز شروع کی لیکن اس وقت خیال سے چھٹکارا حاصل نہ ہوا۔ طرح طرح کے خیالات ذہن میں ابھرنے لگے۔ مجھے گٹھلیوں کے آلو بخارے کے متعلق آج تک یقین نہیں تھا۔ رات کو سوتے ہوئے بھی یہ خیال ذہن پر سوار رہا۔ آخر کار میں اس نتیجے پر پہنچا کہ میں نے گٹھلی نگل لی ہے۔

آلو بخارے کی گٹھلی کو ہضم کرنا بھی بہت مشکل ہوتا ہے۔ معدے سے ہوتی ہوئی

پیٹ کے کسی بھی حصے میں ہو سکتی ہے۔ برے برے خیالات نے حملہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اگر یہ گلٹی اپینڈکس والے حصے میں پھیل جائے ... تو پھر کیا ہوگا ... آپریشن ... ہاں ہاں آپریشن کے بعد اس مرض کا حل بھی تو نہیں ہے۔ آپریشن کا خیال آتے ہی آنکھوں کے سامنے آپریشن تھیٹر کا منظر آ گیا۔ بڑے بڑے چمکتے ہوئے اوزار، تیز روشنیاں، کھلا ہوا جسم، کٹی ہوئی جگہیں، سفید سفید آلے، چمڑے اور خون، ڈاکٹر جو کہ قصاب سے کم نہیں ہوتے اور بہت کچھ ... یہ سب فلم کی ریل کی طرح آنکھوں کے سامنے اپنا وجود کرواتی رہیں۔ اس نے مجھے اپنا پورا وجود ٹکڑے ہوتے محسوس ہونے لگا۔ ایسا محسوس ہونے لگا جیسے میرے اندر سے روح نکل رہی ہو۔ اے خدا! یہ سب کیا ہو گئی مصیبت ہو گئی۔ میں نے دوبارہ اپنے آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ یہ سب وہم ہے اور ہونے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔ میرا وہم اس طرح بڑھ رہا تھا کہ میں اس کو سمجھنے کی جرات نہ کر سکتا تھا۔

اس دن میں نے کھانا بھی ہاتھ تک نہ لگایا۔ گھر سے نکلا تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ دماغ میں ایک سوچ ابھری بیماری کی حالت میں پیدل چلنا خطرہ ہے۔ فوراً ایک ٹیکسی پکڑی۔ میں اپنے ایک ڈاکٹر دوست کے پاس جا رہا تھا تاکہ اپنے مرض کی تشخیص کرا سکوں۔ میں نے ڈرتے ڈرتے ہوئے سوچا کہ "آپریشن کے بعد اس آنت کو مجھے یادگار کے طور پر محفوظ کرنے کے لیے کسی جار میں رکھنا چاہیے۔"

میں ڈاکٹر کے کلینک پہنچا اور اندر داخل ہوتے ہی کہا۔

ڈاکٹر مجھے تمہاری اشد ضرورت ہے۔ ذرا دیکھو تو مجھے کیا ہو گیا ہے۔

ڈاکٹر نے ہنستے ہوئے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

میں ذرا اس کام سے فارغ ہو لوں۔

میں بیٹھ گیا۔ ڈاکٹر پلیٹ میں رکھی ہوئی دو کیلے کھا رہا تھا اور ساتھ ساتھ اس کے فوائد گنوانے لگا۔ میں نے اچانک نظر اٹھا کر دیکھا کہ دروازے سے ڈاکٹر کی طرح معصوم

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

آپا، مکڑی اور میں

میں نے پہلی بار اسے پچھلے ہفتے دیکھا۔ اس وقت شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ میرے بہنوئی صاحب اصول پوچھنے آئے تھے۔ میں ان کے لیے چائے لینے گیا تو باورچی خانے کی چوکھٹ پر۔ سیاہ کالی، موٹی بھدی اور بدصورت۔ اتنے فاصلے سے بھی اس کے پنجے واضح دکھائی دے رہے تھے۔ چوکھٹ کے بائیں کونے میں شیلف کے پیچھے اس نے اپنا جالا بنا رکھا تھا۔ اس جالے نے شیلف کو تین اطراف سے گھیر رکھا تھا اور آدھ درجن سے زیادہ چھوٹی بڑی مکھیاں اس جالے میں پھنسی ہوئی تھیں۔

یہ بڑی مکھیاں اپنے بہنوئی کی چائے میں شکر ڈالتے ہوئے، میں نے دو مکھیاں گنیں۔ وہ شیلف میں پڑی آٹو کی تھیں۔ میں حیران تھا کہ آج تک اتنا بڑا جالا میری نگاہوں سے اوجھل کیسے رہا؟ میں تو گھر میں چیونٹیوں کے مختصر ترین سوراخوں اور چوہوں کی بلوں تک کا پورا پورا حساب رکھتا تھا۔ اماں اگر صفائی ستھرائی کے معاملے میں حد سے زیادہ ہونے کے باوجود اس جالے کے وجود سے غافل تھیں، تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہ تھی۔ اس لیے کہ پچھلا سارا مہینہ ان کا ایک پاؤں باورچی خانے اور دوسرا آپا کے پلنگ کے پاس رہا تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ ابا کے شاہی حکم کے مطابق وہ تو کروٹ بھی نہ لیتی تھیں مبادا انہیں سب سے تکلیف ہو۔ بات تو یہ تھی کہ کسی کو بھی آپا کا پلنگ چھونے کی اجازت نہ تھی۔ اس سے گھر میں پلنگ پہلی بار آیا تھا۔ وہ بھی میرے بہنوئی اپنے ساتھ ہی لائے تھے۔ پلنگ اور بیٹے کے ساتھ لگا دیا گیا تھا اور آپا تمام وقت اس پر لیٹی رہتیں۔ وہ

کافی دیر سوئی رہتیں بلکہ تمام وقت اس پر سوار رہتیں۔ اوائل شب میں سوچتا تھا کہ وہ بھی

لو کر رہی ہیں۔ کیونکہ وہ کسی میں پڑھ رہی تھیں۔ ہاتھ منہ دھونے کے لیے واش بیسن بھی

چاہئیں انہیں جلدی تھی مجھے ہمیشہ سے جلدی کی دستک کی آواز سنائی دیتی۔ وہ بھاگ کر پلنگ پر لیٹتیں

اور سوئی ہوئی بن جاتیں مگر آج ایک مہینے سے وہ پیچھے اٹھنے بیٹھنے کی ہمت بھی کھو بیٹھی تھیں۔

ان کے پلنگ کے پیچھے ادویات پڑی ہیں جن میں سے بہت مختلف بو آتی۔ بعض اوقات مجھے

خیال آ جاتا۔

چائے کی ٹرے واپس لے کر جاتے ہوئے میں نے ایک عجیب بات نوٹ کی۔

اتفاق سے کمرے کے دروازے میں کھڑا ہوا۔ جب میں وہاں پہنچا تو آپا کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں

چادر تھی۔ میں نے ایک پاؤں پلنگ کے کنارے پر رکھا اور ہاتھ سے دیوار کو سہارا لیا اور

پھر واپس جانے کو مڑا تو کمرے کے جانے کی کوشش کرتا تھا کہ ایک دم میرے پیچھے سے چیخ

کرتے

"تو تمہیں کچھ نہیں معلوم تھا کہ آپا کی طبیعت اس قدر خراب ہے"

یہ کہہ کر پلنگ پر سے وہاں سے خفیف سا چونکا ضرور تھا لیکن مجھے خوب

معلوم تھا کہ وہ اتنی آسانی سے نہ جانے والی ہیں اور نہ میری وجہ سے آپا کو کوئی گزند پہنچ

سکتا ہے۔ لیکن میں سوال میں الجھا رہا۔ میں نے آپا پر نگاہ ڈالی۔ وہ اس کے چہرے

سے صاف ظاہر تھا کہ انہوں نے بڑی مشکل سے اپنے بالوں کی الجھن دور کی۔ اس کے تکیے کے

اور وہ ڈال کر اس آرام سے رہ گئی۔ میں جلدی سے پلنگ سے پیچھے ہٹ گیا۔ وہ دوبارہ بیٹھ کر میرے ہاتھ

میں پکڑا سامان دیکھنے لگی تھی۔ ایسی ہی آواز میرے کانوں میں پڑی۔

"میں تو اس وقت واشروم کرنا چاہتا تھا۔"

آپا نے بالوں کی الجھن سلجھاتے ہوئے پوچھا "مگر کیوں؟"

"کیوں" کا کیا مطلب ہے آپا؟ انسان کبھی بھی گھر میں کسی کام کے لیے

بولی بیٹے۔ یہ تو بتاؤ یہ کیسی رسی ہے اس نے کتنی قمیصوں کو قید کر رکھا ہے؟"

میرے بہنوئی بولے" قصور قمیصوں کا ہے بڑے! کیوں ہر سوراخ میں گھسی پھرتی

ہیں۔ بے چاری تو اپنے گھر میں بیٹھی ہے۔"

یہی وہ وجہ یا طنز کر رہے تھے۔ آپا کی سہاگ رات سے لے کر آج تک

میرے اپنے بہنوئی سے بہت اچھے مراسم نہ تھے۔ اس رات شادی کی رسمیں بہت دیر سے

ختم ہوئیں۔ دولہا کا گھر کیا تھا کباڑ خانہ تھا۔ رابعہ آپا، برآمدے اور بیٹھک میں ختم

ہو رہی تھیں۔ میں تھک کر چور ہو گیا۔ میرے ہاتھ جیسے ٹوٹنے لگے کیونکہ میں نے

جہیز آپا کا گھر پر اٹھائے رکھا تھا۔ مسلسل رات گئی دیر تک اتنا بوجھ اٹھا چکا تھا

نے کی رات بیتی تھی۔ میں تو پھر بھی تھا جب گھر کے برآمدے میں پہنچا تو نجانے کیوں

[illegible] شاید میری نگاہ انگوٹھوں کی جس پر تھی اور دروازہ کھولنے کے لیے

[illegible] میرے ہاتھ [illegible] بہت ہو گئے۔ میں گم سم سا

[illegible] جیب سے چابی [illegible] اچانک میرے بہنوئی بھی دولہا

[illegible] مجھ سے ہی [illegible] کہنے لگے

"[illegible] ہے بڑے"

میں بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ ان کا [illegible] ملاقات میں یوں لگے بڑے

[illegible] مجھے چھوڑ دیا ان کے مراسم اور سارے خاندان میں کسی

سے کسی اچھے نہ تھے۔ جب گھر کے [illegible] اکٹھے ہوتے تو اکثر میرے بہنوئی ہی

[illegible] سب کہتے

"جب تک بیوی تندرست تھی تب تک سالم تھی۔ اسے اپنے پاس رکھا۔ اب کھانسنے

لگی تو باپ کے گھر بھیج دیا اور خود بھاگ گیا۔"

یہی وجہ تھی کہ میں نے بھی اپنے بہنوئی کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور بہت

سے تھا

"محمود علی نے اپنے گھر آنا کیوں ترک کر دیا ہے جو ان سے ان کی ناراضی ہوئی ہو

میں جا چکی ہے۔"

"تمہیں نے بھی تو ابھی تک یہ سب معلوم نہیں کیا؟" آپا بولی

آپا جی "میں ٹھیک وقت پر سب کچھ بتا دوں گا۔"

"آپا! یہ محمود علی سے کیوں کترا رہی ہو؟" جب میں نے خود سے سوال کیا تو سب کچھ کہ وہ اپنے شوہر کو علیحدہ سے ملی ہے۔ مجھے اتنا کہا کہ وہ ایسی تھیں، صاحب نہیں۔ میں نے اپنے محمود علی کے سامنے سے خیال چاہا کہ ان کا حال پوچھا گیا۔ جب میں ان کے پیچھے سے گیا وہاں دیکھا تو میں نے دیکھا کہ وہ آپا کو ادا بیٹھے تھے اور سے محمود علی صاحب کی بیمار ہونے کی باتیں ہو رہی تھیں۔ محمود علی صاحب ان کے ساتھ میں رہتے تھے اور وہاں کی میں پہلی ملاقات کے کی طرح ہوا تھے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ ان کا پہلا ضروری تھا اور وہ شخص سے اس معاملے میں الجھا۔ پیار گی پوچھنے پر انہوں نے بتایا۔ محمود علی صاحب نے اس کام کے لیے بلا بھیجا۔ بعد ازاں ان کے لیے وقت دے دیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر روز کا وقت کاٹنے کا موقع عطا کر دیا۔ بعد میں ان کی خدمت کر کے وہاں تو اب گھر پر تھی نہیں۔ میں نے دیکھا کہ میرے لیے ان کی الگ ہی کئی باتوں کا علم کرنا مشکل ہے۔ میرے محمود علی کے پاس ایک نوکری اور یہ دو کمرے والا مکان رہتا ہے۔ میرے خیال میں وہ آپا کو سمجھانے کے لیے ایک کہانی گھڑ چکے تھے۔ آپا اور میرے محمود علی جب بھی اکٹھے ہوتے تو پہلے پہلے خوب لڑتے جھگڑتے رہتے پھر ہنستے اور پھر اس کے بعد ایک دو گھنٹے گپ شپ میں گزار دیتے۔ پھر میرے محمود علی رخصت ہو جاتے۔ ہفتے کے ساتویں دن میری سکول سے واپسی پر بھی ادھر ادھر ہو جاتا۔ محمود علی کی آمد پر پہلے میں یا میری چھوٹی بہن ہی دروازہ کھولتے اور آپا ہی

Scanned by CamScanner

یہ ان کا معمول نہیں کرتا تھا ان کو خطرہ رہتا [illegible] میری ذمہ داری تھی۔ کیونکہ
یہ [illegible] روزانہ ہوتی تھی۔ لہٰذا میں نے سوچا کہ میں ان کے حال پہ چھوڑ دوں
[illegible] کو تو [illegible] کروں۔ دروازے سے نکلتے ہوئے میں اس ہی دل میں [illegible]
[illegible] کرنے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا" بے غیرت۔ [illegible] آج میری آیا
ہے تو نے [illegible] پڑھنے کے لیے چھوڑ دیا۔

[illegible] صاحب کا پرچہ تھا اور یہ صاحب [illegible] میرے سر سے گزر جاتا
تھا۔ ویسے بھی [illegible] پڑھتا تھا۔ خاص بات یہ کہ صاحب کے استاد سے میری [illegible] ہوگئی
تھی اور [illegible] کے امتحان میں انہوں نے مجھے فیل کر دیا تھا۔ مولویوں کی ایک روز
[illegible] میں [illegible] مرتب کر رہا تھا کہ صاحب کے استاد نے مجھے [illegible]
[illegible] اور میری [illegible] کھڑکی سے باہر پھینک دیا اس نے حال ہی میں ٹوپی پہننا
شروع کی تھی اور اسے [illegible] مولوی ہونے کا وہم تھا وہ [illegible] کر میرے پیچھے پڑ
[illegible] مولویوں کے لئے [illegible] اور انہیں [illegible] کی حد کر دیتا تھا کہ
[illegible] استاد کو بھی معاف نہ کرتے۔ [illegible] وہ اس کے رفیق کار تھے۔ وہ
[illegible] کرتے تھے جب کلاس میں داخل ہوتے تو جب بھی [illegible] ان کے [illegible]
ہوتا تھا۔ لیکن جب [illegible] اعلان ہوتے تو [illegible] کر میز پر رکھ دیتے اور اپنی [illegible] کو
[illegible] اس کے اوپر رکھ دیتے۔ [illegible] کی آواز آتی۔ [illegible] پر گرے چاک کو جھاڑ کر
صاف کرتے اور اسے [illegible] پہنتے۔ [illegible] سر پہ ٹکاتے اور اٹھ کھڑے ہوتے۔ شروع میں ہم
نے بھی انہیں تمسخر کا نشانہ بنایا۔ "یا شیخ! آپ کا [illegible] کر گیا ہے" کہہ کر اسی طرح کے دوسرے
فقرے۔ لیکن پھر ہم نے انہیں ان کے حال پہ چھوڑ دیا لیکن یہ صاحب کے استاد انہیں
معاف کرنے کو تیار نہ تھے۔ ہر وقت انہیں برا بھلا کہتا رہتا۔ ایک روز جب وہ مولویوں کے
[illegible] ہونے کی [illegible] میں [illegible] کھڑا ہوا اور [illegible] کر کہا مولویوں نے کیا

تم سب بے غیرت باپ کے بیٹے ہو سب بے غیرت ہیں۔" اور کلاس روم سے نکل گیا۔ یہ لفظ "بے غیرت" میں نے اپنے پاپا سے سیکھا تھا۔ کلاس اور اسی طرح کے بہت سے دوسرے الفاظ بھی بچپن میں ہی تھا بے غیرت کے معنی سے بے خبر تھا۔ بس مجھے اتنا معلوم تھا کہ شدید غصے اور پریشانی کے عالم میں پاپا یہ لفظ بولتے ہیں۔ اس دن کے بعد میں دوبارہ کبھی مس صاحب کے پیریڈ میں نہیں گیا۔ میں خوب جانتا تھا کہ میرا اسکول ہونا نہ ہونا یکساں ہے لیکن خوش قسمتی یہ تھی کہ یہ آخری سال کے آخری دن تھے اور اسکول کے پرنسپل صاحب مجھے اچھے طریقے سے جانتے تھے اور میرے پاپا کا بہت احترام کرتے تھے ورنہ تو میرے نکل جانے میں شک کی کوئی بات نہیں تھی۔ بس یہ صاحب خاص طور پر یہ ہوا اور سبق تقسیم کے سوال کتاب کھولتا تو تھک کر کسی کے آگے اٹھا دیتا ہوں لیکن اس مسئلے کا کیا ہو جائے" میں نے وہی کیا جو میں چاہتا تھا کے کتاب کھولی" اگر ایک دفعہ میں نہیں ہو سکے ... سمجھیں اس دن کی بیوقوفی کا خیال میرے دماغ سے نکل گیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اگر آپا یا امی سے پوچھ لیتا تو اب تک میں اس بے وقوف لڑکی کو سمجھانے کا ... افسوس غلط میرے ذہن میں ایک خیال کوندا "کہیں آپا کو اس لڑکی سے محبت تو نہیں ہوگئی؟ ورنہ کوئی بھلا ایسے کیسے بدل سکتا ہے۔ پھر اس روز تکلیف کے ساتھ جو آپا اسی دن میں آپا کی آواز آئی کی بات کرتے ہوئے اس کی ... آواز ... مجھے ... سے پیار کر رہی تھی۔ پھر اسی کی ... وہ ... وہ فلاں دوا کھالے۔ دواؤں کی ایک ... کے پیچھے تھی

ہو سکتا ہے وہ تمام وقت دواؤں کی کتاب پڑھتی رہتی ہو لیکن اپنی اس محدود تعلیم کے ساتھ وہ دواؤں کی کتاب بھلا کیسے پڑھ سکتی تھی۔ وہ تو بہاولپور اور ملتان جیسے شہر سے پڑھی ہوئی تھی۔ کبھی کبھار آپا اس لڑکی پر نظر ڈال رہی اور اس کی آمد و رفت کا جائزہ لیتی

[illegible] میں اپنے متعلق سوچتی ہوں کہ
[illegible] اس طرف بیٹھ سکتا ہوں کہ میری نگاہیں مجھ
[illegible] میں تو انسان کے ذہن میں بڑے خیال آتے اور
[illegible] گھر چھوڑ کر کمرے میں نے
[illegible] سے تو اور بات ہے آپ
[illegible] کہ یہ کمرہ تو کوئی ہے اور
[illegible] کے ساتھ آ جاتے
[illegible] سب بیکاری میں۔ پھر آپ کی
[illegible] میں اٹھ کر ... لگے آپ کا یہ شوہر ایک
[illegible] اور میں یہ بھی برداشت نہیں
[illegible] کمرے کے جال میں پھنسے۔ کئی بار یہ اتفاق بھی ہوا کہ موسم
[illegible] میں نے پیچھے سے بھی کمرے اور اسے بڑی خوشی
[illegible] کمرے کے جالے میں ... دیکھا تو اسے فورا
[illegible] کمرے کے جالے سے ... اس قدر مجھے میں قیامت
[illegible] کمرے کے جالے سے ... آپ کے لیے
[illegible] کمرے سے ... بھی ہے کہ
[illegible] ہے تو ... کی ... اور واقعی ہے۔ کہ
[illegible] کے لیے اس نے ... ہے ... کمرے کے لیے
[illegible] سے پہلے کسی کی آنکھوں میں ... نمایاں طور
[illegible] مقصد ... کے لیے ... ہوں جیسی
[illegible] کمرے کے جال میں پھنستی ہے تو اس کی آواز ... جاتی ہے پھر کمرے نے اس

Scanned by CamScanner

سے بچ کی ہے میں وہاں سے عمل کی طرح وہ کیا ہے۔ جہاں وہ کسی سے وہ مالک ہے
مجھے نہیں معلوم۔ لیکن اگر کبھی آپ چاہتے ہیں کہ کسی شخص کے ماحول میں بھی
ہو سہ تو آپ اس کو بیٹھ اکیلا وہیں تاکہ وہ آواز نہ سکے۔ یا بھاڑ کے لگے ہے اسے
قدرتی کے لئے کسی بھی نہیں ہے۔ تیسری گھڑی کے بارے کا معاملہ ذرا مختلف ہے۔ یہ کسی
عام شخص میں اس کے بعد وہ بارے میں بحث ہوتی ہے اس میں کسی کی طرح
ہوا ہوں کے عمل سے گزرتی ہے۔ شعاع تو وہ اسے دیکھ کر باقی رہا اور وہ واضح ہوا ہو
ہے۔ یہ گھڑی کے بارے وہ یہ وہیں حق ہے اتفاقی بات ہوتا ہے۔ بعض اوقات خود مجھے
معلوم نہیں رہتا۔ اس بیچ اب تک کسی وجہ پاس وہ سے گھڑی کا پہلی موت کی طرح
سے آ ہوتی ہے۔ کسی وہ ہے کہ ذہن میں کھیلیں اس معاشرے وہ بیوی کے نہیں تھیں۔
میں نے غور کیا ہے کہ ذہن میں اس کی آواز بھی نہیں آتی۔ وہ تھوڑا سا دھڑ دھڑ ہوتی ہیں
جب اس کو بیٹھ آ جو وہ اس تھی تو لگے چونکے میں بحث ہوتی ہیں۔ گھڑی آ جاتی ہے تب
اس کی آواز کا اندازہ ہوتی ہے۔ اگر وہ بعد آواز کا پتہ تو یہ سے جیسا کوئی انسان آگے چلا گر
اس کی خاطر آتا ہے وہ سے یقیناً اس معاشرے میں تمام تر قیامت ہوتی ہے کہ ان کی آواز
باقی ہر سے گزرنے کے بعد ابھرتی ہے۔

میں ابھی سوچ ہی رہا تھا میں یہیں تک پہنچا تھا اور میری کتاب صفحہ ۳۳ پر کھلی ہوئی
تھی۔ لکھا تھا کہ ... سے ... وقت گھڑی ہیں۔ وہ بعض اوقات ہے تو سنائی آتی تھیں اگر آپ
غور سے ... سنیں تو آپ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہر وقت گھڑی کے پرزے میں
موجود ہوتی ہیں۔

"بیٹا کیا کر رہے ہو؟"

"پڑھ رہا ہوں۔ ابّو ... صاحب نے تو ہمارے باپ کو بھی مات دے دی۔"

"سلامت رہو۔ بڑی بات ہے اللہ تعالیٰ ان کا سایہ ہمیشہ ہمارے سر پر سلامت

Scanned by CamScanner

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ [illegible] لیمپ جلانے کے لیے طاق کی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

"[illegible] دکان پر جا کر وہ [illegible]"

"[illegible]"

میں نے دیکھا اس کی آنکھوں کے کٹورے آنسوؤں سے لبریز تھے۔ میں نے

"[illegible]"

"ٹھیک ہے بیٹا [illegible] کھانے کے لیے آنے سے تو منع نہیں کریں گے"

"میں تمہاری امی کی خاطر کہہ رہی ہوں"

"آپ کے بیٹے؟"

"[illegible] تم نہیں جانتے وہ کتنی تکلیف میں ہے؟"

"[illegible] کی بیماری سے کیا واسطہ؟"

[illegible] پہلے

Scanned by CamScanner

تھے تو سب دور سے دیکھنے آتے۔ وہاں کا ہر شخص محفوظ ہو سکتا ہے اور اس کے لیے

پانی کی بڑی سہولت ہے۔ وہ پانی میں لاکھ جام و نان تک نہ ہوتا۔ اس کی دکان کا مال

بہت سستا تھا۔ گھر سے روزمرہ استعمال کی اشیاء میں سے نہ تھیں۔ اس لیے بڑا مطلب

پوری بستی کی دکان کی طرح روزانہ اس کے پاس لوگ پہنچتے تھے۔ وہاں بھی کبھار

بہت سے لوگ قسم قسم کے لیے آ جاتے۔ میں صاحب سے ان سے معافی مانگنے کو پہنچا تھا

مجھے وہ پہلے سے روزانہ لگتے معلوم نہ تھا۔ میں اٹھا کر اسے لیکن وہ اپنی جان کو جانے

دینے پر تیار تھے۔

"تم سے ملنے کو کہتے ہیں میں ان سے ملنے آیا ہوں"

میں نے شکریہ ادا کیا۔ مجھ سا پہلے ساری کی دکان پر گیا تھا۔ ان صاحب نے میرے سلام کا جواب

دیا اور پوچھا

"کوئی پانی وغیرہ لاؤں ہے؟"

میں نے کہا "جی ہاں" تب اس نے اپنے ایک شاگرد کو پکارا۔ وہ دکان کے پیچھے

گیا اور ایک گلاس میں پانی لے آیا۔ ان صاحب نے مجھے دینے والا پانی

اس نے ایک گلاس میں لے کر دونوں کے چہرے کے سامنے رکھا۔ جب وہ پانی کو گھر

پہنچا تو میں دکان میں بیٹھے ساتھیوں کی قطاریں دیکھ رہا تھا ان کی بیٹھنے کی حالت کے

اوپر کی طرف بہت گہری تھی۔ اور کچھ اوقات کے اوپر بہت اداس تھی۔ دکان کے گرم

ماحول میں بیٹھ کر ان کی طرح انسان کے حلق کو بہت تکلیف ہوتی تھی اور چہرے کو پسینہ دیتی

تھی۔ جب پانی لایا گیا تو ان صاحب نے اسے میرے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا

"پی لو بیٹا۔ ساری تھکن سے جان اور پانی ٹھنڈا کر دو پلاؤ"

میں نے اسے دیکھا میں پانی کو اٹھایا اور وہ پیٹ بھر کے پی جا چکی۔ مجھے کیا معلوم تھا

[illegible]

Scanned by CamScanner

[illegible] کہ واپس۔ دکان کے ملازم [illegible] سے پوچھنے لگے۔ اگر سکول سے بھی [illegible]

[illegible] ہوتی اور مجھے واپسی کی جلدی نہ ہوتی تو میں ان کے [illegible] ابا حضور نے پانی

[illegible] میں ڈالا [illegible] میرے پاؤں کے پاس رکھ دیا اور [illegible]

"تم نے حماقت نہیں کی [illegible] بہت [illegible] ہے۔ اب

احتیاط کرنا۔"

میں مارے شرمندگی کے [illegible] کے پیچھے چل پڑا۔ [illegible] انتہائی [illegible]

تھا۔ [illegible] زندگی میں [illegible]

تھا۔ میرے خیال میں [illegible]

[illegible] کے میدان میں [illegible]

[illegible] کی طرح ہو جاتی۔

[illegible] ہوتی تھیں۔ وہاں سے کوئی تین قدم آگے جا کر میں

نے محسوس کیا کہ میں [illegible] ہاتھ سے پانی نہیں اٹھا سکتا۔ [illegible] میری بغل میں دبا تھا اور

[illegible] میں نے پانی کو [illegible] پاؤں کو [illegible] کے

[illegible] جب میں نے [illegible] محسوس کیا تو [illegible] بھری بالٹی پر

[illegible] دونوں ہاتھوں [illegible] بالٹی میری دونوں ٹانگوں کے درمیان گھسٹ رہی

تھی۔ [illegible] قدم بعد میں بالٹی زمین پر رکھتا اور سانس

[illegible] انگلیاں [illegible] بالٹی کے [illegible] سے [illegible] گویا کٹ رہی تھیں۔ پھر

گھر کی جانب چل پڑتا۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی بات میرے لیے اہم نہ تھی۔ بس ایک

ہی سوال مجھے کھائے جا رہا تھا کہ آپا کی پیاری گائے کا اس بچے سے کیا واسطہ ہے؟ جب ابا

نے گائے اور بچے کی بات کی تھی تو میں نے سوچا تھا کہ وہ میری جیب پلٹنے میں کامیاب

[illegible] کے [illegible] نے مجھ سے کچھ نہیں پوچھا۔ [illegible] میں نے سلام کیا انہوں نے

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

ختم ہو چکی ہے کہ ہمارے گھر میں کیا ہونے والا ہے۔ لیکن لگتا ہے جیسے اسے اندازہ ہو گیا ہو۔

میں پانی کے اندر تھی۔ جب وہ جب بے اور گرم تھیلوں کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تو میں بھی

پانی کے حوض کے کنارے زمین پر اسے دیکھ رہی تھی اور اس کے اندر میں نے اپنے پاؤں حوض میں

ڈال دیے۔ پہلے تو انگلیوں میں درد کی شدید لہر اٹھی پھر وہ آرام ہو گئیں۔ اب مٹھی سے پانی

کے اندر میں انگلی ڈبوتی تو وہ گم جاتی۔ ارد گرد کی مچھلیاں پھر سے پاؤں کے قریب آ گئی

پھر ایک دم غائب ہو جاتیں۔ میں مچھلیوں کے ساتھ ساتھ اپنی انگلیوں کی طرف بھی دیکھ

رہی۔ میرے انگوٹھے اور اس کے ساتھ والی دو انگلیوں کی کھال اتر گئی تھی اور وہ سوج گئی

تھیں۔ جب میں انگلی ڈبوتی تو وہ چبھنے لگتیں۔

اس نے دیکھا تو وہ پریشان ہو گئی۔ "میں مر جاؤں، یہ کیا مصیبت مول لے لی

تم نے؟"

"پانی سے تم وہاں وہ مچھلی بیٹھا رہتا ہے؟ یہ کیسی ہو گئی ہے یہ کیا ہے؟"

اس نے حوض کے کنارے بیٹھ کر میرے پاؤں کو پانی سے باہر نکالتے ہوئے پوچھی

"تم نے یہ کیسے کیا؟ کب سے ہو گئے؟" یہ دونوں انگلیاں پر تکلیف ہیں۔ تمہیں

پتا کیا ہو گیا ہے؟"

"میں جاننا چاہتی ہوں آخر اس پیٹ کا کیا کیا؟"

"جان جاؤ گے بیٹا، جان جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں دوزخ کی آگ سے بچائے۔

اب اٹھو تم، دوپہر کا کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

اماں قریب سے گزرتی ہوئی بیٹھ کر میرے پاؤں خشک کرنے لگی۔ میں نے دیکھا

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ اسی لیے شاید میں اس سے جھگڑ سکتی تھی اور نہ

ہو سکتا تھا۔ سو میں نے اپنی انگلیاں پانی کے چھینٹے دیے اور اندر چلا گیا۔ دسترخوان

پر کھانا بچھا تھی۔ اس کی خالہ میری وہ بڑی نظریں ایک اجنبی عورت۔ اس کا چہرہ ہوا

سامنے بیٹھی تھوڑی دور ایک لڑکی بھی اپنی جگہ پر تھی۔

میں سلام کر کے بیٹھ گیا۔ میری پلیٹ بالکل معمول سے زیادہ بھری ہوئی تھی۔

قورمہ اور کباب سے بھرا ہوا مسور پلاؤ اور کیا کیا درست کر رہی تھی۔ کئی اور پھول پھول

لڑکی سے بیری کی سے زعفران رنگین بیٹھا وہیں بھی کر رہی لال کئی رہ گیا۔ میں

نے تیری تو تب میں نے کہتے سنا۔

"بالکل کڑی کی طرح میں اس کی روح میں پہنچ گیا ہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب،

تم نے وعدہ تو مرحبا نہیں کیا"

پہلے اس کی حالت نے اجنبی عورت سے کہا۔ میں بھی مجھ تو پہلے مرحبا نہیں کیا؟

میرے کان اس کی باتوں پر لگے تھے۔ اجنبی عورت نے قطع کلام کیا

"میں رہتے کی، مرے وقت کے لیے تو زندگی ہے"

میں نے دہشت زدہ ہو کر سر اٹھا کر دیکھا وہیں اجنبی عورت کو سر کے اشارے

سے کچھ کہتی رہے گئے ... اس کی حالت نے بات ... کیا

"تمہارے جیسے میری والدہ کیا کرتی تھیں اس پر دوسرا کی آگ حرام ہو جاتی ہے"

مجھ میں مزید مجھ سے کی تاب نہ تھی۔ میں جانتا ہوا آپا کی تلاش میں اوپر گیا۔

وہ بیٹھی ... کر کے ... پی رہی تھی۔ اس کی نگاہیں مجھے کے کونے میں کھڑی پر

تھیں۔ میں بیٹھے کے پاس بیٹھ گیا اور ... ہوئے آپا سے پوچھا؟

"آپا آج تم پر کون سی آفت آن پڑی ہے، میں انہیں ایسا نہیں کرنے دوں

گا انہیں کرنے دوں گا"

ماں میرے پیچھے ہی آ گئیں اور میرے سر پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگیں۔

"میرے بیٹے اب تو دیر ہو گئی ہے تیری آپا نے خود ایسا کرنے کا ... ہے، کہاں تھے؟"

چاہتی ہو آپا کی ... میں ... کر جانے لگی۔

Scanned by CamScanner

"تم یہ تو مجھے بتاؤ کہ تمہیں کیوں لگا، کہاں سے آئے ہو؟"

وہ اس طرح اچانک بولی تھی کہ اب میں تیزی سے گھر سے نکل گیا۔ مجھے پھر یاد آیا کہ میں دس برس کا بچہ تھا۔ میں اکلوتا ہوں کہ اسکول سے چھٹی ہونے کے بعد میں نے ایک عورت کے ساتھ اس کا تعاقب ہو گیا۔ میں نے اس کے پیچھے اپنی گاڑی اس کی گاڑی کو گھر سے اسکول میں لے جانے کے وقت سے چلا دیا۔ میں موقع واردات سے بھاگ گیا پھر میں نے دیکھا کہ ہم لوگ صاحب کے استاد سامنے سے نمودار ہو گئے۔ میں ابھی اسکول کے دروازے تک نہ پہنچا تھا۔ سوچا تھا کہ جلدی سے کام لے کر بھاگ جاؤں لیکن استاد صاحب نے بے حد تیزی سے آ کر مجھے پیچھے گردن سے آ پکڑا۔

"کہاں بھاگتے ہو، شرارتی لڑکے، ابھی تمہیں مزہ چکھاتا ہوں"

انہوں نے میری گردن کے پچھلے حصے پر اس زور سے تھپڑ مارا کہ میرا سر گھوم گیا۔ میں نے فوراً اپنا ہاتھ اپنی گردن کی طرف بڑھایا اور میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ گردن کے پچھلے حصے کی حرارت بڑھ گئی اور میرا ہاتھ گرم ہو گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ اب میرا سر گھوم نہیں رہا۔ آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ ہاشم اسکول کی صاحب کے استاد کے ساتھ کھڑے ہیں اور ایک ہاتھ اپنی گردن پر مار رہے ہیں۔ ہاشم صاحب کو تو ہم نے بعد میں پہچانا۔ وہ تھے ہمارے صاحب کے استاد، وہی ہمارے اسکول کی جان تھے اور زیادہ پرانی کی بات تو یہ تھی کہ شام کے وقت پرنسپل صاحب کا کام کرنے آتے تھے۔ اگر آتے بھی تھے تو آخری وقت ختم ہونے سے پہلے چلے جاتے تھے۔ کبھی کبھی میری ہوا کہ میں صاحب کے استاد کے منہ پر تھوک دوں [illegible] لیکن ہاشم صاحب کی موجودگی میں مجھے ایسا کرنے کی ہمت نہ تھی کیونکہ وہ بہت مہذب، صاف ستھرے اور نفیس انسان تھے۔ ان کے کپڑوں سے ہمیشہ بہت عمدہ کسی خوشبو آتی تھی۔ وہ میرے "گرو" والے چہرہ میں انہیں [illegible] کے لیے کرتا تھا کبھی بھول بھال جاتے تھے۔ ہاں میں نے وہ

Scanned by CamScanner

وسیم نے کرسی میں ایک ہاتھ سے پیچھے سے گردن کو دبا رکھا ہوا ہے ہاتھ سے دبا رکھا تھا۔
تھیں یہ دوسری طرف گول گول گھما رہا تھا۔ انھیں خوف سے ان کی سرگوشیاں سنائی
صاحب کے ہاتھ کے قدموں کی چاپ گونجے اور سے ڈر کر دوڑی چلی گئی۔ ہم نے
دیکھ لیا۔

"تم نے حسن کو کیوں مارا؟"

"وہ چوری کرتے ہوئے ہاتھوں میں لے کر اسے اٹھا کر لے جا رہا تھا۔"

"کیسی چوری؟"

کیونکہ ہم جناب حسن کو یہ دستور تھا کہ ہم اپنی ذاتی سرگرمیوں کے متعلق بھی
کسی سے بات نہیں کرتے تھے لیکن ہم ان سے ڈر کر کچھ نہیں کہتے تھے۔ میں خاموش رہا۔
جناب صاحب کہنے لگے

"اگر کوئی ایسی بات تھی تو تم کو مجھے بتانا چاہیے تھا۔"

انھوں نے جو سزا دی تھی اس پر غصہ ہو گیا۔ اب ان کا لہجہ پہلے کی طرح نرم نہیں تھا۔
میں بہت شرمندہ ہوا۔

"تم اب بڑے ہو گئے ہو، تمہیں معلوم ہونا چاہیے انسان سے کس طرح پیش
آتے ہیں۔ میں تمہیں ایک موقع دیتا ہوں۔ اگر تم اپنی اصلاح کر سکو تو
تم نے آئندہ ایسی حرکت کی تو تمہیں اسکول سے خارج کر دیا جائے گا۔"

اس کے بعد ہم سے ان کی آواز بلند نہ ہوئی چاہتی تھی۔ اس وقت سب بچے جا چکے تھے۔
جب بھری گرمیوں کی شدید چھٹی ہو رہی تھی۔ اس وقت ایک ایک کر کے بچے آ رہے تھے۔
جس صاحب نے ان کو دیکھتے ہی سر پر بھاگے اور ڈرے ہوئے تھے۔ لیکن اب
دوڑنے کا کوئی خوف نہ تھا۔ جب ہم صاحب نے اس طرح چلتے ہوئے بچوں کو پکڑا اور
لگے اس نے وار کرتے ہوئے کہا، اسے ایک ٹکٹ تک نہیں دیا۔ اس کی بھری

Scanned by CamScanner

شام شیطان ہو گی تو سبق سیکھے گا۔ آئندہ وہ بدتمیزی نہیں کرے گا"۔ یہ چچا جی کو سمجھا کر وہ چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی چچا جی نے اسکول کا گیٹ بند کیا، یہ مجھے دے کر کہا "اسے ہاشم صاحب کی میز پر رکھو اور دوسری جماعت کے کمرے میں آ جاؤ۔"

میں بھاگتا ہوا گیا۔ یہ میز پر رکھا اور دوسری جماعت کے کمرے میں آ گیا۔ چچا جی فرش صاف کرنے کے لیے بنچ اٹھا کر میز پر رکھ رہا تھا۔ میں اس کی مدد کرنے لگا۔ نہ جانے کتنا وقت گزرا۔ یہ ہمارا کلاس روم صفائی کے لیے تیار ہو گیا۔ میں نے کہا

"تم کہو تو میں پانی ڈال کر جھاڑو لگا دوں تاکہ تم آرام سے جھاڑو لگا سکو؟"

اس نے آنکھیں اٹھا کر مجھے دیکھا اور کہنے لگا

"نہ بابا... کل جمعہ ہے۔ تمہیں دیر ہو جائے گی اور حافظ صاحب خفا ہوں گے۔ بھاگ کر ہاتھ منہ دھو آؤ اور گھر چلے جاؤ تاکہ میں دروازہ بند کر لوں۔"

میں بھاگتا ہوا حوض کی طرف گیا۔ میں نے اسے نہیں بتایا تھا کہ بابا تو صبح سے قم جا چکے ہیں اس کی مجھ سے بابا سے شناسائی ضرور تھی لیکن وہ صرف ماہ رمضان کی حافظ شبینہ میں سمجھ آتا تھا میں وہیں اور کچھ خدمت کر پاتا یا نہ کر پاتا لیکن میں اس سے بہت اچھے سے ملتا تھا۔ ہم نے مٹھائیاں، پیاز کی مٹھائی، کھجوریں اور شکر وغیرہ سے اس کی تواضع کرتے۔

اصل بات یہ ہے کہ ایک مرتبہ اس نے میرے ساتھ ایک نیکی کی تھی۔ سب سے معصوم سی نیکی یہ کہ بابا نے مجھے گزشتہ سال کی ایک محفل شبینہ کا ذکر ہے جب بابا نے نماز کروائی تو اقامت میں نے کی۔ جب محفل ختم ہوئی تو معصوم سی نیکی مجھے اس کا دروازے تک آیا۔ وہ مجھے کھینچ کر ایک طرف لے گیا اور کہنے لگا

"تمہارا حافظ صاحب بہت چاہتے ہیں۔ لیکن تیری اقامت کہاں سے افسوس کا مقام ہے یہ کام تو کوّوں کے بچوں کا ہے۔"

Scanned by CamScanner

پکڑ کر وہ ایک دم چل دیا۔ میں نے قدرے سوچا اور محسوس کیا کہ اس کی بات بجا ہے۔
میں فوراً اس کے پیچھے بھاگا اور پوچھا

''صوفی جی! تمہارے نام اور شب [illegible] میں کیا تعلق ہے؟''

انہوں نے مجھے دیکھا اور کہنے لگے ''اگر میں یہ سب جانتا تو اسکول کا ٹیچر کیوں ہوتا۔ جاؤ اور حاجی صاحب سے پوچھو'' اور وہ چلا گیا۔ وہ دن اور آج کا دن اس کے بعد نہ میں نے اس کی وضاحت کی۔ اسی وجہ سے میرا کا خیال ہے کہ اسکول بچوں کو اور بھی الجھا دیتے ہیں۔
میں دریا کے کنارے پاؤں [illegible] ہوئے یہ سب کچھ سوچ رہا تھا اور پانی سے کھیل رہا تھا۔ اچانک اسکول کی گھنٹی کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ میں فوراً [illegible] کے پاس پہنچ [illegible] بھول گیا تھا کہ میں اس وقت کہاں بیٹھا ہوں۔ میں نے چونک کر تیزی سے [illegible] تو پتہ چلا کہ میرے پاؤں [illegible] طرح [illegible] ہیں۔ میں کچھ دیر تک [illegible] ہونے کے بعد [illegible] کے پیچھے [illegible] ابھی تک [illegible] ہو رہی تھی۔

جب میں اسکول کے دروازے سے [illegible] رہا تھا تو صوفی جی کہنے لگے
''دیکھو اس آدمی کے منہ نہ لگو کیونکہ اس نے خود ساری عمر [illegible] پینا چھوڑا ہے اس بے [illegible] کو برداشت نہیں کر پاؤ گے۔ ہاں! اپنے بابا کو میرا سلام کہنا۔''

جب میں گھر پہنچا تو شام کے سائے گہرے ہو چکے تھے۔ گھر کا دروازہ بند تھا مگر بابا جی کہیں گئے ہوئے تھے۔ دروازہ میری چھوٹی بہن نے کھولا۔ اس کے لہجے کی گرماہٹ اور بے زاری میں مجھے کسی [illegible] کی چاپ سنائی دی۔

''فضول، بدتمیز، اتنی دیر کیوں کر دی؟''

''اماں! [illegible] آ گیا ہے''

اس وقت گھر کی فضا عجیب اداس، گونگی اور بہری تھی۔

مغرب کے وقت ابا سے پاس ہر روز کچھ کیفیت ہوا کرتی تھی۔ دروازہ [illegible] تھا

دیتے تھے کہ ابا سو جاتے ہیں۔ لیکن اس دن ابا سونے کی بجائے قیام کیے ہوئے تھے۔ جب ابا گھر پر موجود ہوں۔ بے شک وہ دن رات کچھ نہ بھی کریں۔ اپنے کمرے میں خاموش ہی بیٹھے ہوں۔ ہر طرف ماحول پر ان کا رعب ہی گھر میں ان کی موجودگی کا احساس بہت گھمبیر ہوتا ہے۔ گھر کی فضا قدرے بوجھل۔ ہر چیز اپنی جگہ پڑی ہوئی۔ متوازن اور پُروقار محسوس ہوتی ہے۔ چیزوں کے ٹوٹنے کا تصور بھی محال ہوتا ہے۔ ایسے میں، میں اپنی بہن سے الجھنے کو سوچ بھی کیسے سکتا تھا۔ اب جب کہ وہ گھر پر تھے تو میں سیدھا باورچی خانے میں گیا۔

"السلام علیکم امی! کھانے میں کیا ہے؟"

میری نظر امی کی نظر پر پڑی۔ وہ کھوئی کھوئی۔ بجھی ہوئی اور بہت ہی چپ چاپ سی تھیں۔ میں ٹھٹکا۔ عجیب سا لگا۔ امی چولہے کے پاس ایک چھوٹی پیڑھی پر بیٹھی تھیں۔ انہوں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے مڑ کر میری طرف نہیں دیکھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ رو رہی ہیں۔ امی کی نظر گیلی تھی اور سب بجھی سی چیزیں باورچی خانے کے کونے میں دیوار سے لگا دیں۔ اس وقت میں نے پیچھے کی چھت کو دیکھا۔ چولہے کے پار ایک بے رحم اور تھکے سے تنکے اس کے بیچ میں جڑے اور گھر کے کونے پر چڑیوں کا راج ہوا بیٹھے تھے۔ مجھے یک دم آپا کا خیال آیا اور میں چھت کی طرف بھاگا۔ غروب آفتاب کے آخری لمحوں میں آپا بالکل سیدھی کھڑی ہوئی تھیں۔ کمبل ان کی ٹھوڑی تک پھیلا ہوا تھا۔ آنکھیں بند تھیں۔ میرے بھولے آپا کا سر اپنے دونوں ہاتھوں میں لیے بیٹھے تھے۔ ان کی پشت لرز رہی تھی۔ میرے قدموں کی چاپ سن کر انہوں نے سر اٹھایا۔ میں نے دیکھا کہ ان کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ میرے سلام کے جواب میں بولے:

"بھائی! تمہاری آپا کو ہم سے پیچھے لیے جا رہے ہیں"

یہ کہہ کر وہ بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رو دیے۔ بالکل ویسے ہی جیسے کے ٹکڑے ہوئے کی طرح گھر میں جو سب ہنستے کی چاپ نہ تھی۔ میں دیوانہ وار واپس نیچے آ گیا۔

Scanned by CamScanner

"اماں! آپ لوگوں نے آپا پر کیا ظلم ڈھایا ہے؟ یہ کیا انصاف ہے، معصوم بچہ کو بے معلوم ہے یہ بچیں گے نہیں۔"

آنسوؤں کے ریلے مجھے بہائے لے گئے۔ اس کے بعد کیا ہوا مجھے کچھ یاد نہیں۔ ہاں اماں کی تمام کی باتوں کی بازگشت میرے ذہن میں موجود ہے۔ وہ میرے سر پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگیں۔

"یہی وقت ہے بیٹا! تم بڑے ہو چکے ہو۔" اماں نے کبھی بھی اس انداز میں بات نہیں کی تھی۔ پھر وہ میرا ہاتھ تھام کر مجھے باورچی خانے سے باہر لے آئیں اور میرے کان میں کہنے لگیں کہ میں ان کے گھر جا کر فلاں چیز لے آؤں۔ وہ چیز جو بھی تھی، میں کہہ نہیں پایا۔ ان کا گھر شہر کے دروازے سے بھی اس طرف تھا۔ میں حیران تھا کہ میں تب وہاں بچیوں کو اور آپ لوگوں کو۔ لیکن کیا کرتا مجبوراً چل پڑا۔ سارا راستہ گھڑی، تھرموس اور پانی کی بوتل میرے دماغ سے ایک آسیب کی طرح چمٹا رہا اور یہ فقرہ "جیسے کو تم کرتے تھے ویسے ہو" میرے ذہن میں وہ مسلسل دہراتا رہا۔

اماں کی خالہ کے گھر والوں نے مجھے کہہ دیا کہ رونے کی بجائے وہیں روک لیا اور رات کا کھانا کھلا کر سلا دیا۔ اگلی صبح اماں کا خالہ زاد بھائی مجھے اپنے ساتھ شاہ عبدالعظیم لے گیا۔ عصر کے وقت جب ہم واپس گھر لوٹے تو ہر طرف ہولناک اندھیرا اور ویرانی تھی۔ سوائے میرے، ایک بھولی اور ایک بڑی بہن کے گھر پر کوئی نہ تھا۔ جب تک وہ لوگ اماں کے خالہ زاد بھائی کے لیے چائے بنا کر لاتے میں اوپر چھت پر چلا گیا۔ وہاں دادا کی کوئی خبر تھی نہ اماں کے پلنگ کی۔ لیکن وہی گھڑی اپنے جالے سمیت چھینیوں کی کسی کونے کی تھالوں کے ساتھ چھت کے کونے میں موجود تھی۔ یہ دیکھ کر میں پیچھے پاگل سا ہو گیا اور بے تحاشا گھڑی کی طرف لپکا۔ زور سے پھینکا کہ چھت کا لالٹین شیشہ ٹوٹ گیا۔

Scanned by CamScanner

فرانسیسی سے ترجمہ: عامر قمیر

خاندانی یکجہتی

ماں سویٹر بُننے میں منہمک ہے
بیٹا محاذِ جنگ پر دشمن سے نبرد آزما
ماں کے لیے یہ سب بجا ہے
اور باپ؟
وہ کاروبار میں مشغول ہے
اس کی بیوی سویٹر بُننے میں
اس کا بیٹا جنگ لڑنے میں
اور وہ خود کاروبار میں مصروف ہے
باپ کے لیے یہ سب بجا ہے

اور بیٹا؟
بیٹے کو یہ سب کیسا لگتا ہے؟
اسے کچھ معلوم نہیں
اس کی ماں سویٹر بُنتی ہے
اس کا باپ کاروبار کرتا ہے
اور وہ خود جنگ کرتا ہے

Scanned by CamScanner

جب جنگ ختم ہو چکی

[illegible]

مگر جنگ جاری ہے

[illegible] جنگ جاری ہے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اس کے ماں باپ

اس کی قبر پر جاتے ہیں

[illegible]

[illegible]

اسی طرح جاری ہیں

[illegible]

[illegible]

اور زندگی

[illegible]

قبر کی جانب رواں دواں ہے

٥

بڑھانے ہم ہی نے دوستی ادھر سے بھی
دکھائی دی نہیں روشنی ادھر سے بھی

ہمیں ایک بری محسوس دل میں ہوتی ہے
خالی دی نہیں تشنگی ادھر سے بھی

شکوں کئے کو سب جو ذرا سے تھی
دل فسردہ تھے بے کلی ادھر سے بھی

ذرا سی دیر میں دل بھر آنے والا ہے
ہوا ہے دور میں کمی کی ادھر سے بھی

کوئی بات کہ اس سے بچا کے جاتے ہیں
ہوا ہے تجھ میں ایک سی ادھر سے بھی

عجب یہ ہے کہ ہم بھی دل ہوتے ہیں
ہوا ہے تجھ میں تو دوری ادھر سے بھی

اسے بھی اشک ہی سمجھو، اسے بھی غم جانو!
ہوا ہے خشک لبوں پہ ہنسی ادھر سے بھی

بھلی تو ہے قیامت کی یہ نظر بھی ہے
تمہاری چال میں آگہی ادھر سے بھی

آسماں ہماری نظر کا دھوکا ہے
کسی ستارے میں تابندگی اگر ہے بھی

زمیں سے میرا رشتہ تو استوار ہوا
فلک کے ساتھ تری دشمنی اگر ہے بھی

سفر میں روز نشیب و فراز آتے ہیں
گزر ہی جائے گی منزل تری اگر ہے بھی

مگر ہمارا تعلق تو اس جہاں سے نہیں
یہاں چمن ہے جوانی اگر ہے بھی

بتاؤں کیا گزر اوقات کیسے ہوتی ہے
تجھے لگے ہیں ہم دل لگی اگر ہے بھی

ہے اس کو فکر کہ ساحل کی خود تلاش کرے
ہمارے شہر میں کوئی کمی اگر ہے بھی

یہی بہت ہے کہ ہم بے خبر ہی مر جائیں
علاج غم تو نہیں آگہی اگر ہے بھی

میں خود ہی دامن امید چھوڑ بیٹھا ہوں
مجھے تو مل نہیں سکتی خوشی اگر ہے بھی

کسی ستارے سے میں لے جا کہیں خوشبو
مرے علاوہ جہاں میں کوئی اگر ہے بھی

Scanned by CamScanner

○

ایک اک پل اترتا دیکھا
دور جنگل میں ہوا کا دیکھا

پاس آتے ہوئے صحرا میں کبھی
دور جاتا ہوا دریا دیکھا

ایک چہرے کی صدا ڈوب گئی
ایک آواز کا چہرہ دیکھا

اس پری کی تھی جب آنکھوں میں
بات کرنے کا سلیقہ دیکھا

دل کے دروازہ نگاہیں نہ ملیں
اس نے آنکھوں میں مری کیا دیکھا

اس کو چاہا ہوا دیکھا کہ سے
رنگ دنیا کا [illegible] دیکھا

رات خواب کی آنکھوں سے
خواب آنکھوں نے یہ کیسا دیکھا

Scanned by CamScanner

O

پھر چلیں ہجر کی ہوائیں
آئیں کہیں دور سے صدائیں

پھر دل سے گزر رہی ہیں یادیں
اوڑھے ہوئے درد کی ردائیں

کب تک تری جستجو میں بھٹکیں
کب تک تری آرزو بھلائیں

جنگل میں کہیں پڑاؤ ڈالیں
اور اپنے سفر کو بھول جائیں

منزل سے کوئی غرض نہیں ہے
اب راستے جس طرف بھی جائیں

آنکھوں کے دیے ہی بجھ رہے ہیں
اب گھر میں چراغ کیا جلائیں

~~~~~~~~~~

Scanned by CamScanner
~~~~~~~~~~

○

اپنی قدرت کا یقیں یوں بھی دلاتا ہے میاں
بے یقیں ہوں لوگ تو وہ بھی ڈراتا ہے میاں

عاقبت کی بھی جھلک پیہم دکھاتا ہے میاں
تخت پر بھی کسی کو کب بٹھاتا ہے میاں

بے سبب آتا نہیں وہ آزمائش کی گھڑی
پھول کو بھی دھول کا راہی بناتا ہے میاں

کشتیاں ساحل پہ آ آ کر اُترتی ہیں مگر
ڈوبنے والوں کو خدا جب بھی بچاتا ہے میاں

کوئی جیتا ہے تو کوئی اس کی گردن دے اسے
وقت کی آہٹ مگر سب کو سناتا ہے میاں

کوئی ڈوبا ہو بچا آتا ہے فکر تو لے
ہم ہنسی سے کس کو کب اٹھاتا ہے میاں

ذوق بھی ہو ہمراہ اس کی جستجو کا شوق بھی
تب کہیں منزل تلک راہی کو لاتا ہے میاں

تو بھی کچھ دستِ تعارف کو ذرا پھیلا کے
ان بلائے کب کسی کے پاس آتا ہے میاں

پھر خزاں کے دور میں منظر بہار رنگ دو
ورد گاتا ہے تو پھر راحتؔ بھی گاتا ہے میاں

٥

جو سوچ دستکوں نے مجھ کو دیا گیا ہے
کس رخ محبوب کی رونمائی ہوا ہے

یہ دل بیٹھے سے وا دامن ہے کہاں دل
اب سایۂ غم تھا وحشت سے بڑا ہے

جس شخص کی راہوں میں ہوئے ہم رسوا تو
دیکھا تو کسی اور کی راہ دیکھ رہا ہے

اب کر شہر میں بیٹھ کی ان سے سر ہے
نوحہ ہے جو تنہا وہ کہاں چھوڑ کے گیا ہے

چاہا ہے مجھے بھی اسی منزل پہ زمانے
لیکن مرا رستہ تو زمانے سے جدا ہے

اب دیر اٹھاؤ جو قدم دل کے کہے پر
پھر یہ بھی سوچو کہیں اچھا کہ برا ہے

Scanned by CamScanner

○

دیکھنا ہو تو نظارے ہیں بہت
اس زمیں پر بھی ستارے ہیں بہت

دیکھیں چپ شجر کے پاس بھی
پھول، پتے اور نظارے ہیں بہت

ہے محبت کی اداسی لازمی
روشنی اور ایک تارے ہیں بہت

پار اترنے کا ارادہ چاہیے
دشت و دریا کے کنارے ہیں بہت

لمس کو محسوس کرنا شرط ہے
پانیوں میں بھی شرارے ہیں بہت

جان من! اس کاروبار عشق میں
فائدہ کم ہے، خسارے ہیں بہت

Scanned by CamScanner

اس محبت کے قدیمی کھیل میں
جیتنے والے بھی ہارے ہیں بہت

ایک تو ہی درد سے ہارا نہیں
زندگی میں غم کے مارے ہیں بہت

دور جانے کا بہانہ چاہیے
پاس آنے کے اشارے ہیں بہت

شعر اب ، شیریں سخن کیوں چپ ہیں
خوش زدہ ، رنگین ، نظارے ہیں بہت

تم تو جنگل میں ہی تنہا ہے سبب
بیچ اس میں گم ہیں ، ہارے ہیں بہت

Scanned by CamScanner

احمد صغیر صدیقی

٥

نظر میں اترا تھا اک خوش جمال پہلے پہل
ہمیں سکھا تھا کُل اشتعال پہلے پہل

خبر نہ تھی کہ یہی خواب، خواب آخری ہے
گیا تھا اس کی طرف جب خیال پہلے پہل

یہ اور بات کہ پھر ہم اسی کے ہو گئے تھے
لگا تھا عشق ہمیں اک وبال پہلے پہل

کوئی نہیں تھا سوائے مرے جواب بہ لب
اٹھا تھا جب دل و جاں کا سوال پہلے پہل

کبھی کسی نے بچھائی نہ تھیں جنوں کی صفیں
پھر ہم نے بڑھ کے کیا یہ کمال پہلے پہل

~~~~~~~~~~

Scanned by CamScanner
~~~~~~~~~~

ڈاکٹر نذیر تبسم

○

نہ میں فرشتے سے کم ہوں، نہ بُرا آدمی ہوں
میں اس جہاں کی بستی میں اک آدمی ہوں

مرے ارد گرد تیرے قرب کی رنگینیاں ہیں
میں اپنے آپ میں کیا منتظر آدمی ہوں

مجھے کون ہے جو آگے سے کہہ رہا ہے
مری آنکھیں کھلیں ، میں اک آدمی ہوں

وراثت میں ملی گٹھڑی دعاؤں کی لی ہے
بچا ، میں مقدر کا سخت آدمی ہوں

مجھے اس شخص کی باتوں پہ حیرت ہو رہی تھی
وہ خود کو کہہ رہا تھا میں قد آور آدمی ہوں

مرے قد سے اب بڑھ کے کوئی قفس میں بیٹھا
بظاہر تو میں اک ذرہ برابر آدمی ہوں

مرے دشمن، مرے بارے میں یہ کہتا پھرے تو
میں کچھ ایسے فرشتوں سے تو بہتر آدمی ہوں

مری گلی میں جب اپنے لیے کچھ بھی نہیں ہے
تو کیا میں واقعی خود کو میسر آدمی ہوں؟

چلا جاؤں گا دامن جھاڑ کے اک دن اچانک
تبسم ، میں تو ویسے بھی قلندر آدمی ہوں

Scanned by CamScanner

○

یہ خموشی ہے کوئی شعر جواں تازہ
ہو محبت میں کسی زخم دھواں تازہ

جسم ہوتا ہے ہوا سے کھلی آنکھیں
خط گرتے ہے میں دیکھا انداں تازہ

نیند آ جاتی ہے کسی خواب میں تھے بکھرے
خاک کرتے ہیں بھی گمان جہاں تازہ

رات گزری ہے کوئی کسی خاک نمی
جب بھی کبھی شام کا کچھ دھواں تازہ

ایک ہی شخص تھا ڈھونڈے یہ نہ دیکھا ظفر
یہ اندھیرے میں کوئی نہ چراغاں تازہ

~~~~~~~~~~

Scanned by CamScanner
~~~~~~~~~~

○

ہمیں آپ سے ہے محبت بہت — کبھی کر رہے ہیں شکایت بہت

کبھی ان دنوں تک چلے آیئے — ہمیں ان دنوں ہے فراغت بہت

ہوئے ہیں اکٹھے سے کچھ ان دنوں — کبھی ان کو تھی ہم سے رغبت بہت

فقط دوستی کام کی چیز ہے — نہیں ساتھ دیتی یہ دولت بہت

وہ جیسا ہے ویسا کہیں گے اسے — برت لی ہے ہم نے مروت بہت

ہم ایسی ادا کو بچا کے تھے — اگرچہ کی ہے اذیت بہت

بہ مشکل کی دو گھڑی ہیں ہم — اٹھاتے ہیں دنیا میں الفت بہت

تو کر رہے ہیں یہ جو تیغ ہم — اٹھانی پڑے گی ندامت بہت

محبت ہوا میرا سارا جہان — کہ تھی چاندنی میں تمازت بہت

اگر چاہیے ہے سکوں آپ کو — تو رکھیے نہ دل میں کدورت بہت

ادھر بھی طرف بھی نظر کیجیے — ہمیں آپ کی ہے ضرورت بہت

نہیں دو گھڑی پاس ہم سے فقط — ہمیں بھی ہے تم سے محبت بہت

حقیقت میں ان کی ضرورت تھی وہ — کہاں تھے ہم جس کو چاہت بہت

نہ مر جائے اندر سے انساں تو پھر — ظفر ایک حرف ملامت بہت

Scanned by CamScanner

ضیاء الحسن

○

اک رہگزار مشکل و مسدود کھول کر
میں آ گیا ہوں یاں در موجود کھول کر

رکھتا ہوں اس کو بند میں اپنے دماغ میں
یہ کائنات تنگ ہے محدود کھول کر

اک قریۂ گمان بھی آنکھوں کے اس طرف
اس نے دکھا دیا ہمیں بے نمود کھول کر

کیا دیکھنا ہے یاں ہمیں کیا دیکھنا نہیں
اک دن بتائے گا مرا مشہود کھول کر

ابہام میں ہمیشہ سے دلکشی ہے شاعری
معنی تمام ہو گئے مقصود کھول کر

بھٹکا دیا ہے راہِ جنوں سے ہمیں ضیاء
اس نے طلسمِ منزلِ مقصود کھول کر

~~~~~~~~~~

Scanned by CamScanner
~~~~~~~~~~

O

حاصلِ التفات ہیں ہم لوگ
محورِ کائنات ہیں ہم لوگ

جو بھی سکتا ہے ، ہجوم اٹھتا ہے
کیا حسین واردات ہیں ہم لوگ

کاروبارِ حیات کے فاتح
تجربۂ حیات ہیں ہم لوگ

ولولوں جوانیوں کی قسم
عشق کی برات ہیں ہم لوگ

صرف اک چاند جس کا محرم ہے
وہ دسمبر کی رات ہیں ہم لوگ

کتنی صدیوں کی جستجو ہو کر
چند لمحوں کی بات ہیں ہم لوگ

التفات کی قسم عاطف
ذاتی معاملات ہیں ہم لوگ

اسلم سحاب ہاشمی

○

زندگی کے قرض ہو جائیں گے
وقت کے منظر بکھرتے جائیں گے

بند مٹھی کو بھی کتنا بھینچ لو
ریت کے ذرے نکلتے جائیں گے

پھر تو کیا کچھ ہے جو کیا ہو
دکھ سے جھیلے گئے جائیں گے

صبح بن جانا ہے ہر کالی رات
چاند کے نور ڈھلتے جائیں گے

موت کے کالے سمندر میں سحاب
چاند دریا سب اترتے جائیں گے

Scanned by CamScanner

○

وہ جو خواہش تھی کبھی ، اور جینے کے لیے
رہ گئی دل میں دبی ، اور جینے کے لیے
ایک خواہش ہے کہ ہو لطف بھری خواہش
کاش ، پوری ہو ابھی ، اور جینے کے لیے
ساتھ رہتی ہے بہرحال ، دل و جاں کی طرح
ایک نہ اک تشنہ لبی ، اور جینے کے لیے
وقت جو اب بھی ٹل نہ سکی ان سے ، وہ بھی
سب کچھ لی تھی کبھی ، اور جینے کے لیے
حق و باطل کو سمجھنا نہیں آساں کوئی
میں تو کہتا تھا کبھی ، اور جینے کے لیے
اپنے مطلب کے نکل آتے ہیں کیا کیا معنی
دل کی یہ بوالعجبی ، اور جینے کے لیے
یعنی اور اس کے سوا کچھ نہیں دین سے مقصود
صرف ، دنیا طلبی ، اور جینے کے لیے
کہیں بھرتی ہی نہیں تیرے دل ، کیا کیجے
وہی ، آوارگی ، اور جینے کے لیے
سنتے ہیں ، موت کے اس پار کوئی صورت ہے حیات
طے ہو یہ مرحلہ بھی ، اور جینے کے لیے
دین و دنیا سے مجھے بس یہی کافی ہے حبیب
اک خدا ، ایک نبی ، اور جینے کے لیے

Scanned by CamScanner

٥

جب سے وہ شکستہ کشتی ہے گرداب میں ہے
گھر میں رات کی دھوپ کے سراب میں ہے

کیسی اداکاری کی بات ہے وہ چاند تو
پھر آج زخم کی وقت سے اس باب میں ہے

اس کے ہونے سے تو دن بھر اس کی مثال
شب بھر دل کے جب نور کے سیلاب میں ہے

اس گھڑی ہم قدم اس کی تمنا کی تھے
آج جب گھر سے اس ساعت ڈوب میں ہے

اب یہ دل کو صدا آتے وہی آج بھی کاش
آج بھی کل کی طرح ہاں وہ گرداب میں ہے

Scanned by CamScanner

[illegible]

[illegible] ہو جائے
[illegible] ہو جائے

[illegible] کمال
[illegible] ہو جائے

[illegible]
[illegible] ہو جائے

[illegible] بھی
[illegible] ہو جائے

[illegible]
[illegible] ہو جائے

[illegible] تعطیل
آج کے دن [illegible] اعصاب میں راحت ہو جائے

[illegible]
یہ بھی ممکن ہے مجھے تیری ضرورت ہو جائے

مجھ سے بھی اشک بہانے کی اجازت ہے مجھے
میری آنکھوں میں اگر پانی کی قلت ہو جائے

Scanned by CamScanner

[illegible]

[illegible]

[illegible] نہ ہوا

[illegible] نہ ہوا

حسن [illegible]

[illegible] نہ ہوا

[illegible]

[illegible] نہ ہوا

حسن [illegible]

حسن [illegible] نہ ہوا

حسن [illegible]

حسن [illegible] نہ ہوا

[illegible]

[illegible] نہ ہوا

[illegible]

[illegible] نہ ہوا

[illegible]

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

محمد افضال بٹ

O

کوچۂ دل سے صدا آتی ہے جب بھی تیری
اپنی آنکھیں تری راہوں میں بچھا دیتے ہیں

گوشۂ دل میں کسک تھی ، زمانہ گزرا
وقت ہی آپ کے زخموں کو دوا دیتے ہیں

تیری حسرت مری آنکھوں میں چھپی ہے کب سے
وقت کے ساتھ کیے وعدے بھلا دیتے ہیں

میرے ہونٹوں پہ بھی ان تری باتوں کی قسم
پھول رخسار کی سرخی کو حیا دیتے ہیں

وہ تبسم ، وہ تکلم ، وہ ادائیں تیری
یاد آئیں تو وہ پل دل کو ہلا دیتے ہیں

کاش! یہ جرم محبت تو نہ کرتا افضال
جس کے بدلے میں ہمیں آپ سزا دیتے ہیں

Scanned by CamScanner

○

شاید کبھی گزر دور رہے میری نظر سے
دیکھے اسے محبوب نہ دیکھے میری نظر سے

گلشن کی ادا تو کہیں اس تاب سے ملا ہے
وہ تو نہ کبھی اس کو بھی دیکھے میری نظر سے

اس کو بھی رہے شوق کا انداز ہی کچھ
مرجھایا ہوا پھول کھلے میری نظر سے

کلیوں نے تبسم کو جو دیکھ لیا ہے
پھولوں میں حیا رنگ بھرے میری نظر سے

وہ بھولی ادا سے جو گئے تو کے دل
اک بار اگر دیکھا اسے میری نظر سے

دل کیف میں ہے ڈوبا میں اس کیف سے آگے
اس کو یہ کہو آج بچے میری نظر سے

\---

Scanned by CamScanner

سید عاطف کاظمی

○

[illegible] پالی
[illegible] خالی خالی

[illegible]
[illegible]

[illegible] کائی
[illegible] مالی

[illegible]
[illegible] جان نکالی

[illegible]
[illegible] آنکھ چرالی

O

ڈس لیتے ہیں جو اس شہر میں کالے کالے
ان کی تقدیر کے سب نقش نرالے، کالے

میرے محبوب کے رخسار پہ گر تل ہیں تو کیا
چہرہ وہ چاند بھی ہیں کئی چھالے، کالے

میرے دن بھی متوالی ہیں ترا سوگ بہت
ذہن تن کرنے کو پچھے بھی تو نالے کالے

آ دیکھو کبھی تنہائی کے اس برزخ میں
پھیلتے سے لگے ہوتے مایوسی کے جالے کالے

کیسے پھوٹے گی کرن صبح کی اس زنداں میں
دل ہوا وہ چڑھے ہیں کئی تالے کالے

تیرا بخت کا اسے رنج نہ ہو کیوں آصف
جس کی تقدیر میں لکھے ہوں اجالے کالے

غ

ہر کوئی درد معیشت کا یہاں بیمار ہے
کاش مل جائے دوا اس کی جسے درکار ہے

خواہشیں آسودہ کرنے کا بھی اپنا وقت ہے
وقت جب گزرے تو پھر آسودگی بیکار ہے

خوش تقدیر تو دیکھیں کہ روز عید بھی
میری آنکھوں میں وہی محرومیٔ دیدار ہے

جب ضرورت تھی مری سایہ سے بچتا رہا
دن ڈھلے ہیں تو اب کہتا ہے وہ خود دار ہے

[illegible] گیا ہے آ گئی اپنا دماغ اک دو قدم [illegible]
عشق، عقل و دین سے [illegible] بیکار ہے

Scanned by CamScanner

○

جب ذرا سا وہ مسکرایا تھا
تب بڑا اک فریب کھایا تھا

طعنہ ہجرانی نے وہ ہم کو
ہم ہی نے بار غم اٹھایا تھا

خون دل سے شوق راتوں میں
اک چراغ نوا جلایا تھا

ہم نے اپنا جسے خیال کیا
غور سے دیکھا تو پرایا تھا

بجلیوں نے جلا دیا واثق
آشیانہ جو اک بنایا تھا

Scanned by CamScanner

○

بچھڑ کے اس سے بھلا کیسے اب جیا جائے
وہ ایک شخص جو لازم ہے زندگی کے لیے

یہ خواب ٹوٹنے کے ڈر سے تو کوئی بات نہیں
میں ایک جان بھی دوں اس کی اک ہنسی کے لیے

جو تم کہو تو بچھے جائیں اس ڈگر پہ ہم
یہ راہ تم بھی چلو تھیں تری خوشی کے لیے

تم بھی ہے اب غزل کہو تو وہ میرا نہیں
مگر وہ آتا ہے اب بھی اس اجنبی کے لیے

ادا تو خیر نہیں اس پہ مجھ کو اب اعجاز
یہ ایک سانس مری اب ہے اس ادا کے لیے

Scanned by CamScanner

Takhliqi Adab

Issue - 4

(ISSN # [illegible])

Research & Literary Journal: Annual Issue - 4

National University of Modern Languages

Islamabad

Scanned by CamScanner